PDF

Hijab Digest June 2018

URDU SOFT BOOKS
DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

نہایت اہم التماس

قارئین انتظار کے لیے معذرت خواہ ہیں لیکن آپ بخوبی واقف ہیں کے دُنیا میں ہر کوئی اپنے کاروبار کے لیے محنت کرتا ہے تا کہ منافع حاصل کر سکے لیکن اگر ہماری وجہ سے کسی کے کاروبار کو نقصان کا اندیشہ ہو تو ہمیں جان بوجھ کر ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ دیکھیں ہر ڈائجسٹ کے پبلشر بہت محنت کے ساتھ ہر مہینے ڈائجسٹ شائع کرتے ہیں تا کہ وہ مارکیٹ میں فروخت ہو سکے اور اُن کو منافع حاصل ہو سکے لیکن آج کے اس انٹرنیٹ دور میں جب وہی ڈائجسٹ یا رسالہ مارکیٹ میں پوری طرح آنے سے قبل ہی آن لائن پی ڈی ایف میں مل جائے تو مارکیٹ سے خریداری بہت کم رہ جاتی ہے جس کی وجہ سے پبلشر کا بہت نقصان ہوتا۔ لہذا اس سارے معاملے کو خاطر میں رکھتے ہوئے urdusoftbooks.com کی انتظامیہ نے یہ فیصلہ کیا ہے کے آئندہ ماہ سے کوئی بھی ڈائجسٹ رواں مہینہ کی 30 تاریخ سے پہلے Upload نہیں کیا جائے گا تا کہ پبلشرز کا نقصان نہ ہو۔

خوشخبری

انشااللہ آئندہ urdusoftbooks.com پر تمام ڈائجسٹ بغیر واٹر مارک کے Upload ہوا کریں گے تا کہ قارعین کو پڑھنے میں دکت کا سامنا نہ کرنا پڑے

قارئین سے مزید درخواست ہے کہ urdusoftbooks.com کے لیے اپنے ویب براؤزر سے Adblocker ڈس ایبل کر دیں تا کہ ویب سائٹ پر سپانسر اشتہارات نظر آ سکیں اور ویب سائٹ کو تھوڑی سی آمدن ہو سکے انہی سپانسر اشتہارات کی آمدن سے ویب سائٹ کے ماہانہ اخراجات پورے کیے جاتے ہیں لہذا آپ کا تھوڑا سا تعاون urdusoftbooks.com کو مستقل آن لائن رکھنے میں بہت مددگار ثابت ہوگا۔ شُکریہ

www.urdusoftbooks.com

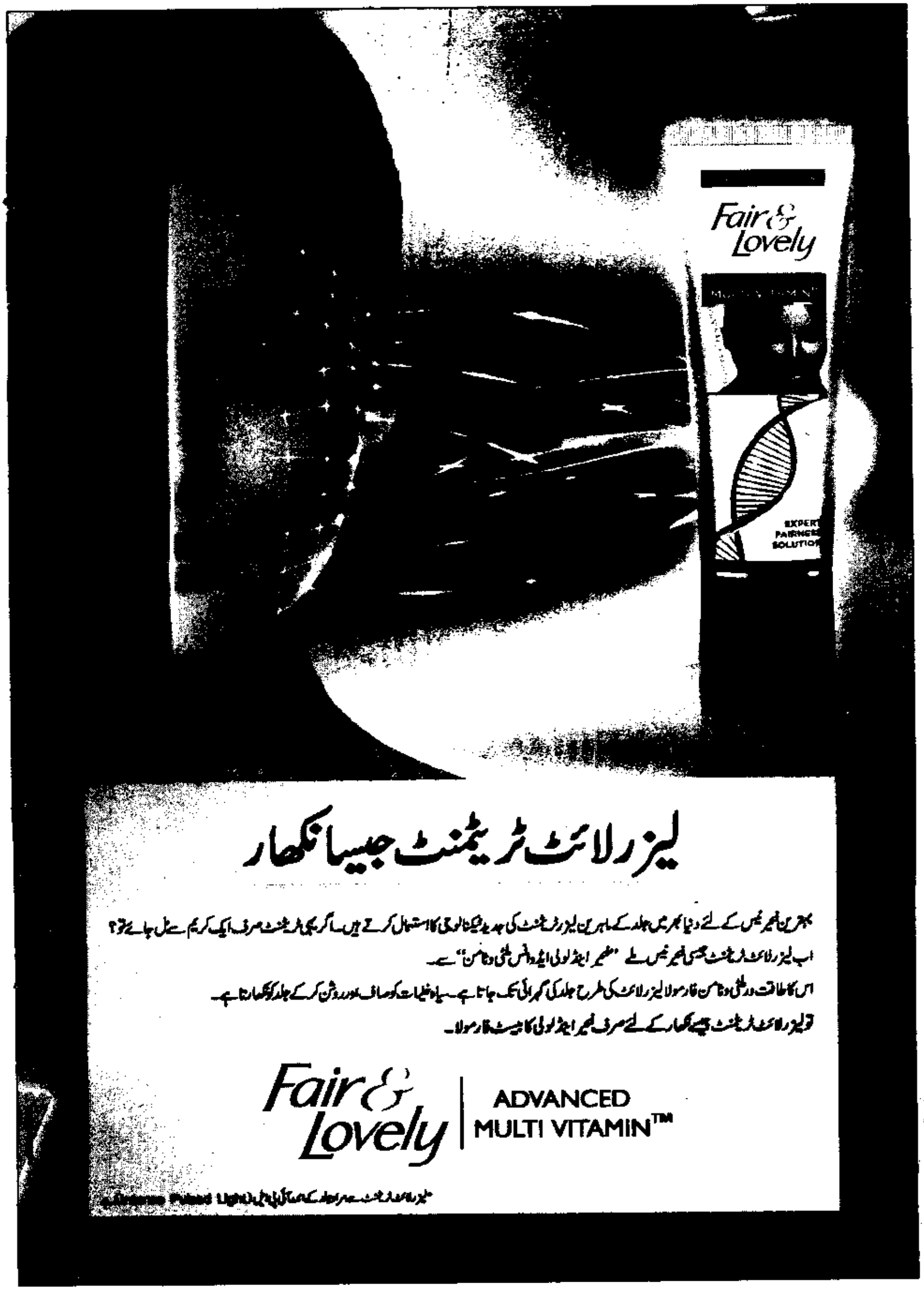

www.urdusoftbooks.com

بہنوں کا اپنا ماہنامہ

شعاع

بانی و مدیر اعلیٰ — محمود ریاض

مدیرہ — رضیہ جمیل

مدیر منتظم — آذر ریاض

مدیر اعزازی — امت الصبور

فنانشل ڈویژن — شاہین رشید

اشتہارات — خالدہ جیلانی

قانونی مشیر — نورالدین سرکی اینڈ کمپنی
ایڈووکیٹس اینڈ لیگل کونسلرز

خط و کتابت کا پتہ

ماہنامہ شعاع

37 - اردو بازار کراچی

MEMBER APNS CPNE

رکن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی
رکن کونسل آف پاکستان نیوز پیپرز ایڈیٹرز

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

Download These Beautiful PDF Books

Click on Titles to Download

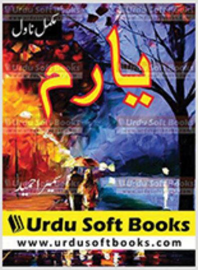

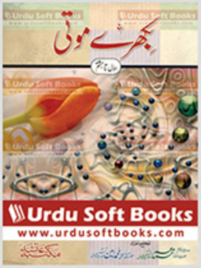

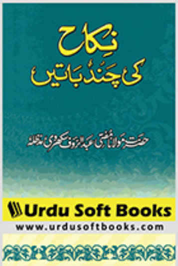

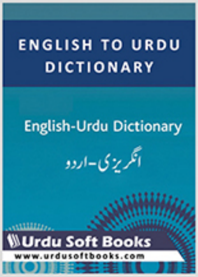

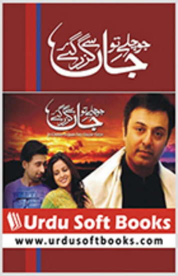

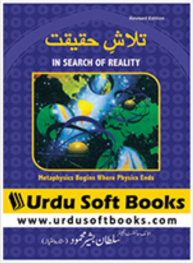

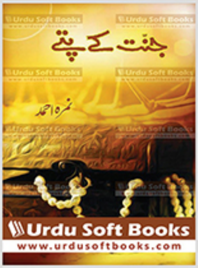

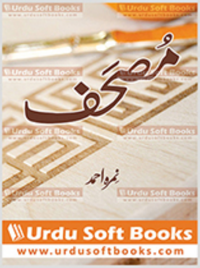

www.urdusoftbooks.com

Download These Beautiful PDF Books

Click on Titles to Download

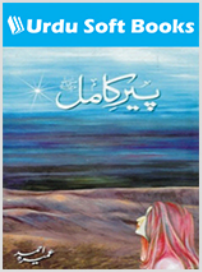

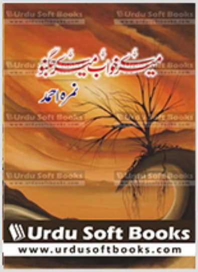

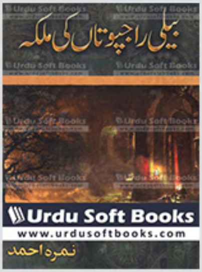

www.urdusoftbooks.com

Download These Beautiful PDF Books

Click on Titles to Download

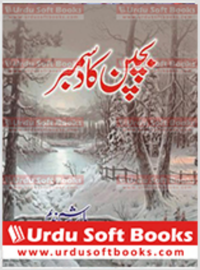

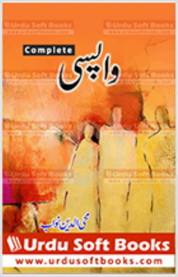

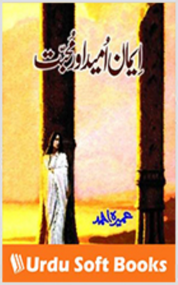

www.urdusoftbooks.com

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

پہلی شعاع،	رضیہ جمیل	10
حمد،	نعمان فاروق	11
نعت،	خورشید اقبال حیدر	11
نبی کی باتیں،	ادارہ	12

انٹرویو

بندھن،	کرن تعبید	17
دستک،	شاہین رشید	276
ناتا جوڑا ہے،	ف' الف	29

ناول

خواب شیشے کا	عفت سحر طاہر	234

مکمل ناول

شب تاب،	ہما ذوالفقار	130
چاندی چوڑیاں،	سحرش خان بھٹو	182
بن پاکھی،	فرح بخاری	72

ناولٹ

در اور دروازے	صباح علی سید	36

افسانے

یار دل دار،	افشین نعیم	63
ہمارا گھر،	عائشہ تنویر	69
عیدی،	صبغہ احمد	126
آسودگی،	قزحی نعیم	262
پریم بوٹی،	ایمن رضا	252

نظمیں غزلیں

غزل،	صابر ظفر	268
غزل،	شبی فاروقی	269
غزل،	سرور عثمانی	269
نظم،	فاضل جمیلی	268

زر سالانہ بذریعہ رجسٹری

پاکستان (سالانہ) ------ 700 روپے
ایشیا، افریقہ، یورپ ---- 6000 روپے
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا --- 7000 روپے
subscriptions@khawateendigest.com

انتباہ: ماہنامہ شعاع ڈائجسٹ کے جملہ حقوق محفوظ ہیں، پبلشر کی تحریری اجازت کے بغیر اس رسالے کی کسی بھی کہانی، ناول، یا سلسلہ کو کسی بھی انداز سے نہ تو شائع کیا جاسکتا ہے نہ کسی بھی ٹی وی چینل پر ڈرامہ، ڈرامائی تشکیل اور سلسلہ وار قسط کے طور پر یا کسی بھی شکل میں پیش کیا جاسکتا ہے۔ خلاف ورزی کرنے کی صورت میں قانونی کارروائی عمل میں لائی جاسکتی ہے۔

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

مستقل سلسلے

خط آپ کے	رضیہ جمیل	22
مسکراہٹیں	ادارہ	270
آئینہ خانے میں	واصفہ سہیل	280
بالوں سے خوشبو آئے	شگفتہ جاہ	272
کھلتا کسی پہ	خالدہ جیلانی	275
مہندی کے ڈیزائن	ادارہ	283
تاریخ کے جھروکے	امت الصبور	284
موسم کے پکوان	خالدہ جیلانی	287
خوبصورت نغمے	ادارہ	290

جون 2018

جلد 32 شمارہ 10

قیمت 70 روپے

[redacted]

رضیہ جمیل نے ابن حسن پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر شائع کیا -

Phone: 32721777, 32726617, 021-32022494 Fax: 0092-21-32766872

Email: shuaa@khawateendigest.com website: www.khawateendigest.com

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

شعاع جون کا شمارہ پیش خدمت ہے۔

گرمی کی شدتیں عروج پر ہیں۔ اگلے برسات اس گرمی میں طویل روزے آزمائش ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے روزوں کو قبولیت عطا فرمائے۔ آمین۔ یہ شمارہ آپ کو ملے گا تو آپ آخری عشرہ کی عبادتوں میں مصروف ہوں گی۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ستر ماؤں سے زیادہ مہربان ہے۔ رمضان المبارک اس کی رحمتوں اور برکتوں کا مہینہ ہے۔ خصوصاً اس ماہ مقدس کے آخری عشرے میں اس کی رحمت میں بے پناہ اضافہ ہو جاتا ہے۔

رمضان المبارک کے آخری عشرے میں ایک بڑی ہی برکت والی رات ہے جس کی بے پناہ فضیلت ہے۔ یہ وہ رات ہے جسے ہزار مہینوں سے بہتر کہا گیا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اسے لیلۃ القدر کہا ہے۔ قدر کے معنی عظمت و شرف کے ہیں۔ اور اس کی یہ فضیلت اس لیے ہے کہ اس میں قرآن پاک نازل ہوا۔

اس رات کو اللہ تعالیٰ سب مومنوں پر نظر رحمت فرماتا ہے۔ سب کے گناہ بخش دیے جاتے ہیں، سوائے ان لوگوں کے جو والدین کے حقوق ادا نہیں کرتے۔ رشتہ داروں سے قطع تعلق کرتے ہیں۔ ان کے حقوق ادا نہیں کرتے۔ جن کے دل ہمیشہ حسد، بغض اور کینہ سے بھرے رہتے ہیں۔ وہ اس رات کی برکت سے محروم رہتے ہیں۔ ہمیں چاہیے کہ ہزار مہینوں سے بہتر اس رات کی برکتوں سے فیض یاب ہونے کے لیے اپنے دل سے نفرت، بغض اور کینہ نکال کر اسے آئینہ کی مانند صاف و شفاف کرلیں۔

رمضان المبارک کے روزوں کے بعد روزے داروں کے لیے عید اللہ تعالیٰ کا انعام ہے۔ یہ اجتماعی خوشی کا دن ہے۔ اپنے اردگرد نظر ڈالیں، کچھ لوگ یہ خوشی منانے کی استطاعت نہیں رکھتے۔ یہ ہماری توجہ کے مستحق ہیں۔ انہیں بھی خوشیوں میں شامل کرلیں۔ اللہ کے بندوں کو خوش کرنے میں ہی اللہ کی رضا ہے اور جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہوا، اس کے لیے دین و دنیا میں فلاح ہے۔

آپ سب کو ہماری جانب سے پیشگی عید مبارک۔ ہماری دعا ہے کہ عید آپ کے آنگن میں خوشیاں لے کر اترے۔ آمین۔

سالگرہ نمبر

اگست کا شمارہ شعاع کا سالگرہ نمبر ہوگا۔ سالگرہ نمبر کی تیاریاں شروع کردی گئی ہیں۔ مصنفین سے درخواست ہے کہ اپنی تحریریں جلد از جلد بھجوا دیں تاکہ شامل ہو سکیں۔

اس شمارے میں

- فرح بخاری کا مکمل ناول۔ بن پاکھی،
- سحرش خان بھٹو کا مکمل ناول۔ چاندی دی چوڑیاں بہاواں،
- مہوش افتخار کے ناول شب تاب کی آخری قسط،
- مصباح علی سید کا ناولٹ۔ دل، دعا اور دروانے،
- خواب شیشے کا۔ عفت سحر طاہر کا ناول،
- انشین نعیم، عائشہ تنویر، صبغہ احمد، فرح نعیم اور ایمل رضا کے افسانے،
- بند من۔ معروف فنکارہ کرن تعبیر،
- معروف شخصیات سے گفتگو کا سلسلہ۔ دستک، مجھ سے نانا جوڑا ہے،
- پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری باتیں اور دیگر مستقل سلسلے شامل ہیں۔

شعاع پڑھ کر اپنی رائے سے ضرور نوازیں۔ ہم منتظر ہیں۔

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

حمد باری تعالیٰ

کیا کہیں ہم کہ کیا ہے تیرا ذکر
ہم کو بابِ شفا ہے تیرا ذکر

سانحوں کے ہجوم میں اب تو
ہم کو دارالبقا ہے تیرا ذکر

جس کے اس دیار میں ہم کو
ایک موجِ ہوا ہے تیرا ذکر

اک سفر میں بھٹکنے والوں کو
راستے کا پتا ہے تیرا ذکر

نعمان فاروق

نعت رسولِ مقبولؐ

زندگی کا سفر ہو گیا معتبر
آپ کے عشق کا سلسلہ معتبر

کیوں نہ ہو معتبر منزلِ راہِ حق
مل گیا ہم کو اک رہنما معتبر

آپ کے شہر میں جو پھرے روز و شب
بادشاہوں سے ہے وہ گدا معتبر

جو مدینے کے اوپر برس آئی ہے
ہو گئی ہے وہ تازہ گھٹا معتبر

آپ کے شہر میں رُت بہاروں کی ہے
آپ کے شہر کا راستہ معتبر

خورشید اقبال حیدر

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

ادارہ

پیارے نبی کی پیاری باتیں

صبر اور شکر

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی حضرت سنان بن سنہ اسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

''کھانے والے شکر گزار کے لیے صبر کرنے والے روزہ دار جتنا ثواب ہے۔''

(مسند احمد)

فوائد و مسائل :

1- صبر اور شکر دونوں اسلام کی اخلاقی تعلیمات میں اہم مقام رکھتے ہیں۔ مسلمان کو نعمت پر شکر، مصیبت پر صبر اور نیکی پر ثابت قدمی اختیار کرنا چاہیے۔

2- کھانا کھا کر شکر ادا کرنا بھی ایک نیکی ہے جب کہ کھانا حلال طریقے سے حاصل کیا گیا ہو اور وہ چیز خود بھی حلال ہو۔

جس طرح مردار اور خنزیر کا گوشت حرام ہے، اسی طرح چوری، ڈاکے، دھوکے اور جھوٹ کے ذریعے سے یا تصویر سازی، شراب نوشی اور سودی کاروبار وغیرہ سے کمایا ہوا رزق بھی حرام ہے۔ ایسا رزق کھا کر زبان سے شکر کا لفظ کہہ لینے سے شکر ادا نہیں ہوتا۔

3- روزے کی افضلیت اس لیے ہے کہ وہ صبر پر مشتمل ہے۔ اللہ کے منع کیے ہوئے کاموں سے اجتناب کرنا بھی صبر ہے۔ اور نیکی کی راہ پر قائم رہنا بھی صبر ہے۔

4- شکر اور روزہ دونوں کے الگ الگ روحانی اور قلبی فوائد ہیں، اس لیے مومن کو دونوں طرح کے اعمال کا اہتمام کرنا چاہیے۔

شب قدر

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا:

''ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رمضان کے درمیانی عشرے کا اعتکاف کیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''مجھے شب قدر دکھائی گئی تھی، پھر بھلا دی گئی۔ اسے آخری دہائی کی طاق راتوں میں تلاش کرو۔''

(صحیح بخاری)

فوائد و مسائل :

1- شب قدر سال کی سب سے افضل رات ہے۔ اس ایک رات کی عبادت ہزار مہینے کی عبادت سے زیادہ فضیلت کی حامل ہے۔ (القدر ۹۷:۳)

2- شب قدر کی فضیلت حاصل کرنے کے لیے اعتکاف کرنا سنت ہے، البتہ جو شخص اعتکاف نہ کر سکے، اسے بھی راتیں عبادت میں گزارنے کی کوشش کرنا چاہیے۔

3- شب قدر بھلائے جانے کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات یاد نہ رہی کہ اس سال کون سی رات شب قدر ہے۔ ہر سال اسی رات میں ہونا ضروری نہیں۔

4- شب قدر آخری عشرے کی طاق راتوں میں سے کوئی ایک رات ہوتی ہے، اس لیے جو شخص دس راتیں عبادت نہ کر سکے، اسے یہ پانچ راتیں ضرور عبادت اور تلاوت و ذکر میں گزارنا چاہئیں۔ تا کہ شب قدر کی عظیم نعمت سے محروم نہ رہے۔

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

5- اگرچہ علمائے کرام نے شب قدر کی بعض علامتیں بیان کی ہیں لیکن ثواب کا دارومدار اس چیز پر نہیں کہ عبادت کرنے والے کو یہ رات معلوم ہوئی ہے یا نہیں، اس لیے اس پریشانی میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے کہ ہمیں فلاں فلاں علامت کا احساس نہیں ہوا۔

آخری عشرے کی فضیلت

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا۔

''نبی صلی اللہ علیہ وسلم آخری دس دنوں میں اتنی محنت کرتے تھے، جتنی اور دنوں میں نہیں کرتے تھے۔''

فوائد و مسائل:

1- افضل ایام میں نیک اعمال کا زیادہ اہتمام کرنا چاہیے۔

2- رمضان کے آخری دس دن سب کے سب افضلیت کے حامل ہیں۔ اسی طرح شب قدر کے علاوہ آخری عشرے کی باقی راتیں بھی رمضان کی دوسری راتوں کی نسبت افضل ہیں، اس لیے ان ایام میں ذکر و تلاوت اور صدقات و خیرات جیسی نیکیوں میں پہلے سے اضافہ کر دینا چاہیے۔

آخری عشرہ

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا۔

''جب آخری عشرہ شروع ہوتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم راتوں کو جاگتے، کمر کس لیتے اور گھر والوں کو بھی بیدار کرتے۔ (صحیح بخاری)

فوائد و مسائل:

1- کمر کسنے سے مراد عبادت اور نیکی میں مزید محنت اور کوشش ہے۔

2- آخری عشرے کی اگر سب ہی راتیں عبادت میں گزاری جائیں تو بہت بہتر ہے، ورنہ طاق راتوں کا تو اہتمام کرنا ہی چاہیے۔

3- نیکی کے کاموں میں اہل و عیال کو بھی شریک کرنا چاہیے تاکہ وہ بھی عظیم ثواب سے محروم نہ رہیں اور اللہ کے ہاں بلند درجات حاصل کر سکیں۔

4- جاگنے کا مقصد عبادت، ذکر اور تلاوت میں مشغول ہونا ہے۔ بعض لوگ یہ فضیلت والی راتیں فضول بات چیت میں گزار دیتے ہیں، یہ انتہائی محرومی اور بد قسمتی کی بات ہے، خاص کر مسجد میں شور و غوغا، عبادت کرنے والوں کے لیے بھی پریشانی کا باعث بنتا ہے۔

5- بہت سی مساجد میں طاق راتوں میں اور خاص طور پر ستائیسویں رات کو وعظ و تقریر کا پروگرام ہوتا ہے جس کی وجہ سے رات کا کافی حصہ اسی مصروفیت میں گزر جاتا ہے۔ اسی طرح ختم قرآن کے موقع پر مٹھائی تقسیم کی جاتی ہے جس کی وجہ سے بچے اور بڑے سب ہی عبادت و تلاوت کو بھول کر مسجد کے آداب کو نظر انداز کرتے ہوئے شور شرابے میں لگے رہتے ہیں جس سے نہ صرف عبادت کرنے والوں کو پریشانی ہوتی ہے بلکہ یہ انتہائی قیمتی وقت فضول کاموں میں ضائع ہو جاتا ہے۔

اعتکاف

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا۔

''نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال دس دن کا اعتکاف کرتے تھے، جب وہ سال آیا جس میں آپ کی وفات ہوئی تو آپ نے بیس دن اعتکاف کیا۔ اور آپ پر ہر سال ایک بار قرآن پیش کیا جاتا تھا، جس سال نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی، اس سال آپ کو دو بار قرآن کا دور کرایا گیا۔'' (صحیح بخاری)

فوائد و مسائل:

1- قرآن پیش کرنے سے مراد قرآن مجید کا دور کرنا ہے۔ حضرت جبریل علیہ السلام ہر سال رمضان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ،

www.urdusoftbooks.com

جس قدر قرآن نازل ہو چکا ہوتا تھا، اس کا دور کرتے تھے۔ (صحیح البخاری)

2- آخری سال بیس دن اعتکاف کرنے کی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی کے آخری حصے میں عبادت میں زیادہ جانفشانی سے کام لیا اور اعتکاف بھی چونکہ ایک عبادت ہے، اس لیے اس میں بھی اضافہ فرمایا اور یہ بھی ممکن ہے کہ ایک عشرہ فتح مکہ کے سال کے اعتکاف کی تلافی ہو کیوں کہ فتح مکہ کا غزوہ رمضان ۸ھ میں پیش آیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۱۷ رمضان کو فاتحانہ طور پر مکہ میں داخل ہوئے۔ اور انیس دن مکہ مکرمہ میں قیام پذیر رہے، اس لیے اس سال اعتکاف نہیں ہو سکا، چنانچہ رمضان ۱۰ھ میں بیس دن اعتکاف کیا۔ واللہ اعلم۔

اعتکاف شروع کر کے چھوڑ دینا اور اعتکاف کی قضا

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا۔

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب اعتکاف کرنا چاہتے تھے تو صبح کی نماز پڑھ کر اس جگہ داخل ہوتے جہاں آپ کا اعتکاف کرنے کا ارادہ ہوتا۔ (ایک بار) آپ نے رمضان کے آخری عشرے کا اعتکاف کرنے کا ارادہ فرمایا۔ آپ نے حکم دیا تو آپ کے لیے خیمہ لگا دیا گیا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھی ایک خیمہ لگانے کا حکم دیا تو ان کے لیے بھی لگا دیا گیا۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے بھی ایک خیمہ لگانے کا حکم دیا تو ان کے لیے بھی لگا دیا گیا۔ جب حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے ان دونوں کے خیمے دیکھے تو انہوں نے بھی ایک خیمہ لگانے کا حکم دیا اور ان کے لیے بھی خیمہ لگا دیا گیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ چیز دیکھی تو فرمایا۔

"کیا تم نیکی کا ارادہ رکھتی ہو؟"

چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان میں اعتکاف نہیں فرمایا، اور شوال میں دس دن اعتکاف کر لیا۔

فوائد و مسائل:

1- اعتکاف کے لیے مسجد میں ایک جگہ پردہ کر کے اس میں اعتکاف کرنا مسنون ہے۔

2- اعتکاف مسجد میں ہوتا ہے۔

3- عورت بھی اعتکاف کر سکتی ہے لیکن ان کے لیے بھی جائے اعتکاف مسجد ہی ہے، تاہم مسجد ایسی ہو جہاں عورتوں کے لیے مردوں سے الگ ہر چیز کا معقول انتظام ہوتا کہ مردوں کے ساتھ کسی بھی مرحلے میں ان کا اختلاط نہ ہو۔

4- عورتوں میں ایک دوسرے کی ریس کرنے کی عادت ہوتی ہے، خاص طور پر سوکنیں ایک دوسرے سے رشک رکھتی ہیں۔ اگر اس سے کوئی مسئلہ پیدا ہو جائے تو اسے حکمت سے حل کر لینا چاہیے۔

5- اعتکاف کا پختہ ارادہ کر کے مسجد میں جگہ بنا لی گئی ہو، پھر کوئی عذر پیش آ جائے تو اعتکاف چھوڑا جا سکتا ہے۔

6- رمضان کے اعتکاف کی قضا کسی دوسرے مہینے میں بھی دی جا سکتی ہے۔

ایک دن یا ایک رات کا اعتکاف

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے قبول اسلام سے پہلے ایک رات کے اعتکاف کی نذر مانی تھی (جو اسلام لانے تک پوری نہ کر سکے تھے) چنانچہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ دریافت کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اعتکاف کرنے کا حکم دیا۔

فوائد و مسائل:

1- اعتکاف ایک دن یا ایک رات کا بھی ہو سکتا ہے۔

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

2-اگر کوئی شخص اسلام قبول کرنے سے پہلے کسی نیک کام کا ارادہ کرے تو اسلام قبول کرنے کے بعد وہ کام کر لینا چاہیے، البتہ اگر کسی غیر شرعی کام کا ارادہ کیا ہو تو اسے پورا نہیں کرنا چاہیے۔

3-اللہ کے لیے نذر ماننا عبادت ہے، لہذا ایسی نذر پوری کرنا ضروری ہے۔

اعتکاف کرنے والا مسجد میں ایک جگہ رہے

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخری دس دن اعتکاف کیا کرتے تھے۔

اعتکاف کی جگہ

حضرت نافع رحمتہ اللہ نے فرمایا۔

"حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے مجھے وہ جگہ دکھائی تھی جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعتکاف کیا کرتے تھے۔"

فوائد و مسائل:

1-اگر چہ اعتکاف کا مطلب مسجد میں رکے رہنا ہے، تاہم سنت سے معلوم ہوا کہ مسجد میں بھی ایک جگہ مقرر کر کے اعتکاف کا وقت اسی جگہ گزارنا چاہیے۔

2-اعتکاف کے لیے پردہ کر کے جگہ بنانے کا مقصد بھی یہی ہے کہ زیادہ سے زیادہ وقت اسی خیمے میں گزارا جائے۔

3-اگر ایک شخص مسجد کے ایک ہی حصے میں ہر سال اعتکاف کرتا ہے تو یہ جائز ہے جب کہ نماز کے لیے مسجد میں ایک جگہ خاص کر لینا درست نہیں۔ گھر میں یہ بھی جائز ہے۔

اعتکاف

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب اعتکاف کرتے تو ستون توبہ کے قریب آپ کا بستر بچھا دیا جاتا، یا آپ کی چارپائی وہاں بچھا دی جاتی۔

فائدہ:

"توبہ کے ستون" سے مراد مسجد نبوی کا ایک خاص ستون ہے۔ حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ سے ایک غلطی ہوگئی تھی جس کا احساس ہونے پر انہوں نے اپنے آپ کو مسجد نبوی کے اس ستون سے باندھ لیا تھا کہ جب تک اللہ تعالیٰ مجھے معاف نہیں کرے گا میں یہیں بندھا رہوں گا۔ تین دن کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے ذریعے سے حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کی توبہ قبول ہونے کی بشارت دی گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تشریف لا کر خود انہیں کھولا۔

مسجد میں اعتکاف کرنا

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ترکی قبے میں اعتکاف فرمایا جس کے دروازے پر چٹائی کا ایک ٹکڑا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ سے چٹائی پکڑی اور اسے ہٹا کر قبے میں ایک طرف کر دیا، پھر اپنا سر (خیمے سے) باہر نکال کر لوگوں سے بات کی۔"

فوائد و مسائل:

1-اعتکاف کے لیے جگہ خیمے کے انداز میں بھی بنائی جا سکتی ہے، خصوصاً جب اعتکاف مسجد کے صحن میں کیا جائے اور دھوپ وغیرہ سے بچاؤ کے لیے سائے کی ضرورت ہو۔

2-اعتکاف کے دوران میں لوگوں سے ضروری بات چیت کی جا سکتی ہے۔

3-غیر مسلم ممالک کا بنا ہوا کپڑا یا دوسری چیز استعمال کرنا جائز ہے، بشرطیکہ اس میں کوئی ایسی بات نہ ہو جو ہماری شریعت میں ممنوع ہو، مثلاً: ایسا مردانہ لباس جو ریشم کا بنا ہوا ہو، استعمال کرنا جائز نہیں۔

بیمار کی عیادت، جنازے میں شرکت

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا۔

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

''میں حاجت کے لیے گھر میں داخل ہوتی اور وہاں کوئی بیمار ہوتا تو میں چلتے چلتے ہی اس کی خیریت پوچھ لیتی تھی۔انہوں نے فرمایا۔

جب لوگ اعتکاف میں ہوتے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں داخل نہیں ہوتے تھے مگر قضائے حاجت کے لیے۔'' (بخاری)

فوائد و مسائل:

1-اعتکاف کرنے والے کو بلا ضرورت مسجد سے نکلنا منع ہے۔قضائے حاجت کے لیے مسجد سے باہر نکلنا جائز ہے۔اگر مسجد کے ساتھ بیت الخلا کا انتظام نہ ہو تو اعتکاف والا اس غرض کے لیے گھر جا سکتا ہے۔

2- غسل بھی ایک ایسی ہی حاجت ہے جس کے لیے مسجد سے نکلنا ضروری ہے،لہذا معتکف اس مقصد کے لیے بھی باہر نکل سکتا ہے۔

3-مریض کی بیمار پرسی کے لیے اعتکاف سے نکلنا درست نہیں لیکن اگر کسی جائز سبب سے باہر نکلا ہو اور راستے میں مریض مل جائے تو اس سے حال پوچھنا جائز ہے،تاہم اس کے پاس بات چیت کے لیے رک جانا درست نہیں۔

4-اعتکاف والا جنازے کے ساتھ جا سکتا ہے اور بیمار کی بیمار پرسی کر سکتا ہے۔''

اعتکاف کرنے والا سر دھو سکتا ہے اور کنگھی کر سکتا ہے

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا۔

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعتکاف میں بیٹھے ہوتے تو اپنا سر میرے قریب کر دیتے، میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سر مبارک دھو کر کنگھی کر دیتی، میں اپنے حجرے میں ہوتی تھی اور ایام سے ہوتی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں ہوتے تھے۔''

فوائد و مسائل:

1-اعتکاف کے دوران میں نہانا اور سر دھونا جائز ہے۔

2-اعتکاف کی حالت میں اگر جسم کا کوئی حصہ مثلاً: سر مسجد سے نکالا جائے تو اعتکاف میں فرق نہیں آتا۔

3-جب عورت کے حیض کے ایام ہوں تو وہ مسجد میں داخل نہیں ہو سکتی،البتہ ہاتھ بڑھا کر مسجد میں سے کوئی چیز اٹھا سکتی ہے۔

4-اعتکاف کی حالت میں معتکف کی بیوی اس کی خدمت کر سکتی ہے۔

5 -ام المومنین کو اس انداز سے اس لیے خدمت انجام دینے کی ضرورت پیش آئی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اعتکاف کی وجہ سے گھر نہیں آ سکتے تھے اور ام المومنین خاص ایام میں ہونے کی وجہ سے مسجد میں داخل نہیں ہو سکتی تھیں۔

اعتکاف کا ثواب

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعتکاف کرنے والے کے بارے میں فرمایا۔

''وہ گناہوں کو روک دیتا ہے۔اور اس کے لیے ساری نیکیاں انجام دینے والے کی طرح نیکیاں جاری کی جاتی ہیں۔''

دونوں عیدوں کی راتوں کا قیام

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

''جس نے اللہ سے ثواب حاصل کرنے کی نیت سے عیدین کی دونوں راتوں میں قیام کیا،اس کا دل نہیں مرے گا، جس دن (لوگوں کے) دل مر جائیں گے۔''

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

بندھن

کرن تعبیر ہمراہ ملک علی حمزہ صفدر

شاہین رشید

بندھن ہمارا ایک مقبول سلسلہ ہے۔اس بار ''کرن تعبیر'' کچھ بتا رہی ہیں اپنے بندھن کے بارے میں ...... کرن کو آپ آج کل ڈرامہ سیریل ''سایہ'' میں دیکھ رہے ہیں۔یہ جتنی اچھی فنکارہ ہیں اس سے کہیں زیادہ اچھی انسان ہیں...... کم سے کم ہمارا تجربہ تو یہی کہتا ہے۔بہت ہی میٹھے اور سلجھے لہجے میں بات کرتی ہیں اور بولنے کا انداز بہت خوب صورت ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے بندھن کو ہمیشہ باندھے رکھے (آمین)۔

''کیا حال ہے کرن صاحبہ؟''

''اللہ کا شکر ہے۔کرم ہے اس کا۔''

''کیسی گزر رہی ہے؟''

''الحمد للہ بہت اچھی۔''

''سب سے پہلے اپنا اور میاں صاحب کا فیملی بیک گراؤنڈ بتائیں اور میاں صاحب کا نام بھی؟''

''جی...... میرے میاں صاحب کا نام ملک علی حمزہ صفدر ہے ان کا تعلق اسلام آباد سے ہے اور وہ ایک بزنس اور پولیٹیکل فیملی سے تعلق رکھتے ہیں۔وہ خود صرف بزنس کرتے ہیں۔سیاست نہیں کرتے، بزنس کنسٹرکشن کا ہے گھر بناتے ہیں، بلڈنگ بناتے ہیں۔اور میرا نام ''سائرہ ملک'' ہے اور میرے ابو نے میرا نک نیم ''کرن تعبیر'' رکھا تھا اور آج تک یہی میری پہچان ہے۔

میرے ابو بینک میں منیجر تھے۔گورنمنٹ جاب تھی ان کی ...... میرے شوہر تین بھائی اور ایک بہن ہے والدین ماشاء اللہ حیات ہیں اور سب بھائی اور بہن پڑھے لکھے ہیں اور اپنے اپنے گھروں میں سیٹ ہیں۔

ہم دو بہنیں اور ایک بھائی ہے...... والدین اللہ کو پیارے ہو چکے ہیں۔بھائی ''آرمی'' میں ہے اور بہن شادی شدہ ہے اپنے گھر میں خوش ہے اور میں آپ کے سامنے ہوں۔''

''شادی کے بعد جوائنٹ فیملی میں رہیں ...... اور شادی کے کتنے عرصے کے بعد 'ہنی مون' پہ گئیں؟''

''ماشاء اللہ میرا سسرال کافی بڑا ہے...... مگر میں جوائنٹ فیملی سسٹم میں کبھی نہیں رہی...... اپنے کام کی وجہ سے ہم علیحدہ رہے۔پہلے ہم لاہور میں رہے شادی کے فوراً بعد ...... پھر ہم دونوں کراچی آ گئے، مجھے سسرالی فیملی کے ساتھ رہنے کا موقع کم ہی ملتا ہے۔ چھٹیوں میں یا عید کے تہوار میں یا کسی اہم موقع پہ جاتی ہوں تو سب کے ساتھ رہنے کا موقع ملتا ہے...... اور جہاں تک ہنی مون کی بات ہے تو جب ہماری شادی ہوئی تو ہمارے کام کی کمٹمنٹ ایسی تھی کہ ہم فوراً نہیں جا سکے۔البتہ شادی کے تین ماہ کے بعد ہم ہنی مون کے لیے لندن گئے تھے۔''

''نکاح نامہ پڑھ کر سائن کیا؟...... نام تبدیل نہیں کیا آپ نے جبکہ مرد حضرات کی خواہش ہوتی ہے کہ بیاب ہمارے حوالے سے ہی پہچانی جائے؟''

''ہاں...... جی...... میں نے نکاح نامہ پڑھا تھا اور ضرور پڑھنا چاہیے اور ہاں...... شادی کے بعد میں نے نام بدلا، میں ''سائرہ رحیم'' سے سائرہ ملک ہوگئی اور تمام کاغذات شادی کے بعد ایک ماہ کے اندر اندر بن گئے تھے...... اور آپ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں کہ مردوں کو بہت شوق ہوتا ہے کہ ان کی زندگی میں آنے

www.urdusoftbooks.com
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

والی ہستی ان کے نام سے پہچانی جائے......تو مجھے بھی کوئی اعتراض نہیں تھا......ساری دنیا ایسا کرتی ہے اس لیے ہم نے بھی کیا۔"

"شادی ارینج تھی؟......شادی سے پہلے کیا ریلیشن تھا۔کزن تھے یا دور کے رشتے دار؟"

"شادی سے پہلے میاں صاحب سے جان پہچان تھی۔رشتے دار نہیں تھے، البتہ آپ فیملی فرینڈز کہہ سکتی ہیں اور ہم دونوں کی پسند کی شادی ہے اور اس بات سے گھر والے ناراض بھی تھے اور بہت مشکل سے ہم نے گھر والوں کو منایا......تو ہماری شادی کو آپ ہنڈرڈ پرسنٹ لو میرج کہہ سکتے ہیں۔"

"بہت پرانی بات ہے کہ لڑکی کا اپنا گھر نہیں ہوتا۔بچپن ماں باپ کے گھر، شادی کے بعد شوہر کا گھر اور بڑھاپے میں بچوں کا گھر......کیا آپ کو گھر کا تحفظ ملا کہ ہاں میں اس گھر کی مالک ہوں؟"

"آپ کے اس سوال کا جواب یہ ہے کہ جب باپ میرا، شوہر میرا اور بچہ میرا......تو گھر بھی میرا ہی ہوا نا......اور میں سمجھتی ہوں کہ ایک عورت کو "باپ" "شوہر" اور "اولاد" سے بڑھ کر کہیں تحفظ نہیں مل سکتا۔جب یہ تینوں رشتے آپ کے ہیں تو ان سے "جڑی" ہر چیز آپ کی ہے۔آپ کی ہر چیز ان کی ہے۔یہ تو بس اپنے دل و دماغ کی بات ہے کہ مجھے اپنا ایک گھر بنانا ہے کہ جس کو میں کہہ سکوں کہ یہ گھر میرا ہے......مجھے ایسا گھر نہیں چاہیے......میں اگر بنا بھی لوں گی تو وہ اینٹ پتھر سے بنا ہوا "مکان" ہوگا اس کو گھر بنانے کے لیے پھر بھی مجھے رشتے چاہئیں ہوں گے اور یہ رشتے ماں باپ، اولاد اور شوہر کے ہی ہوں گے......کیا میں نے کچھ غلط کہا۔"

"آپ کا کہنا بالکل درست ہے، مگر ایسا ہوتا نہیں ہے۔بیوی کی ذرا سی کوتاہی میاں کو بری لگتی ہے تو وہ کہتا ہے کہ یہ تمہارا گھر نہیں میرا ہے یا ساس کہتی ہے کہ یہ گھر تم جہیز میں نہیں لائی تھیں یہ میرے بیٹے کا گھر ہے......کیا ایسا نہیں ہے؟"

"دیکھیں جی......اس بارے میں زیادہ کچھ نہیں کہہ سکتی۔بس مجھے اتنا پتا ہے کہ اللہ بخشے میری امی کہا کرتی تھیں کہ بیٹا رشتے اور بزنس ڈیل میں فرق ہوتا ہے۔"جب آپ بزنس کرتے ہو یا نوکری کرتے ہو تو برابر کی ڈیمانڈ کرتے ہو، اور کوئی مسئلہ ہوتا ہے تو آپ چھوڑ دیتے ہو......لیکن اگر گھر میں زیادتی ہو تو رشتوں کو چھوڑا نہیں جا سکتا۔اپنے جسم کے حصے کو کاٹ کے پھینکا نہیں جا سکتا۔اس کا علاج کیا جاتا ہے صبر سے درد کو برداشت کر کے۔میری امی کہتی تھیں کہ رشتے بنانے ہیں تو اس کی قیمت صبر و شکر کے ساتھ ادا کرنی ہوتی ہے......تو بس میں تو یہی کہوں گی کہ سوچ کو بدلا جا سکتا ہے اگر آپ کو ایسی سوچ والے لوگ مل گئے ہیں۔خدانخواستہ بس کچھ سال صبر و شکر سے گزاریں۔اللہ آپ کا ساتھ دے گا۔"

"کبھی ان چند سالوں میں احساس ہوا کہ شادی نہیں ہونی چاہیے تھی یا بہت اچھا ہوا شادی ہو گئی......لڑکیوں کو نئے ماحول میں بہت کچھ سہنا پڑتا ہے؟"

"میں چونکہ جوائنٹ فیملی سسٹم میں نہیں رہی ہوں تو میرا لائف اسٹائل تو نہیں بدلا۔لیکن جب لڑکی اپنے گھر والوں کو چھوڑ کر شوہر کے گھر میں آتی ہے تو اسے تھوڑی مشکل تو ہوتی ہے......اور آپ بھی اس بات سے اتفاق کریں گی کہ ہمارے معاشرے میں جب لڑکی پیدا ہوتی ہے تو اس کی ٹریننگ شروع ہو جاتی ہے کہ آپ نے پرائے گھر جانا ہے۔آپ نے اگلے گھر جانا ہے تو ہم لڑکیاں بچپن سے اس چیز کے لیے تیار ہوتی ہیں، اس کو قبول کرنے کے لیے اس چیلنج کو قبول کرنے کے لیے۔"

"کبھی گھر میں لڑائی جھگڑا ہوا، یا کوئی مشکل ہو تو کیا میاں صاحب ساتھ دیتے ہیں؟ یا گھر والوں کی سائیڈ ہوتے ہیں؟"

"اگر روایتی بیوی بن کے آپ کے سوال کا جواب دوں تو یہ حقیقت ہے کہ میرے میاں ہمیشہ

www.urdusoftbooks.com
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

میرے ساتھ ہوتے ہیں۔ میری سائیڈ لیتے ہیں۔ ہی ازاے ڈارلنگ مین ...... ویسے چونکہ میں سسرال کے ساتھ نہیں رہتی تو اللہ کا شکر ہے کہ کبھی لڑائی جھگڑا ہوا نہیں۔ کم جانا ہوتا ہے، کم ملاقات ہوتی ہے تو جب بھی جاتی ہوں بہت اچھے ماحول میں ٹائم گزرتا ہے......اور زندگی میں جب کبھی کوئی مشکل پڑی ہے۔ میرے شوہر میرے ساتھ کھڑے ہوتے ہیں......اور میں ہمیشہ ایک بات کہتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے بعد اس دنیا میں، میں اپنی کامیابی کا کریڈٹ دیتی ہوں تو وہ میرے شوہر ہیں۔ ان کی سپورٹ اور ان کا ساتھ ہر مشکل میں میرے ساتھ رہا ہے اور اگر وہ سپورٹ نہ کرتے تو شاید میں کچھ بھی نہ کر سکتی۔"

"تین بول نکاح کے اور تین بول طلاق کے ......موقع کون فراہم کرتا ہے؟"

"ہر گھر کے الگ الگ حالات و واقعات ہوتے ہیں، کچھ حتمی بات کر نہیں سکتے کہ وجہ کیا ہوئی ہو گی اور نوے فیصد کیسز میں جو فوراً تین لفظ بول دیے جاتے ہیں اس میں قصور میاں بیوی کا ہی ہوتا ہے۔ اس میں کوئی تیسرا نہیں ہوتا بلکہ میاں بیوی کی زبان ہوتی ہے......دونوں اپنے جذبات پہ کنٹرول نہیں کرتے، اپنی زبان پہ کنٹرول نہیں کرتے جس کی وجہ سے یہ برا وقت آتا ہے......اسی لیے تو کہا جاتا ہے کہ غصہ حرام ہے۔ کوئی بھی بڑی بات ہو جائے تو زبان کو کنٹرول میں رکھیں...... ہاں اگر سچویشن ایسی ہے کہ گزارہ مشکل ہے تو جنگلیوں کی طرح رہنے کے بجائے الگ ہو جائیں۔"

"کیا بڑی بہو بن کے آئیں اور سسرالی رشتوں کو کیسا پایا، کیونکہ ساس اور نند کے لیے تو بہت سی کہانیاں بنی ہوئی ہیں؟"

"جی......میں جس گھر میں بیاہ کر آئی وہاں میرے شوہر گھر کے بڑے ہیں تو میں بڑی بہو بن کے آئی۔ ان کے بعد ان کی ایک بہن ہے۔ لاہور میں ان کی شادی ہوئی، ماشاءاللہ ان کے دو بچے ہیں۔ ان

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

کے بعد اوپر تلے دو بھائی ہیں...... بہت اچھے ہیں وہ بھی۔ جہاں تک بات ساس اور نند کی ہے تو الحمد للہ میں نے انہیں بہت اچھا پایا ہے۔ اگرچہ ہماری ملاقات کم ہوتی ہے مگر ماشاء اللہ جب بھی ہوتی ہے۔ بہت اچھے ماحول میں ہوتی ہے۔ بہت گپ شپ ہوتی ہے...... تحفے تحائف کا تبادلہ بھی ہوتا ہے اور بہت عزت کرتے ہیں ہم سب ایک دوسرے کی۔"

"شادی کو تقریباً کتنے سال ہو گئے؟"

"میری شادی ماشاء اللہ سے 13 جنوری 2011ء کو ہوئی اور 8 سال ماشاء اللہ سے ہو رہے ہیں...... اور الحمد للہ میں بہت خوش ہوں۔"

"بچے؟"

"جی ابھی بچے نہیں ہیں۔ میرے میاں صاحب کا کہنا ہے کہ اگر ہماری شادی جلدی ہو گئی ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہم بچے بھی جلدی اس دنیا میں لائیں...... ابھی تو ہم لائف کو انجوائے کر رہے ہیں۔ پھر ان شاء اللہ بچے بھی ہو جائیں گے۔"

"شادی سادگی سے ہوئی یا بہت دھوم دھام سے اور میٹھے کی رسم میں کیا بنایا تھا؟"

"ہماری شادی بہت سادگی سے ہوئی تھی...... کیونکہ میرے شوہر کو زیادہ شور شرابا اور تاک جھانک پسند نہیں تھی اور پھر حالات بھی کچھ ایسے ہی تھے اس لیے بہت سادگی کے ساتھ نکاح ہوا تھا اور پھر ولیمہ کیا تھا...... اور میٹھے کی رسم تو خیر نہیں ہوئی اور میں نے پہلی بار کوئی میٹھا نہیں بنایا تھا بلکہ "حمزہ" (شوہر) کے لیے پراٹھا بنایا تھا۔ کیونکہ انہیں بھوک لگ رہی تھی اور انہوں نے کہ چلو بی بی ایک پراٹھا ہی بنا دو...... تو میں نے پراٹھا بنایا تھا۔"

"جہیز کی ڈیمانڈ کی تھی میاں صاحب نے یا سسرال والوں نے؟"

"سچ بتاؤں...... کوئی ڈیمانڈ نہیں ہوئی تھی اور میں تو کچھ بھی نہیں لے کر گئی تھی اور جیسا کہ میں نے پہلے بتایا کہ ہماری شادی بہت سادگی سے ہوئی تھی اور نہ ہی انہوں نے ان چیزوں کے بارے میں کچھ پوچھا...... تو جناب میں جہیز کے نام پہ کچھ بھی نہیں لے کر گئی تھی اور میری شادی بہت سمپل طریقے سے ہوئی تھی۔"

"ہنی مون کے لیے کہاں گئی تھیں اور منہ دکھائی میں کیا ملا تھا؟"

"ہنی مون کے لیے لندن گئی تھی ایک ہفتے کے لیے اور منہ دکھائی میں ایک گلاب کا پھول ملا تھا۔"

"سالگرہ مناتے ہیں آپ دونوں؟"

"جی بالکل مناتے ہیں اور ہر سال ہم دونوں کھانا کہیں باہر جا کر کھاتے ہیں۔ گفٹ دیتی بھی ہوں اور گفٹ مانگ کر لیتی بھی ہوں۔"

"گھر کے کاموں سے کتنا لگاؤ ہے؟"

"سچ پوچھیں تو بالکل بھی لگاؤ نہیں...... بس اگر سر پر پڑے تو کچھ نہ کچھ کر لیتی ہوں۔"

"اور کھانے والا بے چارہ منہ ہی بناتا رہ جاتا ہو گا؟"

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

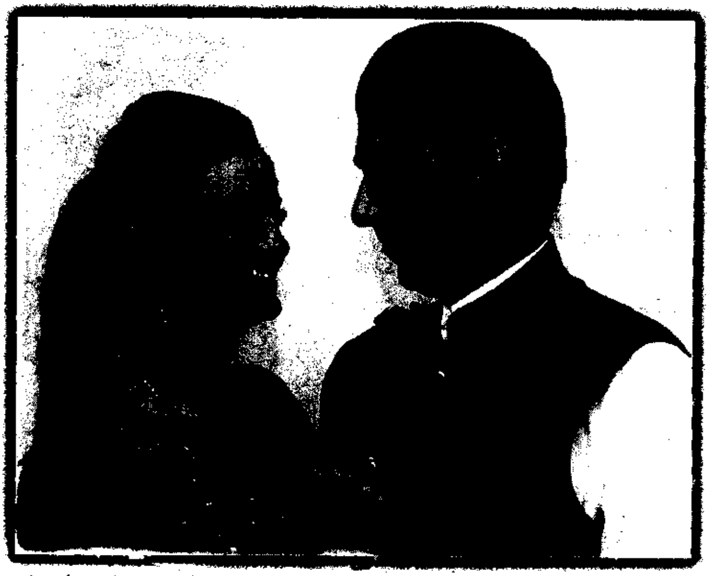

"ارے نہیں..... ایسا بھی کچھ نہیں ہے..... جب پکاتی ہوں تو بہت دل کے ساتھ پکاتی ہوں اور بہت اچھا پکاتی ہوں اور سب بہت شوق سے نہ صرف کھاتے ہیں بلکہ میرے حصے میں تعریف بھی آتی ہے۔"

"زیادہ اچھا کیا پکا لیتی ہیں کہ جو میاں صاحب کو بھی پسند آئے؟"

"میرا خیال تو یہ ہے کہ میں دال چاول بہت اچھے بناتی ہوں مگر میرے میاں صاحب کا خیال ہے کہ میں بریانی بہت اچھی بناتی ہوں تو عموماً وہ مجھ سے بریانی پکانے کی فرمائش کرتے ہیں۔"

"کفایت شعار ہو یا فضول خرچ؟"

"شادی سے پہلے مجھے ایسا لگتا تھا کہ جیسے میں فضول خرچ ہوں۔ لیکن جب شادی ہوئی اور میاں کو خرچ کرتے دیکھا تو اندازہ ہوا کہ میں تو کچھ بھی خرچ نہیں کرتی..... بہر حال اب میں خود بھی کفایت شعار ہو گئی ہوں اور کسی حد تک میں نے انہیں بھی کفایت شعار کر دیا ہے۔"

"میاں سے لڑائی ہو تو جلدی صلح کر لیتی ہیں؟"

"ہاں..... بالکل..... کیونکہ میں بات کو دل پہ نہیں رکھ سکتی اور اکثر تو بھول بھی جاتی ہوں۔ غلطی ہو تو اعتراف بھی کر لیتی ہوں اور معاف بھی کر دیتی ہوں..... یہ رشتہ ایسا نہیں کہ دیر تک روٹھا جائے۔"

"اپنی شادی میں کون سی رسم کو انجوائے کیا؟"

"اپنی ہی کیا..... مجھے سب کی شادی میں ایک ہی رسم بہت پسند آتی ہے اور وہ رسم نکاح کی ہے۔ جب دو انسان ایک دوسرے کو اپنی زندگی میں قبول کرتے ہیں۔ اس سے بہترین رسم اور کوئی ہو ہی نہیں سکتی۔"

"اور چھٹی کا دن آپ دونوں کا کیسا گزرتا ہے؟"

"میں تو خیر آدھا دن سو کر گزارتی ہوں۔ کھانا پکانے کا موڈ ہو تو پکا لیتی ہوں ورنہ جب شام کو ہم میاں بیوی گھومنے جاتے ہیں تو پھر کھانا بھی باہر کھا لیتے ہیں۔"

"ازدواجی زندگی میں خوش ہیں؟"

"الحمدللہ بہت خوش ہوں۔"

www.urdusoftbooks.com
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

رضیہ جمیل

خط آپ کے

> خط بھجوانے کے لیے پتا
> ماہنامہ شعاع۔ 37 ۔ اردو بازار، کراچی۔
> Email: shuaa@khawateendigest.com

آپ کے خط اور ان کے جواب کے ساتھ حاضر ہیں۔ آپ کی سلامتی، عافیت اور خوشیوں کے لیے دعائیں۔

اللہ رب العزت آپ کو بے حساب رزق، خوشیاں اور آسانیاں عطا فرمائے۔ آمین

اب آتے ہیں آپ کے خطوں کی طرف۔

پہلا خط شیخوپورہ سے سعیہ کا ہے، لکھتی ہیں

آغاز میں ''حمد باری تعالیٰ''، ''نعت رسول اکرم ﷺ'' پڑھ کر ہمیشہ دل کو سکون ملتا ہے۔

جب سے لکھنا، پڑھنا جانا، تب سے ''شعاع'' سے ناتا بندھ گیا۔ سب سے پہلا ''شعاع'' خالہ جان نے لاکر دیا تھا۔ سب رائٹرز بہت اچھا لکھتی ہیں۔ خواب شیشے کا میرا پسندیدہ ناول ہے۔ شاباش آپ کو عفت سحر طاہر جی یہ دیکھیے ہمارا دل، کچھ خیال کرلیجیے...... اتنا انتظار بہت ہوتا ہے۔ ''فرزانہ کھرل'' کے بارے میں میری رائے الگ ہے۔ آپ کی ہر تحریر میرے لیے بہت ہی زیادہ خاص ہوتی ہے۔ آپ کے لکھنے کا طریقہ منفرد ہے۔ میری پیاری پیاری قاری سہیلیوں، جس سلسلہ کی وجہ سے ہم ایک دوسرے کو نہ جانتے ہوئے بھی جانتے ہیں وہ ہے ''خط آپ کے''۔ ہماری پیاری سہیلی کوثر خالد کمال کا خط لکھتی ہیں۔ اتنا خوب صورت اور پیار سے کہ آخری لائن پر آکر دل کرتا ہے، تھوڑا اور لکھا ہوتا۔ ''خطوط کے لیے'' سب آپ کو بتا دیتے ہیں یہ ہمارا پہلا دوسرا، چوتھا یا کافی سال بعد خط لکھا ہے۔ میرا آپ سے ننھا سا سوال ہے آپ بتائیے یہ میرا کون سا خط ہے؟ میں انتظار کروں گی آپ کے جواب کا۔

سعیہ! یہ آپ کا پہلا خط ہو، یا تیسرا چوتھا، ہم صرف یہ جانتے ہیں کہ ہماری پیاری قاری بہن نے ہمیں یاد کیا ہے اور اپنی مصروفیت سے وقت نکال کر ہمیں خط لکھا ہے اور بہت اچھا تبصرہ کیا ہے۔ جس طرح طالب علم کو امتحان کے بعد نتیجہ کا انتظار ہوتا ہے اسی طرح پرچا آنے کے بعد ہم دھڑکتے دل کے ساتھ اپنی قارئین کے خطوط کے انتظار کرتے ہیں۔ شعاع آپ کو پسند آئے تو ہماری محنت وصول ہوجاتی ہے۔

ثمرہ اکرم نے شرق پور شریف سے شرکت کی ہے، لکھتی ہیں

موبائل ہاتھ میں آنے کے بعد خط لکھنے کی روایت نے دم توڑ دیا ہے مگر سائرہ رضا کی سلیقہ مند پڑھنے کے بعد ساری سستی اڑن چھو ہوگئی۔ اس وقت رات کے دو بج رہے ہیں۔ ناولٹ پڑھا تو سوچا اس کو فیڈ بیک نہ دینا زیادتی ہوگی۔ آپ نے کمال کردیا سائرہ! آپ نے تو میرے حالات خیالات کو لکھ ڈالا۔ بعض سچویشنز میں تو حیران رہ گئی کہ آپ کو یہ سب کیسے پتا بڑھتے بچوں کے کپڑوں کے مسائل اور مارچ اپریل کے خرچے تو خون خشک کیے رکھتے ہیں اوپر سے خود ساختہ سلیقہ مندی کا زعم۔ اف یقین جانیے ''پڑھ کر آپ سے ملنے کو، باتیں کرنے کو اور گلے لگانے کو دل چاہا''۔ سنہری دھوپ کی آخری قسط پڑھ کر دل دکھ سے بھر گیا اولاد کسی کو دنیا بہت

www.urdusoftbooks.com
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

مشکل ہے۔ جب تجھ سے ناتا جوڑا ہے فیورٹ سلسلہ ہے۔ انٹرویوز میں جو نیا سلسلہ ڈاکٹرز کا شروع ہوا ہے۔ وہ جاری رہنا چاہیے شعاع کے ساتھ ساتھ آپ نے ختم کردیا ہے کیا؟ وہ بھی بہت اچھا تھا مگر ایک گلہ اپنے قارئین سے ہے کہ آخری سوال کا جواب گول کردیا جاتا ہے جبکہ فرمائش ہوتی ہے کہ مزاحیہ کہانیاں

شامل کی جائیں آپ لوگ ایک لطیفہ نہیں لکھتے تو رائٹر اس بدامنی اور بدحالی کے دور میں مزاح کیسے لکھیں

آپی ایک اور بات کہنی تھی کہ جو لڑکیاں یہ لکھتی ہیں کہ ان کو رسالہ پڑھنے کی اجازت نہیں تو اس کی وجہ میرے خیال میں ٹائٹل ہیں۔ ٹائٹل پر ایک حسین و جمیل لڑکی سولہ سنگھار کیے دل لبھاتی نظروں سے آپ کو دیکھ رہی ہو تو کون اتنی زحمت کرے کہ اندر لکھی ہوئی اچھی باتوں کو پڑھے۔ وہ یہی سمجھتا ہے کہ اندر بھی ایسا ہی کچھ ہوگا۔ ویسے بھی کہانیوں میں تو یہی سکھایا جاتا ہے کہ خود کو ڈھکو۔ محرم رشتوں سے کے سوا خود کو ظاہر نہ کرو مگر ٹائٹل ان سب کی نفی کرتا ہے۔

شعاع اور خواتین کی بہت ہی پرانی قاری ہوں۔ ان سے بہت کچھ سیکھا۔ عنیزہ سید کی ایک کہانی نے تو میری سوچ اور زندگی کو ہی بدل دیا۔ اس کے لیے ان کی ممنون ہوں۔ میں عنیزہ سید کو بہت مس کرتی ہوں۔

آپی جو لوگ یہ لکھتے ہیں کہ رسالوں کا معیار وہ نہیں رہا جو پہلے ہوتا تھا وہ شاید غور سے پڑھتے نہیں یا پھر پہلی پہلی چیز کا مزہ انوکھا ہوتا ہے مجھے تو شعاع دن بدن نکھرتا، سنورتا، بڑھتا خوب ترقی کرتا ہوا نظر آرہا ہے۔ اور ہاں سمیرا حمید کی کتاب کہانی بھی مجھے دل و جان سے پسند ہے اردو کی زبوں حالی دیکھ کر دل خون کے آنسو روتا ہے میرے اپنے بچے اردو کو مشکل سمجھتے ہیں ان کو خود پڑھاتی ہوں بڑی بیٹی ایف ایس سی کر رہی ہے اس کو غزلوں کی تشریح کرواتی ہوں تو کہتی ہے کہ ماما! غالب کو کوئی اور کام نہیں تھا سوائے مشکل الفاظ لکھنے کے اور عشق کے۔ ہاں مگر تیسرے نمبر والی بیٹی کو شوق ہے۔ بس آپ دعا کریں کہ میری بیٹی کا میڈیکل میں ایڈمیشن ہوجائے۔

پیاری ثمرہ آپ کا تفصیلی تبصرہ بہت اچھا لگا۔ اللہ تعالیٰ آپ کی بیٹی کو اچھے نمبروں سے کامیاب کرے۔ جہاں تک اردو میں دلچسپی کی بات ہے تو دراصل جب تک نیٹ اور موبائل نہیں آئے تھے۔ دلچسپی کا واحد ذریعہ مطالعہ تھا۔ اب تو تفریح کے بے شمار ذرائع ہیں اس لیے مطالعہ کا شوق کم ہوتا جارہا ہے۔ کچھ انگلش میڈیم کا بھی کمال ہے کہ اردو پڑھنا مشکل لگتی ہے۔

سائرہ رضا تک آپ کی تعریف پہنچارہے ہیں۔

سائرہ کو یہ سب کیسے پتا چلا۔ دلچسپ سوال ہے۔ بھئی سائرہ بھی تو اسی دنیا میں رہتی ہیں، کچھ تجربہ، کچھ مشاہدہ اور کچھ تخیل، کہانی اسی طرح بنتی ہے۔ ''شعاع کے ساتھ ساتھ'' کا سلسلہ ختم نہیں ہوا بس صفحات کی کمی کے باعث شامل نہیں کر پاتے ہیں۔ آپ کا تبصرہ دلچسپ ہے۔ آئندہ بھی شرکت کرتی رہیے گا۔

ہادیہ خاتون نے ہارون آباد سے شرکت کی ہے، لکھتی ہیں

تیسرا ''سنہری دھوپ'' بالآخر انجام کو پہنچ ہی گئی۔ ایک بات کہنا چاہتی ہوں پلیز برا مت مانیے گا۔ سرورق پر ماڈل گرل کی جو تصویر لگاتے ہیں اس کا صرف چہرا مت لگایا کریں۔ پاؤں تک مکمل تصویر دیا کریں۔ اس سے ایک تو تصویر چھوٹی نظر آئے گی دوسرے اس کا ڈریس واضح ہوگا۔ آپ کو شاید اندازہ نہیں کہ بعض گھروں میں صرف تصویر کی وجہ سے ڈائجسٹ کو بہت برا سمجھا جاتا ہے کیونکہ مرد حضرات اس کو پڑھتے تو ہیں نہیں۔ تصویر دیکھ کر ہی فتویٰ لگا دیتے ہیں۔

پیاری ہادیہ! آپ نے جو لفظ دھتکار دیا لکھا ہے، وہ ہمیں بالکل اچھا نہیں لگا۔ ہم اپنی پیاری قارئین کے لیے اس بات کا تصور بھی نہیں کرسکتے۔ آپ کا پچھلا خط ہمیں ملا نہیں ورنہ ہم ضرور شامل کرتے جو بہن پہلی بار خط لکھتی ہیں ہماری کوشش ہوتی ہے کہ ان کا خط ضرور شامل کیا جائے۔

ٹائٹل کے لیے آپ کی فرمائش پوری کرنے کی کوشش کریں گے۔ لیکن یہ پوری تصویر پر اعتراض نہ کرنے والی بات سمجھ میں نہیں آئی۔

ثناء ذوالفقار، بورے والی رحیم یار خان سے شریک محفل ہیں، لکھا ہے

www.urdusoftbooks.com
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

مئی کے شمارے میں موسم کے لحاظ سے لائٹ کلر کا دوپٹہ لیے ٹائٹل گرل بہت اچھی لگ رہی تھی۔

"روشنیوں کا پیام بر" فلک تنویر نے بہت اچھا لکھا۔
ڈاکٹر اسد جاوید سے انٹرویو بہت معلوماتی تھا۔ کئی باتوں کا پتہ چلا، خاص طور پر یہ کہ عرق گلاب آنکھوں میں نہیں ڈالنا چاہیے۔

"دستک" میں بھی تمام انٹرویو اچھے تھے۔ "بندھن" میں ٹی وی کے اداکاروں کا بھی انٹرویو لیا کریں۔

"خواب شیشے کا" بہت دلچسپ ہو رہا ہے۔

"شہزاد" میر ہاؤس میں تو سب کچھ الٹ ہو رہا ہے۔ بار بار یاد کرنا پڑتا ہے کہ کس کی شادی کس سے ہو رہی ہے۔

"یار دل دار" بہترین افسانہ تھا۔ افشین نعیم نے رہائش کا اچھا نقشہ کھینچا "بھرم" بھی اچھا تھا۔ "احساس" قرۃ العین خرم ہاشمی نے بہت اچھا لکھا۔
"سلیقہ مند" ناولٹ میں سائرہ رضا نے جو مسائل بیان کیے۔ یہ تو آج کے دور میں ہر دوسرے گھر کے ہوتے ہیں۔ "سنہری دھوپ" شکر ہے ختم ہوا۔ سلویٰ علی کو کہانی اتنی لمبی نہیں کرنی چاہیے تھی۔ "نمرہ اور ثمرہ" شروع میں گلی کا منظر بہت اچھا لکھا ہوا تھا۔ باقی پورا ناول بھی اچھا تھا۔

پیاری ثنا! یار دل دار افشین نعیم کی سیریز ہے۔ اس بار بھی ان ہی کرداروں کے ساتھ افسانہ شامل ہے آئندہ بھی لکھیں گی۔ "شہزاد" میں شادیاں طے ہو گئی ہیں، اب کتنی شادیاں بہ خیر و خوبی انجام پائیں گی۔ یہ تو آگے چل کر پتا چلے گا۔
آپ نے تمام کہانیوں پر مختصر مگر جامع تبصرہ کیا بہت اچھا لگا۔ آئندہ بھی شرکت کرتی رہیے گا۔

تبسم سحری نے مغل پورہ سے لکھا ہے

شعاع پڑھ تو بہت پہلے سے رہی ہوں اور خط لکھنے کا دل بھی بہت کیا لیکن کیا کریں یہ سوچ کر رک گئے کہ اگر شائع نہ ہوا تو۔ مئی کا شمارہ سادہ سی ماڈل کے ساتھ 2 کو ملا۔ پہلی شعاع میں آپ ہمیں روزے کی اہمیت کا سمجھاتے ہوئے ملیں۔ حمد و نعت اور احادیث کے بارے میں ہم جیسے ادنیٰ سے لوگ کیا کہہ سکتے ہیں۔
"تو مکین شہر جمال کا" فرزانہ آپی کا لکھا کبھی سمجھ میں نہیں آیا لیکن لکھتیں اچھا ہے۔ شب تاب مکمل ہونے پر تبصرہ ان شاء اللہ جبکہ نمرہ و ثمرہ بھی اچھی تحریر تھی۔ افسانے چاروں اچھے تھے۔ نظمیں، غزلیں پہلے چار تھیں اب دو؟ خط آپ کے میں فائزہ بھٹی کا تبصرہ اچھا تھا۔ پلیز موسم کے پکوان میں آسان کوفتوں کی ترکیب دیں۔ باتوں سے خوشبو آئے میں اقراء عزیز، سونیا اور عذرا ناصر نے خوب لکھا۔ مسکراہٹوں میں لاڈا اور گدھے کے بچے ٹاپ پر ہے۔ شعر میں فوزیہ ثمر اور رب نواز کے شعر ٹاپ پر رہے۔

پیاری سحر فرزانہ کھرل کا لکھا کبھی آپ کی سمجھ میں نہیں آیا۔ لیکن پھر بھی بقول آپ کے وہ اچھا لکھتی ہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا تو اچھا کیسے لگتا ہے۔ ہم یہ سمجھنے سے قاصر ہیں۔
آپ نے اتنا عرصہ خواہ مخواہ یہ سوچ کر خط نہیں لکھا کہ شامل نہیں ہوگا۔ اب آپ نے ہمت کی تو دیکھیں، آپ کا خط شامل ہے۔ زندگی میں اکثر ہم بہت سے کام اسی لیے نہیں کرپاتے کہ ہم پہلے سے طے کرلیتے ہیں کہ کامیابی نہیں ہوگی حالانکہ ہمیشہ ایسے نہیں ہوتا۔

تبسم بشیر حسین نے شاہ سوار ڈنگہ سے لکھا ہے

امی کے لیے پرہیزی کھانا تیار کرکے بیٹھی تھی کہ دروازے پر دستک ہوئی' امی اسپتال سے چیک اپ کرواکے آئیں اور ساتھ میں ہمارا شعاع لے کر آئیں۔ ٹائٹل مئی کی مناسبت سے سادہ اور پیارا تھا۔ تو مکین شہر جمال کا، فرزانہ اگرچہ مشکل الفاظ میں لکھتی ہیں لیکن لکھتی بہت اچھا ہیں۔ نمرہ اور ثمرہ بھی اچھی تحریر تھی ہلکی پھلکی میری کلاس میں بھی نمرہ ثمرہ تھی تو یہ سب کو بہت پریشان کرتی تھیں۔ ناولٹ سلیقہ مند سائرہ رضا اتنا کمال کا لکھتی ہیں۔ افسانوں میں قرۃ العین سکندر اور قرۃ العین خرم کے افسانے ٹاپ پر رہے۔ (نظمیں غزلیں) میں حبیب جالب کی غزل پسند آئی۔ پلیز مریم عزیز سے کچھ لکھوائیں!

پیاری تبسم اللہ تعالیٰ آپ کی والدہ کو شفائے کامل

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

عطا کرے۔

فرزانہ کھرل کی تحریر ہماری اکثر قائین کو مشکل لگتی ہے لیکن اس کے باوجود قائین انہیں پسند کرتی ہیں۔ شعاع کی پسندیدگی کے لیے شکریہ۔

جمیلہ شاہ کھگہ نے کھگے والا ملتان سے شرکت کی ہے، لکھتی ہیں

اس دفعہ شعاع بہت اچھا تھا۔ سارا رسالہ بیسٹ تھا۔ حمد ونعت اور پیارے نبی کی پیاری باتوں کے بعد سیدھی چھلانگ لگا کر خط آپ کے میں گئی۔ سب خط اچھے تھے۔ محمود اسلم سے ملاقات کے بعد دستک میں یمنی اور ہانیہ سے باتیں کیں۔ مہوش افتخار بہت اچھی کہانی لکھ رہی ہیں مزا آیا پڑھ کر۔

پیاری جمیلہ شعاع کی پسندیدگی کے لیے ممنون ہیں۔

مصباح گل گاؤں 95/10.R خانیوال سے شریک محفل ہیں

یہاں بڑے سے گاؤں کے ہرے بھرے کھیتوں کے سامنے بیٹھی اس لڑکی کا سب کو پیار بھرا سلام! ہاں جی کئی پرندوں کی ملی جلی چہچہاہٹ اور پیارے وطن کی مٹی کی سوندھی سوندھی (ابھی چھڑکاؤ کیا ہے) خوشبو، میں چار پائی پہ بیٹھی آپ کو خط لکھ رہی ہوں۔ مجھے رسالہ 20 تاریخ تک ہی ملتا ہے۔ گھر میں ڈائجسٹ پڑھنے پر کوئی پابندی نہیں ہے لیکن منگوانا مسئلہ ہوتا ہے۔ پورے وثوق سے کہہ سکتی ہوں ہمارے گاؤں میں سے آپ تک کبھی کوئی خط نہیں آیا۔ اگلے منتھ یعنی جون میں میرا برتھ ڈے ہے۔ اپنے آپ کو میرا یہ گفٹ ہوگا۔ شعاع کی تمام لکھاری بہت قابل اور منجھی ہوئی ہیں۔ بہت اچھا لکھ رہی ہیں۔ میرا فیورٹ سلسلہ خط آپ کے ہے۔ سب کے کھٹے میٹھے خطوط پڑھ کر مزہ آجاتا ہے اور آپ کے پیار بھرے جوابات پڑھ کر تو مزا دوبالا ہو جاتا ہے۔

پیاری مصباح! آپ نے اپنے گاؤں کا نام لکھا ہوتا تو ہم بتا سکتے تھے کہ اس سے پہلے ہمیں آپ کے گاؤں سے کوئی خط ملا ہے یا نہیں۔ سالگرہ مبارک ہو۔ ہماری دعا ہے کہ یہ دن ہمیشہ خوشیوں اور کامیابیوں کے ساتھ آپ کی زندگی میں آئے۔ آپ کا خط آپ کے لیے ہی نہیں ہمارے لیے بھی تحفہ ہے۔ بلکہ ہماری تمام قائین جو ہمیں خط لکھتی ہیں۔ ان کے خط ہمارے لیے تحفہ ہی ہوتے ہیں۔

اقراء ممتاز نے سرگودھا سے شرکت کی ہے لکھتی ہیں

ٹائٹل گرل ڈوپٹا اوڑھے بس اچھی ہی لگ رہی تھی۔ دستک میں بہروز سبزواری، امبر ارشد اور کرن تعبیر سے ملاقات اچھی رہی۔

سب سے پہلے اپنا فیورٹ ناول شہرزاد پڑھا۔ اس ناول کے بارے میں کیا کہوں۔ صائمہ جی اب ہم زاد کو منظر عام پر لے ہی آئیں۔ یہ ہم زاد ہادی ہی ہے۔ رومیصہ کے ماں بننے کی خبر سے خوشی ہوئی۔

سنہری دھوپ، سلویٰ بٹ، کا ناول اختتام کو پہنچا۔ ہیپی اینڈ رہا۔ دعا نے احسن اور انعم کو اپنا بچہ دے کر کچھ احسان اتارے۔

شب تاب، اس ناول کا مجھ سے زیادہ میری چھوٹی سسٹر کو انتظار رہتا ہے۔ معصومہ تو پوری زہر لگتی ہے۔ دل کرتا ہے ہاشم کو اٹھا کر اس اسٹوری سے باہر پھینک دوں۔

نمرہ اور ثمرہ بہت فنٹاسٹک اسٹوری تھی۔ فائزہ بھٹی پچھلی دفعہ تمہیں سالگرہ وش کی تھی پر افسوس میرا خط ہی نہیں شائع ہوا تھا۔ ہمارے گلی میں تین چار گھر ہیں سب شعاع خواتین اور کرن کی دیوانی ہیں۔ ساری آنٹیاں اپنے بچوں کو اسکول بھیج کر میرے پاس آتی ہیں۔ کوئی مجھ سے پرانا خواتین لے رہی ہے تو کوئی شعاع۔

پیاری اقراء! آپ ہمارے سلسلوں میں باقاعدگی سے شرکت کرتی ہیں اور اکثر و بیشتر آپ کے خطوط بھی شائع ہوتے ہیں۔ آپ کا پچھلا خط شائع نہیں ہو سکا۔ اس کے لیے معذرت۔ شعاع کی اس فراخدلی سے شعاع اور خواتین کی تقسیم پر ہماری طرف سے سلام۔

ایشال چوہدری نے گوجرخان سے لکھا ہے

مت پوچھ میرے صبر کی انتہا کہاں تک ہے
تو کر لے ستم تیری طاقت جہاں تک ہے

www.urdusoftbooks.com
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

آپ یقیناً یہ سوچ رہی ہوں گی کہ کیوں ہم دل برداشتہ ہوگئے۔ کیوں نہ ہوں آپ نے جو ہمارے ساتھ کیا ایسا تو کوئی دشمن بھی نہیں کرتا۔ یہ کہ پچھلے دو خط ردی کی ٹوکری کے حوالے کردیے۔ خواب شیشے کا موسٹ فیورٹ بلکہ یہی تحریر تو شعاع پڑھنے کا باعث بنی۔ سب کے ساتھ انصاف کرتے ہوئے اینڈ کی طرف جارہی ہے۔ شہزاد بھی صحیح چل رہی ہے۔ شب تاب واہ زبردست اس کے بارے میں الفاظ ہی نہیں۔ معصومہ شاہ تو اپنے نام سے زیادہ ''معصوم'' نکلی۔ پلیز سیف علی جنگ کو مزید پریشان نہ کریں۔ اور سلویٰ سیف بٹ آپی آپ نے کیا کیا دعا کو ساری زندگی خوشیاں نہ ملیں شوہر اور بیٹا بھی چھن گیا۔ عمیر بھی نہ ملا۔ آپ نے دعا کے ساتھ اچھا نہیں کیا۔

پیاری ایشال! یقین کریں ہم اتنے ستم گر نہیں کہ آپ دو خط لکھیں اور ہم ایک بھی شامل نہ کریں۔ آپ کے خط ہمیں ملے نہیں یا تاخیر سے ملے اس لیے شامل اشاعت نہ ہوسکے ہوں گے۔

آپ کی فرمائش سر آنکھوں پر۔ خوش ہوجائیں۔ مہوش افتخار نے سیف علی جنگ کو مزید پریشان نہیں کیا۔ اور زری کی منگنی بھی ختم کروادی۔

دعا کے ساتھ بھی اچھا ہوگا۔ دنیا عمیر اور احسن پر ختم تو نہیں ہوگئی۔ اسے عمیر اور احسن سے اچھا شخص ملے گا جو اس سے سچی محبت کرے گا۔

نوین فیاض منڈی بہاؤالدین سے شریک محفل ہیں

مجھے قسط وار ناول زیادہ پسند ہیں، اس بار خط لکھنے کی وجہ عفت سحر کا خواب شیشے کا ہے۔ کہانی اچھی ہے لیکن جب سے یہ کہانی شروع ہوئی ہے ایک بات نے مجھے کنفیوز کر رکھا ہے کہ نمیر وقار اپنے دادا کی جائیداد میں سے حصہ حاصل کرنے کے لیے تگ و دو کر رہا ہے حالانکہ شرعی لحاظ سے دادا کی جائیداد میں پوتے کا حصہ نہیں ہوتا میں نے بہت جگہ یہ پڑھا ہے کہ اگر باپ کی زندگی میں بیٹا فوت ہوجائے تو باپ کی جائیداد میں اس کا حصہ ختم ہوجاتا ہے بہتر ہوگا کہ نمیر جائیداد میں حصہ مانگنے کے بجائے گھر کا حصہ بننے کی کوشش کرے۔ عفت سحر صاحبہ یا کوئی بھی اور رائٹر میری کنفیوژن دور کریں کہ ایسا کیوں ہے؟ یہ شرعی حکم ہے اور اس کی کیا حکمت ہے۔

پیاری نوین! تاخیر سے ملنے والے خط بھی ہم پڑھتے ہیں اور اس میں کوئی جواب طلب بات ہوتی ہے تو جواب بھی دیتے ہیں۔ اس لیے آپ اطمینان سے پرچا پڑھ کر ہمیں خط لکھ سکتی ہیں۔

نمیر وقار دادا کی جائیداد میں سے حصہ لینے کے لیے تگ و دو نہیں کر رہا ہے۔ اس کے باپ کے ساتھ جو سلوک کیا گیا ہے، اس پر اسے غصہ ہے اور وہ اسی کا، احساس دلانا چاہتا ہے۔

آپ کا اعتراض درست ہے کہ شرعی لحاظ سے اگر باپ کی زندگی میں بیٹا فوت ہوجائے تو پوتوں کا اس کی جائیداد میں حصہ ختم ہوجاتا ہے۔

ایسا کیوں ہے؟ اور اس کی کیا مصلحت ہے، اس کے بارے میں ہمیں علم نہیں۔ کوئی عالم دین ہی بتاسکتے ہیں۔ ہم کسی عالم دین سے اس کے بارے میں بات کرکے شعاع میں تفصیلی جواب دیں گے ان شاء اللہ۔

کوثر خالد سودا نے جڑانوالہ سے لکھا ہے

ہم نے بارہا آپ کے توسط سے طاہرہ عندلیب کو پیغام دیا مگر پذیرائی نہ ملی۔ سرورق ہماری پسند کا کلر سبز ٹھنڈا ٹھنڈا اچھا تھا۔ پہلی شعاع محمود صاحب کی سیرت ان کے روشن چہرے سے عیاں ہے۔ اللہ ہمیں روزہ رکھنے کی استطاعت نصیب کرے اور سحری پکانے کی بھی۔ آمین۔ ''حمد'' ہوتا نہیں کے بجائے نہیں ہوتا لگا کر طرز اچھی بنی۔ اور نعت کی طرز زیادہ بہتر بنی۔ ''نبی کی باتیں'' ان کی باتوں کے سوا دنیا میں رکھا کیا ہے۔

تسنیم اور فلک دونوں نے محمود جی پر اچھے مضمون لکھے۔ ''دستک'' تینوں مسکراتے رہیں۔ ہما کاشف اچھی صورت اچھی آواز، ڈاکٹر اسد جاوید، بہت کام کی باتیں لائے۔ مگر بھئی ہم تو عرق گلاب ڈالتے ہیں اور فائدہ بھی ہوا ہے۔ ''خواب شیشے کا'' کا آخر تو ٹوٹ ہی جائے گا۔ ''یار دلدار'' بہت منفرد نام کے ساتھ متضاد کہانی، اسے قسط وار بنا کر اگر جاری رکھ سکیں تو چلے گا۔ ''تمکین شہر جمال کا'' پر اثر داستان، بہترین لفاظی،

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

بہترین اسباق، لڑکی کی خالہ شیر دل بہادر میری طرح "سنہری دھوپ" اگلا ناول لکھیں اور دعا عمیر کو ملانے کا بندوبست کریں۔ "احساس" اب پچھتائے کیا ہوت۔ "شب تاب" اچھی جارہی ہے خوب حد بندی ہے۔ ظلم تو ہماری گلی میں بھی کردیا گیا۔ ظالمانہ قتل مگر ضمانت پر قاتل آزاد ان شاء اللہ میں تو ان کا بائیکاٹ کروں گی۔ "سلیقہ مند" بھئی الحمدللہ یہ ہمارا حال نہیں ہوسکتا کہ ہم رسوم سے کوسوں دور رہتے ہیں۔ "نمرہ وثمرہ" حسد کی تباہ کاریاں اور نیکی کا انعام۔ "غزل" تو بس ایک ہی جالب کی اچھی ہے۔ مسکراہٹیں جان دار رہیں۔ اول ملائکہ، باتوں سے خوشبو" بے شمار دل بہار تاریخ کے جھروکے، مختصر ودلچسپ، واہ خوشبو کی ملکہ واہ۔

پیاری کوثر! طاہرہ عندلیب کو آپ نے کیا پیغام دیا تھا ہمیں یاد نہیں، آپ اپنا پیغام دوبارہ لکھ بھیجیں۔

دعا کے لیے عمیر ہی رہ گیا ہے کیا؟ اسے کوئی اور نہیں مل سکتا جو اسے عمیر جیسے کمزور اور بےعمل انسان سے ملایا جائے۔ ہمیں تو عمیر بالکل اچھا نہیں لگا۔ ممکن ہے عرق گلاب سے آپ کو فائدہ ہوا ہو لیکن اب ڈاکٹر صاحب نے منع کیا ہے تو آئندہ کے لیے احتیاط کریں۔ ویسے بھی ضروری نہیں کہ عرق گلاب خالص ہی ہو۔

فرحانہ مہناز گوجرہ سے شریک محفل ہیں لکھا ہے

3 تاریخ کو صرف رسالے کی خاطر دوپہر ایک بجے اضحیٰ کو سلا کر دوبارہ گئی اور مل گیا۔ گھر آکر جلدی سے کھولا تو تینوں چیزوں میں سے ایک بھی نہیں۔ خواب شیشے کا میری بیسٹ اسٹوری لیکن اس ماہ تھوڑی مختصر اور ٹھہری ہوئی لگی۔ سنہری دھوپ کا اینڈ بے حد پسند آیا کہ دوستی جیسے پاکیزہ رشتے کو سلامت رکھا۔ شہزاد بھی اچھی چل رہی ہے۔ ارسل نے اس ماہ دو پیاری سی لڑکیوں کو اتنی زور سے تھپڑ مارے ارسل صاحب ہاتھ ذرا ہولا رکھیں۔ اور پلیز ہادی کے دل میں تھوڑی سی ہمدردی رکھیں درشہوار کے لیے۔ فرزانہ کھرل کا ناول بہت پسند آیا۔ شب تاب بھی بے حد پیاری اسٹوری ہے اور پلیز زرتاب کی منگنی یہیں رکوا دیں۔ نمرہ اور ثمرہ اکثر کہانیوں میں ایسی بہنیں دیکھی ہیں لیکن درحقیقت زندگی میں ایک بھی ایسی بہن نہیں دیکھی میں نے۔ اس دفعہ خط آپ کے اتنے مزے کے نہیں لگے۔ آپی جان شادی سے پہلے کراچی آئی خالہ کے پاس اور شادی کی شاپنگ بھی یہیں سے کی تھی۔ اب جب بھی کراچی آئی آپ سے ملنے ضرور آؤں گی۔

پیاری فرحانہ! آپ ضرور تشریف لائیں۔ ہمیں آپ سے مل کر خوشی ہوگی۔

آپ کا خط شامل نہ ہوسکا۔ اس کا ہمیں افسوس ہے۔ شعر اس ماہ شامل ہے۔ شعاع کے ساتھ ساتھ کا سلسلہ کئی ماہ سے صفحات کی کمی کی وجہ سے شامل نہیں کرپارہے ہیں۔ آپ کا سلسلہ یقیناً فائل میں ہوگا۔ آپ چاہیں تو دوبارہ بھجوادیں۔

ہادی درشہوار کے لیے نرم رویہ کیوں رکھے۔ جبکہ درشہوار کو خود اپنی عزت کا خیال نہیں۔ پسندیدگی، محبت زبردستی کسی کے پیچھے پڑکر حاصل نہیں کی جاسکتی۔ درشہوار کو دل پر اختیار نہیں لیکن یک طرفہ محبت پاگل پن ہے۔ درشہوار کو اپنی عزت اور وقار کے لیے خود پر قابو رکھنا چاہیے۔

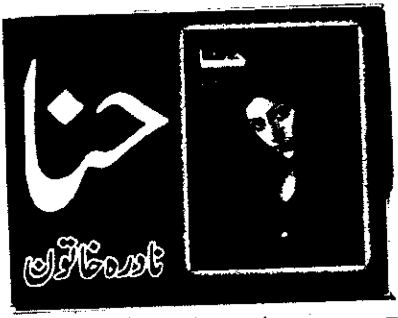

ماہنامہ خواتین ڈائجسٹ اور ادارہ خواتین ڈائجسٹ کے تحت شائع ہونے والے پرچوں ماہنامہ شعاع اور ماہنامہ کرن میں شائع ہونے والی ہر تحریر کے حقوق طبع ونقل بحق ادارہ محفوظ ہیں۔ کسی بھی فرد یا ادارے کے لیے اس کے کسی بھی حصے کی اشاعت یا کسی بھی ٹی وی چینل پہ ڈراما، ڈرامائی تشکیل اور سلسلہ وار قسط کے کسی بھی طرح کے استعمال سے پہلے پبلشر سے تحریری اجازت لینا ضروری ہے۔ بصورت دیگر ادارہ قانونی چارہ جوئی کا حق رکھتا ہے۔

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

جب تجھ سے ناتا جوڑا ہے

ف الف

س: شادی کب ہوئی؟

ج: میری شادی 21 ستمبر 2011ء میں ہوئی۔ دو ماہ پہلے 24 جولائی 2011ء کو ہمارا نکاح ہوا۔ ہمارے ہاں تاریخ دینے کی ایک رسم ہے، اس میں ہی میرا نکاح کر دیا گیا تھا۔ یہ میرے سسرال والوں کا مطالبہ تھا۔ ہمارے ہاں رخصتی کی تقریب سے پہلے نکاح نہیں کرتے تھے۔ اب جب سے میرا نکاح ہوا ہے۔ ہمارے تمام رشتہ دار بارات سے پہلے ہی نکاح کر دیتے ہیں تاکہ وقت کی بچت ہو۔ 23 ستمبر 2014ء کو میرا ولیمہ تھا۔

س: رشتے میں مرضی؟

ج: میں نے ان کے رشتے کے لیے مجبوری میں ہاں کی تھی۔ میری ایک منگنی پہلے ٹوٹ چکی تھی۔ میرے منگیتر نے گھر سے بھاگ کر ایک لڑکی سے کورٹ میرج کر لی تھی۔ میری عمر بھی تیس سال ہوگئی تھی۔ جو شادی کے لحاظ سے کافی زیادہ سمجھی جاتی ہے۔ میرے والد کا بھی انتقال ہو گیا تھا۔ چار بھائی تھے چاروں شادی شدہ، امی اور میں اکیلے رہ گئے تھے۔

میرے بڑے بھائی ہماری کفالت کرتے تھے۔ باقی سب الگ الگ تھے۔ حالانکہ ہمارے بڑے بھائی جو ہمارے کفیل تھے۔ وہ بھی دوسرے گھر میں رہتے تھے مگر وہ باقاعدگی سے خرچا بھجواتے تھے۔ ہاں کبھی انہیں مالی پریشانی ہوتی تھی تو ہم بھی پریشان ہو جاتے تھے۔ میں بھی شادی سے پہلے اجرت پر کپڑے سیتی تھی۔ لوگوں کی باتیں، بھابیوں کی طنزیہ باتیں بہت دل دکھاتی تھیں۔

جس وقت میرے شوہر کا رشتہ آیا۔ اس وقت ایک دوسرا رشتہ بھی آیا تھا۔ وہ لڑکا پڑھا لکھا، اچھی جاب، اچھا گھر، اچھی فیملی مگر اس کی مجھ سے پہلے دو ماہ کی شادی ختم ہو گئی تھی۔ (یہ لوگ میری بہن کے پڑوسی تھے، میری بہن کی شادی کو بیس سال ہو چکے تھے) مگر اس کا شادی شدہ ہونا میرے گھر والوں کی نظر میں بہت بڑا عیب تھا۔ اس وقت میں بھی بہت

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

روئی کہ اب دوسری شادی والے یا بال بچوں والوں کے رشتے آئیں گے۔

اس وجہ سے حالات سے مایوس ہو کر اور گھر کے حالات سے تنگ آ کر ان کے رشتہ کے لیے ہاں کر دی تھی۔ (جبکہ میرے شوہر بالکل ان پڑھ ہیں، نہ خوب صورت ہیں، نہ اپنا گھر ہے (ہم کرائے پر رہتے ہیں، ایک کمرے کے مکان میں) نہ اچھی جاب ہے۔ شادی سے پہلے ان کی اپنی پان کی دکان تھی۔ وہ بھی اپنی ناعاقبت اندیشی سے ختم کر دی۔ اب دوسروں کی دکان پر سیلز مینی کرتے ہیں۔ آئے دن جاب چلی جاتی ہے۔

س: جیون ساتھی کے حوالے سے تصور؟

ج: میں بے حد حساس اور خوابوں خیالوں میں رہنے والی لڑکی تھی۔ ناول پڑھ پڑھ کر ایسے ہی جیون ساتھی کی آرزو کرتی جو ہمدرد، محبت کرنے والا، خیال رکھنے والا، بنا کہے ہر بات سمجھ جانے والا ہو۔ ہم تو سکندر، تیمور، عابی، عمر جیسے بندوں کو آئیڈیلائز کرتے تھے مگر حقیقت بہت کڑوی ہوتی ہے۔ جو ہیرو ناول میں ہوتے ہیں وہ کم از کم اس دنیا میں تو نہیں ہوتے۔ (میں نے دس سال ایسے لوگوں کے انتظار میں گزار دیے تھے)

س: منگنی کتنی عرصہ رہی؟

ج: میری شادی محاورتاً نہیں حقیقتاً ''جٹ منگنی پٹ بیاہ'' کے مصداق ہوئی۔ پہلی مرتبہ ان کی ممانی اور بہن دیکھنے آئیں، دوسرے ہفتے میں بات پکی کرنے آئیں۔ چوتھے ہفتے میں شادی کی تاریخ اور نکاح ہوا اور 2 ماہ بعد رخصت ہو کر میں ان کے گھر آ گئی۔

س: شادی کے لیے کوئی قربانی؟

ج: شادی کے لیے اپنے آئیڈیل، خوابوں کی قربانی دی، تین سو گز پر بنے گھر سے نکل کر تیس گز پر بنے ایک کمرے میں آ گئی۔ میرے گھر والے بہت خوش حال ہیں۔ ہمارے بھائیوں کے چار اپنے اپنے گھر ہیں۔ (جو والد نے خریدے تھے) ان کی بہنوں نے بتایا حیدر آباد میں ہمارا اپنا گھر ہے۔ یہ نہیں بتایا کہ صرف ایک کمرے کا گھر ہے جس میں پہلے سے میری دیورانی، دیور، اور سسر رہتے تھے (مزید افراد کی گنجائش نہیں تھی) میرے گھر والوں سے غلطی ہوئی انہوں نے جا کر نہیں دیکھا بس ان کی بات پر بھروسا کر لیا۔

س: رسموں کے لین دین پر جھگڑا؟

ج: نہیں شادی پر کوئی جھگڑا نہیں ہوا۔ ہاں شادی کے بعد سے آج تک میری نند سے بہت جھگڑے ہوئے۔ وہ سمجھ رہے تھے۔ میری امی، بھائی وغیرہ کوئی پلاٹ یا مکان دیں گی جہیز میں یا پھر پیسے وغیرہ گھر خریدنے کے لیے۔ (شادی سے پہلے انہوں نے ایسی کوئی بات نہیں کی تھی) تو مجھے لگتا ہے انہوں نے پیسوں کے چکر میں مجھ سے شادی کروائی۔ حالانکہ ان کے قریبی رشتہ دار یا کزن بھی موجود تھے۔ (ہم صرف ایک برادری کے ہیں) انہوں نے رشتے بھی بھجوائے تھے۔ مگر میری نند نے نہیں کی۔ (میری ساس میرے شوہر کے بچپن میں ہی انتقال کر گئی تھیں، تو میری نند ہی کرتا دھرتا تھی، جبکہ وہ شادی شدہ اپنے گھر بار والی ہے) میرے شوہر نے مجھ سے کبھی ایسی بات نہیں کی بلکہ وہ یہی کہتے رہے جتنا تمہارے والدین نے تمہیں جہیز دیا ہے آج تک نہ ہمارے خاندان میں کسی بہو کا آیا اور نہ ہی ہم نے اپنی کسی بہن کو دیا)

امی نے مجھے دو سونے کے سیٹ، ایک گلو بند والا، اور ایک روزمرہ پہننے والا چین لاکٹ سیٹ انگوٹھیوں کے ساتھ، ان کو سونے کی بڑی چین، انگوٹھی سلامی میں اور مجھے بے انتہا جہیز کا سامان دیا تھا۔ کیا چیز تھی جو میرے جہیز کے سامان میں امی نے نہیں دی۔ (امی نے والد کی زندگی میں ہی سب کچھ بنا رکھا تھا۔ میرے تین بھائیوں نے مل کر ایک فریج دیا۔ جبکہ میرا فرنیچر اور شادی کا سارا خرچا بڑے بھائی نے اٹھایا۔

س: شادی کے بعد شوہر نے دیکھ کر کیا کہا؟

www.urdusoftbooks.com
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

ج: مجھے انہوں نے رخصتی کے وقت ہی دیکھا تھا۔ تصویر تک نہیں دیکھی تھی بقول ان کے مجھے اپنی بہنوں پر پورا بھروسا تھا کہ وہ ان کے لیے اچھی لڑکی ہی ڈھونڈیں گی' اس لیے انہوں نے دیکھنے کا بھی تکلف نہیں کیا، حالانکہ ہمارا نکاح دو ماہ رہا مگر انہوں نے کبھی فون کال تک نہیں کی دیکھنا تو دور کی بات ہے (ایسا ہوسکتا ہے آج کے دور میں؟) یہ میرے ساتھ ہوا۔ بہر حال بقول ان کے رخصتی کے وقت میں تمہیں دیکھ کر شاکڈ رہ گیا۔ اتنی خوب صورت میری دلہن ہے (یہ مجھے رات میں بتایا) اور سب اس بات کے گواہ ہیں۔

پھر یہی کہا یقین نہیں آرہا میری دلہن اتنی پیاری ہے۔ (شادی کے وقت میں کافی اسمارٹ، خوش شکل تھی) اور ویسے بھی شادی کے دن تو ہر لڑکی خوب صورت لگتی ہے یہ میرا ذاتی تجربہ ہے۔

س: کتنے عرصے بعد کام سنبھالا؟

ج: میں شادی ہو کر ان کے ماموں کے گھر آئی تھی (کرائے پر، یہ مجھے بعد میں پتا چلا) ویسے کے ایک ہفتے بعد میرے سسرال والے لینے آگئے۔ رات کو گھر آئی۔ صبح ہی ان کی ممانی نے کھیر میں ہاتھ لگوادیا بھئی اپنا پکاؤ اپنا کھاؤ تو اسی دن سے کام شروع کردیا تھا۔

س: شادی کے بعد کوئی خاص تبدیلی؟

ج: یہ آپ نے کیا پوچھ لیا، کوئی خاص تبدیلی؟ شادی کے بعد تو زندگی ہی تبدیل ہو جاتی ہے۔ اپنے خواب و خیال سب چھوڑنے پڑتے ہیں۔ اپنے آپ کو ختم کرنا پڑتا، سمجھوتا کرنا پڑتا ہے۔ ورنہ گھر نہیں بستے۔ بہت مرتبہ صبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا' دل چاہا سب چھوڑ چھاڑ کر کہیں نکل جاؤں مگر دوسرا کوئی راستہ بھی تو ہو۔ والدین حیات نہیں، بھائی اپنی اپنی دنیا میں مگن، حالانکہ معاشی طور پر بے حد خوشحال ہیں۔ بس انہوں نے شادی کردی۔ ان کا فرض پورا ہوگیا۔ اب زندگی کیسے گزارنی ہے یہ ہمارا مسئلہ ہے۔ بس لڑ کر کبھی گھر نہیں آنا۔ (میں نے اپنی امی کی وجہ سے بہت برداشت کیا، انہیں دکھ سے بچانے کے لیے ہر بری بھلی سہی۔

میری امی بہت ضعیف اور بیمار رہتی تھیں۔ ابھی کچھ دن پہلے ان کا انتقال ہوا ہے۔ بہنوں سے کہہ سن کر دل کا بوجھ ہلکا کر لیتی ہوں۔ میرے بہنوئی بھی بالکل سگے بھائیوں کی طرح ہیں۔ دوسرے نمبر والے بہنوئی (ابراہیم بھائی) تو بالکل اپنی بیٹیوں کی طرح سمجھتے ہیں۔ ہر دکھ درد میں وہی آتے ہیں۔ مجھے ہی سمجھاتے ہیں۔

سب سے بڑی تبدیلی روٹین کا اپ سیٹ ہونا ہے۔ شادی سے پہلے ہمارے ہاں سب نماز فجر سے پہلے اٹھ جاتے تھے اور رات کو آٹھ نو بجے تک سو جاتے تھے۔ جب سے میں شادی ہو کر آئی ہوں۔ میرے میاں دن دو بجے سے پہلے سو کر نہیں اٹھتے اور فجر کی اذان کے بعد سوتے ہیں۔ اس روٹین کے ساتھ آج تک میں سیٹ نہیں ہو پارہی۔ جب دنیا کے اٹھنے کا ٹائم ہوتا ہے یہ سوتے ہیں اور جب سب سوتے ہیں یہ جاگتے ہیں۔

س: میکے اور سسرال کے ذائقے میں فرق؟

ج: یہ فرق مجھے تب محسوس ہوتا جب میں جوائنٹ فیملی سسٹم میں رہتی۔ شادی سے پہلے بھی خود پکاتی تھی، شادی کے بعد بھی خود پکاتی ہوں۔ یہ واحد چیز ہے جس کے میرے شوہر اور سسرال والے بے حد معترف ہیں کہ کھانا بہت اچھا بناتی ہے۔

میرے سسر مجھ سے فرمائش کر کے پکواتے تھے۔ (چھ ماہ پہلے ان کا بھی انتقال ہوگیا) میرا دیور بھی فرمائش کر کر پکواتا ہے۔ جب بھی کراچی آئے یا میں حیدر آباد جاؤں۔ میری نندیں بھی جو دل چاہتا ہے مجھ سے بنواتی ہیں۔ (موڈ ہوتا ہے تو بناتی ہوں ورنہ منع کر دیتی ہوں، ایسا بہت کم ہوتا ہے) میری بڑی نند بہت اچھی ہے۔ میں اس کو کبھی نہ نہیں کرتی۔ میری چھوٹی نند سے نہیں بنتی، وہ حاکمانہ فطرت رکھتی ہے۔ میں ضدی ہوں۔ سب سے چھوٹی تھی۔ تو سب کی لاڈلی بھی تھی۔ اس وجہ سے ضدی ہوگئی۔

www.urdusoftbooks.com
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

س: سسرال میں کن باتوں پر تعریف یا تنقید ہوئی؟
ج: میری سسرال بہت اچھی ہے۔ سب سمجھتے ہیں۔ سسرال میں کھانا پکانے، گھر صاف رکھنے، سگھڑاپے، آنے جانے اور بہت باتوں پر تعریف ہوتی رہتی ہے۔ معاملات سنبھالنے، سمجھ داری کی تعریف ہوتی ہے۔ غرض تعریفیں زیادہ ہوتی ہیں۔
ایک بات کی سب کو شکایت ہے حاضر جوابی کی (منہ پر جواب دے دینا) میں کبھی نہ کسی کے ساتھ غلط کرنے کی کوشش کرتی ہوں اور نہ غلط بات برداشت ہوتی ہے۔ تو اس پر بہت تنقید ہوتی ہے۔
صرف ایک چھوٹی نند سے بہت جھگڑے ہوتے ہیں۔ چھوٹی نند بھی مجھ سے پندرہ سال بڑی بال بچوں والی ہے مگر میری ہر بات میں تنقید کرتی ہے۔ منہ پر جواب دینا بھی یہیں آ کر سیکھا ورنہ ہمارے والدین نے ہماری تربیت ایسے نہیں کی۔ جاہلوں کے ساتھ رہ رہ کر تھوڑی بہت جہالت آ گئی۔
ایک نند کے علاوہ سب سے تعلقات بہت خوش گوار ہیں۔ جو میری ہم عمران کی کزن ہیں ان سے تو دوستوں کی طرح رہتی ہوں۔ میری چچی ساس اکثر کہتی ہیں میری گڑیا ملنسار بہت ہے، ایک دفعہ ملنے کے بعد بندہ دوبارہ ملنے کی چاہت کرتا ہے۔ ہر کسی سے ہنس کر ملتی ہے۔
س: سسرال سے وابستہ توقعات کس حد تک پوری ہوئیں؟
ج: کافی حد تک توقعات پوری ہوئیں۔ میرے سسر بے حد شفیق، محبت کرنے والے انسان تھے۔ وہ اپنی بیٹیوں سے زیادہ اپنی بہوؤں کو اہمیت دیتے تھے۔ میں تو کبھی بھی جاتی تھی تو مجھ سے بہت محبت سے پیش آتے تھے۔
میری نند کو کہتے تو میرے گھر آ کر میری بہوؤں کو کچھ مت کہا کر۔
ہم دونوں بہوؤں کی بے حد حمایت کرتے تھے۔ چھوٹی والی بہو کو بھی بہت سمجھتے تھے۔ کوئی کام ہوتا تو ہمیں سمجھاتے، مشورہ دیتے۔ میرا چھوٹا دیور دیورانی اور بڑی نند سے بھی بے حد خوشگوار تعلقات ہیں۔ بہنوئی بھی عزت کرتے ہیں۔ میں بھی بڑے بھائیوں کی طرح احترام کرتی ہوں۔
س: پہلے بچے کی پیدائش؟
ج: پہلے بچے کی پیدائش حقیقتاً میرے لیے بہت کٹھن رہی۔ شادی سے پہلے اتنے بھانجا بھانجی اور بھتیجے، بھتیجی غرض بے شمار بچوں کو رکھا۔ ہم سمجھتے تھے ہم بہت آسانی سے بچے سنبھال لیں گے۔ ہم نے اتنے بچے رکھے ہیں۔ مگر حسن کی پیدائش اور اس کی پرورش نے مجھے گھما کر رکھ دیا۔
شوہر نے حسن کی پیدائش پر حقیقت میں مجھے ہتھیلی کا چھالا بنا کر رکھا، ہر چیز کا خیال رکھنا، مہنگے سے مہنگے ڈاکٹر کو دکھانا، اپنی حیثیت سے بڑھ کر میرے کھانے پینے، دوائیوں کا خیال رکھنا، خوش رکھنا، آؤٹنگ پر لے جاتے کبھی ڈنر کرواتے، غرض مجھے کسی چیز کی کمی نہیں ہونے دی۔ میری نند اس حالت میں بھی آ آ کر مجھ سے لڑتی تھی۔ یہی اس کو فیس کرتے تھے۔ مجھے نہیں بولنے دیتے تھے۔ مجھ سے کہتی یہ انوکھا بچہ پیدا کرنے جا رہی ہے۔ ہم نے نو، نو بچے پیدا کیے ہمارے میاں تو کہیں نہیں لے کر گئے۔ وہ سرکاری اسپتال لے جانا چاہتی تھی۔ میرے میاں نے میرا کیس پرائیویٹ اسپتال میں کروایا۔
بہرحال حسن کی پیدائش پر سب بے حد خوش تھے۔ میرے سسرال میں لڑکوں کی بے حد کمی ہے۔ میرے سسر صرف دو بھائی باقی بہت ساری بہنیں، میرے شوہر اور میرا دیور صرف دو بھائی باقی سب کے لڑکیاں ہیں۔ اب ان میں بھی صرف ایک، ایک ہی بیٹے ہیں۔ (میری دیورانی کے چھ بچوں کا شیر خوارگی میں انتقال ہو گیا) دو مرتبہ میرا مس کیرج ہوا۔ اب صرف میرا حسن اور عبدالرحمٰن (ان کا بھتیجا) صرف 2 بچے ہیں۔ (اللہ تعالیٰ ان کو لمبی زندگی دے)
س: جوائنٹ فیملی سسٹم ہے یا علیحدہ؟
ج: شادی سے پہلے والد کی وفات سے پہلے

www.urdusoftbooks.com
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

ہمارا جوائنٹ فیملی سسٹم تھا۔ امی کے گھر، ہمارا گھر کافی بڑا تھا۔ دو گھروں کو ملا کر ایک گھر بنایا ہوا تھا۔ جس طرح حیدر آباد میں ایک گھر کے دو دروازے ہوتے ہیں آگے پیچھے ایسے ہی ہماری امی کا گھر ہے۔ اگر کوئی انجان شخص ہمارے گھر کے مین دروازے سے داخل ہو کر دوسرے دروازے سے نکلنا چاہے تو نہیں نکل سکتا۔ ایک گلی میں دروازہ کھلتا ہے تو جا کر دوسری گلی میں بند ہوتا ہے۔ تو چاروں بھائی ایک ساتھ رہائش پذیر تھے، دو بہنوں کی فیملی بھی وہیں رہائش پذیر تھی۔

تقریباً ساٹھ کے قریب افراد بیک وقت رہتے تھے، اس میں بچے بوڑھے جوان سب شامل ہیں۔ دوسری شادی شدہ بہنیں جو بھی آئی رہتی تھیں تو گھر میں مچھلی بازار زیادہ لگتا تھا، تو لڑائیاں بھی بہت ہوتی تھیں۔ کبھی امی سے، کبھی آپس میں بھابیوں کی، کبھی نندوں سے، کبھی بچوں کی تو میری خواہش تھی اکیلے ہی بھلے۔

وہ کہتے ہیں نا دور کے ڈھول سہانے تو اب احساس ہوتا ہے چاہے زیادہ بڑی فیملی نہ ہو مگر سب ساتھ رہیں۔ لڑائیاں تو ہوتی تھیں مگر ایک دوسرے کے سکھ دکھ میں کام آتے تھے۔ چھوٹی چھوٹی خوشیاں مناتے تھے۔ اب میں علیحدہ رہتی ہوں تو اب احساس ہوتا ہے۔ چاہے کتنے بیمار ہوں، آپ کو سب کچھ خود ہی سنبھالنا ہوتا ہے۔

پورا پریگنینسی پیریڈ میں نے اکیلے گزارا یہاں تک کہ ہاسپٹل بھی اکیلی گئی (بعد میں بہن پہنچ گئی تھی) حسن کی پیدائش پر دوسرے دن اٹھ کر کام میں لگ گئی (میرے شوہر میرا بہت ساتھ دیتے ہیں۔ کام بھی کروا دیتے ہیں) حالانکہ کوئی نہ کوئی آتا رہتا ہے کام کی وجہ سے مگر کرتا کوئی نہیں تھا۔ تو آنے سے پہلے ناشتا وغیرہ بنانا، صفائی ستھرائی، برتن وغیرہ میں کر لیتی تھی۔ پھر ان کی یا میری کوئی بہن بھانجی آ جاتیں تو وہ سنبھال لیتیں۔

الگ رہنے کا ایک فائدہ ہے کوئی آپ کو ڈکٹیٹ نہیں کرتا۔ (میری نند تو میرے گھر آ کر اپنا حکم چلاتی تھی، اب میں نہیں مانتی، اپنی مرضی کرتی ہوں) نقصان بہت زیادہ ہے۔ الگ رہنے سے آپ کو ہر کام خود کرنا پڑتا ہے (شادی سے پہلے بھی امی ہم سے ہر کام کرواتی تھیں) مگر شادی کے بعد تو گویا پاؤں میں پہیے لگ گئے ہوں۔ گھر بھی خود سنبھالنا ہے۔ مہمانوں کو اٹینڈ کرنا، سودا سلف لانا، کسی کے دکھ بیماری میں جانا، کبھی کسی کی تعزیت کے لیے جانا، حسن کو اسکول چھوڑ کر آنا، اس کو مدرسے، ٹیوشن بھیجنا غرض خود مشین بن گئے۔

جوائنٹ فیملی سسٹم میں یہ کام گھر کے بڑے سنبھال لیتے تھے۔

س: سسرال میں مقام؟

ج: اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے مجھے بے حساب محبتیں ملیں۔ گھر میں، اسکول میں، محلے میں، غرض ہر جگہ، تو شکر ہے سسرال والے بھی سمجھتے ہیں۔ خوشی غمی میں بلاتے ہیں، ہر دکھ سکھ میں شامل ہوتے ہیں۔ نہ جاؤں تو ناراض ہوتے ہیں۔ ان کی چچا زاد بہنوں سے میری بہت دوستی ہے۔ ان کی ممانی کے بچوں سے بھی بہت دوستی ہے۔ شادی بیاہ میں مجھے آگے آگے رکھتے ہیں۔ ہم صرف دو ہی بہوئیں ہیں۔ یہ بھی مجھے کہتے ہیں۔

"خاندان والے مجھے اتنا نہیں سمجھتے جتنا تمہیں سمجھتے ہیں۔"

اگر کوئی دعوت دینے آئے گا تو وہ مجھے کہے گا (میری سسرال میں) اس بات پر بے حد خوشی ہوتی ہے۔

میں ان سے یہی کہتی ہوں میں ان سے اچھے سے مل لیتی ہوں۔ اپنی حیثیت کے مطابق ان کی خاطر مدارت کر لیتی ہوں اور لوگوں کو ہم سے کیا چاہیے اور تو ہم انہیں کچھ دے نہیں سکتے۔ اللہ کا شکر ہے والدین نے ہماری تربیت اسلامی خطوط پر کی تو کوشش کرتے ہیں ہم سے کسی کا دل نہ دکھے۔

باقی رہی سہی کسر خواتین اور شعاع نے پوری کر دی (نہ بی بی تمہیں اچھا ہی بننا ہے ورنہ تمہاری بدنامی

www.urdusoftbooks.com
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

ہوگی: شعاع، خواتین۔ تو کوشش جاری ہے۔ اللہ کامیابی عطا کرے۔

س: شوہر سے تعلقات؟

ج: شادی کے بعد ایک سال تک تو انہوں نے ہتھیلی کا چھالا بنا کر رکھا۔ میں نے بھی کم کسر نہیں چھوڑی۔ مجازی خدا سمجھا ہی نہیں بنا کر رکھا۔ اس کے بعد سے میری نند کی وجہ سے ہمارے تعلقات بہت سرد و گرم چلتے رہتے ہیں۔ جب بھی ہمارے درمیان لڑائی ہوئی اس کی وجہ میری نند ہی رہی۔ ہم دونوں اپنے گھر میں بے حد خوش رہتے ہیں۔ وہ مجھ سے متعلق جھوٹی سچی شکایتیں ان سے لگاتی رہتی ہے اور یہ یقین کر لیتے ہیں۔ مجھ سے نہیں پوچھتے۔ (کچے کانوں کے ہیں) مجھ سے باز پرس کرتے ہیں تو میں ایک دم ہائپر ہو جاتی ہوں (مجھے ہائی بلڈ پریشر کی شکایت رہتی ہے) ورنہ گھر میں آپس میں ہماری کسی بات پر نہیں ہوتی۔

آج تک ان کو اپنے کسی کام کے لیے کہنا نہیں پڑا۔ ان کے اٹھنے سے پہلے، کپڑے، پانی، ناشتہ تیار، ان کے بن کہے ہر ضرورت پوری کر دیتی ہوں۔ آج تک انہیں یہ نہیں کہنا پڑا کہ مجھے چائے، ناشتہ یا کھانا دے دو۔ ان کے کپڑے تک واش روم میں ٹانگ کر آتی ہوں۔ ان کے اٹھنے سے پہلے گرم پانی واش روم میں خود ڈال کر آتی ہوں۔

اسی طرح یہ مجھے کسی کام کے لیے نہ نہیں کرتے۔ ہر جگہ لے کر جاتے ہیں۔ سب خاندان والے ان کی تعریف کرتے ہیں۔ ہر جگہ مجھے لے کر جاتے ہیں۔ کہیں جانے سے منع نہیں کرتے۔ کبھی شک نہیں کیا۔ گھر کا سارا خرچا میرے ہاتھ میں ہے۔ کس کو کیا لینا دینا ہے سب میری ذمہ داری ہے۔

ان سے سب سے بڑی شکایت ان کے سونے جاگنے کی روٹین ہے۔ میں اس کے ساتھ ایڈجسٹ نہیں کر پا رہی۔ اور دوسری بڑی وجہ میری نند ہے۔ وہ بارہا پورے خاندان کے سامنے کہہ چکی ہے میں اس کو طلاق دلوا کر رہوں گی۔ یہی الفاظ وہ میری دیورانی کے لیے استعمال کرتی ہے۔ جبکہ میرے شوہر اور خاندان والے ایسا نہیں چاہتے۔ اگر کبھی یہ مجھ سے لڑ لیتے ہیں تو خود ہی مناتے ہیں۔ شادی سے پہلے کبھی میرے والد صاحب یا بھائیوں نے اونچی آواز میں ہم سے بات نہیں کی کبھی، ہمیں نہیں ڈانٹا۔ (ہاں امی سے تو بٹے بھی ہیں) تو یہ مجھے ڈانٹتے ہیں تو میں رو رو کر اپنی طبیعت خراب کر لیتی ہوں یہ کہتے بھی ہیں۔

''میاں بیوی میں لڑائی جھگڑے ہوتے ہی ہیں اس کا یہ مطلب تو نہیں تم علیحدگی کی باتیں کرو۔''

میں کہتی ہوں جب میں کسی قسم کی آپ کو تکلیف نہیں دیتی تو کیوں دوسروں کی باتوں میں آ کر اپنے گھر میں ٹینشن پھیلاتے ہیں۔''

وہ کہتے ہیں۔ ''ماں کے مرنے کے بعد اس نے ہمیں سنبھالا ہم اس کی بات نہیں مانیں گے تو اسے دکھ ہوگا۔''

آپ اپنے ایمان سے بتائیں کیا میری نند کا رویہ ٹھیک ہے۔ اس کی خاندان میں کسی سے نہیں بنتی۔ اس کی سگی بہن میری بڑی نند کو اگر ضرورت ہو تو وہ مجھ سے کہتی ہے اپنی بہن سے نہیں۔ حالانکہ وہ کافی خوش حال ہے۔ (میری مجبوری ہے میں ان ہی کے علاقے بلکہ گلی میں رہتی ہوں، تو یوں اس کا زیادہ آنا جانا ہے۔ اس کے سسر نے سرجانی ٹاؤن میں اسے گھر دلوا دیا مگر اس کو کرائے پر دے کر میری گلی میں ہی کرائے پر رہتی ہے۔ صرف بھائی پر نظر رکھنے کے لیے۔

میری بہنیں مجھے کہتی ہیں تو ہی گھر بدل لے۔ کہیں دور چلی جا۔ میں حسن کے اسکول کی وجہ سے نہیں جاتی۔ میں اسکول وین افورڈ نہیں کر سکتی اور یہ کہتے ہیں اسکول نہیں بدلنا۔ جہاں حسن پڑھتا ہے وہ اسکول کافی اچھا ہے، پرائیویٹ ہے، فیس بھی مناسب ہے، پڑھائی پر کافی سختی ہوتی ہے۔

www.urdusoftbooks.com

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

مصباح علی سیّد

دل، در اور دروازے

جون کا تپتا مہینہ اپنے جوبن پر تھا۔ سورج قیامت سے شرط لگا کر اس شہر پر اترا تھا، شاید، لگتا تھا ان دنوں گرمی صدیوں کے ریکارڈ توڑ دے گی، ٹی وی پر بار بار گھروں میں رہنے کی ہدایت کے ساتھ باہر کام کرنے والوں کے لیے حفاظتی اقدامات کے پروگرام چل رہے تھے۔ ایسے وقت میں باذف عتیق سڑکیں ناپتا پھر رہا تھا کہ ڈیش بورڈ پر رکھا اس کا موبائل تھر کنے لگا۔

اس نے ایک اچٹتی سی نگاہ سیل فون پر ڈالی، اس کال کو ریسیو کرنے کا اس کا ارادہ نہیں تھا، لیکن فون کرنے والا بھی اسی کا ہم مزاج تھا جو لگا رہا پھر دوسرے نمبر سے کال آنے لگی مسلسل، مار، بار...... بالآخر اس نے اسپیکر آن کیا، آواز گاڑی میں گونجی۔

''یار! پلیز کال مت کاٹنا۔''

آواز جانی پہچانی تھی۔ ''اللہ کے واسطے اپنے اس خودغرض باپ کو معاف کر دو۔''

باذف کے اندر جوار بھاٹا اٹھا۔ گیئر پر رکھا ہاتھ مضبوط ہو گیا۔

''تم سڑک پر ہو، پلیز گاڑی احتیاط سے چلانا، گرمی بہت ہے، ٹائر پھٹ رہے ہیں۔''

گرمی اس کے اندر بھی بہت تھی، وہ بھی اندر سے ٹوٹ پھوٹ رہا تھا۔ گیئر پر رکھے ہاتھ کو جنبش دے کر اس نے ایکسیلیٹر پر پاؤں کا دباؤ بڑھا دیا،

ناولٹ

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

گاڑی تیزی سے ۔۔۔ بھاگنے لگی۔

"ایک بار واپس آجاؤ، مجھے تمہاری ضرورت ہے۔"

اس نے یوٹرن لیا اور ایکسیلیٹر پر مزید دباؤ ڈالا۔

اسے اب اپنی ضرورت نہیں رہی تھی تو کسی کو کیا ہوئی تھی، جانے کیا کرنے کی ٹھان کر بیٹھا تھا، اندھا دھند گاڑی بھگانے لگا۔ پھر فون پر نسوانی آواز روتے ہوئے ابھری۔

"باذف! تم مجھے سن رہے ہو نا۔"

☆☆☆

یہ یونی لائبریری کی دوسری منزل تھی۔ جس کے آخری کونے میں اکثر ہی ان کا گروپ پایا جاتا تھا۔ اس وقت بھی، اُشنا، ہانیہ، عذبہ بیٹھی تھیں، اُشنا، ہانیہ اکثر طالب علموں کی طرح لائبریری میں آتی ہی ایف بی چلانے تھیں، مفت کی چیزیں پاکستانی اپنا حق سمجھ کر استعمال کرتے ہیں، وہ بھی یہاں اے سی کے ٹھنڈے ماحول میں مفت کے نیٹ سے مستفید ہو رہی تھیں، عذبہ اپنے فولڈر پر جھکی تیزی سے کچھ لکھ رہی تھی، جب وہ انہیں ڈھونڈتا وہاں آپہنچا۔

"ہائے گرلز۔"

وہ کرسی کھینچ کے سامنے بیٹھتے ہوئے بولا۔ ہانیہ نے مسکرا کر "ہیلو" کہا تھا۔ اُشنا اندر تک خوش ہوگئی تھی۔ اس کی ایک وجہ باذف عتیق اس کے برابر والی کرسی پر بیٹھا تھا، لیکن اس خوشی کو عذبہ کی موجودگی کچھ کرکرا کر رہی تھی۔ سب ہی کو پتا تھا کہ باذف کی نگاہیں اٹھتی ہی عذبہ کے لیے ہیں، یہ سوچ لڑکیوں کو اندر تک جلن کا شکار کردیتی تھی اور وہ عذبہ، جو کچھ عرصہ پہلے اس کے ساتھ گھومتی دکھائی دیتی تھی، اب اس کی موجودگی کو سرے سے محسوس ہی نہیں کرتی تھی، سہیلیاں فطری جلن کا شکار جو اس کے منہ پر اس کی تعریفوں کے پل باندھتے نہ تھکتیں، پیچھے صاف کہتیں۔

"ہونہہ۔۔۔۔۔۔ بڑی آئی نخریلی۔۔۔۔۔۔ اس نے چند دن گھاس کیا ڈال دی، خود کو پرنسز ہی سمجھنے لگ گئی۔"

"ہیں۔۔۔۔۔۔" اُشنا کے تبصرے پر ہانیہ کی چھوٹی چھوٹی آنکھیں قدرے بڑی ہوکر پھیلیں۔ "پرنسز اور گھاس۔۔۔۔۔۔ کچھ عجیب کمبینیشن نہیں ہے یار! یا تم دوسرے الفاظ میں گدھی کہنا چاہ رہی ہو۔"

اُشنا تنک کر بولی۔ "گدھی نہیں گدھا۔۔۔۔۔۔ اس باذف کے بچے کو، جو اس کے آگے پیچھے بڑے شوق سے بنا دم ہنہناتا پھرتا ہے۔"

ہانیہ کو اس کی حالت زار پر بے حد ترس آیا اور جلن پر گدگدی بھی ہوئی، اسے پیار بھری تھپکی دے کر اٹھتے ہوئے کہنے لگی۔

"یار! گدھا نہیں ہنہناتا، بہت وفادار جانور ہنہناتا ہے۔ لگتا ہے جلن سے تمہارے دماغ پر اثر ہوگیا۔ اٹھو شاباش، کچھ کھلاتی ہوں کینٹین سے۔"

"جلے میری جوتی۔" اُشنا کی ناک کے نتھنے مزید پھول گئے اور اس وقت باذف کو کن انکھیوں عذبہ کو دیکھتا پاکر اسے مزید غصہ آگیا۔

"کیسی بے بسی سے دیکھ رہا ہے اسے اور وہ ملکہ رانی سر نہیں اٹھا رہی، ایک ہم ہیں۔ ہم نہیں دکھائی دے رہیں، حسین خوب صورت۔" وہ اندر کی کڑواہٹ نکالتے ہوئے بولی۔ باذف اس کی سوچوں سے بے خبر نظر عذبہ کو دیکھنے میں مصروف تھا۔

"کیسی تیاری ہے بھئی پیپرز کی۔"

وہ جان کر فولڈر پر جھکی رہی، اُشنا نے موبائل آف کرکے بیگ میں رکھا اور پوری طرح متوجہ ہوئی تھی۔

"جتنی بھی کرلیں، مگر تمہارا مقابلہ نہیں کرسکتے۔"

کہہ تو وہ صحیح رہی تھی، کامرس میں جتنی قابلیت اس کی تھی، اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا تھا۔ لیکن وہ جسے متوجہ کرنا چاہ رہا تھا، اس کی پیشانی پر کوئی لکیر تک ابھرتی محسوس نہیں ہوئی تھی۔

"ایسی بھی بات نہیں۔" اس نے خود سے شعر گھڑا۔

ابھی کچھ لوگ باقی ہیں
جن سے ہم سیکھ سکتے ہیں

عذبہ اپنے فولڈرز سمیٹتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"ایکسکیوزمی۔" کہتے ہوئے موبائل پر وقت دیکھا۔ "میری کلاس ہونے والی ہے، ٹیک کیئر۔"

کوئی کچھ محسوس کرے نہ کرے اُشنا کو بہت خوشی ہوئی تھی باذف کی عزت افزائی دیکھ کر، مگر وہ بھی

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

اپنے نام کا ایک ہی تھا، مزید عزت افزائی کے لیے اس کے پیچھے چل پڑا۔

''ارے، کہاں بھاگی جارہی ہو، رکو تو سہی۔''

وہ اس کے سامنے آرکا۔ ''پوری بات تو سن لو۔''

''تمہاری سمجھ میں کون سی زبان آتی ہے، باذف!''۔

اس کی بات پر وہ پوری معصومیت سے بولا تھا۔

''ارے اپنی یہی...... اردو...... جابر بن حیان کا میں بہت بڑا فین ہوں یار!''

عذبہ کا جی چاہا، اردو کے بارے میں اس کی ناقص معلومات پر ہاتھوں میں پکڑا فولڈر اس کے سر پر دے مارے۔

''جابر بن حیان کے؟''

اس نے تصدیق چاہی اور اس نے جی کڑا کر کے کہا۔

''ہاں ں ں ں۔''

''کیمسٹ تھے وہ، اردو دان نہیں۔''

''اچھا......'' جیسے اس پر آج ہی منکشف ہوا۔

''چلو، کوئی تو جابر سلطان ہوگا جس نے اردو، دریافت کی۔ میں اسی کا بڑا فین ہوں، بتاؤ کیا سمجھانا ہے؟''

اب عذبہ کو کوفت ہونے لگی تھی۔ پل بھر کو آنکھیں بند کر کے، گہری سانس لی اور آگے چلتے ہوئے کہا۔

''باذف...... ہم دونوں کے راستے الگ ہیں، کیوں اپنا اور میرا وقت برباد کر رہے ہو۔''

''ارے کیسے الگ ہیں۔'' وہ اب زچ کر دینے کی انتہا پر تھا۔ ''تم فنانس کی کلاس لینے جارہی ہو نا، اس سے پچھلے روم میں ہی میرا، اکاؤنٹنگ کا پریڈ ہے۔ اس بلاک کے راستے کل تک تو ایک تھے اور میری آخری اطلاع کے مطابق یونی میں کوئی کنسٹرکشن اسٹارٹ نہیں ہوئی۔''

وہ بہت سنجیدہ انداز میں کہہ رہی تھی۔

''بی سیریس باذف۔''

اور باذف سنجیدہ ہو گیا، پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ پھنساتے اس کی نگاہوں میں تکتے ایک جذب کے عالم میں تھا۔

''آئی ایم ایکسٹریملی سیریس عذبہ صاحبہ! میری والدہ اگر راضی ہیں تو آپ کو کیا ہو گیا ہے اب۔''

خوف ہی ایسا تھا وہ کیا بتاتی، اس کو اس کی آنکھوں سے خوف سا محسوس ہوا تھا، وہ وہاں سے فوراً ہٹ گئی، باذف اس کی پشت کو تکتا رہ گیا تھا، باذف کے نزدیک اس کی محبت کی کہانی سب سے آسان اور سادہ تھی، ایک کلاس فیلو، جو اس کی اپنی پسند کے ساتھ ماں کے معیار پر بھرپور طریقے سے پوری بھی اترتی ہو، رشتہ بھیجنے کی دیر تھی اور بس شادی۔

کہہ دینا بہت آسان ہے، مگر حقیقتیں ذرا تلخ ہوتی ہیں۔

☆☆☆

وہ ایک عام سی صبح تھی، گھر کے تمام افراد جس میں وہ، شازمہ اور بوا خالہ ہی شامل تھے ٹیبل پر موجود تھے، حسب عادت باذف نے اپنی دھن میں بات درمیان سے ہی شروع کر دی۔

''میں نے آپ کی ساری مشکلات کا حل ڈھونڈ لیا ہے ممی!''

چائے کا کپ منہ تک لے جاتے ہوئے شازمہ نے سوالیہ نگاہ اٹھائی۔

''بہت خوشی کی بات ہے...... پھر کب سے ورک شاپ آرہے ہو؟''

باذف کو اچنبھا ہوا۔ اس کا خیال تھا کہ شازمہ اس کی ماں ہیں، جو ایک گھنٹہ اگر اس کے پاس بیٹھ جائیں تو پچپن منٹ تو یہی یاددہانی کرواتی رہتی ہیں۔

''میں تمہاری ماں ہوں، تمہارے وجود کے ہر راز سے واقف، تم کیا سوچتے ہو، کیا چاہتے ہو سب پہلے سے پتا ہوتا ہے۔''

پھر اتنی اہم بات بھلا کیوں نہ پتا چلی؛ کہاں گیا ان کا ٹیلی پیتھی کا علم، اس نے کانٹے چھری سے آملیٹ کو ضربیں لگاتے بہت ادا سے کہا تھا۔

''یہ بار بھی اٹھا لیں گے، بس بچے کے کندھوں پر ذمہ داری آنے کی دیر ہے۔''

شازمہ چونکی تھیں مگر ظاہر نہیں ہونے دیا۔ چائے کے گھونٹ لیتے ہوئے اخبار پر نگاہیں رکھیں، اسے کچھ

www.urdusoftbooks.com
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

تشویش ہوئی تھی، کن اکھیوں سے بوا خالہ کو دیکھا، جس سے ظاہر تھا وہ انہیں پہلے ہی راز دار بنا چکا ہے، انہوں نے عذبہ کی تصویر باذف کے موبائل پر دیکھتے ہی کہا تھا۔

''یہ تو پیاری، اپنی ماں کو دکھادو۔''

اب بھی انہوں نے بھنوؤں کے اشارے سے بات جاری رکھنے کی حوصلہ افزائی کی، وہ جوس گلاس میں انڈیلتے ہوئے شرارتی انداز میں بولا۔

''اماؤں کو بہت شوق ہوتا ہے نا، وہ سہرے کے پھول سجانے کا، وہ آنگن میں شور شرابا، قلقاریاں، ہلا گلا۔''

جب کوئی بات نہ بنی تو اس نے ذرا مزید وضاحت کی ''میرا مطلب ہے کہ میں نہیں چاہتا میری بوڑھی ماں جگہ جگہ تلخ چائے کے ذائقے چکھے، اسی لیے یہ مشکل کام خود ہی سرانجام دے دیا۔''

لفظ بوڑھی ماں پر بوا خالہ کی آنکھیں پہلے حیرت سے پھیلیں پھر ہنسی دبا گئیں، کیوں کہ انہیں پتا تھا شازمہ نے اس لفظ کو کبھی تسلیم ہی نہیں کیا تھا۔

اس وقت جانے کیوں ایسے ظاہر کیا جیسے سنا ہی نہیں، ناشتا ختم کر کے اٹھتے ہوئے پرس سے ایک فہرست نکال کر باذف کے آگے رکھ دی۔

''کچن کا سامان ختم ہو رہا ہے، یونی سے آتے ہوئے لے آنا۔''

وہ کبھی فہرست کو دیکھ رہا تھا، کبھی ماں کو۔ اسے حیرت تھی انہوں نے اس کی بات کو کوئی اہمیت ہی نہیں دی، پوچھنا تو درکنار، کیا اتنی ہی غیر اہم زندگی ہے اس کی۔

یہ تو اسے معلوم تھا شازمہ کو کلاس فوبیا بہت شدت سے ہے، اپنی کلاس سے ذرا بھی نیچے وہ رشتے ناتے کرنے کی قائل نہیں تھیں، ایسا نہیں تھا انہیں مڈل کلاس یا اس سے بھی کم درجے کے لوگ پسند نہیں تھے۔

بوا خالہ کا تعلق انتہائی غریب گھرانے سے تھا، اور باذف نے جب سے ہوش سنبھالا، انہیں اپنے اردگرد ہی پایا تھا، وہ بے اولاد بیوہ خاتون تھیں، شازمہ انہیں اپنے گھر لے آئیں، باذف کی دیکھ بھال ان کے ذمہ لگی، ان کی اور ان کے خاندان کی شازمہ بہت عزت کرتی تھیں، دوسری ملازمائیں آتیں، اپنا کام کر کے چلی جاتیں، کبھی ان کو بلاوجہ ڈانٹ ڈپٹ کرتے نہیں دیکھا تھا لیکن شادی بیاہ کے معاملے میں ان کی ایک ہی سوچ تھی۔

''صرف اپنے جیسے، اپنی کلاس، اپنا اسٹینڈرڈ۔''

اگرچہ باذف اس بات کا قائل نہ تھا اور عذبہ کے معاملے میں یہ ایشو تھا بھی نہیں، جس کلاس سے اس کا تعلق تھا، شازمہ کو ناپسند ہو ہی نہیں سکتی تھی، لیکن انہوں نے پوچھنا تک گوارا نہیں کیا اور ورک شاپ پر نکلنے کے لیے اپنی چیزیں سمیٹنے لگیں۔

آج کا ناشتہ باذف بمشکل حلق سے اتار رہا تھا، جب وہ میز سے گاڑی کی چابیاں اٹھانے کو آگے ہوئیں تو سرسری انداز میں پوچھا۔

''کیا کرتے ہیں اس کے پیرنٹس۔''

باذف بھی ان ہی کی اولاد تھا، اہمیت نہ ملنے پر اندر تک تلخ ہوا تھا، ان کے پوچھنے پر کرسی دھکیلتے ہوئے اٹھا۔

''میں نے پوچھنا اہم نہیں سمجھا۔''

وہ اپنی کتابیں میز سے اٹھا کر یونی کے لیے نکلنے لگا تھا جب شازمہ نے پوری طاقت سے اس کی کلائی پکڑ کر روکا۔

''تو پھر ابھی پوچھ لو۔ کیوں کہ شادی کے بعد تم مردوں کو جو چیز پہلے سوجھتی ہے، وہ اپ گریڈیشن ہوتی ہے۔''

ترحم بھری نگاہ سے ماں کو دیکھتے باذف نے ایک ــــ نگاہ بوا خالہ کی جانب اٹھائی، انہوں نے نگاہوں میں ہی، اسے چپ رہنے کا کہا تھا، جیسے وہ بعد میں سنبھال لیں گی۔

شازمہ اپنی بات مکمل کر رہی تھیں۔ ''میں اپنی بہو اپنے اسٹینڈرڈ کی لانا چاہتی ہوں۔ میں نہیں چاہتی کل وہ اپ اسٹینڈرڈ کے لیے دنیا میں خوار ہوتی پھرے، سمجھ گئے میری بات۔''

وہ اس کی کلائی چھوڑ کر جا چکی تھیں۔ وہ کچھ لمحے ساکت کھڑا رہا۔ باپ کی کج ادائیوں کی داستان گو کہ شازمہ نے بیٹے کو سنائی، کبھی اہم نہیں جانی مگر

www.urdusoftbooks.com
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

بوا خالہ کو جتنا پتا تھا سب اسے بتا دیا تھا۔ سب جان لینے کے بعد اس کا کبھی دل نہیں چاہا کہ اپنے باپ سے ملے لیکن آج اس کا دل چاہ رہا تھا، وہ اپنے باپ سے ملے اور پوچھے اپنی نفسانی خواہشات کو پورا کرتے ہوئے یہ کیوں بھول گئے تھے کہ ایک اولاد پہلے بھی پیدا کر چکے ہیں جس کی کچھ ذمہ داریاں ہیں۔

آج بہت عرصے بعد وہ پہلے کی طرح باپ سے بد دل ہوا تھا اور پھر سارا دن اسی کیفیت میں گزرا۔

☆☆☆

لائبریری کے پیچھے میدان میں، مالی مشین پکڑے کٹنگ کرتا آتا دکھائی دیتا تھا ادھر ہی ایک بینچ پر باذف ٹک گیا۔ وہ بہت دیر سے اُدھر بیٹھا پورے انہماک سے اسے دیکھ رہا تھا جیسے اسے دیکھنے ہی یونی آیا ہو۔ وہ دو کلاسز بنک کر چکا تھا اور جس طرح سے بیٹھا تھا تیسری بھی لینے کا کوئی ارادہ لگتا نہیں تھا۔

عذبہ اسے جانے کہاں کہاں تلاش کرتی اُدھر آ پہنچی۔ ہاتھ میں پکڑی فائلز، کتابیں دھپ کر کے اس کے پاس رکھتے ہوئے کچھ فاصلے سے بیٹھ گئی۔

''کہاں تھے بھئی، تھک گئی تمہیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر؟''

وہ کٹتی گھاس کو دیکھ کر ایک جذب سے بولا تھا۔

''معمولی سی تراش خراش چیزوں کو ترتیب میں لے آتی ہے، پھر وہ آنکھوں کو اچھی لگنے لگتی ہیں۔''

''اوہ ہیلو'' عذبہ نے اس کے آگے ہاتھ لہرایا۔ ''کیا ہوا تمہیں، طبیعت ٹھیک ہے تمہاری۔''

''ہوں......'' وہ چونکا پھر بات بدل کر بولا تھا۔

''خیریت...... کیوں ڈھونڈ رہی تھیں؟''

''اس بات کو چھوڑو، یہ بتاؤ، یہاں کیوں بیٹھے ہو پھر اتنے اداس۔ سب ٹھیک تو ہے نا؟''

''کیوں؟ میں اداس نہیں ہو سکتا۔''

''قطعاً نہیں اور یہ بتاؤ، آنٹی سے مجھے کب ملوا رہے ہو، بلکہ نہیں میرے ممی ڈیڈی سے ملنے کب آ رہے ہو؟''

''تمہیں یقین ہے، میرا ملنا تمہارے ممی ڈیڈ کو برا نہیں لگے گا؟''

''ہاں نا...... کیوں برا لگنے لگا، میں اس معاملے میں آزاد ہوں۔''

پھر ذرا وہ چونکی تھی۔ ''کہیں تمہارے ممی ڈیڈ نے تو ایسا ویسا نہیں کہہ دیا۔''

وہ جملہ مکمل کرنے کے بعد بھی منہ کھولے اُسے ایسے دیکھ رہی تھی جیسے فل اسٹاپ وہ لگائے۔

''تمہیں بتایا تو ہے میرے ڈیڈ نہیں ہیں، بہت پہلے ہی ان کی ڈ-تھ ہو چکی۔''

☆☆☆

ڈ-تھ کہتے ہوئے اسے بہت اذیت ہوئی تھی کیوں کہ وہ جانتا تھا، وہ یہیں کہیں اسی شہر میں موجود ہیں، لیکن جو رشتے احساس سے خالی ہوں، وہ پھر گھر میں رہیں یا ایک شہر میں، ان کی حیثیت مٹی میں دفن مُردے کی سی ہوتی ہے اور عتیق الحسن، باذف کے لیے بہت پہلے ہی مردے کا درجہ پا گئے تھے۔ اسے یاد نہیں

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے

بہنوں کے لیے خوب صورت ناولز

زرد موسم	راحت جبیں	1000/-
حساب دل رہنے دو	نبیلہ عزیز	400/-
محبت من محرم	سمیرا حمید	400/-
ایک تھی مثال	رخسانہ نگار عدنان	500/-
یہ گلیاں یہ چوبارے	فائزہ افتخار	400/-
دست مسیحا	نگہت سیما	400/-
گل کہسار	فرح بخاری	400/-

بذریعہ ڈاک منگوانے کے لیے

مکتبہ عمران ڈائجسٹ

37، اردو بازار، کراچی

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

پڑتا تھا کہ کبھی وہ اپنے باپ کی انگلی تھامے چلا ہو، یا ان ہاتھوں میں کبھی کوئی کھلونا تھمایا ہو، پہلے پہل تو باپ کا مطلب ہی نہیں پتا تھا پھر اسکول جانے لگا تو دوستوں کی ہر دوسری بات میں ایک باپ کا ذکر ہوتا، جو ان کے باڈی گارڈ کی حیثیت رکھتا تھا، کسی کو جھولے سے اتار دیا، وہ فوراً کہتا۔ ''ابو لینے آئیں گے، انہیں بتاؤں گا۔''

کسی کو گرا دیا تو...... ''آنے دو ابو سے پٹواؤں گا۔'' پھر تو ہر بات پر یہی جملہ۔

ایک دن اس نے شازمہ سے پوچھا تھا۔

''میرے ابو کہاں ہیں۔''

لمحہ بھر وہ اس کا چہرہ دیکھے گئی پھر دوٹوک کہا۔

''ایک حادثے میں، ختم ہوگئے۔''

کتنا اچھا ہوتا باذف کا ذہن اس بات کو قبول کر لیتا، کبھی کسی سے کچھ نہ پوچھتا، ویسے پوچھا تو اس نے تھا بھی نہیں بوا خالہ کو شازمہ سے باتیں کرتے سن لیا تھا۔

اس کے ننھے ذہن کی ساری حسیات بیدار ہوگئیں۔

☆☆☆

گرمیوں کی دوپہر تھی۔ موسم کی شدت کے سبب شازمہ، باذف کو قابو کیے لیٹی تھیں، ان کا خیال تھا وہ سو چکا ہے جب کہ وہ خود اسی چکر میں تھا۔ شازمہ کی آنکھ لگے تو وہ باہر دوڑے، تب ہی بوا خالہ کمرے میں آکر شازمہ کے پاس بیٹھ گئیں۔ باذف کو بند آنکھوں سے بھی اندازہ ہو رہا تھا جیسے وہ کہیں باہر سے آکر بیٹھی ہیں۔

''آج مال میں پتا ہے، کون ملا تھا۔''

''کون......!'' شازمہ کے لہجے میں تحیر تھا۔

''اس کا باپ اور کون...... پوچھ رہا تھا، باذف کیسا ہے، کتنا بڑا ہوگیا۔''

شازمہ کے دل میں کانٹے سے ابھر آئے۔

''حیرت ہے کہ اسے ہم یاد ہیں۔''

''گھر کا پوچھ رہا تھا، میں بتانے لگی لیکن اس کی بیوی پیچھے سے آگئی۔'' شازمہ کے اندر کوئی سوئی سی اتری۔ ''پھر وہ رکا ہی نہیں، ایک بچی بھی تھی ساتھ۔''

''آپ نے آواز دے کر کہہ دینا تھا، مر گئے ہم اس کے لیے۔''

وہ لیٹے لیٹے کسمسایا، اٹھ کر کھیلنے کی لگن کب کی دم توڑ گئی تھی اسے اب اس شخص کے بارے میں جاننا تھا، جس کے لیے وہ مر چکا ہے اور وہ بازاروں میں اسے ڈھونڈتا ہے اور یہ سب بوا خالہ ہی بتا سکتی تھیں۔

☆☆☆

شازمہ اور عتیق الحسن کی جب شادی ہوئی کوئی گمان بھی نہیں کر سکتا تھا ان میں کبھی جدائی بھی آسکتی ہے، وہ ایسا بیوی پر فریفتہ تھا۔

شادی کے بعد زندگی بہت خوب صورتی سے آگے بڑھ رہی تھی، ہر بات شازمہ کی تعریف سے شروع ہوکر اس کی تعریف پر ختم ہوتی۔ کھانے پکانے کی لذت شازمہ میں، طریقہ سلیقہ شازمہ میں، میل ملاپ شازمہ میں، عتیق کی کلمہ گوئی نے سارے سسرال میں اس کی دھاک بٹھا دی۔

عتیق ریلوے کے محکمے میں ایک ہیڈ کلرک کے عہدے پر فائز تھا۔ ڈھائی مرلے کا گھر ابا کے بعد عتیق کے حصے میں آیا تھا، شروع میں اخراجات نہ ہونے کے برابر تھے۔ کچھ شازمہ کی عادت کفایت شعاری کی تھی، پھر جہیز کا سامان بھی اتنا تھا، زندگی کی خوب صورتی میں کوئی فرق نہیں پڑا تھا۔ پھر باذف دنیا میں آگیا۔ اخراجات نے بھی دھیرے دھیرے مگر سر اٹھانا شروع کیا، ان ہی دنوں ریلوے نے اضافی ملازمین یہ کہہ کر فارغ کر دیے کہ اس محکمے میں بہتری کی تو کوئی امید — نہیں البتہ خسارے کے سبب زیادہ بوجھ نہیں اٹھا سکتا، عتیق الحسن بھی ان ہی ملازمین میں تھے۔

وہی عتیق جو بیوی کی محبت کے گن گاتے تھے۔

اب بات بے بات الجھ پڑتے، کہیں اور نوکری کا امکان دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ اخراجات کو کنٹرول کرنے کے لیے جو سب سے پہلے تجویز پیش کی گئی وہ شازمہ کی ملازمت کی تھی۔ بات نامناسب بھی نہیں تھی، شازمہ کی سمجھ میں فوراً آگئی، مسئلہ باذف کا تھا اس کا بھی کوئی حل نکل ہی آتا۔

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

شازمہ نے نوکری کے لیے مختلف جگہ درخواستیں بھیجنا شروع کر دیں مگر خاطر خواہ نتیجہ نہیں نکلا، ایک وجہ اس کی عام تعلیم تھی، وہ گورنمنٹ کالج سے سیکنڈ ڈویژن گریجویٹ ہی تو تھی، وہ بھی ہوم اکنامکس اور اسلامیات میں، اسلامیات سے یہ فائدہ ہوا۔ دین کے بارے میں اچھی سمجھ بوجھ پیدا ہوگئی اور ہوم اکنامکس سے سوائے مفت کا اچھا جہیز اکٹھا ہونے، سلائی کڑھائی یا کاغذوں پر رنگ بھر لینے کے اس کی سمجھ میں نہیں آیا تھا کیا فائدہ ہوا، ہاں البتہ، کھانوں میں لذت بہت تھی۔ لیکن مسئلہ تو نوکری کا تھا۔

بہت جگہ اپلائی کیا، اسکولوں میں ان مضامین کو پڑھانے والی پہلے ہی بہت تھیں، جنہوں نے کبھی خود مضمون کھول کر نہیں دیکھا، وہ بخیر و خوبی پڑھا رہی تھیں، پھر کیا ضرورت تھی اضافی ٹیچر کی، کالج کے لیول کی اس کی ڈگری نہیں تھی۔ مایوسی سی مایوسی تھی، ایک محلے کے نجی اسکول میں نوکری ملی بھی تو پانچ ہزار ماہانہ کے عوض، یہ ایسے ہی تھا جیسے اس کی چودہ سالہ تعلیم کے منہ پر تھپڑ مارا گیا ہو، لیکن اسے یہ تھپڑ بھی رخسار پر لگے بلش آن سے زیادہ پیارا لگا، کیوں کہ گھر کے مسائل خاصے بڑھ گئے تھے، فی الحال تو وہ اپنا زیور بیچ بیچ گزارا کر رہی تھی۔ وہ اسکول جانے لگی، عتیق، باذف کو سنبھالنے لگا، ساتھ ساتھ نوکری کی تلاش بھی جاری تھی کچھ عرصہ ہی گزرا تھا، جب شازمہ کی کولیگ نے کسی نجی دفتر میں خالی ویکنسی کا بتایا تھا۔ اس نے گھر آتے ہی عتیق سے بات کی تھی۔

''بتا رہی تھی، پے بہت اچھی ہے، آپ اپلائی تو کریں۔''

عتیق نے اثبات میں سر ہلاتے بہت مایوسی سے کہا۔ ''سب جگہ واقفیت چلتی ہے، نہ کوئی تجربہ دیکھتا ہے، نہ ہی ڈگری...... سب کہنے کی باتیں ہیں۔''

''اپلائی کرنے میں حرج تو نہیں ہے۔ ہاتھ پیر مارنے سے ہی وسیلے سامنے آتے ہیں۔'' پھر ایسا ہی ہوا، وسیلے بنتے چلے گئے۔

☆☆☆

شازمہ نے آج غور کیا تھا، وہ بہت دلجمعی سے تیار ہو رہا تھا۔ عام طور پر وہ جب اسکول کے لیے نکل جاتی تب وہ آفس جاتا تھا لیکن آج باذف کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی اس نے چھٹی کر لی، اور عتیق کی تیاری پر حیران رہ گئی۔ اُسے اس آفس میں نوکری کرتے ہوئے سال پورا بھی نہیں ہوا تھا اور اتنے سے عرصے میں عتیق میں بہت سی تبدیلیاں آ گئی تھیں، صرف لباس میں ہی نہیں، استعمال کی ایک ایک چیز میں اچھے برانڈ کو فوقیت دیتا، عام بازار سے لائی اچھی چیز اس کے مزاج پر پوری اترتی ہی نہیں تھی۔ مانا تنخواہ بہت اچھی تھی بلکہ دن بہ دن بڑھتی تنخواہ دیکھ کر شازمہ نے سب سے پہلا فیصلہ اسکول چھوڑنے کا کیا، جو عتیق کو بالکل بھی پسند نہیں آیا تھا، اس نے صاف کہہ دیا تھا۔

''تم ٹیچنگ کرتے اتنی ایکٹو نہیں ہو سکیں جتنی ورکنگ ویمن ہو جاتی ہیں، گھر بیٹھ کر تو بالکل ہی، لیزی ہو جاؤ گی، ایک دم بے کار عورت۔''

سن کر لمحہ بھر کو شازمہ ٹھٹک سی گئی۔ ''کیا مطلب ہے اس بات کا عتیق؟''

''جسٹ سمپل یار! وقت کے ساتھ انسان کو اپ گریڈ ہونا چاہیے نا کہ بیک کی جانب اور اسکول والے سات، آٹھ ہزار دے کر تمہاری گرومنگ ہی کر رہے ہیں نہ کہ کچھ لے رہے ہیں۔''

کچھ دیر تو یہ بات اس کی سمجھ میں ہی نہیں آئی، جب سمجھ میں آئی تو عتیق پر رشک ہی آیا۔

''بات تو صحیح ہے، گھر بیٹھ کر تو صلاحیتوں کو زنگ ہی لگے گا، پھر خالی ذہن شیطان کی آماجگاہ، اسکول میں کچھ نہ سہی، باذف کی پرورش پڑھے لکھے ماحول میں ہو رہی ہے۔''

باذف سال بھر سے اوپر کا تھا، جب عتیق کو نوکری ملی۔ وہ خاموش بچہ تھا۔ اپنے کام میں لگا رہتا، محسوس نہیں ہوا، پھر آدھے دن میں گھر آ ہی جاتی تھی، سسرالی ساتھ رہتے نہیں تھے، جو کام کا بوجھ ہوتا۔ عتیق رات کو گھر آتا، شازمہ کو آرام کرنے کے بعد بھی اتنا وقت آرام سے مل

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

جاتا کہ گھر کے کام اور کھانا پکانا آرام سے کر لیتی تھی۔ زندگی ایک آرام دہ ڈگر پر رواں تھی کبھی سوچا ہی نہیں کہ کوئی طوفان بھی زندگی کا حصہ ہوگا لیکن اس دن وہ یک دم ہی اس کی تیاری پر چونک سی گئی۔

سب سے پہلے تو شرٹ پسند کرنے میں ہی بہت دیر لگائی، پھر اسے جوتے پسند نہیں آرہے تھے اور کلون، ہیئر اسٹائل، گھڑی باندھنے کے دوران کوئی دس بار اپنا تنقیدی جائزہ لیا ہوگا۔ باذف کو کاٹ میں لٹانے کے لیے جھکی شازمہ نے تنقیدی لہجے میں بالآخر پوچھ ہی لیا۔

"تم آفس کے لیے ہی تیار ہورہے ہونا؟"

مہنگے موبائل پر میسج ٹائپ کرتے اس نے بھنویں اچکا کر دیکھا تھا۔

"کیوں، تمہیں کیا لگ رہا ہے؟"

"کچھ لگ رہا ہے یا نہیں...... مگر آفس کی تیاری ہرگز نہیں لگ رہی۔"

اس کے لہجے میں خدشے تھے، جس پر وہ استہزائیہ ہنسا۔

"اب میں تمہاری طرح، سفید پاؤڈر تھوپا، لپ اسٹک لگائی اور تیار...... ایسے آفس تو نہیں جا سکتا۔ کام پر جانے کے کچھ ایتھکس ہوتے ہیں جس کلاس میں میں اٹھتا بیٹھتا ہوں، اس کے کچھ مینرز ہیں...... لیکن تم نہیں سمجھوگی۔"

اسے اچنبھا ہوا۔ "اچھا...... یہ ایمپلائرز کی کلاس کب سے بدلنے لگی؟ اور پھر آفس میں...... ہاں؟"

"نہیں ڈیٹ پر کسی کو لے جارہا ہوں۔ آج اگر چھٹی کرلی ہے تو میرا پیچھا کرکے ٹائم کو یوٹیلائز کرلیتا۔"

"بیویوں کو پیچھا کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی عتیق! یہ شوہر کے سائے کو دیکھ کر بتا دیتی ہیں، یہ کب کس کس پر پڑا ہے۔"

"اچھا۔" وہ میکانکی انداز میں گھوم کر اس کے سامنے آیا۔ موبائل پینٹ کی جیب میں اڑسا اور اس سے پوچھا۔

"پھر ذرا دیکھ کر بتاؤ، یہ کب کب، کس کس پر پڑ چکا ہے۔"

اس کے لب و لہجے پر شازمہ حیران سی حیران تھی۔ صرف آنکھیں ہی نہیں سارا چہرہ نم پڑتے سرخ ہوگیا تھا۔

"مجھے صرف اتنا پتا ہے، یہ بہت عرصے سے مجھ پر نہیں پڑا۔" اسے اپنی آواز کی کپکپاہٹ تکلیف دینے لگی۔ "اور میں اتنی بے وقوف، سمجھ ہی نہیں سکی، کام کام کام۔ بس اس تھکاوٹ کو ہی زندگی سمجھ لیا۔ تم مجھ سے اتنے دور ہوتے گئے، مجھے پتا ہی نہیں چل سکا۔"

"اب پتا چل گیا ناں۔" وہ پورے کروفر سے بولا۔ "زیادہ واویلا کرنے کی ضرورت نہیں ہے، ورنہ انجام کی تم خود ذمہ دار ہوگی۔"

وہ سفاکی سے کہہ کر جانے کے لیے مڑا ہی تھا کہ شازمہ نے پورے استحقاق سے اس کی کلائی پکڑ کر پوری طاقت سے اپنی جانب گھمائی۔

"انجام کی ذمہ دار میں ہوں گی۔ تم ایک غیر کے لیے مجھ سے کیسے یہ سب کہہ سکتے ہو۔ مجھ سے، اپنی بیوی کو، اپنے بچے کی ماں سے...... وہ شازمہ جو برے وقت میں تمہاری سپورٹر بنی۔ اب اسے انجام کی دھمکی دے رہے ہو۔"

عتیق کا استہزائیہ انداز غیر معمولی تھا۔

"اوہ...... گنتی کے آٹھ دس ماہ کے کمائے چند ہزار کو، میری سپورٹ کہہ رہی ہو...... ہاہاہا...... واہ شازمہ بیگم واہ!"

تالیاں پیٹتے ہوئے ایسے لگ رہا تھا جیسے وہ ناچنا بھی چاہ رہا ہو۔ "اور جو میں تین سال سے تمہاری کفالت کررہا ہوں۔ وہ، اس سپورٹ کو کیا کہو گی۔ جو دو چار ہزار لاتی ہونا، وہ تمہاری سرخی پاؤڈر کی ہی نذر ہوتے ہیں، میرے کسی کام کے نہیں ہیں سمجھیں۔"

وہ کہہ کر رکا نہیں تھا، تیزی سے باہر نکل گیا۔ وہ اس کی پشت تکتی رہ گئی۔

☆☆☆

عتیق جب انٹرویو دینے گیا تھا، پینل میں صرف کمپنی کے مالک شیخ مختار تھے اور ان کے قریب ہی ایک طرح دار لڑکی بیٹھی تھی، تقریباً پچیس چھبیس سال کی، قدرتی حسین تھی یا نہیں، کیوں کہ اس کلاس کا طرز رہائش ہی حسین بنا دیتا ہے، مگر جتنی حسین لگ رہی تھی اتنی ہی اکتائی ہوئی اور بے زار، عتیق کے انٹرویو کے دوران کوئی تین بار تو اس نے شیخ مختار سے

www.urdusoftbooks.com
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

اجازت طلب کی تھی۔
"ڈیڈ! اب میں جاؤں؟"
شیخ مختار نے منع تو نہیں کیا تھا البتہ خاموش بیٹھے رہنے کی پیار بھری تنبیہہ کرتے رہے، عتیق کی سی وی انہیں بہت پسند آئی تھی ایم۔ بی اے کے ساتھ کمپیوٹر کے کئی ڈپلوما بھی کر رکھے تھے اور کمپنی میں اس وقت سیٹ بھی آڈٹ کی خالی تھی۔
چند ضروری سوال کرنے سے ہی شیخ مختار کو اس کی قابلیت کا اندازہ ہو گیا، اسے اپائنٹمنٹ لیٹر ایک دو دن میں بھیج دینے کی جیسی خوش خبری سنا دی۔ وہ بہت خوش گھر آیا تھا اور جس دن اپائنٹمنٹ لیٹر گھر آیا، شازمہ کے سجدے ختم نہ ہوتے تھے، وہ اپنی سہیلی کی ممنون تھی جس نے نوکری کا بتایا تھا۔ عام جاب تو تھی بھی نہیں۔ تنخواہ تیس ہزار سے اسٹارٹ تھی، تین ماہ کا ٹرائل ختم ہوتے ہی تنخواہ بڑھ جاتی، تب تک شازمہ کی تنخواہ بھی بڑھ کر نو ہزار ہو چکی تھی، تیس عتیق کے نو شازمہ، کل چالیس کے قریب، تو میں گھسٹتی زندگی کے بعد یہ خوشی ایسی تھی جیسے وہ بادشاہ بن گئے ہوں۔
آنے والے خوش آئند دنوں کا سوچ کر شازمہ نہال ہونے کے ساتھ ساتھ عتیق کی خدمت میں جت گئی تھی، ہر طرح کا آرام، ہر بات کا خیال پہلے سے بڑھ گیا تھا، اُدھر عتیق کے انداز و اطوار دن بدن بدلنے لگے۔ وجیہہ شخصیت میں جاذبیت سی بڑھتی جا رہی تھی، تین ماہ کے ٹرائل میں اس کے کئی ٹرائل ہو چکے تھے، سب سے پہلے تو شیخ مختار اس کے کام سے متاثر ہوئے، پھر انہیں احساس ہوا کوئی اور بھی اس سے متاثر ہو رہا ہے۔ آئلہ، ان کی بیٹی جس کے اندر کی رچی بیزاریت دو سال سے ٹوٹنے کا نام نہیں لے رہی تھی، وہ کام میں دلچسپی لینے لگی ہے۔
☆☆☆
آئلہ شیخ مل اونر مختار شیخ کی اکلوتی اولاد تھی۔
بچپن سے اب تک ہر بات ماننے والے ماں باپ نے زندگی کے اہم فیصلے پر اس کی بات ماننے سے انکار کر دیا تھا۔ شروع میں اسے ماں باپ کا یہ انکار بے وجہ کی انا لگی تھی لیکن وقت نے اسے اس انا کے بدلے جس قدر توڑا تھا، پھر وہ بھربھری ریت کی مانند بیٹھتی چلی گئی، جو ہو رہا تھا، ہوتا گیا، وہ خاموش دیکھتی رہی، مختار شیخ بیوی کے مشورے پر بطور خاص اسے آفس لانے لگے تھے تاکہ وہ اپنے اندر کی گھٹن سے نجات پائے۔ اسے آفس آتے چار پانچ ماہ ہو گئے تھے لیکن جو تبدیلی مختار شیخ نے محسوس کی وہ حیران کن تھی۔ ان کی بیٹی زندگی کی طرف لوٹ رہی تھی۔ اس تبدیلی کی اہم وجہ عتیق الحسن تھا۔ شروع شروع میں وہ اس کے کیبن میں کسی بہانے سے تھوڑی بہت دیر کے لیے جاتی پھر تو اپنے آفس سے نکل کر گھنٹوں اس کے پاس بیٹھی رہتی، عتیق کو یہ صورت حال کچھ دن ہی معیوب لگی، پھر تو جیسے سرور آنے لگا۔
آئلہ خود بھی حیران تھی، عتیق میں اسے ایسا کیا محسوس ہوتا ہے، ایک عام سا خوب صورت مرد ہے۔ بس بائیں گال پر پڑنے والا ڈمپل اس میں وہ ڈوب کر نکلی تھی، اتنے غور سے تو شاید شازمہ نے بھی عتیق الحسن کو نہ دیکھا تھا جیسے وہ فرصت سے دیکھتی تھی۔ وہ بات سے بات نکالتا رہتا، آئلہ اس کا ڈمپل دیکھتے جواب دیتی رہتی، جب یہ معاملہ مختار شیخ پر کھلا تو انہوں نے عتیق کی تنخواہ ٹرائل ختم ہونے سے مہینہ پہلے ہی ڈبل کر دی، عتیق کی دلچسپی جاب میں بڑھ گئی۔ آئلہ کی اس میں۔ وقت سرعت سے گزرتا رہا۔
پہلے تو شازمہ کو شک تک نہیں گزرا تھا وہ شکرانے اور گھر سجانے میں لگی رہی، جب آنکھیں کھلیں تو شکرانے کیا سجدے بھی قضا ہونے پر آ گئے تھے، اس روز اس کی تیاری پر معمولی شک ہی گزرا تھا، پر جیسے عتیق نے غصے کا اظہار کیا۔ وہ غیر معمولی تھا۔ اب یاد آ رہا تھا، عتیق کچھ عرصے سے ہر چیز سے اکتاہٹ کا شکار تھا، ہر چیز میں نقص نکالتا۔
"کیا کچا پکا پکاتی ہو۔ فرنیچر کی پالش سخت ہو گئی، کمرے میں کتنی گھٹن ہے، ایسے لگتا ہے، سوئیں گے چھت اوپر آ جائے گی۔ اس گھر سے تو قبر بھی بڑی ہو گی۔"

www.urdusoftbooks.com
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

"کیسی ناشکری کی باتیں کرتے ہیں عتیق!" شازمہ دہل سی جاتی تھی۔ "گھر کی قدر ان سے پوچھیں، جن کے پاس نہیں ہے۔"

"ایک تو تمہاری یہ تھالی کے ساتھ کنالی، والی باتیں مجھے بہت اریٹیٹ کرتی ہیں، جہاں اللہ نے پیدا کر دیا، وہیں ایڑیاں گھسا کر قبر کھودلو۔"

شازمہ نے ایک شکوہ کناں نگاہ اٹھا کر دل میں ہزار تو بہ کی بولی، کچھ نہیں مگر عتیق بولتا رہا۔ "مائی ڈیئر یہ اسٹون ایج نہیں ہے، پتھر رگڑ رگڑ کر آگ جلاؤ یا کھونٹے سے لگے رہو۔ بھاگنے کا دور ہے، اونچا ہو کر بھاگنے کا، آگے بڑھ جانے کا۔"

وہ اندر تک کڑوی ہو گئی تھی۔

"پنجوں کے بل بھاگنے سے منہ کے بل گر جاتے ہیں عتیق!"

"تف ہے تم پر۔ کبھی اچھا نہ سوچنا۔" عتیق نے ہتک آمیز انداز میں گردن جھٹکی تھی۔

"اس میں تف کی کیا بات ہے۔ اتنا تو اللہ نے اٹھا دیا ہے، کہاں آٹھ دس میں گزارہ ہو رہا تھا، اب دن بہ دن ہزاروں بڑھ رہے ہیں، ابھی بھی ناشکری۔"

"یہ سب میری وجہ سے بڑھ رہے ہیں، میری ترجیحات، میری سوچ، میری آگے کی پلاننگز۔"

وہ بات ختم کر کے آخر بڑبڑاتا ہوا اٹھ ہی گیا۔

"لیکن تم کیا سمجھو گی، لکیر کی فقیر۔"

ہاں وہ لکیر کی فقیر تھی، جس کے نام کے ساتھ نکاح نامے پر لکیریں کھنچی تھیں، وہ ان ہی لکیروں سے چپکی رہنا چاہتی تھی لیکن آج اس کو عتیق الحسن کے انداز نے لکیر گڑھے کی صورت دکھائی جو کھنچ کر خندق بن گئی اور اوپر سے دھمکی کہ واویلا نہ ہو۔ آواز نہ نکلے۔

عتیق کے آفس چلے جانے کے بعد اس نے بہت دیر غور کیا، اسے کیا کرنا چاہیے، اندر کی عورت الاپ رہی تھی "اپنا حق، اپنا حق" اس نے باذف کو پڑوس میں چھوڑا اور اپنا حق جتانے اس کے آفس پہنچ گئی، اس کا خیال تھا وہ اسے اتنا شرمندہ کرے گی کہ وہ منہ دکھانے کے قابل نہ رہے مگر عتیق کی قسمت اچھی تھی، وہ آفس میں تھا ہی نہیں، اس کے ساتھی کولیگ نے بتایا۔

"وہ تو بہت دیر پہلے چلے گئے تھے، ایک ضروری کام تھا آفس کا۔"

پل بھر کو وہ ساکت رہ گئی پھر ذرا ہمت مجتمع کر کے استفسار کیا۔

"باس ہیں؟"

کولیگ نے سر اثبات میں ہلایا۔

"مجھے ان سے ملنا ہے۔"

وہ اس کی نشاندہی پر اس کمرے کی جانب چلی گئی۔ وہ ادھیڑ عمر کا شخص تھا، شازمہ کا تعارف سن کر اسے جیسی حیرت ہونا چاہیے تھی، ہوئی نہیں جیسے اسے سب پتا ہو، نہ صرف شازمہ کا بلکہ باذف کا بھی، خیر، خیریت، آنے کا مقصد پوچھ کر بہت آرام سے کہہ دیا۔

"لیکن وہ تو اس وقت کسی اہم کام سے گئے ہیں۔"

"جانتی ہوں اہم کام۔"

اس نے دل میں سوچا، مگر اسے یہ نہیں پتا تھا وہ ضروری کام اسی باس کی بیٹی ہے، ورنہ وہ، ایسا تماشا لگاتی کہ آفس کا کیپر تک جان جاتا۔ بہت دیر انتظار کے بعد بالآخر وہ اٹھ ہی گئی۔

"وہ آئیں تو بتا دیجیے گا، گھر پر بھی بہت ضروری کام ان کا منتظر ہے۔"

شیخ مختار بولے نہیں مسکرا کر اثبات میں سر ہلا دیا، بولتے بھی کیسے، جو فیصلہ وہ چند دن پہلے کر چکے تھے، اس پر مطمئن ہو کر مسکرا ہی سکتے تھے، سو مسکراتے رہے، شازمہ کے جانے کے بہت دیر بعد تک۔

☆☆☆

جلے پاؤں کی بلی، یہ صرف سنا ہی تھا، کبھی ایسی بلی دیکھی نہیں تھی جس کے پاؤں جل گئے ہوں، لیکن اس وقت وہ اس کی عملی تفسیر بنی ہوئی تھی، ایک لمحے کو سکون میسر نہیں تھا، چند گز کے صحن میں میلوں مسافت طے کر لی تھی، عتیق رات گئے گھر لوٹا اور ایسے پھٹا جیسے بم پھٹ گیا ہو۔

"کیا مسئلہ تھا، آفس کیوں گئی تھیں؟"

www.urdusoftbooks.com

"تم ہی کہہ کر گئے تھے، تمہارا پیچھا کر کے ٹائم یوٹیلائز کروں۔ وہی کرنے گئی تھی۔"

اس کے انداز پر وہ چڑ گیا۔

"اپنی حد میں رہو شازمہ! تم بھول رہی ہو، یہ گھر میرا ہے، ایک منٹ میں یہاں سے نکال سکتا ہوں۔"

انگاروں بھرا تھال شازمہ کو خود پر گرتا محسوس ہوا۔

"میں تمہاری گرل فرینڈ نہیں ہوں جو ہاتھ پکڑ کر گھر سے نکال دو گے، یہ میرے شوہر کا گھر ہے، کوئی مجھے یہاں سے بے دخل تو کرے۔"

عتیق کے چہرے پر یک دم بہت سا تمسخر پھیل گیا تھا، جیسے شازمہ کے کھوکھلے لفظ اسی کا مذاق اڑا رہے ہوں مگر وہ کمزور نہیں پڑی، آنکھیں چھوٹی کرتے چبا چبا کر بولتی رہی۔

"تم اگر اس عہدے سے ہٹ بھی جاؤ، تو میرا بیٹا اس گھر کا اکلوتا وارث ہے، میں یہ گھر چھوڑنے والی نہیں۔"

گھر تھا ہی کیا، چند لاکھ کا، وہ کروڑوں کے گھر کا مکین بننے چلا تھا، لمحہ بھر کے لیے عتیق کو اس کی راجدھانی پر ترس سا آگیا اور فیصلہ کرلیا۔

"چلو پھر تم ایسے خوش ہو، تو رہو۔"

کہہ کر۔۔۔ جانے کے لیے مڑا کچھ یاد آنے پر عام سے لہجے میں ایسے بولا جیسے معمولی اطلاع دینی ہو۔

"ریمائنڈ یو۔ یہ گرل فرینڈ والی اصطلاح ذرا درست کرلو۔ آنلہ شیخ، میرے باس کی بیٹی! اب میری بیوی ہے، دو دن پہلے ہمارا نکاح ہو چکا ہے۔"

بنا بادل کے بجلی شازمہ پر گری اور اسے بھسم کرگئی۔

"یہ تم کیا کہہ رہے ہو عتیق! تم ایسا کیسے کر سکتے ہو۔ تمہیں ایسا کرتے ہوئے لمحہ بھر کو بھی، میرا یا باذف کا خیال نہیں آیا۔"

"تم ہی دونوں کا خیال آیا تھا۔ تمہیں اپ اسٹینڈرڈ کرنے کے لیے کیا ہے سب، مستقبل بن جائے گا باذف کا۔" اس کے ڈھٹائی سے کہے گئے جملے پر، وہ تڑپ اٹھی۔

"میں لعنت بھیجتی ہوں ایسے اسٹینڈرڈ پر جو شوہر کی کمائی کے بجائے، سوتن جہیز میں لائے۔"

عتیق ۔۔۔ آنلہ کی زلف کا اسیر ہو چکا تھا، اس نے آنلہ اور اس کے ماں باپ سے اپنی ذاتی زندگی کے بارے میں کچھ نہیں چھپایا تھا حالانکہ انہوں نے جاننے میں قطعاً دلچسپی ظاہر بھی نہیں کی تھی، ان میاں بیوی کے لیے یہی بہت تھا، ان کی اکلوتی بیٹی، جس کے بارے میں حلقۂ احباب میں باتیں سر اٹھانے لگی تھیں، دولت ہوتے ہوئے ہر راستہ بند گلی کی جانب مڑ رہا تھا، اسے شاہراہ دکھائی دینے لگی، مختار شیخ کے کہنے پر ان کی بیوی برجیس نے آنلہ سے باتوں باتوں میں پوچھا تھا۔

"عتیق الحسن اچھا انسان لگتا ہے۔۔۔ تمہارا کیا خیال ہے اس بارے میں۔"

اس نے چونک کر ماں کو دیکھا اسے تو وہ ذکی محمد کی وجہ سے اچھا لگتا تھا، وہ اُسی کی طرح باتیں کرتا تھا، اُسی کی طرح مڈل کلاس سے تھا، اور بائیں رخسار کا گڑھا، ہاں بالکل ہنستے ہوئے ویسے ہی پھیل جاتا تھا، جس میں پھسل کر وہ اب تک نہ نکل سکی تھی، اسے سوچ کر بھی ہنسی آگئی۔

"میری پسند کی چیزیں، آپ کو کب سے اچھی لگنے لگیں۔"

بیٹی کے طنز پر ان کا دل کٹ کر رہ گیا بہت رسان سے سمجھانے لگیں۔

"ایسی بات نہیں ہے میری جان! ماں باپ سے بھی بھول چوک ہو جاتی ہے۔ ماضی کے پچھتاوں کا رنگ اترے گا تو مستقبل واضح ہوگا، اگر تمہیں عتیق پسند ہے، تو بتاؤ۔ اس سے ہم بات کر لیتے ہیں۔"

وہ ماں کو دیکھ کر، بنا تاثر کے بولی تھی۔ "وہ شادی شدہ ہے، بیٹا بھی ہے۔"

"تو کیا ہوا۔" انہوں نے کندھے اچکائے۔

"ہم کون سا زبردستی کر رہے ہیں، تمہارے ڈیڈ کا خیال ہے وہ تم میں انٹرسٹڈ ہے اور ہوسکتا ہے اسے اپنی بیوی پسند نہ ہو یا وہ کچھ اور چاہتا ہو، بات کرنے

www.urdusoftbooks.com
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

میں کیا حرج ہے۔"
کسی انہونے خدشے سے آئلہ کا منہ کھل گیا۔
"اگر اسے اپنی بیوی پسند ہوئی تو کیا مجھے اپنانے سے انکار کر دے گا؟"
اس کی بے قراری سب راز کھول گئی، پھر بر جیس اور مختار شیخ نے دیر نہیں لگائی تھی عتیق سے بات کرنے میں، اندھا کیا چاہے دو آنکھیں اور عتیق تو دولت دیکھ کر ایسا اندھا ہوا تھا، جو ایک آنکھ کیا۔کانی پر بھی دل سے راضی تھا اس نے اپنی شادی کا جواز کچھ سیاسی سا دیا تھا۔
"بس سمجھوتے کی شادی سمجھیں، بیٹے کی خاطر نباہ تو کرنا ہی تھا۔"
"تو بیٹا کرو نباہ، کس نے روکا ہے۔ ہماری آئلہ جتنے بڑے دل کی ہے، اسے کسی سے کوئی ایشو نہیں ہوگا۔"
بات ہی ختم ہوگئی تھی عتیق نے مزید وقت ضائع نہیں کیا اور آرام سے نکاح پڑھوالیا۔خوش نصیب تھا، قسمت پر شاکر شازمہ تو ملی ہی تھی آئلہ بھی ہٹ دھرم نہیں تھی۔ اس نے پہلی بیوی چھوڑنے جیسا کوئی مطالبہ نہیں رکھا، اگر کر لیتی تو بھی یقیناً عتیق پورا کر ہی دیتا، جتنا وہ اس کے اسٹیٹس میں ڈوبا تھا، ہاں بس اتنا سا کہا تھا۔
"دن میں تم اپنی بیوی بیٹے سے مل آیا کرو، مگر مستقل قیام ادھر ہی ہوگا، اور اگر چاہو تو انہیں یہاں لے آؤ، انیکسی میں۔"
وہ انہیں لینے ہی گیا تھا لیکن شازمہ نے بنا سنے ہی لعنت بھیج دی تھی۔

☆☆☆

وقت چند سال آگے سرک گیا۔

دبلی پتلی، نازک سی آئلہ، ہر پل چاہنے والی، بڑا سا گھر، پھیلا ہوا بزنس، اب قسمت اس پر منکشف ہوتی چھوٹے چھوٹے جھٹکے لگانے لگی تھی، پہلا جھٹکا شادی کے چند ماہ بعد لگا تھا، اس روز اس کی طبیعت آفس میں کچھ مکدر ہو رہی تھی وہ اٹھ کر گھر آ گیا۔ڈیفنس میں موجود بہترین بنگلہ، جس کے لان میں آئلہ دو ڈھائی سال کے قریب بچی کو فٹ بال کھیلنا سکھا رہی تھی، جب وہ گاڑی سے اترا، جو چیز سب سے پہلے کانوں میں گئی وہ آئلہ کی کھلکھلاہٹ تھی، پھر اس کے چہرے کی چمک، جو بے انتہا خوش ہونے کا پتا دیتی تھی، وہ قدم قدم آگے آیا، جھک کر بچی کو اٹھا لیا، پل بھر کو آئلہ بھی ٹھٹھک گئی مگر ظاہر نہیں ہونے دیا تھا۔
"بھئی کون ہے اتنی پیاری بچی!"
"عذبہ......"
"نام تو بڑا پیارا ہے، اسی کی طرح۔"
شاخ سے تازہ ٹوٹے سیب جیسے گال پر اس نے بوسہ لیا تھا "کس کی بیٹی ہے؟"
اس کا جواب آئلہ نے نہیں دیا تھا بچی بھی اپنا گال ایسے رگڑ رہی تھی جیسے بوسہ پسند نہ آیا ہو۔
"بتایا نہیں، کون آیا ہے، کس کی بیٹی ہے؟"
آئلہ سے جواب نہیں بن پا رہا تھا، اتنے میں بچی نے بانہیں پھیلاتے ہانک لگائی۔
"ممی......"
مشکل ہی آسان ہوگئی، عتیق اچھا خاصا چونک گیا تھا آئلہ اسے اپنی گود میں لینے کو آگے آئی، عتیق نے بچی ٹرانس کی صورت آگے بڑھائی تھی۔
"یہ کیا کہہ رہی ہے؟"
"تمہیں اس سے کیا، یہ جو بھی کہے۔" اس نے بچی کو گود میں لے لیا اور مڑنے لگی تھی، عتیق نے اس کا بازو پکڑ کر اپنی جانب گھمایا۔
"اس بات کا کیا مطلب سمجھوں، کلیئر کرو مجھے۔"
اس نے اپنا بازو نرمی سے چھڑاتے آرام سے کہہ دیا۔
"جب مناسب سمجھوں گی، بتادوں گی۔"
وہ کہہ کر رکی نہیں، بلڈنگ کی جانب بڑھ گئی، پیچھے وہ ساکت سارہ گیا۔

☆☆☆

ان کی کمرے میں بہت دیر بحث ہوتی رہی آخر

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

وہ جھنجھلا کر بولی۔
"تمہارے ساتھ مسئلہ کیا ہے عتیق، مڈل کلاس کی طرح بات کی کھال مت کھینچتے رہا کرو۔"
"میں نے تمہیں اپنا سب ماضی بتا دیا تھا، پھر تم نے کیوں چھپایا۔"
"تم نے خود بتایا تھا۔ کسی نے پوچھا نہیں تھا۔"
عتیق کو کوفت محسوس ہو رہی تھی۔ "لیکن میں پوچھنا چاہتا ہوں۔ کون تھا؟ پہلی شادی کب ہوئی تھی تمہاری؟"
"بہتر ہے تم اس کھوج میں نہ ہی پڑو۔"
اس وقت آنلہ کی آواز میں اس کی کلاس کا گمان بھی نہیں ہوتا تھا، بالکل مڈل کلاس عورت کی طرح لہجہ بھیگ گیا تھا، سچے کھرے دل کی عورت کسی بھی کلاس سے ہو، ایک جیسی ہوتی ہے، خود پر جھیلنے والی، ہر لمحے کو محسوس کرنے والی۔
آنلہ شیخ کو محسوس بھی نہیں ہوا وہ کب اور کیسے ذکی محمد کی محبت میں گرفتار ہو گئی، ساری کلاس اس بلوچی لڑکے کی چال ڈھال، ذہانت سے متاثر تھی، آنلہ اس کے رخسار پر پڑنے والے ڈمپل سے، کب وہ ایک دوسرے کو پسند کرنے لگے یہ اسے یاد نہیں تھا اتنا یاد تھا، جب گھر میں اس کے رشتے کا معاملہ چلنے لگا تو اس نے ذکی محمد کا نام آگے رکھا تھا، مختار شیخ اس کی مڈل کلاس کا سن کر پھٹ پڑے۔
"تمہارا دماغ ٹھیک ہے، اب مختار شیخ کا داماد بھینس کالونی کا ہوگا۔"
"اس سے کیا فرق پڑتا ہے ڈیڈ! آپ اس سے ملیں، وہ بہت ڈیسنٹ ہے۔ یونی کا بہت قابل لڑکا ہے۔ پلیز۔"
"مجھے کوئی شوق نہیں ہے، کسی ڈیسنٹ شخص سے ملنے کا، انڈرسٹینڈ۔"
ان کے دوٹوک کہنے پر وہ بھی لہجے کو ٹھوس بنا کر احتجاج پر اتری۔
"لیکن مجھے بہت شوق ہے، میں اپنے شوق کے خلاف نہیں جاؤں گی۔ ہرگز نہیں۔"

مختار شیخ نے اگلے دانت جماتے تند نگاہ سے اسے دیکھا اور برجیس سے کہا تھا۔
"سمجھاؤ اسے۔" اور وہاں سے ہٹ گئے۔

☆☆☆

برجیس کی دہری شامت آ گئی تھی۔ ایک جانب بیٹی ڈٹی ہوئی تھی دوسری جانب شوہر، دونوں کسی صورت بات سمجھنے پر تیار نہیں تھے، آخر وہ تنگ آ کر بولی تھیں۔
"تمہیں باپ کی عزت کا ذرا بھی خیال نہیں، جس نے ہر چیز سے زیادہ تمہیں چاہا۔ تمہاری پرورش کی، ایک ایک چیز کا خیال رکھا۔"
"اور آپ کو میرے دل کا ذرا بھی خیال نہیں۔ آج تک کسی کھلونے کو انکار نہیں کیا۔ میرے خوابوں کے پیچھے پڑ گئے۔" وہ ان ہی کے لہجے میں بولی تھی۔
"آنلہ! یہ زندگی ہے، خوابوں، کھلونوں کے سہارے نہیں گزرتی، ٹوٹ گئے، نئے لے لو۔ جو شخص کھانا کھلائے تو مکان کا کرایہ نہ دے سکے، ہم تمہاری ساری زندگی اسے دے دیں۔ ماں باپ ہیں تمہارے، کہیں سے اٹھا کر نہیں لائے کہ پھینک دیں۔"
آنلہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔
"اگر آپ چاہیں تو بہت کچھ کر سکتے ہیں، اکلوتی اولاد ہوں آپ کی، لیکن آپ کو تو ماں باپ ہونے کا سود وصول کرنا ہے، اونچے گھرانے میں بیاہ کر۔"
"تم جو چاہے مرضی سمجھو۔"
اب وہ اٹل انداز میں کہنے لگیں۔ "ہم نے تمہارا رشتہ، شیخ سعد سے طے کر دیا ہے اور بہت جلد تمہاری رسم کرنے والے ہیں۔"
اس کا تحیر سے منہ کھل گیا اس نے بھرپور احتجاج بھی کیا لیکن دو دن بعد ہی ذکی محمد کی جانب سے موصول ہونے والی ایک کال نے ہر جذبہ جھاگ کی طرح بٹھا دیا تھا۔
"آنلہ، میری فیملی زیارت واپس جا رہی ہے، وہاں میری شادی تایازاد سے طے ہو گئی ہے، تم خوش رہنا ساری زندگی۔"

www.urdusoftbooks.com
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

وہ حیران سی حیران تھی، اس نے ساری یونی میں اسے چھان مارا، کسی کو پتا نہیں تھا کہ وہ اتنا پڑھا کو لڑکا پڑھائی ادھوری چھوڑ کر کہاں گیا۔ مختار شیخ نے نہ اس کا ایڈریس مانگا تھا، نہ ملے تھے۔ جانے کہاں سے کھوج لگائی، اس سے کیا کہا، وہ لڑکا طلسمی چادر میں ہی چھپ گیا۔

☆☆☆

پیر اتوار کی شام تھی۔ ایک بہترین تقریب میں آئلہ کی منگنی کی رسم کو اچانک ہی مختار شیخ نے نکاح میں بدل دیا، اور رخصتی دو ماہ پر جیسے شادی طے تھی، رکھ دی۔ نہ چاہتے ہوئے بھی آئلہ نے سعد کی زندگی میں قدم رکھ ہی دیے۔ مشرقی لڑکی کی طرح قسمت کا لکھا، سمجھ کر زندگی کے نئے خواب بننا شروع کر دیے، جتنی شیخ مختار کے لیے بیٹی کی شادی اہم تھی اتنی ہی شیخ سعد کے خاندان کے لیے شیخ سعد کی خوشی، دونوں جانب طاقت کے بل بوتے پر تیاریاں زوروں پر تھیں، وہ اس دن اسے برائیڈل ڈریس کی تیاری کے سلسلے میں دبئی ساتھ لے جانے کے لیے آیا تھا، آئلہ کسی صورت ساتھ جانے پر آمادہ نہیں تھی، برجیس نے ڈپٹ دیا۔

"کیا بدتمیزی ہے، کس کلاس سے میچ کرتی ہو خود کو۔ وہ تمہاری مرضی سے شاپنگ کرنا چاہتا ہے، تمہیں جانا چاہیے، بلکہ تم اس کی بھی شاپنگ کر لینا، اچھا ہے کچھ وقت شادی سے پہلے ساتھ گزار لو، ایک دوسرے کو سمجھنے میں آسانی ہوگی۔"

دبئی کی روشنیوں، خوشبوؤں، کھانوں نے وہ اثر دکھایا، انہیں اندازہ ہی نہیں ہو سکا وہ ایک دوسرے کو کتنا سمجھ گئے، کتنے قریب ہوتے چلے گئے۔ آئلہ کا معمولی احتجاج سعد کے سامنے لایعنی تھا، شرعاً وہ اس کی منکوحہ تھی۔

موسموں کا تغیر ایک خوب صورت اور فطری عمل ہے، بہار ابھی چند قدموں کے فاصلے پر تھی، خزاں سے ننگی ہوئی شاخوں پر جا بجا کونپلیں پھوٹنے کے نشان سے بنے تھے، مگر کچھ نمایاں نہیں ہوا تھا لیکن محسوس کرنا تو چاہیے موسم جلد مگر بدلنے کو ہے۔

چند دن بعد وہ واپس آ گئے تھے، اس شاپنگ کے ساتھ نہ نظر آنے والا کیا کچھ ساتھ آیا تھا، نہ ان دونوں نے کسی سے ڈسکس کیا تھا، نہ کسی نے پوچھا، سعد کا خیال تھا، اگلے ماہ شادی طے ہے، پھر کیا ضرورت ہے کسی کو استہزا کا موقع دیں۔

وہ ایک معمول کی تاریک رات تھی، سعد آفس سے گھر آ رہا تھا، نہ تو وہ ڈرائیور نیا تھا، نہ راستے نئے تھے، موڑ کاٹتے ہوئے اس کی گاڑی دوسری گاڑی سے ٹکرا گئی، لمحے لگے تھے سب ختم ہو گیا۔

سعد کے چلے جانے کا سب کو دکھ اپنی جگہ، لیکن آئلہ کا دکھ اور غم اپنی جگہ، جو کسی پر آشکار نہ تھا، وہ اس نے کسی پر آشکار ہونے بھی نہیں دیا، چپ تھی جو آج چھپا ہے شاید کل بھی چھپا رہے، مگر موسموں کا تغیر اپنے وقت پر نمودار ہو جاتا ہے، ننھی کونپلوں کے سرے قریب سے دکھائی دیں نہ دیں، بڑھنے پر ان کے رنگ اور چمک دور سے دکھائی دینے لگتی ہے۔

برجیس کو جب پتا چلا تو ان کے ہوش اڑ گئے، جی چاہتا تھا بہار نمایاں ہونے سے پہلے درختوں کو جڑوں سے اکھاڑ پھینکیں۔ شیخ مختار الگ پریشان تھے۔ خود کو کتنا ہی آزاد خیال ثابت کر لیں ایسے معاملات میں حلقۂ احباب کہاں جینے دیتا ہے، عذبہ کی پیدائش کسی نے کیا ماننا تھی، خود سعد کے گھر والے ماننے کو تیار نہیں تھے۔ سب کی سوالیہ نگاہیں آئلہ پر تھیں، ان نگاہوں کا جواب بہت مشکل تھا، بہرحال باغ کی اکھاڑ پچھاڑ سے آئلہ کا ایک نقصان ہو گیا تھا، وہ آئندہ کے لیے ان مراحل کے قابل نہیں رہی تھی۔

ان دنوں شیخ مختار کو اپنی اوقات کا اچھی طرح سے اندازہ ہو چکا تھا، جتنا انہوں نے ذکی محمد کو ڈھونڈا، اتنا تو بزنس کے لیے ہاتھ پاؤں نہیں مارے ہوں گے۔ اس اللہ کے بندے کی عزت نفس پر شیخ مختار نے جانے کیسی کاری ضرب لگائی تھی، مل کر ہی نہ دیا اور تب ہی عتیق الحسن ان کی زندگی میں کسی نعمت کی طرح شامل ہوا تھا۔

انہیں اس کے ماضی سے کوئی سروکار نہیں تھا، ان کی بیٹی زندگی میں لوٹ رہی تھی اور کیا چاہیے تھا،

www.urdusoftbooks.com

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

عتیق کو عذبہ کے وجود سے لے کر آنلہ میں رہ جانے والے نقص تک پہنچتے پہنچتے پانچ سال لگے تھے، وہ جان کر ہکا بکا رہ گیا تھا، یعنی، اس کے کہنے پر آنلہ کا ڈاکٹرز کے پاس جانا، ٹیسٹ رپورٹ کا درست آنا، صرف ایک دھوکا تھا، اس اسٹیٹس کی بلندی کو سر کر کے وہ تنہا کھڑا تھا اور تمام عمر ایسے ہی تنہا کھڑا رہے گا، آنلہ کی بیٹی تھی اور اس کے پاس تھی۔ بیٹا اسے بھی اللہ نے دیا تھا، مگر وہ اس کے پاس نہیں تھا، اسے باذف شدت سے یاد آیا۔ اس نے اپ گریڈ ہونے کے لیے وارث ٹھکرا کر کیسا ناشکری کا سودا کر لیا تھا۔

☆☆☆

آنلہ سے شادی کے تقریباً ایک ماہ بعد عتیق ان سے ملنے گیا تھا۔ دروازہ بوا خالہ نے کھولا تھا۔ بوا خالہ اس کے لیے کوئی غیر نہیں تھیں، جنہیں دیکھ کر وہ ٹھٹک جاتا۔ وہ ان کی دور پار کی رشتہ دار تھیں، جن کی جوانی ڈھل رہی تھی اور پھر تنہا، عتیق بنا پوچھے ہی ان کی یہاں موجودگی کا سبب سمجھ گیا تھا۔ شازمہ خود انہیں لے کر آئی ہوگی، کیوں کہ وہ پہلے بھی اکثر ان کا ذکر کرتے ہوئے یہی کہتی تھی۔

"ہمارے گھر میں کون سا کوئی بزرگ ہے، پھر ایک شخص کا خرچا ہی کتنا ہوتا ہے، عتیق، ان کو آسرا مل جائے گا، ہمیں بزرگ کا سایہ۔"

لیکن عتیق کا وہی معاشی خوف "پہلے اپنا تو پورا کرلو۔"

صحن کو پار کر کے لاؤنج میں ابھی قدم رکھے ہی تھے کہ سامنے بیٹھی شازمہ اسے یوں اچانک دیکھ کر کھل سی گئی، اپنی اس خوشی کا ابھی کھل کر اظہار بھی نہیں کر پائی تھی کہ رسمی باتوں کے بعد اس نے ایک چیک نکال کر اس کے سامنے رکھ دیا۔

"گھر کی حالت کافی خراب ہو رہی ہے، رنگ روغن کروالو۔"

اس کا جملہ اسے اندر تک کاٹ گیا تھا۔

"گھر کی حالت نظر آگئی، میرے دل کی دکھائی نہیں دی۔ اسے بھی مرمت کی ضرورت ہے۔"

اس نے ایک پل اس کی آنکھوں میں دیکھا تھا۔ کوئی حزن سا تیر رہا تھا، قریب سوتے باذف کے بالوں میں انگلیاں چلاتے ہوئے دھیرے سے کہا۔

"فضول باتیں مت کرو۔ وقت نہیں ہوتا میرے پاس، بہت بزی رہنے لگا ہوں۔"

بھنچی بھنچی سانس کو اندر ہی روکتے وہ کڑوی ہو گئی۔

"جو رقم شوہر کے عوض ملے، مجھے بھی اس کی ضرورت نہیں ہے۔" کہتے ہوئے اس نے چیک اٹھایا، دو ٹکڑے کر دیا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔ "اب تب آنا جب فرصت ہو، تاکہ مرمتیں کر سکو۔"

وہ اسے کمرے کی طرف بڑھتا دیکھ کر گم صم سا ہو گیا۔ کچھ دیر بیٹھا سوچتا رہا پھر اٹھ کر چلا گیا، اور پھر اسے شازمہ کے دل کی مرمتوں کا وقت مل ہی نہیں سکا۔

آنلہ کے ساتھ کبھی کسی سوشل پارٹی کبھی آفیشل پارٹی، اگر کوئی پارٹی نہ ہوتی، تو ڈاکٹرز کے چکر لگ جاتے تھے، جب وہ چکر اچھی طرح چڑھ کر اتر گئے، تو دماغ نے کام کیا۔ باذف اسے بے طرح سے یاد آیا تھا، جب آخری بار دیکھا تھا تقریباً تین سال کا تھا، پانچ سال مزید گزرے، یعنی آٹھ کے قریب، آٹھ سالہ بچے کے کپڑے، کھلونے لے کر وہ اسی بھولے رستے پر گیا۔

جس فطرت کی شازمہ تھی اسے پورا یقین تھا وہ آج بھی اسی کی منتظر ہوگی، بنا کوئی شکوہ گلہ کیے، اسے معاف کر دے گی۔

☆☆☆

لکڑی کے بوسیدہ دروازے پر زنگ آلود تالا دیکھ کر وہ حیران رہ گیا تھا۔ یہ اسکول ٹائمنگ نہیں تھی، خاندان برادری میں آنا جانا اسے کچھ خاص پسند نہیں تھا۔ "شاید مارکیٹ گئی ہو۔" اسی خیال سے کچھ دیر انتظار کرتا رہا، جب انتظار کی گھڑیاں طویل ہونے لگیں تو اڑوس پڑوس سے پوچھنے پر پتا چلا تھا۔

"انہیں تو یہاں سے گئے سال ہو گیا۔"

"کہاں؟" استفسار میں بے یقینی تھی۔

"پتا نہیں، پوچھا نہیں، بتایا نہیں" سب نے

www.urdusoftbooks.com

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

ایسے ہی جواب دیے تھے، اس کے خاص رشتہ دار تھے نہیں، جن سے پوچھتا، اپنوں سے پوچھ کر جوتے پڑتے، اس لیے خاموش رہا، بعد میں بھی ایک دو بار آیا مگر دروازے پر تالا ہی نظر آیا۔ آنکہ نے کچھ دن کی چھبتی خاموشی کے بعد اس سے سرسری انداز میں "سوری" کہا۔ عتیق الحسن نے دل جان سے معاف کیا، معاف کیے بنا چارہ۔۔۔ کیا تھا، اس کے ماں باپ کے مرجانے پر گھر آنکہ کا ہو گیا، کاروبار اس کے ابا کی وراثت، محرومی کے گھونٹ کو بھی ہنس کے پی لیا۔

"بے اولاد تو نہیں ہوں، باذف کہیں بھی ہو۔ ہے تو میرا بیٹا!"

☆☆☆

باذف نے انٹر کی شان دار کامیابی کے بعد جب یونی میں قدم رکھا شازمہ خوشی کی انتہا پر تھی، جلتے جون جیسا طویل سفر بالکل ایسا ہی تھا جیسے نامۂ اعمال ہاتھ میں تھما کر پل صراط پر چلا دیا ہو۔ وہ اپنی سیدھ میں چلتی رہی اور دو دھاری تیغ پر سفر طے ہو ہی گیا۔ اسکول سے گھر تک قدم ازبر ہو چکے تھے۔ خالہ بوا کو بہت شروع میں ہی اپنے پاس لے آئی تھی، عتیق سے آخری ہونے والی ملاقات کے بعد اس میں ایک آگ جلی تھی۔ اسے اپ اسٹینڈرڈ ہونا تھا۔ بخشش میں نہیں اپنے بل بوتے پر، یہ سوچ کر دھواں آنکھوں سے بہنے لگتا، اسے رہ رہ کر اپنے آرٹس کے مضامین پر دکھ ہوتا، اس نے اپنے چودہ سال معمولی تعلیم پر ضائع کر دیے۔ کاش ڈاکٹر ہوتی، انجینئر ہوتی، سائنس دان ہوتی، دنیا کو فتح کرتی، چاند پر جا کر رہتی اور پھر وہاں سے عتیق کو جھانکتی۔

عتیق اس کا شوہر کسی انی کی طرح اس کے اندر کہیں گڑا تھا، ان دنوں وہ گھر میں ٹیوشن سنٹر بنانے کا سوچ رہی تھی، بوا خالہ کو پتا چلا وہ تو ترس کھانے لگتیں۔

"اسکول سے کتنی مغزماری کر کے آتی ہے، اب گھر پر بھی شروع کرے گی، سارا دماغ پچک جائے گا تیرا۔ آدھے بچوں کی مائیں دوستانے میں بٹھانے آجائیں گی اور جو دو چار پیسے دیں گی، مہینے گزار کر آٹھ نو سو۔۔۔۔ کیا فائدہ۔"

"خالہ کرنا تو پڑے گا، باذف کو بھی اسکول میں داخل کروانا ہے، گھر کی حالت (کہنا تو دل کی چاہ رہی تھی) کو بھی ٹھیک کروانا ہے، پھر آئے دن کی مہنگائی، گھر کا راشن، بلز، آٹھ نو ہزار میں گھر نہیں چلتے خالہ۔"

لہجے میں بہت بے بسی تھی، خالہ کو بھی دکھ ہوا پھر کچھ سوچتے ہوئے بولی تھیں۔

"تیری ماں کہا کرتی تھی، تو کوئی خانہ داری پڑھتی ہے، سلائی بنائی سیکھی ہے، بڑے اسکول سے؟"

اسی کا دکھ تھا، اثبات میں ہلتا سر تلخ تاثر دے رہا تھا۔

"ایک جوڑے کے تین چار سو لیتی ہیں، گھنٹے ڈیڑھ میں سل جاتا ہے۔ ذرا سی کڑھائی کے دو دو ہزار مانگ لیتی ہیں۔ ٹیوشن سے بہتر تو یہ کر لے۔"

ذہن نے نئی نہج پر سوچا تو تھا، ہاں سلائی اس کی اچھی تھی، کڑھائی بھی کر لیتی تھی، مگر وقت بہت لگتا تھا، اسے اپنا کاٹن کا وہ سوٹ یاد آیا جس پر مہینہ لگا کر بہت خوب صورت موتیوں کا کام کیا تھا، مگر چار تولہ موتی اچھی خاصی قیمت کے آگئے تھے، وقت، قیمت، چیز سب کا اندازہ لگا کر بہتر منافع پر بات ٹھہر نہیں رہی تھی۔

کتنے دن یہی سوچتی رہی، کس مارکیٹ میں جائے، کہاں سے خریدے۔ خواب میں بھی موتی ستارے، دھاگے نظر آنے لگے۔ لاشعور کو زیادہ کھنگالو تو دبی یادیں اکثر کرکل کا منظر بن جاتی ہیں، ایک اکھڑی سی یاد سامنے آکھڑی ہوئی۔

☆☆☆

وہ ایف اے کی خانہ داری کی کلاس تھی، سینڈوچ اور سلاد بنانا تھا، ہال میں قطار در قطار میزیں لگی تھیں، ہر میز پر دو دو لڑکیاں ڈبل روٹی کے سلائس مختلف طرز سے کاٹتیں، انہیں چیزوں سے بھرتیں، شازمہ اپنی سہیلی فرح کے ساتھ کھڑی دھیمی سرگوشیاں کرتے اپنا کام کر رہی تھی۔

تحیم شحیم سی ممتحن چکر لگاتی ان کی میز پر آرکی،

www.urdusoftbooks.com

دونوں چوکنا ہو گئیں۔ مس بھی ٹس سے مس نہ ہوئی۔ پہلا خیال یہی آیا ان کی کٹنگ پر غور کیا جا رہا ہے، نمبروں کے لیے دونوں کی احتیاط بڑھ گئی۔ شازمہ نے کن اکھیوں سے مس کو دیکھا، ان کی نگاہیں، فرح کے ہاتھوں پر تھیں "افف" شازمہ کو پورا یقین تھا وہ اس کے ایک انچ بڑھے ناخن دیکھ رہی ہیں، جس پر تین رنگ کی نیل پالش آرٹ میں لگائی گئی تھی۔

بال کاٹنا، بھنویں بنانا، میک اپ، یہ سب تو کالج میں چلتے پھرتے ہی لڑکیاں سیکھ لیتی ہیں، کچھ دن پہلے ہی تو شرط لگا کر نیل پالش سے انگلیاں سجائی تھیں۔ اسے یقین واثق تھا اب فرح کے ناخن انگلیوں سمیت کٹنے والے ہیں۔ مس فرح سے مخاطب ہوئیں۔

"یہ بینڈ کہاں سے لیا ہے، آپ نے۔"

"اوہ ہ ہ...... یہ بینڈ دیکھ رہی تھیں۔"

اتنے غیر متوقع جملے پر دونوں کی رکی سانسیں بحال ہوئیں۔ ان دنوں فرینڈشپ بینڈ کا بہت رواج نکلا تھا، ہوم اکنامکس کی مس نے لڑکیوں کو بینڈ بنانے سکھائے تھے، پھر ہر دوسری لڑکی بینڈ بنا کر سہیلی کو باندھنے لگی، شازمہ نے فرح کے لیے بنایا، لا کر باندھ دیا۔

"افف اتنا پیارا، کیسے بنایا تم نے۔"

"جیسے مس نے بتایا تھا۔ تم بھی بناؤ نا میرے لیے۔" شازمہ نے کہا۔

"بنا تو لوں مگر مجھ سے کہاں بنے گا اتنا نفیس، تم میری طرف سے خود ہی بنا لو۔" فرح کا کورا جواب۔ شازمہ نے گھور کر دیکھا۔ "جی نہیں تم خود بنانا اور پیارا سا، بھلے بوڑھے ویلے۔"

"ہاہاہاہا" دونوں ہنس پڑیں، اور اب وہ مس کو بتا رہی تھی۔

"مس اس نے بنایا ہے۔"

مس کی سنتے ہی آنکھیں پھیل گئیں۔ "واقعی، خود بنایا۔ اتنا پیارا۔ دکھانا ذرا۔"

فرح نے ہک کھول کر مس کو پکڑا دیا۔ قرمزی اور فیروزی رنگ کے باریک تکونے دائروں کی شکل میں تار میں پرو کر زگ زیگ بنا رکھا تھا، مس نے اپنی کلائی پر لگا کر سراہتے ہوئے کہا۔ "واہ...... بڑی ماہر ہو بھئی۔"

بینڈ فرح کی سفید نازک کلائی پر تو بہت ہی اٹھ رہا تھا، مس کی موٹی سانولی کلائی پر ذرا اچھا نہیں لگا، مگر دونوں ادھار مانگی شکلیں بنائے، مسکراتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

"جی مس...... آپ کے ہاتھ پر تو بہت ہی پیارا لگ رہا ہے۔"

"مس! آپ لے لیں۔" فرح جلدی سے بولی، شازمہ نے بھرپور تائید کی۔

"دل سے کہہ رہی ہو۔"

مس لینے پر تیار ہو گئیں۔ دونوں نے شکرانے جیسے سر ہلائے، ظاہری بات ہے، خانہ داری اور وائیوا کے نمبر اب اچھے ملنے والے تھے۔

اس دور میں صرف پاس ہونے کے لیے نمبروں کی خواہش ہی آخری ہوتی تھی، فرح تو شاید اسے ساری زندگی میں کبھی یاد آئی تھی یا نہیں لیکن اس وقت، کوندے کی طرح منصوبہ ذہن میں آیا، تو لگا وہ اب نمبروں میں ٹکنے والی ہے، ذہن تیزی سے حساب کتاب لگا رہا تھا، تھوڑے سے موتی، تھوڑی قیمت، تھوڑا وقت، فیشن، منافع زیادہ۔

ضروری نہیں کہ صرف سائنس یا ٹیکنالوجی کی تعلیم ہی معاشرے میں اونچا مقام پر پہنچائے، عہدے دلائے، تعلیم جو بھی ہو تعلیم ہے، اور دنیا میں ایک یہی چیز ہے جو وقت گزرنے پر بھی ضائع نہیں ہوتی۔ اس کا خیال شازمہ کو بڑی دیر سے آیا مگر آ گیا تھا۔

☆☆☆

بہت سے بریسلیٹ، نیکلس، ٹاپس، انگوٹھیاں، کلپ، ایک یونی کے فن فیئر کے اسٹال پر لگائے وہ کھڑی تھی۔ آم پر منڈلاتی مکھیوں کی طرح لڑکیاں اس اسٹال کو گھیرے ہوئے تھیں، کوئی اپنے ہاتھ پر لگائے، کوئی سہیلی کے ماتھے پہ، ہنسی ٹھٹھول اور دھڑا دھڑ خریداری، وہ ایک ہاتھ سے پیکٹ میں بند کر کے پکڑاتی، دوسرے سے پیسے وصول کرتی، دونوں

www.urdusoftbooks.com
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

ہاتھوں کی ایکسرسائز کا رات کو پتا بھی نہیں چلا تھا، کئی گنا منافع جو ہوا تھا۔

وہ یہاں تک ایسے ہی تھوڑا پہنچ گئی تھی۔ اسکول سے واپسی پر ستے بازار، دکان در دکان، رکشے کا سفر، بس میں، پیدل، موتیوں نگوں کی قیمت، گوند، تانبے کے تار، پینٹ، نگیں، فائلر اور چھوٹی چمٹیاں، پلاس، کم بجٹ میں سارا سامان اکٹھا کر ہی لیا، سیکھ تو کئی سال پہلے لیا تھا۔ جوانی کا سیکھا کام بھولتا کب ہے، بس وقت کی طرز سیکھنا تھی، اس کے لیے نیٹ اور میگزین سب سے سستا اور قابلِ پہنچ ادارہ تھا۔ بہت سی چیزیں ٹوٹیں خراب ہوئیں۔ رنگ پھیلے، ہمت نہیں ٹوٹی۔

وہ ساری ساری رات کسی جوہری کی طرح چمٹی پکڑے نگ چپکاتی، پروتی، پسند نہ آتے پھر نئے ڈیزائن، نیا امتزاج تانبے کی تاریں انگلیاں چھلنی کرتی تھیں۔ پلاس سے دباتے ہوئے کئی بار انگلی کی کھال دبی لیکن ایک لگن تھی، آپ اسٹینڈرڈ، جو دل میں چھید کر رہا تھا۔

☆☆☆

مارننگ شوز کہنے کو تو وقت کا ضیاع تھے۔ لیکن اگر منفی چیزوں میں مثبت پہلو ڈھونڈا جائے، وہی کارآمد بن جاتے ہیں، یہی قدم شازمہ کے لیے انٹرنیشنل پہچان بنی، تو وہ پہنچی تو وہاں تک مہینوں کی کالز اور منت ترلوں سے تھی، ریٹنگ ملنے سے ایک چینل سے دوسرا چینل، پھر جو اس کی پہچان بنی، ایک چھوٹی سی میز سے بڑی سی ورک شاپ کا سفر طے ہو گیا، تانبے کی جگہ سونے کے باریک تاروں نے لی، موتی نگ قیمتی استعمال کرنے لگی۔ وہ جیولری ڈیزائنر شازمہ کے نام سے مشہور ہو گئی تھی، ایسی شہرت چھپتی کہاں ہے، عتیق کو پتا چل گیا تھا، آنلہ سے بھی نہیں چھپا تھا، بلکہ جب عتیق نے بتایا تھا۔

"پتا نہیں آنلہ کہاں چلی گئی، گھر پر مسلسل تالا ہے، محلے پڑوس کو بھی نہیں پتا۔"

اس کے منہ پر آنلہ نے فکرمندی کا اظہار کیا تھا، مگر اندر کہیں دل میں خوش ہی تھی۔

"اللہ کرے کبھی پتا بھی نہ چلے، میں نے اتنا کچھ دے دیا، عزت، شہرت، نام، ابھی بھی وہ رڑکتی ہے۔"

لیکن جب ڈیزائنر کے طور پر وہ سامنے آئی تو خوف نے سر اٹھایا تھا، میاں کی نیت کا سرسری اندازہ لگانے کے لیے ویسے ہی قصہ چھیڑ دیا۔

"عتیق۔ وہ ہے تو آپ کی بیوی، چلے جائیں اگر ملنے جانا ہے۔"

اس سے ملنے کی خواہش، باذف کو چومنے کی آرزو، دل میں پھن کی صورت اٹھی تھی، لیکن یہ سوچ کر پہلی بار اسے اپنا آپ کمینہ لگا تھا۔

"وہ سمجھے گی اب میں اس کی دولت سے انسپائر ہوا ہوں حالانکہ ایسا نہیں ہے۔"

"کہہ تو صحیح رہے ہیں آپ۔ دل کس نے دیکھا ہے۔"

آنلہ کی تائید نے شرمندگی پر مہر ہی لگا دی۔ عتیق نے خواہش دل میں دبا لی، حالانکہ اگر جھانک کر دیکھتا، تو شازمہ کے دل میں کتنے دروازے کھلے تھے، ہر دروازہ عتیق کو پکار رہا تھا۔

☆☆☆

عذبہ، باذف سے یونی میں ٹکرائی تھی بالکل ویسے جیسے قسمت ٹکرا جاتی ہے، وہ دونوں ہاتھوں میں سلش کے گلاس پکڑے کیفے ٹیریا کی سیڑھیاں اتر رہی تھی کہ اسے یاد آیا، اُشنا نے اسے سینڈوچ لانے کا بھی کہا تھا، وہ یک دم ہی مڑ گئی۔ باذف جانے کیوں، کہاں سامنے آ گیا، عذبہ خود تو بچ گئی تھی البتہ بچنے کے چکر میں اس کی کہنی سلش سے ٹکرا گئی۔

"اوہ مسٹر! آنکھوں کی جگہ کوائن فٹ ہیں، جو چمکتے ہیں۔ نظر نہیں آتا، سارا سلش گروا دیا۔"

اس کی دھونس پر باذف کی آنکھیں پھیل گئیں اور اپنی آستین پر نگاہ گئی تھی، کیوں کہ سلش تو اس کی آستین اور پینٹ پر گرا تھا، وہ چڑ کر بولا۔

"اوہ ہیلو! میری غلطی نہیں ہے، آپ یک دم مڑی ہیں۔"

"ہاں تو دھیان رکھ کر چلنا تھا نا۔ کوئی اچانک سے مڑ بھی تو سکتا ہے، فاصلہ تو رکھنا چاہیے۔"

www.urdusoftbooks.com
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

عذبہ اپنی غلطی تسلیم کرے ناممکن، باذف گھور کر بولا۔
''واہ واہ واہ...... سبحان اللہ، یہ بھی میری غلطی ہے، بڑی آئی گلہری کہیں کی۔''
''واٹ......!''
عذبہ کے ناک، کان یک دم سنسنائے۔ ''کیا کہا مجھے، ہاں۔ ذرا دوبارہ کہنا۔''
وہ ہنس کے بولا۔ ''واؤ اتنا پسند آیا، گلہری...... اگر چاہو تو لومڑی بھی کہہ سکتا ہوں۔''
غصے میں عذبہ نے دانت پیس لیے۔
''اپنی شکل دیکھی ہے کبھی آئینے میں، جیسے پھٹے دستانوں سے انگلیاں نکلی ہوتی ہیں، ویسے نقش ونگار ابھرے ہیں، تمہارے منہ کے۔''
تب ہی پیچھے سے اُشنا بھاگتی آئی تھی، اسے کسی جھگڑے کا اندازہ ہو گیا تھا، فوراً پوچھا۔
''عذبہ کیا ہو گیا، خیریت؟''
جواب عذبہ کی جگہ باذف نے دیا تھا۔ ''اپنے نابیناؤں کو ایسے ہی سڑک پر نہیں چھوڑنا چاہیے، اخلاقیات بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔ ہاتھ پکڑ کر بندہ راستہ پار کروا دیتا ہے۔''
عذبہ کے تو تلووں پہ لگی سر پر بجھی۔
''تم مجھے اندھی کہہ رہے ہو، تمہاری یہ جرأت۔''
''صرف کہہ نہیں رہا یقین ہے، اب اندھے کو اندھا نہیں کہوں گا، تو کیا، گونگا، بہرا کہوں۔ ٹکرائیں بھی خود، شرٹ میری گندی ہوئی، لڑ بھی مجھ سے رہی ہیں، واہ ڈھٹائی کی حد ہے۔''
پھر وہ اُشنا کو دیکھتے ہوئے بولا۔ ''انہیں کسی آئی اسپیشلسٹ کو جلد دکھا لیں، معاملہ دماغ تک جاتا نظر آ رہا ہے۔''
وہ کہہ کر چلا گیا، وہ بھنبھناتی رہ گئی۔
''میں اس ڈیش کو چھوڑوں گی نہیں۔''
''چھوڑو دو یار! بڑا اسٹائلش ہے۔''
عذبہ نے گھورا، اُشنا نے بات بدلی۔ ''اور یہ ہر بات میں ڈیش ڈیش کیا کہتی ہو، کبھی اسے فل بھی کرو۔''
''میں گالیاں نہیں دیتی۔ بس ڈیش سے ہی کام چلا لیتی ہوں۔''
نظر دور جاتے باذف کی پشت پر پڑی، ایک بار پھر کڑوی ہوئی۔
''ڈیش کہیں کا۔''

☆☆☆

دونوں کے کامرس کے مضامین تھے، ایک آدھ کلاس کے علاوہ اکثر کلاسیں اکٹھی ہی ہوتی تھیں، اس دن مارکیٹنگ کی کلاس تھی، وہ تیسری قطار میں بیٹھی تھی، باذف اس سے اگلی میں، پروفیسر ہارون اسکرین پر بنے طلب ورسد کے گوشوارے پوری توجہ سے سمجھا رہے تھے۔ اسی وقت اُشنا نے سیٹ کی اوٹ میں موبائل کرتے نیٹ آن کر لیا، عذبہ کی توجہ بھی موبائل اسکرین پر تھی وہ آن لائن جیولری کے ریٹ چیک کر رہی تھیں، سر ہارون کو شاید ان کی عدم توجہ کا گمان گزرا، نام تو اس کا انہیں آتا نہیں تھا، اندازے سے انہوں نے اونچی آواز میں پکارا۔
''یہ جو تیسری لائن میں ہیں، اٹھیں۔''
اُشنا نے اسے کہنی مار کر ہوش دلایا، وہ ہڑبڑائی، سر کی دوسری تیسری پکار پر ساری کلاس اسے دیکھ رہی تھی اور وہ جان کر انجان بنی دیکھنے لگی۔
''تمہیں کہہ رہے ہیں۔'' اُشنا نے کہنی ماری۔
''نہیں نہیں تمہیں کہہ رہے ہوں گے۔'' عذبہ نے تھوک نگلا۔
''یہ بلیک اسٹالر۔''
عذبہ کا جی چاہا ایسا منتر پڑھے کہ گلے میں جھولتا سیاہ اسٹالر غائب ہو جائے، ہونقوں جیسی شکل بناتی بمشکل اٹھی۔
سر نے ہائی لائٹر سے گوشوارے کے نچلے اسکیل پر نشاندہی کی۔
''یہاں سے کلیئر کریں۔''
''سر وہ نیچے والا۔''

www.urdusoftbooks.com
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

اس نے تھوک نگلتے ہوئے جان کر نیچے والے کا کہا۔ سر نے گھور کے دوبارہ ہائی لائٹر دکھایا۔

"یہ اوپر والا۔"

"جی سر، وہ 60.8 والا۔"

اس نے وقت ضائع کرنے کے لیے مزید اوپر والے کا کہا۔ ساری کلاس اس کی بے بسی پر پھس پھس ہنس رہی تھی اور وہ کوفت میں ایسی شکل بنائے کھڑی تھی جان بچے تو لاکھوں پائے۔

"آپ کو یہ دکھائی نہیں دے رہا 70.9 اس کی ایوریج کیسے بنی؟"

باذف کا جی چاہا زور سے کہے، میں نے درست کہا تھا نا، آنکھیں خراب ہیں لیکن اس کی منمناتی شکل پر جانے کیوں بہت سا ترس آ گیا تھا، فوراً سے ہاتھ اٹھا لیا۔

"آئی کین ایکسپلین سر؟"

سر نے اثبات میں سر ہلاتے "یو کین" کہہ دیا۔ عذبہ نے دل ہی دل میں لاکھوں شکر کیا ہوگا، کلاس ختم ہونے پر وہ شکریہ ادا بھی کر دیتی اگر وہ پہلے ہی نہ کہہ دیتا۔

"مجھے تو سو فیصد یقین تھا، آپ کی آئی سائیٹ خراب ہے، اب تو آپ بھی متفق ہوں گی۔"

"یو مین......" وہ سخت سا کچھ کہنے لگی تھی مگر باذف نے ہی امن کی جھنڈی لہرا دی۔

"اچھا۔ سوری سوری۔" شرارت سے کانوں کی لویں چھوئیں۔

"ویسے اگر کلاس میں نیٹ یوز نہ کریں تو، آپ کی کارکردگی اچھی ہو سکتی ہے۔"

"آپ کو کیسے پتا چلا۔"

"بس ایک علم آتا ہے، سب پتا چل جاتا ہے۔"

وہ تھوڑی حیران ہوئی تھی پھر اپنی سادگی میں بولی۔ "ایکچوئلی، ڈیزائنر شازمہ نے ایک ایگزیبیشن لگائی ہے، ہم اس کی ڈیشس دیکھ رہے تھے۔"

"اوہ۔ ان کی جیولری پسند ہے آپ کو۔"

"بالکل۔ بہت یونیک اور اسٹائلش ہوتی ہے۔"

"وہ خود بھی بہت یونیک اور اسٹائلش ہیں۔"

"اچھا!" وہ حیران ہوئی۔ "آپ نے انہیں دیکھا ہے۔"

"روز دیکھتا ہوں۔ میرے سامنے کھانا پیش کرتی ہیں۔"

اس کے فرضی کالر اکڑانے پر عذبہ نے کڑوے بادام سا منہ بنایا جیسے کہا ہو۔ "جھوٹا، چغد۔ ڈیش کہیں کا۔"

"میں سچ کہہ رہا ہوں، انہیں میری ماں ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔"

کڑوا بادام یک دم میٹھا ہو گیا۔ "واقعی؟"

"یس......"

پھر اس تعارف کے بعد سلام دعا شروع ہوئی، وقت گزرتا رہا اس گزرتے وقت میں ان کی اچھی خاصی جان پہچان کے علاوہ دوستی کا رنگ بھی کھل گیا تھا، ان چار سالوں میں دوستی کب خاص احساس میں بدل گئی، یہ پتا نہیں چلا تھا۔ ان دونوں کی بے تکلفی جلد ہی باقی دوستوں کی نظر میں آ گئی۔ اُشنا منہ پر تو کچھ نہیں کہتی تھی لیکن اندر سے کچھ جلن ضرور تھی ایک دوبار ذکر بھی کیا۔

"پہلے تو تم اسے ڈیش ڈیش کہتی تھیں، نام سننا گوارا نہیں تھا۔ اب کیا ہوا۔"

"اب ڈیش سے محبت ہو گئی ہے، سوچتی ہوں اگر کوئی رشتہ وشتہ بن جاتا ہے تو فل کر دوں گی۔"

وہ ہنسی، اُشنا سلگی۔

ادھر باذف بھی فل موڈ میں ہی دکھائی دیتا تھا، اس کے دوستوں نے تو عذبہ کا غائبانہ نام "تیرا سایہ" رکھا ہوا تھا، وہ سایے کی طرح ہی ساتھ دکھائی دیتے تھے، ایک دوسرے کی فیملی کو اپنے تک ہی ڈسکس کیا تھا، کبھی گھر میں یہ ٹاپک چھیڑا نہیں تھا، باذف نے اس دن اگر ماں کے سامنے ذکر چھیڑا ہی تھا مگر، وہ ہری جھنڈی دکھا گئیں، اس ہری جھنڈی نے سارا دن اداسی کی ہوا دی۔

لائبریری کے پچھلے گراؤنڈ میں منہ لٹکائے باذف کو آخر عذبہ زبردستی اٹھا کر کینٹین تک لے

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

جانے میں کامیاب ہوگئی تھی، باتوں باتوں میں اگلوایا تو سن کر بہت ہی ہنسی۔

"کیا آنٹی، بہو سے بہت سا جہیز چاہتی ہیں۔ جو اسٹینڈرڈ بنا رکھا ہے۔"

"نہیں یار، بس ہے ان کی سائیکی۔" اس نے گھونٹ لے کر اسٹرا سلش میں چھوڑتے ہوئے آرام سے کہا۔

"پھر مشکل کیا تھی، بتا دیتے میری ممی ڈیڈ کے بزنس کا۔"

"نہیں میرے دل کا کوئی خیال نہیں، میں اکلوتی اولاد ہوں ان کی، اگر کچھ پوچھا بھی تو...... ہونہہ۔" اس نے ناگواری سے گردن جھٹکی۔ "بالفرض تم اگر لوئر کلاس سے ہوتیں، اس کا مطلب ہے صاف جواب...... میرے دل کی کوئی اہمیت نہیں۔"

"اوہو باذف! کیا تم کلاس کلاس ڈسکس کر رہے ہو۔ ایسے ہی تم پر سر ہارون کا گمان گزر رہا ہے۔" پھر توقف سے سمجھایا۔

"آج آنٹی کو میری فیملی کا بتانا، مسئلہ حل ہوجائے گا، میں بھی اپنی ممی کو بتاؤں گی۔"

باذف کا ہلکا پھلکا ذکر تو ماں کے سامنے وہ کرتی رہی تھی، مگر کبھی اس کی ممی کا ذکر نہیں ہوا نہ اپنی خواہش کا کھل کر اظہار کیا تھا مگر آج مکمل ارادہ تھا یہ کام کر لینا چاہیے، عذبہ کے حوصلہ دینے پر ہی باذف نے آج ساری بات ماں کو بتانے کا تہیہ کیا تھا مگر اس کی ضرورت ہی پیش نہیں آئی، کیوں کہ بوا خالہ نے تمام تفصیل، اور باذف کی محبت سب بتا دیا تھا۔

"ہاں تو میں نے بھی یہی پوچھا تھا اس سے، ماں باپ کا اسٹیٹس کیسا ہے، بتا دیتا، منہ پھلا کر چلتا بنا۔"

شازمہ نے سنتے ہی کہا تھا۔ "اور آپ بتاؤ، کیا غلط کہتی ہوں میں۔ عتیق بھی مجھ سے محبت کرتا تھا کہ نہیں، دولت کی چمک نے سب بھلا دیا۔"

خالہ بوا کو اس پر ترس سا آگیا، مگر کیا کہتیں۔ عتیق نے کچھ کہنے سننے کے قابل چھوڑا ہی نہیں تھا۔ کام چل نکلنے پر جب شازمہ نے گھر بدلا تھا تو ایک بار وہ بوا خالہ کو مال میں ملا تھا، تب دوسری بیوی کا غلام سا لگا، بھلا ایسے ہوتے ہیں مرد، اپنے بیوی بچے کا پوچھتے ہوئے بھی گھبرائیں۔

☆☆☆

خبر تو باذف کو گھر آتے ہی بوا خالہ نے سنا دی تھی رات کو جب شازمہ نے کہا۔

"ایڈریس دو اس کا۔ میں اور خالہ ایک دو روز میں مل آتے ہیں۔"

وہ سنتے ہی اپنی جون میں لوٹا۔ "کیا مطلب ہے، آپ اور خالہ...... اور فلم کا اہم کردار، کیا میں نہیں جاؤں گا۔"

"کون سی فلم۔" شازمہ کو اچنبھا ہوا۔

"وہی جو میری شادی پر بنے گی۔"

شازمہ نے اسے پیار بھری چپت لگائی تھی۔

"تم نہیں بدلو گے۔"

کاش وہ یہ جملہ نہ کہتیں، انہیں کیا پتا تھا جب وہ بدلے گا تو ان کی نیندیں اڑ جائیں گی۔

☆☆☆

وہ اسے کئی بار فون کر چکا تھا۔ مگر فون بند جا رہا تھا۔ وہ کئی دن سے یونی بھی نہیں آ رہی تھی، گھر کا پتا تو تھا لیکن یوں بن بتائے چلے جانا، کچھ مناسب نہیں لگ رہا تھا، اُشنا سے پوچھا تو وجہ اسے بھی معلوم نہیں تھی، لیکن اس نے یہ بتایا۔

"آج شاید اس کی جانب جاؤں، کوئی میسج ہو تو بتا دو۔"

"کچھ خاص نہیں، بس پتا کرنا تھا پیپرز قریب ہیں وہ ابسینٹ کیوں ہے؟"

عذبہ نے اُشنا کو تو کوئی خاص وجہ نہیں بتائی تھی۔ معمولی طبیعت خرابی کا کہہ کر بات ٹال دی، لیکن بہت سی ہمت جمع کر کے باذف کو اس رات باقاعدہ فون کیا تھا۔

"تم میرے لیے پریشان ہونا چھوڑ دو باذف! اپنی اسٹڈیز پر توجہ دو۔"

وہ حیران پریشان تھا۔

"کیا مطلب ہے، پریشان ہونا چھوڑ دوں۔

www.urdusoftbooks.com

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

ممی تمہاری طرف آنا پلان کر رہی ہیں، تم کہہ رہی ہو، پریشان ہونا چھوڑ دوں۔"

"تم آنٹی کو منع کر دو، وہ ہماری طرف مت آئیں۔"

باذف کو لگا اس نے غلط سنا ہے۔

"کیا کہا؟"

"میں نے صحیح کہا ہے باذف اور پلیز۔ ضروری نہیں ہے جو ممکن دکھائی دے رہا ہو، وہ ممکن ہو بھی۔"

اس نے کہہ کر فون بند کر دیا، وہ موبائل کو تکتا رہ گیا تھا۔

"کیا ہو گیا ہے تمہیں عذبہ!"

اس نے بند فون پر کہتے، کئی بار اس کا نمبر ملایا مگر اس نے اپنا موبائل بند کر دیا تھا۔ باذف کی تشویش بڑھ گئی۔ اگلے دن وہ یونی آئی مگر اس سے کتراتی رہی، جیسے ہی وہ آتا دکھائی دیتا۔ وہ بہانے سے اٹھ جاتی، وہ بھی حیران تھا آخر وہ کیوں کہہ رہی ہے کہ راستے الگ ہیں۔ کوئی تو وجہ ہوگی اور پھر کتنے دن گزر گئے اسے ایک ہی بات پوچھتے۔

اس دن لائبریری میں بھی وہ کوئی واضح جواب دیے بنا تیزی سے آگے بڑھتی جا رہی تھی۔

"ایم ایکسٹریملی سیریس عذبہ صاحبہ! میری والدہ آنے کے لیے تیار ہیں، اب تمہیں کیا مسئلہ ہے۔"

جو مسئلہ تھا اگر وہ اسے بتا دیتی اس کی بھی نیندیں اڑ جاتیں۔

☆☆☆

اس دن شام میں وہ عتیق الحسن اور آنلہ کے ساتھ لاؤنج میں بیٹھی، ٹی وی دیکھتے ہوئے آم سے لطف اندوز ہو رہی تھی۔ اس کا آج مکمل ارادہ تھا باذف کے بارے میں ماں باپ کو آگاہ کرنا، اور پورا یقین بھی تھا ممی ڈیڈی کو کیا اعتراض ہوگا، بس باذف کی ممی مان جائیں۔ آم کے ٹکڑے کانٹے میں پھنساتے اس نے بات شروع کی۔

"باذف اپنی ممی کو لانا چاہ رہا ہے، آپ سے ملوانے۔"

"خیریت۔" آنلہ کو کچھ شک گزرا تھا ویسے بھی وہ نوٹ کر رہی تھیں، عذبہ آج کل اس لڑکے کا نام بہت لینے لگی ہے، میگزین پڑھتے عتیق نام پر چونکے۔ عینک کی اوٹ سے دیکھا، انہوں نے پہلی بار اس کے منہ سے یہ نام سنا تھا پھر نگاہ سطروں پر جھکا لی یہ سوچ کر ایک نام کے کتنے ہی لوگ ہوتے ہیں۔

"خیریت تو اب وہ آ کر ہی بتا سکتی ہیں، ویسے وہ آپ کو بہت اچھی لگیں گی، بہت اسٹائلش ہیں۔"

"تم مل چکی ہو ان سے؟"

ٹی وی کا والیم کم کرتے آنلہ نے پوچھا تھا، وہ منہ چلاتے اثبات میں سر ہلا رہی تھی۔

"باقاعدہ تو نہیں ملی، پکس دیکھی ہیں۔"

نیا ٹکڑا منہ میں رکھ کر چبایا، پھر یاددہانی کے طور پر کہنے لگی۔ "وہ نہیں ہیں۔ جیولری ڈیزائنر شازمہ۔" اس لفظ پر آنلہ اور عتیق پر سکتہ سا طاری ہو گیا تھا، عذبہ ان کی کیفیت سے قطع نظر بتانے میں لگی تھی۔ "وہی باذف کی ممی ہیں۔ آپ نے بھی میگزینز میں کہیں دیکھی ہوگی ان کی پکس۔"

آنلہ نے کوئی جواب نہیں دیا گم صم سی ہو گئی، عتیق فوراً وہاں سے اٹھ گئے، اب وہ کچھ چونکی تھی۔

"کیا...... کیا ہوا، ایسے کیا سوچ رہی ہیں۔"

"جو میں سوچ رہی ہوں، جب تمہیں پتا لگے گا تم کیا ری ایکٹ کرو گی۔"

اس کی بھنویں استفسار میں الجھ گئیں۔

"میں یہ سمجھتی ہوں عذبہ! آج کی جنریشن، ہماری جنریشن سے بہتر فیصلے کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے، کیوں کہ ان کے فیصلوں میں دباؤ نہیں ہوتا، اس لیے وہ سوچ سمجھ کر قدم اٹھاتی ہے۔ میں تم سے کچھ نہیں چھپاؤں گی، پھر جو تمہارا فیصلہ ہوگا، میں تمہارے ساتھ کھڑی ہوں، بھلے تمہارا باپ۔" باپ لفظ ادا تو کر دیا پھر اس نے جان کے اسی وقت تصحیح کی۔ "بھلے عتیق جو بھی کہیں۔"

"میں کچھ نہیں۔ آپ کیا کہنا چاہ رہی ہیں۔"

وہ اچھی خاصی ڈسٹرب ہوئی تھی۔

"میں سمجھاتی ہوں۔"

www.urdusoftbooks.com

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

پھر جو انہوں نے سمجھایا، کاش نہ ہی سمجھاتیں، اس کی آنکھوں کے ساتھ منہ بھی حیرت سے کھلتا جارہا تھا۔ سانس لگتا تھا اٹک اٹک کر آرہی ہے، آنکھیں دونوں کی مرچوں سے بھری محسوس ہو رہی تھیں، بہت دیر لگی اسے یہ محسوس کرنے میں کہ وہ زندہ ہے۔ بھیگی آواز میں ایک جملہ نکلا تھا۔

''مان لیا ڈیڈ! میرے نہیں، باذف کے ہیں۔ لیکن آپ نے اتنے برس مجھ سے میری یہ حقیقت کیوں چھپائی، کہ میرا اصل باپ دنیا میں ہی نہیں۔''

آئلہ کی دکھ بھری سانس بھاری ہوگئی۔

''تم سے کیا سب سے چھپانا پڑا تھا۔ کہہ تو رہی ہوں، ہماری جنریشن کو فیصلے کرنے نہیں آتے، فوراً دباؤ میں آجاتی ہے۔''

وہ کچھ نہیں بولی تیز تیز پلکیں جھپک کر آنسو روکتی اٹھ کر اندر چلی گئی تھی، کسی صورت سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کہ اب کیا کرے، اوپر سے باذف کال پر کال، اس نے اپنا موبائل ہی بند کر دیا، آئلہ نے فیصلہ اس پر چھوڑ دیا تھا، جو اسے کرنا بے حد مشکل لگ رہا تھا، وہ تذبذب کا شکار تھی۔

''میں تو سہہ گئی ہوں اس حقیقت کو، لیکن جب باذف کو پتا چلے گا، وہ شخص، جسے ساری زندگی فوت سمجھتا رہا، وہ زندہ اور اسی شہر میں ہے، کیا گزرے گی اس کے دل پر، ایک ماں ہی تو ہے اس کی زندگی میں وہ اس سے بھی بدظن ہو جائے گا، اس نے کیوں چھپایا۔ میں اسے دکھ نہیں دے سکتی، اور ویسے بھی آنٹی کے پرانے زخم۔ کیا ضروری ہے رفو ہوئی چیزیں ادھیڑی جائیں۔''

اس نے فیصلہ کر لیا تھا وہ اپنے ماں باپ کا نام لے کر انکار کر دے گی اور اپنا راستہ بدل لے گی، مگر وہ باذف تھا جسے بات منوانا آتی تھی۔ لائبریری کے آخری زینے تک پیچھے پیچھے آیا اور آگے آکر راستہ روک کر کھڑا ہو گیا۔

''ایٹ لیسٹ مجھے بتاؤ تو ہوا کیا ہے، کیوں تم اتنی خفا ہو۔''

''میں خفا نہیں ہوں باذف! ہم کل بھی دوست تھے، ہم آج بھی دوست ہیں، لیکن، میری فیملی کو پسند نہیں دوستی کو رشتہ داری میں بدلا جائے۔''

''تمہیں آج ہوش آیا ہے اپنی فیملی کے اصولوں کا۔'' اس نے بازو سے پکڑ کر اس کو اپنی جانب گھمایا۔

''مجھے بتاؤ کون انکار کر رہا ہے، آنٹی یا انکل؟''

''دونوں۔'' اس نے ٹھوس انداز میں کہتے بازو چھڑایا۔ ''اور میں ان کے فیصلے کے خلاف نہیں جاؤں گی۔''

''میں انہیں منا لوں گا۔'' وہ اٹل انداز میں بولا۔

''تمہیں ضرورت نہیں ہے، کسی سے بات کرنے کی۔''

وہ تیزی سے سیڑھیاں اترنے لگی، وہ پیچھے سے ہانک لگاتا آرہا تھا۔ ''میں آج آؤں گا، پھر دیکھا جائے گا۔''

''تم نہیں آؤ گے...... سمجھے۔''

وہ سیڑھیاں اتر گئی۔ باذف کا غصہ گرل پر مکے کی صورت نکلا۔

☆☆☆

وہ یونی سے آیا تو خلاف معمول شازمہ آج گھر پر ملی تھیں اور بہت خوش بھی تھیں، دیکھنے میں لگتا تھا کہیں جانے کو تیار ہیں۔

''کہیں جارہی ہیں۔''

اس کے پوچھنے پر وہ دھیمے سے مسکرائیں۔ ''جا نہیں رہی، جا رہے ہیں، جلدی سے فریش ہو جاؤ، پھر چلتے ہیں عذبہ میڈم کی طرف، دیکھوں تو کیا چیز ہے جو بیٹا اتنا بے قرار ہے۔''

''چھوڑیں پھر کبھی سہی۔''

''ایسے ہی چھوڑ دیں۔''

بوا خالہ بھی تیار ہو کر آگئیں۔ ''اتنی مصیبت سے یہ سوٹ چڑھایا میں نے اپنی جان پر۔'' ڈھیلے ڈھالے کپڑے پہننے والی بھاری بھرکم بوا خالہ نے فیروزی چکن کا خوب صورت سوٹ پہن رکھا تھا۔ ''جلدی جلدی تیاری پکڑو، دم گھٹ رہا ہے اس میں میرا۔''

www.urdusoftbooks.com
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

''کیا ہو گیا آپ لوگوں کو۔ دراصل اس کے پیرنٹس، آسانی سے نہ مانیں، پھر......''

''پھر کیا......؟'' شازمہ جی داری سے بولیں۔

''تمہیں پسند ہے۔''

اس نے اقرار میں سر ہلایا۔

''شادی کرنا چاہتے ہو اس سے۔'' اس کا سر ہلتا رہا۔

''بس پھر میں منالوں گی انہیں، لیکن ایک وعدہ کرو، اسے اپناؤ گے تو ساری زندگی کے لیے، بھلے وہ اندھی، کانی، لولی لنگڑی ہو جائے، تنہا نہیں کرو گے۔''

''استغفراللہ ممی کیسی باتیں کر رہی ہیں، الحمدللہ وہ صحیح سلامت ہے اور ان شاءاللہ رہے گی۔''

''چلو پھر اٹھو، تیار ہو۔''

☆☆☆

ان کی گاڑی کو اندر داخل ہوتے دیکھ کر ہی عتیق کا رنگ اڑ گیا۔ آنلہ الگ گھبرائیں، عذبہ تو سامنے ہی نہیں آئی، یہ تو اس گھر کے مکینوں کا حال تھا، اور جو آئے تھے جب انہوں نے ڈرائنگ روم میں قدم رکھے اور عتیق الحسن پر نگاہ گئی تو پلٹنا بھول گئی، شازمہ کے چہرے پہ بھی عجیب تاثرات تھے۔ باذف نے جب کہا۔

''یہ عذبہ کے والد ہیں۔''

سلام تو کیا کرنا تھا زمین پیروں سے کھسک گئی وہ کھڑے قد سے ''دھپ'' سے صوفے پر بیٹھ گئیں۔

وہ سوچ رہی تھیں، اگر عذبہ عتیق کی بیٹی ہے، تو باذف، وہ کیا ہے عتیق کا۔ جسم کانپنے لگا، یہ کون سا آگ، تیل کا کھیل شروع ہونے لگا تھا۔ سانس لینے میں دشواری محسوس ہوئی، ان کی کیفیت پر وہ چونکا، عذبہ ڈرائنگ روم سے گزرتی سیڑھیوں پر کھڑی تھی۔

''کیا ہوا ممی؟''

''شکر کرو ابھی کچھ نہیں ہوا۔'' شازمہ کی آواز کانپ رہی تھی۔

''کیا مطلب۔''

''گھر چلو باذف۔''

عذبہ نے سنتے ہی ارادہ بدلا، پیچھے کو مڑ گئی۔ وہ

ابھی شازمہ کا جملہ سمجھ بھی نہ پایا تھا کہ عتیق جو چوروں کی طرح کھڑے تھے، بازو کھولتے آگے بڑھ آئے۔

''باذف......میرا بچہ۔''

باذف کو سنتے ہی کرنٹ لگا، عتیق اس سے لپٹ گئے۔ ''اپنے باپ کو معاف کر دو، خدا کے لیے مجھے معاف کر دو، میں نے تم دونوں کے ساتھ بہت زیادتی کی۔''

سمجھ میں آتے ہی باذف ان سے ایسے الگ ہوا تھا، جیسے بجلی نے چھوا ہو، اس کی حالت بھی شازمہ سے کچھ مختلف نہیں تھی، اسے خود سے گھن آنے لگی، عذبہ میرے باپ کی بیٹی......اف......'' وہ یہ تک بھول گیا وہ اپنی ماں اور بوا خالہ کے ساتھ آیا ہے، انہیں ساتھ لے کر جانا چاہیے، وہ الٹے قدموں واپس پلٹا اور پلک جھپکتے گاڑی اڑا لے گیا۔

☆☆☆

عتیق اس کے ردِعمل پر بے طرح ٹوٹے تھے۔ ان کا خیال تھا شاید آج بھی شازمہ اس کی دوسری شادی کی وجہ سے خفا ہے اور باذف بھی، اسی لیے ان سے ملنا نہیں چاہتا، وہ اپنے خالی ہاتھوں کو دیکھتے روہانسے گئے۔

''شازمہ! وہ میرے ہاتھ ٹھکرا کر چلا گیا، وہ مجھے چھوڑ گیا شازمہ۔''

وہ سنبھل کر اٹھیں اک نگاہ خاموش کھڑی آنلہ پر ڈالی پھر عتیق سے کہا۔ ''تم اب بھی سمجھتے ہو اسے یہاں رکنا چاہیے تھا، لاعلمی میں وہ آگ سے کھیلنے لگا تھا، تمہیں اب بھی اس کی کیفیت کا اندازہ نہیں۔ عذبہ تمہاری بیٹی ہے عتیق۔''

آخری جملہ وہ چیخ کر بولیں تو عتیق کی آنکھوں میں تحیر ابھرا، سر نفی میں ہلنے لگا۔

''نہیں......نہیں نہیں......ایسا ہرگز نہیں ہے۔''

پھر اس نے آنلہ کو دیکھا۔ ''تم بتاؤ آنلہ! جواب دو عذبہ کون ہے۔''

ٹپ سے دو آنسو آنکھوں سے گرے تھے۔

''صرف میری بیٹی۔ میں آج تک کسی کو یہ یقین نہیں دلا پائی کہ اس کا وجود بننے میں، اس کا حقیقی باپ بھی

www.urdusoftbooks.com
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

شامل تھا۔“

وہ شازمہ کے پاس ہی بیٹھ گئیں، بہتے آنسوؤں کے ساتھ انہوں نے سارا قصہ سنادیا۔ شازمہ اور بوا خالہ حیران اسے دیکھے جارہی تھیں۔ آئلہ نے ٹشو سے اپنی گلابی آنکھیں رگڑیں۔ ”میں معاشرے کی وہ بیٹی ہوں شازمہ، جس پر ایک ان چاہی غلطی سے ہر خوشی، ہر دروازہ بند ہوگیا تھا، سب جائز ہوتے ہوئے بھی میں اور میری بچی مجرم بن گئے۔“ سانس کے وقفے میں آنسو رخساروں سے پھسل کے دامن میں گرتے رہے۔ ”مجھے ایک جذباتی سہارا چاہیے تھا جو عتیق میں دکھائی دیا، مجھے معاف کردو، شازمہ!“ انہوں نے دونوں ہاتھ اس کے آگے جوڑے۔ ”میں نے تمہارے حق پر ڈاکا ڈالا لیکن میں سچ کہہ رہی ہوں، میں نے تمہیں یہاں لانے سے منع نہیں کیا تھا۔“

”لیکن سوتن کے گھر آکر رہنا، آسان نہیں ہے آئلہ!“ شازمہ نے آئلہ کی آنکھوں میں جھانک کر کہا۔

”اگر میں یہاں آجاتی، میرا بچہ کیسے خوداعتمادی پاتا۔“

بوا خالہ کو یک دم باذف کا خیال آیا تھا۔

”اس وقت باذف کہاں گیا ہوگا۔ کوئی پتا کرو میرے لال کا، شازمہ تو یہاں کس قصے میں لگ گئی، ساری زندگی اس نے تیری خبر نہ لی اب کیسا دودھ دھلا معافی مانگ رہا ہے، چل اٹھ، اپنا بچہ دیکھ، وہ کہاں چلا گیا۔“

اس کا خیال آتے ہی شازمہ نے اس کا نمبر ملانا شروع کیا، مسلسل بیل جارہی تھی مگر وہ اٹھا نہیں رہا تھا، عتیق نے نمبر اپنے موبائل سے ملانا شروع کیا۔

تپتے تنور جیسی سڑکوں پر وہ گاڑی بھگاتا لے جا رہا تھا۔ عتیق کی کال ریسیو تو کرلی مگر کسی بات کا اس نے جواب نہیں دیا پھر فون شازمہ نے لے لیا۔

”باذف...... باذف! تم مجھے سن رہے ہونا، خدا کے لیے اپنی ماں کا اور امتحان مت لو، اکلوتی اولاد ہو تم۔ میری اور اپنے باپ کی۔“

تیز بھاگتی گاڑی اگلے ٹائروں کے بل جھٹکے سے رکی، قریب تھا کہ الٹ جاتی، مگر الٹی نہیں تھی۔

☆☆☆

رات کا دوسرا پہر بیت گیا تھا شازمہ اس کے پاس بیٹھی آہستہ آواز میں سب بتاتی رہیں، گاڑی کو بریک لگاتے وہ اچھا خاصا الجھ گیا تھا، شازمہ کا جملہ سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ وہ واپس ادھر تو نہیں گیا البتہ اپنے گھر آگیا۔

شازمہ اور بوا خالہ کو عتیق چھوڑنے آئے تھے وہ اندر آنا تو چاہ رہے تھے، مگر زندگی میں پہلی بار شازمہ نے جانے کس دل سے مگر انہیں اندر آنے سے روکا، وہ باذف کو پہلے خود سمجھانا چاہتی تھیں، انہیں یقین تھا وہ سب سمجھ جائے گا، بہت سمجھدار بیٹا تھا ان کا، اور سمجھ بھی گیا مگر سر جھکائے جھکائے۔

”میری جان! ماضی میں کی گئی غلطیوں کو گلے میں ہار کی طرح نہیں لٹکانا چاہیے، یہ تو تجربات ہوتے ہیں، ایک روشنی کی طرح، جن سے آئندہ کے راستے واضح دکھائی دیتے ہیں۔“

توقف کے بعد شازمہ پھر شروع ہوئیں۔

”اپ گریڈ ہونا تمہارے باپ کی سائیکی تھی، بس اسے جو راستہ ملا، اپنالیا، اپ گریڈ میں بھی ہوئی مگر اپنے بل پر۔ تکلیفوں کے باوجود میں تمہارے باپ سے نفرت نہیں کر پائی، پھر آئلہ...... آہ...... یہ سب قسمت کے ہیر پھیر ہیں۔

باذف، میں نہیں چاہتی قسمت کی ان بھول بھلیوں میں تمہارا دل بھی کہیں رُل جائے۔“

اس نے ایک دکھی نگاہ اٹھا کر ماں کو دیکھا۔

”میری ماں کا بھی تو رُل گیا، میرا رُل جائے گا تو کیا ہوا۔ ویسے بھی ڈیڈی کو میرے ردِعمل کے احساس سے گزرنا چاہیے۔“

”باپ کو سزا دینا چاہتے ہو۔“

وہ چپ رہا جیسے خاموشی نیم رضا ہو۔ ”کیا اس کے لیے یہ سزا کم ہے۔ اپنی اولاد کے ہوتے ہوئے، ایک بے گانی اولاد کو سینے سے لگا کر پالتا رہا۔ اولاد کے ہونے کی دعائیں مانگتا رہا، [illegible] اس کی شکل کو ترستا رہا، عتیق کے جہ[illegible] اٹھی

www.urdusoftbooks.com
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

بیٹا! اس سے زیادہ مت دوا سے۔"

"ٹھیک ہے، پھر ایک شرط ہے۔"

"کیا؟" شازمہ نے پوچھنے کے انداز میں بھنویں اچکائیں۔

"ہمارے پرانے گھر کی فروخت کا پیسہ اس گھر میں بھی استعمال ہوا ہے نا۔"

عجیب سی بات پر شازمہ کو اچنبھا ہوا۔

"عذبہ کے ساتھ اس کی ماں کو بھی رخصت کروا کر ڈیڈی اپنے گھر میں لے آئیں۔"

شازمہ کی آنکھیں پوری کھل گئیں، آواز بھیگ گئی۔

"وہ عورت آجائے گی باذف!"

یک دم کوئی خوف شازمہ میں امڈ آیا۔ "میں نے اس کی آنکھوں میں عذبہ اور عتیق کے لیے جو محبت اور بے بسی دیکھی ہے، وہ لمحہ نہیں لگائے گی سوچنے میں، لیکن......" اس نے اپنے ہونٹ جیسے کسی تکلیف کے تحت اندر کی جانب بھینچے آواز رندھ گئی۔

"تمہاری ماں بہت کم ظرف عورت ہے، بالکل ایک عام عورت کی طرح...... تمہیں پتا ہے عورت شوہر سے محبت عبادت سمجھ کر کرتی ہے، اس معاملے میں وہ — توحید کی بڑی پکی قائل ہے، شرک برداشت نہیں ہوتا اس سے۔ مجھے اتنے بڑے امتحان میں مت ڈالو باذف! میں نہیں سہہ پاؤں گی۔ جسے تقدیر نے جہاں سیٹ کر دیا ہے، اسے وہیں رہنے دو، جگہیں مت بدلو۔" وہ اپنی ماں کے چہرے کو پڑھتا چپ رہا۔

"میرے دل میں بہت درد ہے عتیق کی جدائی کا، وہ جب چاہے یہاں آئے، رہے، جائے، اس دل کے دروازے اس پر کبھی بند تھے، نہ ہوں گے مگر تم شرطیں مت رکھو پلیز، خدا کے لیے۔" وہ اٹھ کر جانے لگیں۔

وہ جان کر نروٹھے پن سے بولا۔ "ٹھیک ہے پھر، میں اس سارے معاملے کو پہلے دن سے سوچوں گا کہ مجھے اب کیا کرنا ہے؟"

انہوں نے شکوہ بھری نگاہ ڈالی جیسے کہا ہو۔

"بہت ضدی ہو تم۔" اور چلی گئیں۔

☆☆☆

باذف کی سوچ چند ماہ بعد ہی بہت شان دار تقریب میں دکھائی دے گئی، جب اسٹیج پر وہ دلہا بنا عذبہ کے پہلو میں بیٹھا بقول اُشنا بڑا شوخا ہو رہا تھا۔ اسٹیج کے سامنے لگے بڑے سے صوفے پر شازمہ اور آنکلہ بہت پُروقار سے انداز میں ساتھ ساتھ بیٹھیں بچوں کی شوخیاں دیکھتے ہوئے سراہتی ہوئی خوش ہو رہی تھیں۔

"اللہ ان کی محبت کو کسی کی نظر نہ لگائے۔"

شازمہ کے منہ سے نکلے الفاظ پر آنکلہ نے بھرپور انداز میں "آمین" کہا تھا۔

عتیق الحسن ویٹر کو کچھ سمجھا کر سامنے سے چلتے ہوئے آئے، ان دونوں کے پاس پل بھر کو رکے، سمجھ میں نہیں آیا، یہاں بیٹھنا چاہیے کہ نہیں یا بیٹھیں تو کس جانب، تب ہی شازمہ تھوڑا سا ایک جانب کھسکی، آنکلہ نے بھی جگہ بنائی۔ آنکلہ اور شازمہ کے درمیان اتنی جگہ بن گئی تھی جس میں عتیق الحسن با آسانی سما سکتے۔" شرمندگی تو اندر کہیں مستقل ڈیرا ڈال چکی ہی تھی لیکن اس وقت، ان کے بیچ میں بیٹھتے ہوئے دل کی گہرائی تک طمانیت سے بھر گئے تھے۔

اسٹیج پر بیٹھے باذف کی پُرشوق ترچھی نگاہوں سے عذبہ اچھی خاصی ڈسٹرب ہو رہی تھی، کئی بار خفیہ تنبیہ بھی کی مگر وہ باز ہی نہیں آ رہا تھا، گھوم پھر کر پھر ٹیڑھی ہوتی نگاہ اس پر، اس نے سرگوشی کے انداز میں گھرکا۔

"کبھی خوب صورت لڑکی نہیں دیکھی، جو بھینگے ہو گئے ہو، کہیں اور دیکھو۔"

"میں تو دل جان سے ادھر اُدھر دیکھنے کو تیار ہوں، تم سوچ لو۔"

"ویسے...... سامنے اُشنا بیٹھی ہے، کیا خیال ہے تمہارا۔"

سرخ سوٹ جیسی لپٹیں عذبہ کے رخساروں پر چمکیں۔ "باذف!"

اس نے اگلے دانت جما کر کہا۔

"تم واقعی بہت ڈھیٹ ہو۔"

www.urdusoftbooks.com
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

افشین نعیم

یارِ دلدار

''احسن یار! وہ اپنی بلیو چیک والی شرٹ دے دے۔''
عادل نے مسکین سی صورت بنا کر یوں لجاجت سے شرٹ مانگی گویا شرٹ نہیں بھیک مانگ رہا ہو۔

''خبردار، نام بھی نہ لینا اس شرٹ کا، وہ انتہائی خاص الخاص مواقع کے لیے رکھی ہوئی ہے میں نے۔'' احسن نے فوراً ہری جھنڈی دکھائی۔
''پلیز دے، دے نا، میری زندگی کا بھی بہت

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

خاص موقع ہے۔"

"کیوں...... ؟ اب تیرے آرٹیکلز بمع تصویر خواتین کے رسالوں میں چھپیں گے......؟"

"نہیں یار، وہ ایڈیٹر کے ریفرنس سے ایک ٹیوشن مل رہی ہے۔ کوئی کرنل صاحب ہیں، ان کو اپنے تین بچوں کے لیے ٹیوٹر درکار ہے تو ان سے ملاقات کے لیے جانا ہے آج شام۔"

"لالے! کرنل نے بچے پڑھوانے ہیں، بیٹی کا رشتہ نہیں دینا، اس لیے کوئی ضرورت نہیں ہے اتنا سج سنور کر جانے کی۔"

"تو میں کون سا شیروانی اور کلاہ پہن کر جارہا ہوں۔ ایک نئی شرٹ ہی تو پہن کر جانا چاہ رہا ہوں ذرا امپریشن اچھا پڑ جائے گا۔"

"ایسا کر، اپنے محب اللہ سے جمعہ والا سفید کرتا، شلوار لے کر پہن جا، انتہائی مذہبی امپریشن جائے گا۔"

"تجھ سے شرٹ مانگی ہے، مشورہ نہیں مانگا۔"

عادل سخت بے مزہ ہوا۔

"لو جی، مفید مشوروں کی تو کوئی قدر ہی نہیں ہے آج کل۔" احسن نے زمین پر بیٹھے بیٹھے پاؤں پھیلائے۔

"تو مجھے شرٹ دے رہا ہے یا نہیں......؟" اب کے عادل کا انداز خاصا جارحانہ تھا۔

"نہیں۔" احسن نے ہاتھ جھاڑے۔

"پھر سوچ لے۔"

"سوچ لیا۔"

"بچو! جب بن جاؤں گا نا میں کمشنر تو تجھے تو اپنے آفس کے اندر بھی نہیں گھسنے دوں گا۔"

"اوہو، پھر تو بڑا مسئلہ ہو جائے گا۔" احسن نے پیشانی مسلی۔

"میں تجھے پہچانوں گا بھی نہیں۔" عادل کا انداز مزید جارحانہ ہوا۔ (گویا کمشنر بن ہی گیا ہو)

"اتنی بڑی بڑی دھمکیاں نہ دے جگر، میرا دل بہت کمزور ہے۔ کہیں بند ہی نہ ہو جائے۔"

"میں تجھے کسی جھوٹے مقدمے میں اندر کرادوں گا۔ ساری عمر جیل میں پڑا سڑتا رہے گا۔"

احسن کی گردن ایک طرف کو ڈھلک گئی۔ چہرے پر فکر مندی، آنکھوں میں خالی پن بھر کر عادل کو دیکھا۔

"ہوں......" عادل نے لمبی سی ہوں کی۔ پھر گردن ذرا ترچھی کر کے احسن کو دیکھا۔ "اب بول"!

"لے لے یار تو شرٹ، لے لے، میں ساری زندگی جیل کی سلاخوں کے پیچھے نہیں گزار سکتا۔"

"ماشاء اللہ، سبحان اللہ، کیا شعلہ بیان مقرر ہوں میں۔" اس نے اپنی ہی بلائیں لے ڈالیں۔

احسن نے گردن ہلا کر تائید کی۔

"تو پھر اجازت ہے نا، نکال لوں؟" عادل چارپائی کی طرف منہ کر کے اکڑوں بیٹھ گیا۔

"ہاں جیسے میں اجازت نہیں دوں گا تو، تو باز آہی جائے گا۔" عادل نے بتیسی کی نمائش کی۔ ساتھ ہی کالے رنگ کا بیگ اپنی طرف کھینچا۔

زپ کھول کر مطلوبہ شرٹ نکالی۔ ابھی زپ بند کرنے ہی والا تھا کہ احسن کی آواز پر ہاتھ رک گئے۔

"یہ باقی کی چار شرٹیں بھی باہر نکال لے۔"

"کیوں، ان کا کیا کرنا ہے۔" مڑ کر احسن کی طرف دیکھا۔

پر احسن کے چہرے پر پھیلی مکروہ مسکراہٹ نے دماغ میں خطرے کی گھنٹیاں بلکہ نہیں سائرن بجانے شروع کر دیے۔

"کیا چل رہا ہے تیرے دماغ میں......؟" آنے والے خطرے کو کچھ نہ کچھ تو عادل بھانپ ہی گیا تھا۔

"یہ چاروں شرٹس بھی استری کر کے ہینگر میں لگا کر دے۔" اس کے چہرے پر رینگتی مسکراہٹ مزید گہری ہوئی۔

"تیرے جیسا کمینہ میں نے آج تک نہیں دیکھا۔"

"پانچ شرٹس ایک ساتھ استری کرنے کے خیال نے ہی اس کے ہاتھوں کے طوطے اڑا دیے تھے۔

"چل واپس رکھ دے میری نئی شرٹ، تو اس کے قابل ہی نہیں ہے۔ تو محب اللہ کا کرتا شلوار ہی پہن کر جا۔" احسن نے طوطے کی طرح آنکھیں پھیریں۔

www.urdusoftbooks.com
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

''مذاق کر رہا تھا یار!'' (ورنہ تیرے جیسے کمینے تو روز دن میں دس بار دیکھتا ہوں۔)

''ابھی استری کر دیتا ہوں ساری شرٹس۔'' (زیر لب تین چار گالیاں دیں)

''یہ کیا بڑبڑا رہا ہے؟''

''کچھ نہیں۔ تیری درازیٔ عمر کے لیے دعائیں مانگ رہا ہوں۔'' دانت پیس کر کہا۔

''ہوں، اچھا!'' احسن نے سر ہلا کر آنکھیں موند لیں۔

☆☆☆

''چلو، دلدار چلو، چاند کے پار چلو۔

''ہم ہیں تیار چلو......''

حیدر مشین سے کپڑے نکال نکال کر انس کو دے رہا تھا۔ انہیں کھنگالتا جا رہا تھا، ساتھ ہی ساتھ زور و شور سے گانے بھی جاری تھے۔

چار بجے کے قریب انس اور حیدر واپس آئے تھے تب تک احسن تو شام کی شفٹ کے لیے نکل چکا تھا۔ عادل کرنل صاحب کے ہاں جانے کی تیاری خوب زور و شور سے کر رہا تھا۔

حیدر نے آتے ہی مشین لگائی، انس بھاگ کر سرف کا پیکٹ لے لایا۔ اب دونوں مل کر کپڑے دھو رہے تھے۔ ساتھ ہی ساتھ گانوں کا مقابلہ بھی فل والیوم پہ چل رہا تھا۔

''آ جا، صنم، مدھر چاندنی میں۔''

''ارے، میں کہتا ہوں کب ختم ہوگا یہ گانا بجانا......''

ایک زوردار دھاڑ نے دونوں کو ہی پتھر کا بت بنا دیا۔

''جینا، حرام کر دیا ہے'' کب سے سونے کی کوشش کر رہا ہوں پر ایک کے بعد ایک واہیات گانا۔

شریفوں کا محلہ ہے یہ......''

''حیدر بھائی! دیواریں بول رہی ہیں۔'' انس نے گھبرا کر ادھر ادھر دیکھا۔

حیدر بھی آواز کا ماخذ جاننے کی کوشش کر رہا تھا۔ ان کا یہ مکان نما کمرہ یا کمرہ نما مکان اللہ میاں کے تو کیا، گلی، محلے ہر چیز کے ہی پچھواڑے تھا۔

پھر یہاں پر ان کی آوازیں کس کو پریشان کر رہی تھیں؟ اب کے بڑے میاں نے لڑکوں کو ادھر ادھر دیکھتے پایا تو اونچی آواز میں جگہ کی نشاندہی کی۔

''یہاں اوپر ہوں''۔ دونوں نے ایک ساتھ گردن اٹھا کر اوپر دیکھا۔ یہ ڈسٹرب ہونے والے حضرت ان کے مکان مالک تھے۔ ستر سے کچھ اوپر ہی تھے مگر قابل رشک صحت کے مالک تھے۔

جب دھاڑتے تھے تو جوانوں کو تو چھوڑ شیروں تک کو مات دے دیتے۔ انہوں نے اپنا وعظ جاری رکھا۔

''کچھ تو انسان کے اندر شرم ہونی چاہیے کہ محلے دار آرام کر رہے ہوں گے۔'' نان اسٹاپ بولتے جا رہے تھے۔ سانس لینے کو جو لمحہ بھر توقف کیا تو انس کی زبان میں کھجلی ہوئی۔

''باباجی! ایسے دوسروں کے گھروں میں جھانکنا بھی غیر اخلاقی حرکت ہوتی ہے۔ اور ہمیں کیا معلوم تھا کہ آپ چھت پر آرام کر رہے ہیں۔''

''میں چھت پر نہیں اپنے کمرے میں آرام کر رہا تھا وہیں سے اٹھ کر آیا ہوں تم لوگوں کی خبر لینے۔ شام کو ذرا اپنے اس سرپرست اعلیٰ (محب اللہ) کو بھیجنا میری طرف، ضروری بات کرنی ہے'' کہہ کر چلتے بنے۔

باباجی کے مکان کا سامنے والا حصہ مین یا بڑی گلی میں تھا۔ پچھواڑے میں ایک ڈیڑھ مرلے کا یہ بوسیدہ سا پورشن پچھلی بند گلی میں کھلتا تھا، وہیں سے اس کا راستہ تھا۔

''یار، انس یہ ہماری آوازیں ان کے بیڈروم تک کیسے جا رہی تھیں؟'' حیدر نے انس کو دیکھ کر سوال کیا۔

انس نے محض کندھے اچکا دیے......؟ ''مجھے کیا پتا؟''

''حیدر بھائی! اب یہ محب اللہ بھائی کو ہماری شکایت لگائیں گے۔'' انس کے لہجے کی تشویش نے حیدر کو بھی فکرمند کیا۔

''چلو دیکھتے ہیں۔''

☆☆☆

محب اللہ کو مکان مالک کی طرف گئے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی جب احسن بھی واپس آ گیا۔

''یار، یہ محب اللہ اور عادل نہیں پہنچے ابھی تک۔''

www.urdusoftbooks.com
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

اس نے حیدر سے استفسار کیا۔
"عادل نہیں آیا، محب اللہ مکان مالک کی طرف گیا ہے۔" حیدر نے تھکے تھکے لہجے میں جواب دیا۔
"کیوں خیریت......؟" احسن کے کان کھڑے ہوئے۔ مکان مالک اور کرایہ دار کی ملاقات عموماً کرائے داروں کے لیے تشویش کا باعث ہوتی ہے۔
حیدر کے جواب دینے سے پہلے ہی محب واپس آ گیا۔ اس کے پیچھے پیچھے عادل بھی اندر آیا۔
خوشی، عادل کے انگ انگ سے پھوٹ رہی تھی۔
"یارو! کمال ہو گیا۔ کرنل صاحب تو بہت متاثر ہوئے مجھ سے جب فیس کی باری آئی تو کہنے لگے تین بچے ہیں پہلے ٹیوٹر کو بھی پندرہ دے رہے تھے آپ کو بھی یہی دیں گے۔ میں تو بدک گیا۔ لو بھلا اب میں پندرہ سو میں اتنی مغز کھپائی کرتا۔ میں نے صاف کہہ دیا نہیں جی پندرہ بہت کم ہیں۔
تو کہنے لگے ٹھیک ہے ایک ایک بڑھا دیتے ہیں تینوں بچوں کا مگر اس سے زیادہ نہیں۔ بس اٹھارہ ہزار پر فائنل کر لیں۔
"اٹھارہ ہزار...... یار، میرا منہ تو جو کھلا تو بس پھر کھلے کا کھلا ہی رہ گیا۔
وہ پندرہ سو نہیں، پندرہ ہزار کہہ رہے تھے۔ اوہ میرے خدا۔" وہ اتنا خوش تھا کہ اپنی خوشی میں ان سب کی غیر معمولی خاموشی نوٹ ہی نہ کر پایا۔
وہ خاموش ہو کر ان لوگوں کی طرف سے کسی چٹکلے کسی تبصرے کا منتظر تھا۔
پر سب لوگ محب اللہ کو منتظر نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ اب کے عادل کو بھی کسی غیر معمولی بات کا اندازہ ہوا۔ "کیا ہوا ہے؟"
"یہ محب اللہ کو مکان مالک نے بلوایا تھا۔ احسن نے جواب دیا۔
"کیوں......؟"
"یار، باباجی نے کرایے کی بات کرنے کے لیے بلوایا تھا۔" محب اللہ چارپائی پر ٹک گیا۔
"وہ کہہ رہے ہیں سال پورا ہو گیا ہے۔ اب اس ماہ سے دو ہزار کرایہ بڑھ جائے گا۔ دے سکتے ہیں تو ٹھیک ورنہ گھر خالی کر دو۔"
"دو ہزار.........."
پہلی چیخ عادل کے حلق سے برآمد ہوئی۔
"قبر میں لے کر جائے گا اتنی دولت یہ نامراد دو بیٹے باہر بیٹھے ہیں (باہر مطلب فارن کنٹری) گھر میں یہ دو بڈھا، بڈھی ہیں۔ گھر اپنا، پھر یہ کھڈ بھی کرائے پر لگایا ہوا ہے۔"
عادل واقعی شعلہ بیان مقرر تھا۔ چیخ چیخ کر اپنے جذبات کا اظہار کر رہا تھا۔ تب ہی دروازہ زور دار آواز کے ساتھ دھڑ دھڑایا جانے لگا۔
سب نے چونک کر ایک دوسرے کی شکل دیکھی۔
محلے میں تو کسی سے صاحب سلامت تھی نہیں۔ باقی وہ سب گھر میں موجود تھے۔ دروازہ بجانے والے نے اب دروازہ پیٹنا شروع کر دیا تھا۔ لگتا تھا توڑ کر ہی دم لے گا۔
"کون ہے بھائی......؟" سب سے پہلے حیدر کو ہوش آیا۔ بھاگ کر دروازے تک پہنچا۔
"دروازہ کھولو، کم بختو! میں ہوں نامراد بڈھا۔"
آواز اتنی صاف اور واضح تھی کہ شک و شبہ کی کوئی گنجائش ہی نہیں تھی۔
ان سب کی سٹی ایک ساتھ گم ہوئی۔
حیدر نے بڑھ کر جلدی سے دروازہ کھولا، خود ایک طرف ہو گیا کہ باباجی خاصے طیش کے عالم میں اندر داخل ہوئے تھے۔ دو چار قدم کا صحن پھلانگ کر اب وہ دروازے کے بیچ میں کھڑے تھے۔
وہ سب ایک ساتھ اٹھ کر کھڑے ہوئے۔ حیدر ہنوز صحن کی دیوار سے چپکا کھڑا تھا۔
"کون کر رہا تھا، یہ ساری بکواس......؟ سامنے آئے" غصے کے مارے الفاظ بھی ٹھیک طرح سے ادا نہیں ہو پا رہے تھے۔
عادل کی گھگھی بندھ گئی۔ کھسکتا، کھسکتا انس کے پیچھے ہو گیا۔
"باباجی! آپ کو یقیناً کوئی غلط فہمی ہوئی ہے ہم لوگ تو اپنی باتیں......" حیدر نے آگے بڑھ کر بات

www.urdusoftbooks.com
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

بات سنبھالنے کی کوشش کی۔
"غلط فہمی، غلط فہمی......
مسٹنڈو، بے غیرتو، مجھے جھٹلاتے ہو۔" غیض وغضب کے مارے بات مکمل کرنا مشکل ہو گیا۔
باباجی کا غصہ دیکھ کر حیدر دوبارہ دیوار سے چپک گیا۔
تب ہی بابا کو کھانسی کا دورہ پڑ گیا۔ کھانس، کھانس کر دوہرے ہونے لگے۔
محب اللہ نے پانی گلاس میں نکال کر ان کے منہ سے لگانے کی کوشش کی تو ایک گھونٹ پی کر دونوں بازو لہرا لہرا کر ایک طرف کو اشارے کرنے لگے۔ وہ سب ہکا بکا سمجھنے کی کوشش کر رہے تھے۔
"مجھے لگ رہا ہے ان کو کھانسی کے ساتھ ساتھ، پاگل پن کا دورہ بھی پڑ گیا ہے۔" عادل نے انس کے کان میں سرگوشی کی۔
"اللہ کا واسطہ عادل بھائی اب تو چپ کر جائیں۔"
بات سمجھ میں آ گئی تھی، سو عادل فوراً ہی چپ ہو گیا۔
اب وہ کھانسی کے ساتھ ساتھ ایک آدھ لفظ بھی بول رہے تھے۔ ساتھ ہی ساتھ ہاتھ سے ایک طرف کو اشارہ کر رہے تھے۔
سب نے اس سمت دیکھنا شروع کیا جدھر وہ اشارہ کر رہے تھے۔ دیوار کے عین درمیان ایک بڑا گول شیشہ ٹانگ رکھا تھا ان لوگوں نے۔
"شیشہ، شیشہ مانگ رہے ہیں باباجی!" حیدر نے ان کے اشارے سمجھ کر جلدی سے ان کے خیالات کو زبان دی جو کھانسی کے باعث وہ بیان کرنے سے قاصر تھے۔
"میرا خیال ہے، بڑے میاں دیکھنا چاہتے ہیں کہ میں کھانستے ہوئے کیسا لگتا ہوں۔" عادل نے ایک مرتبہ پھر انس کے کان میں سرگوشی کی۔
"اب اگر آپ ایک لفظ بھی بولے نا تو میں بتا دوں گا کہ وہ نازیبا الفاظ کس نے ادا کیے تھے۔"
انس نے عادل کی بولتی بالکل ہی بند کرادی۔
احسن نے شیشہ اتار کر فوراً باباجی کے سامنے کیا،
(لے بھئی جی بھر کر دیکھ لے اپنا حسین مکھڑا)
کھانسی کو تھوڑا قرار آیا تو انہوں نے ہاتھوں سے شیشہ پرے کرنے کی کوشش کی۔
"یہ، یہ، یہ......" بازو لمبا کر کے اس طرف اشارہ کیا جہاں سے احسن نے شیشہ اتارا تھا۔ وہاں دیوار پر کپڑے کے اوپر ایک سینری بنی ہوئی تھی۔ وہ لوگ جب سے یہاں شفٹ ہوئے تھے یہ سینری کم پردہ تب سے ایسے ہی لگا ہوا تھا، اسی کے اوپر باہر کو نکلی ایک کیل پر ان لوگوں نے شیشہ لٹکا دیا تھا۔ اس پردے نما شیشے کو اتارنے کی نہ کوئی ضرورت تھی نہ ہی انہوں نے ایسی کوئی کوشش کی تھی۔
"یہ پردہ چاہیے آپ کو......؟" احسن نے شیشہ ایک طرف کیا۔
"یہ اس کے پیچھے کھڑکی ہے۔" باباجی طبیعت شاش بشاش ہو چکی تھی سو آواز میں گرج لوٹ آئی۔ "ایک ایک لفظ صاف سنائی دیتا ہے یہاں سے۔" وہ سینری کی طرف اشارہ کر کے بولے۔
محب اللہ نے آگے بڑھ کر سینری نما پردہ ایک طرف پر کیا۔ اس کے پیچھے واقعی میں کھڑکی تھی، (کیسا بھیانک انکشاف تھا، مطلب، باباجی پورے سال سے ان لوگوں کی ہر طرح کی بات چیت سے واقف تھے)
جو، اب بھی اشتعال میں نہ آتے تو یہ پردہ ان کی عقلوں پر پڑا ہی رہتا۔
"میں نے خود اپنے کانوں سے سنا ہے۔ تم میں سے کوئی ایک میرے بارے میں انتہائی بے ہودہ بکواس کر رہا تھا۔ کون تھا وہ......؟"
اب باباجی کی نظریں ان پانچوں کا باری باری ایکسرے کر رہی تھیں کوئی بھی کچھ نہ بولا۔
"اچھا تو نہیں بتاؤ گے تم لوگ۔"
"ٹھیک ہے پھر کرایہ دو کی جگہ چار ہزار بڑھے گا۔ منظور ہے تو ٹھیک ورنہ خالی کر دو گھر۔" فیصلہ سنا کر باہر کی جانب قدم بڑھا دیئے۔
☆☆☆
کچھ دیر سکتے کے عالم میں بیٹھے رہنے کے بعد محب اللہ اٹھ کھڑا ہوا۔ چلتا عادل کی طرف آیا۔

www.urdusoftbooks.com
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

''میرے ساتھ چل ذرا۔'' ہاتھ سے پکڑ کر اسے اٹھایا۔

''کہاں لے جارہا ہے مجھے؟''

''آجانا، آئس کریم کھلانی ہے تجھے۔'' اسے لے کر باہر کی طرف بڑھا۔

''اٹھو بھائیو!'' احسن نے باقی لوگوں کو پکارا۔ ''اس کار خیر میں سب لوگ حصہ لیں گے۔''

ان دونوں کے پیچھے، یہ تینوں بھی باہر نکل آئے۔

محب اللہ نے قریبی پارک لے جا کر خوب لتے لیے عادل کے' باقی تمام لوگ بھی زخموں پر نمک چھڑکنے کا کام بڑی خوبی اور مہارت سے کررہے تھے۔

بے چارہ عادل، نئی ٹیوشن کی ساری خوشی خاک میں مل گئی۔

آج کی رات یادگار ہونے جارہی تھی۔ مالکوں کے لیے بھی کرائے داروں کے لیے بھی۔

☆☆☆

ایک دم سے چار ہزار کرائے کا بڑھ جانا، اتنا بڑا صدمہ تھا کہ نیند بھی سب ہی کی آنکھوں سے روٹھ گئی تھی۔

آنکھ کس پہر لگی ان کی، یہ تو کسی کو یاد نہیں تھا۔ ہاں دروازے کے دھڑ دھڑانے پر جب آنکھ کھلی تو قریباً رات کے سوا تین بجے تھے۔ ایک کے بعد ایک وہ لوگ اٹھ کر سمجھنے کی کوشش کررہے تھے یہ آواز کہاں سے آرہی ہے۔

چند لمحے لگے تھے معاملہ سمجھنے میں، محب اللہ نے جلدی سے آئینہ ایک طرف۔ کرکے پردا سرکایا۔ پردے کے پیچھے کھڑکی کو دوسری طرف سے پیٹا جارہا تھا۔

کچھ گڑبڑ تھی

☆☆☆

آج پندرہ دن بعد بابا جی کو ڈسچارج کردیا گیا تھا۔ ہر چند کہ ان لوگوں نے بار بار ان کے بیٹوں کو اطلاع بھجوائی تھی کہ معاملہ خاصا سیریس ہے پر جواب ندارد۔

''بیٹا! تم لوگ تو رحمت کے فرشتے ثابت ہوئے ہمارے لیے۔'' ماں جی نے پندرہ دن میں کوئی پندرہ

سو مرتبہ تو یہ بات ضرور ہی دہرائی تھی۔

وہ دن رات ان ماؤں کو دعائیں دے رہی تھیں جنہوں نے ایسی نیک اولادیں جنیں۔ ایک ان کے اپنے بیٹے تھے۔ ہک ہاہ.........

☆☆☆

''چل بھئی اٹھ جا، تجھے آئس کریم کھلانی ہے۔''

محب اللہ نے عادل کو ہاتھ سے پکڑ کر اٹھانے کی کوشش کی۔

''اب، میں نے کیا کیا ہے.....؟'' عادل نے سراسیمہ ہوکر اس کی شکل دیکھی۔

''یار! آئس کریم کھلانے لے کر جارہا ہوں۔ کیا ہوگیا ہے؟''

''میرا گلا خراب ہے۔ مجھے نہیں کھانی کوئی آئس کریم، واٹس کریم، پچھلی والی آئس کریم کا ذائقہ بھی ابھی تازہ ہے۔'' عادل کلس کر بولا۔

محب اللہ ہنسنے لگا۔ اس کی ہنسی میں ان سب لوگوں کی ہنسی بھی شامل ہوئی۔ باقی سب واقف تھے۔ عادل نئی نویلی ٹیوشن پر گیا ہوا تھا سو انجان تھا۔

محب اللہ کرایہ دینے گیا تھا بابا جی کو، خیال تھا کہ چار ہزار کی جگہ منت ترلے کرکے دو ہزار پر معاملہ رفع دفع کروالے گا انہوں نے کرایہ ہی لینے سے انکار کردیا۔

زبردستی پچھلا والا کرایہ دے کر آیا کہ ان کے حالات بھی اب نظروں سے پوشیدہ نہیں رہے تھے۔

سو ایک رات بہت مبارک ٹھہری، کرائے داروں کے لیے بھی مالکوں کے لیے بھی۔

www.urdusoftbooks.com
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

عائشہ تنویر

ہمارا گھر

پورے گھر میں خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ بتیاں بند ہونے کی وجہ سے ہر سو اندھیرا تھا۔ اس کے کمرے کے ادھ کھلے دروازے سے آتی روشنی، لاؤنج کو نیم روشن کر رہی تھی۔ رات کے بارہ بج رہے تھے۔ ابو تو یوں بھی جلد سونے کے عادی تھے۔ امی نماز اور معمول کے وظائف میں مصروف تھیں۔ صہیب سے بات ختم کر کے وہ پانی کی بوتل لینے اٹھی تو عادتاً چائے بنالی۔

ساتھ ہی نمکو کا جار بھی رکھ لیا۔

"عنبر، بھوک لگی ہے تو کھانا کھاؤ، کباب فرائی کرلو۔ دال، چاول بھی رکھے ہیں۔ اس وقت یہ چپس، نمکو کھانے کی کیا تک ہے۔" تسبیح لیے اندر آتے امی نے ٹوکا تھا۔

عنبر بے اختیار مسکرائی۔ اس کے وقت بے وقت ٹونگنے کی عادت امی کو سخت ناپسند تھی۔ شادی سے پہلے تو وہ بہت ڈانٹتیں لیکن وہ بھی عادت سے مجبور کبھی باز نہ آتی۔ اب چھ ماہ پہلے اس کی شادی کے بعد سے امی بہت بدل گئی تھیں۔ کئی دنوں کے وقفے سے ہونے والی ملاقات میں انہیں اس پر پیار آتا۔ کبھی سخت سست سناتیں تو کبھی بہت سی باتیں نظر انداز کر جاتیں۔ ماں کی محبت میں یوں بھی بہت گنجائش ہوتی ہے، جس کا سارا فائدہ اولاد کو ہی ملتا ہے۔

"بھوک نہیں لگ رہی امی، بس ۔۔۔ چائے بناتے ہوئے نظر آئے تو دل چاہا۔"

www.urdusoftbooks.com
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

اس نے ان کی تسلی کرواتے ہوئے ایک طرف ہوکر ان کے بیٹھنے کی جگہ بنائی۔ امی آرام سے تکیے سے ٹیک لگا کر بیٹھی تھیں۔ ہر کام سے فارغ ہو کر اب وہ اس سے سکون سے باتیں کرنے آئی تھیں۔

''کل میں چلی جاؤں گی، شام میں صہیب لینے آئیں گے۔'' اسے اچانک یاد آیا۔

''یہ کیا بھلا، کل تو میرا تمہاری پھپھو کی طرف جانے کا ارادہ تھا۔ بہت اصرار کر رہی تھیں کہ عنبر آئے تو لے کر آئیے گا۔'' امی نے اس اچانک اطلاع پر تعجب سے ہاتھ ہلا کر کہا، پھر خیال آنے پر پوچھا۔

''کھانا تو یہیں کھائے گا نا صہیب...... مٹن پلاؤ اور کڑاہی بنالوں کل؟ میٹھے میں کھیر۔''

اکلوتا داماد تھا، خاطر تواضع لازمی تھی۔ آج کل تو مہمان نوازی بھی تعلق کی بنیاد پر ہی کی جاتی ہے۔ بیٹی خوش تھی انہیں اور کچھ نہیں چاہیے تھا۔ انہوں نے لمحوں میں سب بھول کر مینیو ترتیب دیا۔

''نہیں، کچھ بنانے کی ضرورت نہیں۔ ہم ڈنر باہر کریں گے۔''

عنبر نے ان کی گود میں سر رکھا۔ امی نے پیار سے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرا۔

''تم دوپہر میں کیا کھاؤ گی۔'' شادی کے بعد سے ان کا بس نہیں چلتا تھا کہ چند دنوں میں ہی لاڈ پیار کی ساری کسر پوری کر دیں۔

''میں آپ کے ہاتھ کے بنے دال چاول کھاؤں گی، وہاں تو وہ لوگ دال میں بھی ٹماٹر ڈال کر بناتے ہیں۔ مجھے اچھی نہیں لگتی کھٹی دال۔'' اس نے آنکھیں موندے جواب دیا۔ امی کی نرم گرم گود اسے سکون پہنچا رہی تھی۔

امی نے اس کی بات کا جواب نہیں دیا تھا۔ اسے شکایتوں کی عادت نہیں تھی۔ یونہی کبھی منہ سے نکل جاتا تو امی پیار سے سمجھا دیتیں کہ ہر گھر کا اپنا ماحول ہوتا ہے، کچھ عرصے میں تم بھی ان کے ماحول میں رچ جاؤ گی تو یہ چھوٹی چھوٹی باتیں محسوس بھی نہیں ہوں گی۔

''نہائیں بھی نہیں تم، کپڑے بھی آ کر یہی چڑھا لیتی ہو۔ اول جلول حلیے میں پھرتی رہتی ہو۔ تو بیگ میں کیا بھر کر لاتی ہو۔''

بالوں میں لگا تیل دیکھ کر امی کو ڈانٹنے کا خیال آیا۔ میکے آتے ہی امی سے بالوں میں تیل کی مالش کروانا اس کی سب سے بڑی عیاشی تھی۔ کھلے پائنچوں والا یہ فلیپر اور اے لائن، کھلی سی فراک نما اونچی شرٹ۔ اسے بہت پسند تھی لیکن اس کی سسرال میں ایسے کپڑے پسند نہیں کیے جاتے تھے، سو وہ یہاں آ کر ہی اپنا شوق پورا کر لیتی۔

ایک بار وہاں پہنا تو بڑی نند نے مسکراتے ہوئے کہہ دیا۔

''عنبر! عجیب ملنگوں والے کپڑے پہنے ہیں، ایسے کپڑے ٹین ایجرز پر اچھے لگتے ہیں، تم تو اب شادی شدہ ہو، اپنا ڈریس سینس تو بہتر کرو۔ ہمارے ہاں یہ سب پسند نہیں کیا جاتا۔''

لمحوں میں ذہن امی اور نند کے جملے اور انداز کا تقابل کرنے لگا تھا، کیا تھا جو وہاں چبھا تھا۔ لہجے میں چھپا طنز یا رشتے کا فرق تھا۔ دل ماں کی ہر بات کو یوں محبت کے نور سے روشن کرتا کہ کچھ برا ہی نہ لگتا۔ وہی دل وہاں بجھ کیوں گیا تھا۔ اس نے سب سوچوں کو ذہن سے جھٹکا۔

''کل تیار ہو کر گھر جاؤں گی تو دیکھ لیجیے گا، بیگ میں کیا بھرا ہے۔'' اس نے سستی سے جواب دیا، پھر کچھ خیال آنے پر سیدھی ہو بیٹھی۔ ''اس مہینے کا کوئی بھی ڈائجسٹ ابھی تک نہیں آیا، آئیں گے تو الماری میں سنبھال کر رکھ دیجیے گا۔ یہ نہیں کہ کسی کو بھی دے دیں، میں اگلی بار آ کر لے جاؤں گی۔'' اس نے زور دے کر کہا تھا۔ ڈائجسٹ کے بغیر اس کا گزارہ نہیں تھا۔ سسرال میں ابھی تک ڈائجسٹ نہیں لگوائے تھے۔ منع تو خیر کوئی کیا ہی کرتا لیکن اس کی ساس نندیں اکثر ہی ان چیزوں کو فضول اور وقت کا زیاں قرار دیتیں۔ بلاوجہ کے تنازعے میں الجھنے کے بجائے وہ یہیں پڑھ لیتی یا یہاں سے لے جاتی اور خاموشی سے

www.urdusoftbooks.com
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

اپنے کمرے میں پڑھ لیتی تا کہ کسی کو اعتراض کا موقع نہ ملے۔ رشتے اچھے، برے وقت میں سہارا ہوتے ہیں، بے وجہ چپقلش کا وزن ڈال کر ان سہاروں کو بوجھ نہیں بنانا چاہیے۔

رات دیر تک جاگنے کے بعد اگلے دن وہ فجر پڑھ کر سوئی تو دوپہر کو ہی اٹھی۔ امی نے اس کی نیند خراب ہونے کے ڈر سے کمرے کی صفائی بھی نہیں کروائی۔ جاگنے کے بعد بھی وہ کتنی دیر کسل مندی سے پڑی رہی۔ پھر گھر واپسی کے خیال سے اٹھی تو امی سے باتیں کرتے، نہادھو کر تیار ہوتے، پتا بھی نہ چلا اور دن گزر گیا۔

شیفون کے گہرے سبز کڑھائی والے سوٹ میں سلیقے سے بال بنائے، تیار ہو کر وہ بہت پیاری لگ رہی تھی۔ امی نے دل ہی دل میں کتنی سورتیں پڑھ کر اس پر پھونک دیں۔ صہیب کی آنکھوں کی ستائشی چمک نے اس کے چہرے کو روشن کر دیا تھا۔ ہنستے مسکراتے خوشگوار ماحول میں چائے پی کر انہوں نے اجازت لی۔

اس کے پسندیدہ ریسٹورنٹ میں ڈنر کرتے، صہیب کی پیار بھری باتوں اور استحقاق آمیز جملوں نے اسے ساتویں آسمان پر پہنچا دیا تھا۔ جلدی جلدی کرتے بھی انہیں گھر پہنچتے پہنچتے دس بج گئے تھے۔

''امی پریشان ہو رہی ہوں گی۔''

صہیب کو اب امی کی فکر ہو رہی تھی۔ عنبر خاموش ہی رہی۔ اس کے حساب سے تو دیر نہیں ہوئی تھی لیکن اس کے سسرال میں رات دیر گئے تک یوں پھرنا اچھا نہیں سمجھا جاتا تھا۔

گھر میں داخل ہوئے تو ہر طرف خاموشی کا راج تھا۔ سب اپنے اپنے کمرے میں تھے۔ صہیب گاڑی کھڑی کر رہا تھا۔ وہ ساس سے سلام دعا کر کے اپنے کمرے کی طرف آ گئی۔ حسب عادت چائے کی شدید طلب ہو رہی تھی مگر اس وقت کچن میں کھٹر پٹر ہوتی تو سب ڈسٹرب ہوتے اور سوالات کا ایک نیا سلسلہ شروع ہو جاتا۔ سو کسی نئے قصے کی شروعات سے اس نے بہتر جانا کہ وہ چائے کی طلب دبا لے۔

☆☆☆

چار دن سے بگڑے معمولات اور رات دیر سے سونے کی وجہ سے اس کی آنکھیں بوجھل ہو رہی تھیں۔ وہ بمشکل ساس امی کے ساتھ بیٹھی مارننگ شو دیکھتی ان کے تبصرے سن رہی تھی۔ پہلے وہ صہیب کے جانے کے بعد سو بھی جاتی تھی لیکن پھر صہیب نے کہا کہ سب کو وقت دیا کرو۔ تب سے وہ ضرور ان کی ساتھ بیٹھتی تھی یہ اور بات کہ ان مارننگ شوز یا خبروں میں اسے رتی بھر دلچسپی نہ تھی۔ بے دلی سے سب دیکھتی رہتی۔ ابھی بھی بوریت حد سے سوا ہوئی تو اسے کھانے کا خیال آیا۔

''آج کھانے میں کیا پکانا ہے امی جی؟''

''بینگن رکھے ہیں، وہ بنا لو لیکن چھیلنا مت، پچھلی بار بھی چھیل کر تم نے آدھے بینگن ضائع کر دیے تھے اور آلو کم ڈالنا، ہمارے گھر میں کوئی اتنے آلو نہیں کھاتا۔''

اس نے دھیان سے ان کی ہدایات سنی تھیں۔ وہ چھلکے والے بینگن نہیں کھاتی تھی لیکن یہاں اس کی کوشش یہی ہوتی کہ جلد سے جلد ان کے حساب سے کھانا بنانا سیکھ لے۔ ابھی بھی اس نے ان سے پوچھ پوچھ کر کھانا بنایا، چار دن سے جمع کپڑے استری کیے، کمر تختہ ہوگئی تو آرام کی غرض سے اپنے کمرے میں چلی گئی۔ عموماً یہ وقت وہ اپنے مشغلوں میں گزارتی تھی۔ ڈائجسٹ پڑھنا یا کمرے کی صفائی اور الماری کو ترتیب دینا لیکن آج وہ سو گئی۔ گھنٹے بعد گھنٹی کی آواز پر اس کی آنکھ کھلی تھی۔ آوازوں سے اندازہ ہوا کہ محلے کی کوئی خاتون اس کی ساس سے ملنے آئی ہیں۔ فریش ہو کر وہ ان سے ملنے گئی تو باہر تک آتی آواز نے اس کے قدم روک لیے۔ خاتون روایتی تجسس سے اس کے بارے میں دریافت کر رہی تھیں۔

''بس ٹھیک ہے بہو، اجنبی بن کر بیٹھی رہتی ہے۔ پکا لیا، دھو لیا پھر اپنے کمرے میں۔ اب کاموں کا کیا ہے، وہ تو میں خود ہزار کر لوں لیکن وہ اپنا گھر تو سمجھے۔''

اس کی ساس کا شکوہ جاری تھا۔ دل پر بے اختیار بوجھ بڑھا تھا۔

''ہمارے گھر'' کو اپنا گھر بنانا آسان نہ تھا۔

☆

www.urdusoftbooks.com
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

فرح بخاری

بن پاکھی

پانی پہ حدِ نگاہ تک خنکی مائل آسمان اور نیلگوں پانی کے بیچ سبزے کی ایک لکیر کھنچی تھی، سُندر بن کے درختوں کی گھنی قطار سے آگے نم، لچکیلی، چکنی سر سبز گھاس۔

دُوربین آنکھوں سے لگائے اُس نے سبزے کا فوکس کیا جواب پھیل کر ایک چراگاہ بن گیا تھا۔ دور کا کنارا نسبتاً قریب آگیا۔ وہ بن کا باسی اپنے جنگلی ہونے پر مغرور و مسرور ایک شان سے پیر تختے پہ جمائے، ایک ہاتھ کمر پہ رکھے گردن اور ٹھوڑی کو قدرے اونچا رکھتے اپنی گہری نگاہ دوربین سے دکھائی دیتے گھاٹ کے دوسرے کنارے پر لگائے دل جمعی سے کچھ کھوج لینے میں محو تھا۔ تب ہی گولپتا کی زمین میں گڑی آکٹوپس سی سفید اُبھری جڑوں کے پیچھے سے متحیر و مضطرب قلانچیں بھرتا ہرن افتاں خیزاں ایک طرف کو لپکا۔ دوربین آنکھوں سے ہٹاتے، بیگ کو کندھے پر اُٹھا کر مسکراتے ہوئے لانچ کے اوپری حصے پر آیا۔

”ہمیں لانچ کے بجائے ایک سادہ ناؤ پر وہاں تک جانا ہوگا۔ لانچ کی آواز سے وہ گھبرا کر دُور ہٹ جاتے ہیں۔ آپ کے لیے فلم بنانا مشکل ہو جائے گا۔ ابھی وہ گھاٹ پر پانی پینے رُکیں گے۔ چپّو والی ناؤ بے آواز گھاٹ کے قریب پہنچے گی۔ آپ سب کو خاموش رہنا ہوگا۔“ اُس نے ہدایات دیتے لانچ کے ایک کونے سے پتلی لکڑی کی ناؤ نکال کر کھینچتے ہوئے پانی میں ڈالی۔

”لیکن ہم شکاری تو نہیں۔“ سلمان متعجب سا

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

مکمل ناول

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

اس کے کندھے پر رکھے ہنٹنگ بیگ کو دیکھ رہا تھا۔
"یہ کس لیے؟"
"شکار ہم کرنے بھی نہیں دیتے، فی الحال شکار ہونے سے بچنے۔" وہ دھیمے سے مسکرایا۔
"اوہ باگھ (ٹائیگر)" راجو جھینپ کر ہنسا۔
"ایسی اپنی قسمت کہاں۔ ہرین (ہرن) دیکھ کر ہی من بہلا رہے ہیں۔"
"سندر بن آنے والا ہر سیاح دل میں ایک یہی اشتیاق لے کر آتا ہے کہ باگھ کو وہ چراگاہ پر کھلی آنکھوں سے گھومتے پھرتے دیکھ کر ہی جائے۔ بٹ سوری اٹس ناٹ ایزی۔"
"تم نے دیکھا کبھی باگھ کو؟" سرمد کو اپنا یہ اکڑو سا گائیڈ کافی دلچسپ لگا۔ چپو چلاتے آدھی آستین میں اس کے بازو کی مچھلیوں پر پسینے کے ننھے قطرے نمودار ہو رہے تھے۔
"ہوں......" وہ مبہم سا مسکرایا تھا۔ "بہت بار......"
"ہنٹر ہو؟" راجو کچھ جان لینے کی جستجو میں ابرو اٹھائے بغور اس کی کالی گہری آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔
"مجھے ہنٹر کہلایا جانا پسند نہیں، ہاں آپ محافظ کہہ سکتے ہیں اپنے سندر بن کی جنگلی حیات کا۔"
"بہت خوب۔" سلمان نے نامعلوم سا حسد ابھرتا محسوس کیا۔
"وہ دیکھو چیتل۔" سرمد نے ایک جذب سے سلمان کا بازو دبوچا اور راجو نے بوکھلا کر کیمرا سیدھا کیا۔

☆☆☆

"اُف ویملا۔ تمہارا نام میرا کیوں نہ رکھا گھر والوں نے۔" انترا نے کتاب اس کے ہاتھوں سے کھینچ کر بند کی۔ "بس کرو بائی!" وہ دونوں ہاتھ جوڑے اس جوگن کو دیکھ رہی تھی۔ لمبی شفاف کاجل بھری آنکھوں میں جہاں آج بھی اداسیوں کے ڈیرے تھے۔ انترا کو کبھی کبھی ڈر سا لگتا اُس دیوانی سے۔
"تمہارے جیون میں تو کوئی شیام نہیں۔ پھر کیوں میرا بنی پھرتی ہو یا پھر......؟" انترا نے شوخی سے جملہ ادھورا چھوڑا۔ "کوئی ہے تو نہیں، جسے دل میں بسا رکھا ہے اور ہمیں خبر بھی نہیں۔"
"دل میں بسنے والوں کی زمانے کو خبر نہیں دیا کرتے۔" وہ مبہم سا مسکرائی تو اس کے نمایاں کٹ والے نرم گلابی ہونٹ کلی سے پھول بن گئے۔

"ہائے دیا۔ اب میں زمانہ ہو گئی۔" انترا نے مصنوعی غصے سے آنکھیں پھیلائیں۔
"دل کے معاملوں میں صرف دل کو پتہ ہونا چاہیے کہ دل پر کیا بیتی۔" وہ اس کی حیرت سے یکسر لاتعلق کسی اور ہی خیال میں گم تھی۔ انترا نے رُک کر کچھ دیر سوچا۔ ویملا آج بڑی بیگانی سی دکھائی دیتی تھی، ضرور کچھ ہوا تھا۔
"سچ کہتی ہو ویملا! من کے بھید ہر کسی کے آگے کھول دو تو نری جگ ہنسائی ہے۔ پر سنگی ساتھی تو دلوں کے بوجھ ہلکا کرتے ہیں۔ میں نے ہمیشہ من کی ہر بات تم سے کہی، بتاؤ ناں کیا بات ہے۔ آج کیوں کسی دُور دیس کی باسی لگ رہی ہو۔ بولو ناں کیا ہوا ہے۔"
"گھر نہیں چلنا کیا؟" وہ صاف بات بدل گئی اور پلو سنبھالتی گھاس سے اٹھنے لگی۔ انترا نے کلائی پکڑ کر دوبارہ بٹھا دیا۔
"سُنا ہے گھر پہ تو آج کل لائن لگی ہے رشتوں کی۔ انکل تمہاری مرضی تو پوچھیں گے ناں؟"
"ہاں۔" ویملا افسردگی سے مسکرائی۔ "تین چار بہت بڑے رشتے پسند کر کے کہہ دیں گے ان میں سے کسی ایک کو پسند کر لو۔"
"تو برا کیا ہے ویملا! ایسے لاڈ اٹھوانے کا ہمیں موقع ملے تو بادلوں میں اڑتے پھریں۔"
"تم نہیں سمجھو گی۔"

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

''آج تو سمجھا ہی دو۔ کیا ہے تمہارے دل میں۔ہوں؟''

''کچھ نہیں، بس میں ابھی یہ بیاہ ویاہ نہیں کرنا چاہتی۔'' وہ اپنے آبشاروں جیسے بال آگے ڈالے بلاوجہ انہیں گوندھنے لگی۔

''تمہارے ذہن میں کیسی چھبی ہے اپنے ہونے والے پتی کی؟'' انترا آج پیچھا چھوڑنے کو بالکل تیار نہ تھی۔ ویملا بہت کم کھلتی تھی۔اس کے لیے اپنی اس پیاری دوست سے اندر کی بات اگلوانا ہمیشہ ہی بڑا کٹھن ہوتا تھا۔

''چھبی......'' ویملا کی حسین آنکھوں میں چمک سی لہرائی۔ بڑی دل فریب ہنسی اس کے لبوں کو چھوگئی تھی۔انترا نے مصنوعی غش کھایا۔

''اُف ویملا! کوئی سچ مچ تمہاری آنکھوں میں ہے۔بولوناں۔کون ہے کیسا ہے۔''

''کون ہے، یہ تو نہیں معلوم۔'' اس نے ہتھیلیاں پیچھے گھاس پر ٹکا کر اوپر فضاؤں میں کہیں دیکھا۔''اور کیسا ہے، یہ بتانا بہت ہی مشکل۔بس ہے ایک دھندلی سی پرچھائیں۔'' وہ اب زیرلب مسکرا رہی تھی۔دھیان اب بھی دُور کہیں بھٹک رہا تھا۔

''پھر بھی۔'' انترا تجسس سے آگے ہوئی۔''کیا ہے اُس پرچھائیں میں؟''

''ایک آرچر۔تیرانداز......''

''ہا......'' انترا کا منہ کھلا۔''آرچر؟'' وہ کہاں ہوتے ہیں آج کل۔کوئی اولمپئین ہے کیا۔میں نے تو آخری بار اولمپکس میں بان کمان دیکھے تھے۔''

''ہٹ پاگل۔'' ویملا کا منہ سُرخ ہوا۔''وہ آرچر بھی ہے اور تلوار کا دھنی بھی۔''

''توبہ ویملا! یہ تیر تلوار گھسائے بنا بات نہیں ہوسکتی۔کوئی یدھ کی فلم دیکھ لی ہے کیا۔ارے بھئی وہ دِکھتا کیسا ہے؟''

''صاف صاف کبھی نظر نہیں آتا۔میں پاگلوں کی طرح اس کا پیچھا کرتی ہوں، خوب بھاگتی ہوں۔سنو، رُکو کہتے بالآخر اس کو جا ہی لیتی ہوں لیکن وہ مڑ کر دیکھنے کو تیار ہی نہیں ہوتا''

''یہ سپنا (خواب) ہے یا تمہاری کلپنا (تصور)؟'' انترا متعجب تھی۔

''بہت پہلے بس ایک بار سپنا دیکھا تھا۔پر اب تو کلپنا بن کر ستاتا رہتا ہے۔برسوں بیت گئے وہ ایک سپنا کبھی بھولتا ہی نہیں۔ وہ اونچا لمبا سانولا ہے۔'' آہنکاری (مغرور) ماتھے پر تنی سی بھنویں، اس کے لچھے دار بال گردن تک آئے ہوئے ہیں۔''

''ابھی تم نے کہا صورت نظر نہیں آتی؟'' انترا اب نین نقش میں اُلجھنے لگی۔ ویملا بھی بے طرح سٹپٹا گئی تھی۔

''آں۔وہ بس میری کلپنا۔''

''پر وہ ملے گا کہاں؟'' انترا اب مایوس تھی۔

''شاید کہیں نہیں۔کبھی نہیں۔'' ویملا اب سنبھل گئی تھی۔

''مجھے بھی یہی لگ رہا ہے۔'' انترا نے ایک آہ بھری۔''بھلا سپنے بھی کبھی ساہکار ہوئے ہیں۔تم نے بلاوجہ اتنی سی بات کو سر پہ سوار کررکھا ہے۔'' وہ اب منہ بناتے اپنی چیزیں سمیٹنے میں لگی تھی۔جانتی تھی ویملا حددرجہ حساس ہے اور کبھی کسی چھوٹی سے چھوٹی بات کو بھی عام انداز میں نہیں لیتی۔''چل اُٹھ اب گھر چل۔''

''ہا......'' وہ خالی پرسوچ نگاہیں بھرے برگد کی شاخوں پہ ڈالے ابھی بھی خیالوں کا طلسم توڑنے کو تیار نہ تھی۔''گھر ہی تو نہیں چلنا۔''

''مروائے گی کیا۔میرا تو کوئی نہیں آگے پیچھے۔تیرے ہی باوا کے نوکر کھڑے ہیں گیٹ کے پار۔''

آج کے بعد نہیں ہوں گے۔'' ویملا ذرا سا مسکائی۔انترا کو جانے کیوں شبہ سا گزرا۔

''ایسا کیوں بولی۔'' اس نے باقاعدہ ویملا کی کلائی پکڑلی۔''بتاناں۔آج کے بعد کیوں نہیں ہوں گے؟''

''بتایا تو ہے۔سویتا موسی کے گھر جارہی

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

ہوں۔ حسن آباد۔"

"کیوں جاتی ہو ویملا۔" انترا نے منہ بسورا۔

"کیا رکھا ہے اِتنے سے حسن آباد میں۔ میں کیا کروں گی پیچھے۔"

"تیری تو سگائی ہے ناں۔" ویملا ہنسی۔

"تیاری کرنا جی بھر کے۔"

"اور جو تُو میری سگائی تک نہ پہنچی تو؟" وہ ابھی تک مشکوک تھی۔ "دیکھ ویملا! میں صاف انکاری ہو جاؤں گی۔"

"ہمت ہے؟" ویملا نے اپنی کاجل بھری شفاف کشادہ آنکھیں انترا کی آنکھوں میں جمائیں۔

"سوہن اُٹھا کر لے جائے گا تجھے انکار کیا تو۔"

"معلوم ہے۔" انترا نے غرور سے لب سکوڑے۔ "پر دیکھ تُو ضرور آئے گی۔"

"ہوں؟" وہ پراسرار ہنسی لبوں میں چھپائے ایب گیٹ کی طرف بڑھ رہی تھی۔ یہ کلکتہ لائبریری تھی۔ دونوں نے حال ہی میں ایم اے فنانس کا امتحان دیا تھا اور آج لائبریری میں نوٹس واپس کرنے کے لیے آئیں تو باہر لان میں ڈرائیور کے انتظار میں بیٹھنا پڑا۔ انترا اُن کے منشی بھیم چاچا کی بیٹی تھی۔ اس کی بہت اچھی اور پکی سہیلی تھی جس سے ویملا نے آج تک کچھ نہیں چھپایا تھا لیکن آج محض اُسی کے بھلے کے لیے آدھی بات پر اکتفا کرتے صرف حسن آباد کا بتایا۔ اُس سے آگے کا پروگرام انترا کو بتا کر وہ پیچھے اس کے لیے مشکلات کھڑی نہیں کر سکتی تھی۔ جانتی تھی اس کے لاپتا ہوتے ہی سب سے پہلے بابو جی انترا کی پیشی بلائیں گے۔ اس کا سچا لہجہ اور اعتماد ڈانوا ڈول نہ ہو اس لیے آدھی حقیقت بتانا ہی بہتر تھا۔ ویملا یہ بھی جانتی تھی بابو جی سامنے کھڑے شخص کے اندر تک اترنے میں کس قدر ماہر ہیں اور اپنے آنے والے کل کے لیے جو کچھ وہ کر چکی تھی اور جو آگے کرنے والی تھی اُس کی فی الحال بھنک بھی کسی کو پڑنے نہیں دے سکتی تھی۔ ہاں یہ طے تھا کہ کلکتہ اس کی جنم بھومی اب بہت جلد اس کے لیے اجنبی ہونے والا تھا۔ یہاں کی فضاؤں سے وہ کبھی واپس نہ آنے کے لیے یہاں سے جا رہی تھی۔ بس اگلے ہی روز اور جہاں وہ جا رہی تھی۔ اس کا تصور...... ویملا کچھ سوچ کر رسان سے مسکائی۔ بہت حسین بہت خوش کن تصور تھا۔ بس یہ ایک رات کی دُوری۔

☆☆☆

دھرمیشور شکلا کی لال چبھتی آنکھوں کے سامنے ٹکنا کسی بھی بڑی ہمت والے کا کام تھا۔ ارمیندر نے سر جھکا کر مؤدب کھڑا ہونے کو ترجیح دی۔

"ہمیں تُرنت کوئی اور پارٹی ڈھونڈنی ہو گی ارمیندر۔"

"جی سرکار! بندے لگائے ہوئے ہیں۔"

"بندوں کو سمجھا دیا کہ ابوصالح کو کانوں کان خبر نہ ہو اس کی۔" وہ اپنے اُٹھے گھٹنے پر کلائی رکھے تخت پر نیم دراز تھے۔

"بول دیا سرکار!"

"اشوتوش کے گھر والے آنا چاہ رہے ہیں۔ بٹیا کے لیے۔ انہیں اگلے ہفتے کی کوئی تاریخ دے دو۔ بٹیا کل حسن آباد جا رہی ہے اپنی موسی کے گھر۔"

"جی سرکار! معلوم ہے۔" پھر سے مُنڈی ہلی۔

"ڈرائیور کے ساتھ تم جا رہے ہو۔"

"ٹھیک ہے سرکار! اور واپسی؟" ارمیندر کی طرف سے پہلا باضابطہ سوال آیا۔

"گھنٹہ بھر آرام کر کے فوراً واپس لوٹنا۔"

"سمجھ گیا سرکار!"

"ہوں ٹھیک ہے جاؤ، اور جیسے ہی دوارکا کی طرف سے کسی پارٹی ملنے کا اشارہ ملے، بِنا سمے برباد کیے سیدھا میرے پاس آنا۔ میں سو رہا ہوں تو جگا دینا۔ آج رات مجھے ہر حال میں مسٹر بورٹن کو جواب دینا ہے۔ شِپ نکلنے میں چار روز باقی ہیں اور یہاں ابھی تک ایک بھی ہرن کا انتظام نہیں ہوا۔"

"جی سرکار!" وہ تھوڑا سا جھک کر پیچھے ہٹتے باہر نکل گیا۔

دھرمیشور کے ماتھے پر شکنوں کا جال سا بُن گیا

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

تھا۔ بہت سے مسائل نے ایک ساتھ ایسے وقت پہ سر اٹھایا تھا کہ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا پہلے کس سے نمٹے۔ کاروبار میں اچانک آنے والے ایک دھچکے نے دھرمیشور کی راتوں کی نیند اُڑا دی تھی۔ اب سلیکھا چیختی رہ جاتی کہ ویملا کی شادی کا معاملہ نمٹاؤ پر وہ کچھ سننے کو تیار نہیں تھا۔ ویملا کو اُس کی موسی کے ہاں بھیجنے پر بھی زیادہ ہچکچاہٹ کا مظاہرہ اس لیے نہیں کیا کہ یہ ہفتہ بھر کسی طرح مسٹر بورٹن کا کام نمٹانا تھا اور اِس دوران گھر میں سلیکھا اور ویملا کے آپس کے جھگڑے بھی نہ بڑھیں تو اسے موسی کے گھر بھیج دینا ہی بہتر تھا۔ ویملا نے ایک ہی بار ڈرتے ڈرتے اجازت مانگی اور اس نے فوراً ہاں بول کے ویملا کو بھی حیران کر دیا تھا۔ گھوم پھر کر دھرمیشور کا دماغ اسی ایک بات پہ آ کر چکرانے سا لگتا کہ اگر اس کے بندوں نے ہرن اسمگلنگ کے لیے کسی نئی پارٹی کا بندوبست نہ کیا تو مسٹر بورٹن اپنی بھاری آفر سمیت کہیں اور چل دیں گے۔ اب سے پہلے دھرمیشور کا یہ دو نمبر دھندا ابوصالح کے ذریعے انجام پاتا تھا۔ بنگلہ دیشی ابوصالح بظاہر فشری کے لیگل کاروبار سے منسلک تھا، فشری کے علاوہ مال مویشیوں کی امپورٹ ایکسپورٹ کا کام بھی کرتا تھا، لیکن درپردہ یہاں بنگال ٹائیگرز، ہرن اور دوسرے نایاب جانوروں، پرندوں کی اسمگلنگ بھی ہوتی تھی۔ پچھلے دنوں ابوصالح کی لاپروائی دھرمیشور کو ایک بہت بڑے خطرے سے دوچار کرنے والی تھی۔ اپنی سمجھ داری کے بل پر وہ بس بال بال بچا۔ جانے ابوصالح نے ایسے حساس کام کے لیے اتنے غیر ذمہ دار بندے کیوں رکھ چھوڑے تھے۔ مال کی ڈیلیوری لانچوں کے ذریعے انجام پاتی تھی۔ بظاہر وہ لانچ بھیڑ بکریوں، گائے بھینسوں کی لیگل خرید فروخت کا کام انجام دیتی تھی۔ دھرمیشور کا دنیا کی نظر میں لیگل کاروبار یہی تھا۔ لیکن درپردہ وہ بھی سندر بن سے لائے ہرن، ٹائیگر اور دوسرے نایاب جانوروں کی بیرونِ ملک اسمگلنگ کا کاروبار کرتا تھا۔ ابوصالح بنگلہ دیش کی سرحد کے اندر ہی مال کی سپلائی کا کام انجام دے دیا کرتا۔ آگے انڈیا میں معاملات سنبھالنے کی ذمہ داری دوسری پارٹی کی ہوا کرتی لیکن اُسے نہیں معلوم تھا کہ دھرمیشور اس معاملے میں اول دن سے دوہری چال چل رہا ہے۔

دھرمیشور نے اپنے ہی آدمیوں کو بنگلہ دیشی ویزے، پاسپورٹ اور جعلی آئی ڈی کارڈز دے رکھے تھے۔ پکڑے جانے پر یہ اس کی طرف سے خصوصی ہدایت تھی کہ مال کو ابوصالح کا ظاہر کر کے خود کو اس کا آدمی بتانا ہے۔ آگے کا کام تو ویسے بھی ان سے برآمد ہونے والے کاغذات کر دیتے۔

دونوں کے مابین یہ ہرن اسمگلنگ کی تیسری ڈیلیوری تھی۔ رات کے اندھیرے میں لانچ اپنا آدھے سے زائد سفر کامیابی سے طے کر چکنے کے بعد بارڈر کے نئے تعینات آفسر کے ہتھے چڑھ گئی۔ دھرمیشور کے تینوں آدمی پکڑے گئے لیکن کاغذات دیکھنے پر وہ بنگلہ دیشی ثابت ہوئے، پھر اُنہوں نے

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

اپنی زبان سے اپنے ابو صالح سے ملے ہونے کا اقرار کیا۔ کلکتہ میں بنگالی چونکہ عام بولی جاتی تھی، انہوں نے بھی بنگلہ بول کر اپنے بنگلہ دیشی ہونے کی تصدیق کر دی۔

اب بظاہر تو یہ چھاپہ دھرمیشور کو صاف ایک بڑی مصیبت سے بچا لے گیا تھا لیکن دھرمیشور جیسے آدمیوں کی تھوڑے سے تشفی بھی نہیں ہوئی۔ ڈیلیوری پکڑے جانے کا افسوس اس قدر زیادہ تھا کہ اپنا نام ظاہر نہ ہونے پر اس کے اندر شکر گزاری کا جذبہ بھی پیدا نہ ہوسکا۔ مسٹر بورٹن مسلسل شور مچا رہے تھے کہ انڈیا میں اُن کا قیام ختم ہوتا جا رہا ہے۔ دھرمیشور ایڈوانس کی رقم لے چکا تھا جس کی واپسی اسے کسی قیمت گوارا نہ تھی۔ وہ جلد از جلد کسی دوسری پارٹی کی تلاش میں تھا جو چند دن کے اندر مسٹر بورٹن کا مطالبہ پورا کرنے میں اس کی مدد کر سکے۔ زیادہ امکان یہی تھا کہ مسٹر بورٹن اس کے ہاتھوں مایوس ہونے والے نہیں تھے۔

☆☆☆

لکڑی اور بانس سے بنے خس کی چھتوں والے کہیں چھوٹے، کہیں درمیانے تو کہیں ذرا زیادہ کشادہ گھروں پر مشتمل وہ ایشوری پور بنگلہ دیش تھا۔ انڈیا بنگلہ دیش کے بارڈر سے کچھ فاصلے پر بنگلہ دیش کے اندر ایک چھوٹا سا گاؤں۔ رافع محمد بڑی چاہ سے پچھلی شام اپنی بڑی بہن شکیبہ کو اس کے سسرالی گاؤں مونگلا سے اپنے گھر لے آیا تھا پر افسوس جب سے وہ آئی تھی۔ ماں کے کان میں گھسی مسلسل اسی کی برائیاں کیے جا رہی تھی۔ گھونٹ گھونٹ چائے حلق سے اُتارتے وہ چائے جیسی کڑوی کسیلی باتیں بھی

خاموشی سے اپنے اندر اُتار رہا تھا۔ حتیٰ کہ یہ دھیرے دھیرے شکیبہ کی آواز بھی بلند ہوتی جا رہی تھی۔ شاید اس کی خاموشی کو اس کا احساسِ جُرم گردانتے اُسے شہ مل رہی تھی۔

''میری ساس کو اس کی بہن نے چھوٹے لڑکے کے لیے اپنے ایشوری پور کی کسی لڑکی کا بتایا، وہ کانوں کو ہاتھ لگا کر توبہ کرتی کہنے لگی۔ ''ایشوری پور والوں سے اللہ بچائے، جسے دیکھو روزی روٹی کی خاطر ایمان بیچنے پہ تُلا ہے۔ ہائے ممی!'' وہ خود ہی اپنی بات کو رقت آمیز بنانے کے لیے دوپٹہ منہ پہ رکھے سسک پڑی۔

''تُو نے ہمیں فاقے کروائے، گھروں میں کام کر کے اپنے ہاتھ گھسائے پر کبھی ہمارا پیٹ بھرنے کی خاطر کوئی غلط راہ نہ اپنائی۔ دادی نے تجھے دھکے دیے، تیرے بال نوچے، جب تک زندہ رہی تجھے سوائے برا بھلا کہنے کے کوئی اور کام نہ کیا۔ پر بات جب تیری عزت کی آئی تو رابعہ چاچی کو چاقو دکھا کر بھگا دیا، بولی۔ ''خبردار جو میری بیوہ بہو پہ کوئی الزام لگایا۔ فاقوں سے جنگ لڑتے زندگی کاٹ دی پر عزت پر آنچ نہیں آنے دی۔''

''پر کیا دیا تیری دادی کے تمغوں نے مجھے۔'' ماں بھی آہ بھر کر رہ گئی۔ ''جوان اکلوتی اولاد کو جانوروں کا نوالہ بننے کے لیے چھوڑ دیتی۔'' وہ رافع محمد کی طرف داری لیے بنا نہ رہ سکی۔ شکیبہ کو یہ جملہ کچھ پسند تو نہیں آیا کہ وہ تو ماں کو اپنا ہم خیال بنانے والی تھی۔

''خطرہ تو اُس کام میں بھی تھا اور اِس میں بھی ہے۔ وہاں جانوروں سے جنگ تھی، یہاں۔'' وہ چور نظروں سے رافع کو دیکھتی طنزیہ ہنسی۔ ''پولیس سے......''

''میرے بیٹے نے کبھی کچھ برا نہیں کیا۔''

''بروں کے ساتھ رہتے برائی سے کیسے اور کب تک بچے گا۔ میں کہے دیتی ہوں ممی! سومی نہیں ملنے والی اب اِسے۔ اُس کی ماں دوسری جگہوں پر بات چلا رہی ہے اور......''

رافع نے خالی کپ سامنے میز پر پٹخ کر باہر کی راہ لی۔

''صاب نے بلایا ہے۔ شام کو واپس آؤں

www.urdusoftbooks.com
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

گا۔"

"ہونہہ...... صاب؟" شکیبہ نے منہ بناتے ہنکارا ابھرا۔

"تو بھی اسی کی سائیڈ لیے جا۔" رافع کے باہر نکلتے ہی وہ ماں کی طرف پلٹی۔ "میں اسے سمجھانا چاہ رہی ہوں۔ کچھ عقل کرے، چھوڑ دے یہ ایسے کام پر......"

"یہ کام چھوڑ دے تو کیا کرے۔ دیکھ شکیبہ! مجھ سے رافع کا خون سے کھیلنا دیکھا نہیں جاتا تھا۔ تیرا باپ شیروں کے گلے پھاڑتے گاؤں بھر کو اس موذی جانور سے بچاتے اپنی ایک ٹانگ گنوا بیٹھا۔ باقی کی زندگی لنگڑا کر چلتے ہمارا جیون بھی اپاہج کر گیا۔ میں رافع کو اپنی آنکھوں کے سامنے مرتا نہیں دیکھ سکتی۔ کیسی بہن ہے تُو۔ تیرے دل میں ذرا بھی رحم نہیں۔"

"اور یہ حرام رزق......" شکیبہ کا دل ذرا موم نہ ہوا۔

"میرے بیٹے نے کبھی کوئی غلط کام نہیں کیا۔ وہ پورے پکے پیپروں کے ساتھ سرحد پہ دن کی روشنی میں مال پہنچاتا ہے اور نام تو یہاں ابوصالح کا بدنام ہے، رافع تو کسی صمیم طالب کے لیے کام کرتا ہے۔"

"معلوم ہے۔" شکیبہ نے ہاتھ جھٹکا۔ "صمیم بھی دوست ہے اسی کا۔"

"اری تو ہمیں کیا لینا صمیم کے دوست سے۔ میرے بیٹے سے تو انہوں نے ہمیشہ سیدھا ہی کام لیا ہے۔ میں جانتی ہوں اپنے بچے کو۔ لوگ تو یونہی باتیں بناتے ہیں۔"

ماں نے بات ہی سمیٹ لی، شکیبہ اونہہ کر کے رہ گئی۔

☆☆☆

ابوصالح کا لکڑی کا بڑا سا گھر کسی ریزورٹ سے کم نہ تھا۔ پام اور ناریل کے درختوں کی لمبی قطار والی روش کے بیچ سے گزر کر رافع اندرونی حصے میں آیا تو یوسف اسے ساتھ لیے ابوصالح کے کمرے میں آیا۔ ابوصالح نیچے قالین پر تکیوں کے سہارے ٹیک لگائے چائے پی رہا تھا۔ ہاتھ ماتھے تک لے جا کر رافع سلام کرتے ایک طرف کو کھڑا ہو گیا۔

"یہاں آؤ رافع! بیٹھ جاؤ۔" ابوصالح نے ہاتھ سے اپنے قریب آنے کا اشارہ کرتے، یوسف کو ابرو سے باہر جانے کا کہا۔ رافع کو سخت تعجب ہوا کیونکہ پچھلی مرتبہ کھڑے کھڑے ہی صاب کا حکم سُن کر وہیں سے واپسی کی تھی۔ شرن کھولا سے ایشوری پور شفٹ ہونے کے بعد اسے اب ایک اچھے کام کی تلاش تھی، شرن کھولا میں ہاشم نصر فشری کے کاروبار سے منسلک تھا اور ابوصالح سے اُس کی اچھی واقفیت بھی تھی۔ رافع کے لیے کام کی سفارش اسی کے توسط سے طے پائی تھی۔ ابوصالح نے اب سے ایک برس پہلے اسے اپنے ایک دوست صمیم طالب کی لانچ پر کام دلایا تھا جو انڈین بارڈر پر مچھلیاں سپلائی کرتی تھی۔ ابوصالح اور صمیم شاید بزنس پارٹنر تھے۔ رافع کو بھی کام سے مطلب تھا، اسے کیا غرض کہ کام ابوصالح کا ہے یا صمیم کا۔

"بیٹھو رافع! ضروری بات کرنی ہے۔" ابوصالح کے نرم لہجے میں کچھ غیر معمولی پن تھا۔

رافع حیرت کو اندر دبائے کونے پر ذرا سا ٹِک گیا۔ تن کوناآئی لینڈ پہ ابوصالح کا فشری پلانٹ تھا۔ وہاں سے بڑے پیمانے پر مچھلی دوسرے علاقوں اور انڈیا کے بارڈر تک بھیجی جاتی تھی۔ وہ بھیڑوں کا کاروبار بھی کرتا تھا۔ انڈیا سے یہاں ہزاروں کی تعداد میں روزانہ مال مویشی لائے جاتے تھے۔ رافع کو حیرت تھی کہ لوگوں نے ابوصالح کے کردار کی بابت عجیب و غریب باتیں کیوں پھیلا رکھی تھیں۔ بھیڑ بکری اور فشری کے لین دین میں اس نے گزرے ایک سال کے دوران کبھی گھپلا نہیں دیکھا تھا۔ بارڈر پر باقاعدہ پیپرز دکھا کر لیگل طریقے سے مال یہاں وہاں ہوتا۔

www.urdusoftbooks.com
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

''تمہیں یہاں ایک بہت ضروری کام سے بلایا ہے رافع!'' انہوں نے سامنے رکھے تھرماس میں سے ایک کپ بھر کر رافع کے آگے کیا۔ اس نے گھبرا کر فوری طور پر ہاتھ نفی میں ہلائے۔ ابوصالح نے مسکرا کر پیالی اس کے مزید قریب کی

''لے لو۔ میری بات لمبی ہے۔'' اس نے اپنے لمبوترے چہرے پر مزید لمبی تکون داڑھی پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے پیچھے ٹیک لگائی۔ وہ اپنی چھوٹی شاطر آنکھوں میں سرمہ لگاتا تھا۔ دراز قد لیکن نحنی سا شخص تھا۔ رافع کبھی سمجھ نہیں پایا کہ ابوصالح کا رعب اس کے چہرے کی وجہ سے تھا یا حیثیت کی وجہ سے، بہرحال رافع کو بھی اس سے سوال جواب طویل کرنے کی ہمت نہیں ہوئی۔

''جانتے ہو۔ یہ یوسف......'' انہوں نے دروازے کی طرف اشارہ کرتے بات شروع کی۔ ''میرے ہاں مالی ہو کے آیا تھا۔ آج سے سات برس پہلے۔ تین سال مالی ہی رہا لیکن آج وہ میرا خاص آدمی ہے، معلوم ہے کیوں؟''

رافع نے ایک نگاہ اُٹھا کر سر جھکا لیا۔

''اپنے ہر آدمی پر میری نظر دوسروں کی نسبت کہیں گہری ہوتی ہے۔ اپنے اندر ہر شخص اہم اور خاص ہے۔ بس یہ حالات اسے اپنا جوہر دکھانے کا موقع نہیں دیتے۔ اس کا باپ مالی تھا، لہٰذا وہ اسے بھی وہی کام سکھا کر میرے پاس اسے رکھ لینے کی سفارش لے کر آیا۔ تین سالوں میں، ابوصالح نے دیکھ لیا کہ وہ لڑکا صرف مالی نہیں ہو سکتا اور تم رافع......!'' ابوصالح نے یک لخت اپنی بات سمیٹی۔

''ڈرائیور ہونا بڑی عام بات ہے۔ کوئی بھی ہو سکتا ہے۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تمہاری اصل کچھ اور تھی اور......'' وہ لمحے کو رُکا۔ رافع کا دل جانے کیوں ڈرنے سا لگا۔

''خیر میں تم سے وہی کام دوبارہ نہیں لینے لگا۔'' اس نے ہنس کر ہاتھ جھٹکا۔ ''پر ویسا کام کوئی دل گردے والا ہی انجام دے سکتا ہے۔ تم جیسے بہادروں کی ابوصالح کے دل میں بڑی قدر ہے۔ تمہاری حیثیت اور پیسہ دونوں ابوصالح کے ہاں بڑھنے والے ہیں۔ کام ذرا سا خطرے والا ہے لیکن ابوصالح آنکھیں بند کر کے بتا سکتا ہے کہ تم جیسا جی دار ایسے ہی کاموں کے لیے بنا ہے۔''

''صاب...... کام؟'' رافع نے جی کڑا کر کے اس بار اعتماد سے وہ بات پوچھی کہ جس پر وہ محض پیسے کی وجہ سے مصالحت نہیں کر سکتا تھا۔ اگر ابوصالح واقعی دو نمبر نکلا تو وہ ہمیشہ کے لیے اسے آج خدا حافظ کہنے والا تھا۔

''ایک لڑکی کا اغوا کرنا ہے۔''

''نہیں صاب!'' وہ فوراً اپنے پورے قد سے اُٹھ کھڑا ہوا۔ ابوصالح مسکرا دیا۔

''بیٹھ جاؤ رافع!''

''میں کسی کا اغوا نہیں کر سکتا صاب...... اور وہ بھی ایک لڑکی......!'' رافع ہٹ دھرمی سے کھڑا ہی رہا۔

''تم میرا بہترین انتخاب ہو رافع!'' وہ فخر سے اس کی آنکھوں میں اپنی مسکراتی آنکھیں ڈالے ہوئے تھا۔

''بیٹھ جاؤ۔'' ابوصالح نے اس مرتبہ نرم سا رعب ڈالا۔ رافع ذرا سا ہچکچاتے واپس اپنی جگہ بیٹھ گیا۔

''پوری بات سُن لو رافع!'' وہ اب سیدھا ہو بیٹھا۔ ''ابوصالح بھی اغوا کار نہیں ہے۔ اِسے تم قدرت کا کھیل سمجھو۔ جو ہونے جا رہا ہے، اب سے پہلے میرے بھی وہم و گمان میں نہیں تھا۔ دھرمیشور شکلا کو جانتے ہو؟'' ابوصالح نے اچانک سوال داغ دیا، رافع نے حیرت سے سر اٹھا کر ایک نظر ابوصالح کو دیکھا پھر نفی میں گردن ہلائی۔

''کلکتہ کا مشہور رئیس۔ کھالوں کا بہت بڑا بیوپاری اور میرا سب سے بڑا دشمن۔ دھرمیشور؟!''

www.urdusoftbooks.com
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

ابوصالح ذرا دیر رُکا۔ رافع کی دلچسپی صفر تھی اس قصے میں کہ بہرحال حتمی جواب پھر بھی ناں ہی ہونا تھا۔ ابوصالح کا قصہ بھی طوعاً وکرہاً ہضم کرنا تھا کہ مالک بول رہا ہو تو نوکر کو سننا ہی پڑتا ہے۔

"دھرمیشور مال مویشی اور چمڑے کی آڑ میں اپنے بنگال ٹائیگرز اور ہرن بھی سندر بن سے اسمگل کرواتا ہے لیکن یہ اس کا خفیہ کاروبار ہے۔ ابھی کچھ عرصہ پہلے ہرن اسمگلنگ کی کوشش کو نئے آفیسر نے ناکام بنا دیا لیکن دھرمیشور باوجود مجرم ہونے کے پکڑا نہیں جاسکا۔ جانتے ہو کیوں؟" ابوصالح کی آنکھوں میں چبھن سی لو دینے لگی۔ "کیونکہ اس کے آدمیوں کے پاس بنگلہ دیش کے پیپرز تھے۔ ان کے ویزے پاسپورٹ سب ان کو بنگلہ دیشی ظاہر کررہے تھے۔ اوپر سے ان تین آدمیوں نے خود کو میرا یعنی ابوصالح کے آدمی ہونے کا اقرار کرکے مجھے پھنسوا دیا۔ پولیس میری تلاش میں جگہ جگہ چھاپے ماررہی ہے رافع!"

وہ اب طیش میں آرہا تھا۔ "جُرم کوئی قصور نہ ہوتے ہوئے بھی مجھے گرفتار کرلیا جائے گا اور وہ دھرمیشور! مہان بنا صاف ہر معاملے سے اپنا دامن بچائے بیٹھا ہے۔" ابوصالح نے خود کو بالکل ہی مظلوم ظاہر کیا۔ یہ اور بات کہ رافع پر خاص اثر نہیں ہوا۔

"اسی دھرمیشور کی بیٹی کماری دیملا! اپنی موسی سے ملنے حسن آباد جارہی ہے۔ میرے آدمی وہاں پہلے سے موجود ہیں انڈیا میں۔ وہ اسے حسن آباد سے شمشیر نگر کے بارڈر تک پہنچائیں گے۔ وہاں سے آگے تم۔"

"لیکن باپ سے بدلہ لینے کے لیے بیٹی کو استعمال۔" رافع چپ نہ رہ سکا، البتہ ابوصالح نے جو جواب آگے سے دیا اُس فوری جواب نے بیچ میں رافع کی بولتی بند کردی۔ وہ منہ کھولے حیرت سے پھٹی آنکھوں کے ساتھ ابوصالح کو دیکھ رہا تھا جس نے اپنے کہے الفاظ کی تائید میں مسکرا کر سر ہلایا تھا۔

"ہاں رافع! لڑکی اپنی مرضی سے اغوا ہورہی ہے۔"

"لیکن کیوں؟"

"یہ سوال کسی اور نے کیا ہوتا رافع! تو ابوصالح صرف ہاتھ اُٹھا کر اسے مزید بولنے سے منع کردیتا کیونکہ ابوصالح صرف حکم دیتا ہے سوالوں کے جواب نہیں لیکن یہ تم ہو رافع محمد! جس کی شرافت اور بہادری۔ یوں میری ہتھیلی پہ دھری ہے۔" اس نے اپنا ہاتھ سامنے پھیلایا۔ "خیر...... تو جواب یہ ہے بیٹے کہ لڑکی اس ماحول سے نکلنے کے لیے کب سے ہاتھ پیر ماررہی ہے۔ باپ نے اس کے سر پر جب سے سوتیلی ماں اور گزرے کئی سالوں کے دوران پانچ چھ بچے بھی مسلط کردیے تو وہ مزید وہاں رہنا نہیں چاہتی اور اب وہ اس کی شادی بھی خلاف مرضی کہیں کررہا تھا۔ لڑکی سے میرا رابطہ بہت ہی اتفاقاً ہوا۔ یہ سب باقاعدہ ایک ڈیل کے تحت ہورہا ہے۔ دھرمیشور سے ملنے والی رقم میں سے ہم دونوں کے حصے میں آدھا آدھا آئے گا۔ بہت سال پہلے وہ مجھے بزنس میں ایک بڑی چوٹ دے چکا ہے۔ مجھے تو بس وہی اپنا ڈوبا ہوا پیسہ واپس نکلوانا ہے۔ لڑکی اپنی رقم سمیت آپ جانے اور اب سنو کہ اس کام کے لیے ابوصالح نے تمہارا انتخاب ہی کیوں کیا۔"

وہ مزید آگے کو ہو بیٹھا سیدھا رافع کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے۔ رافع کا مضبوط دل بھی لحظے کو ڈوب کر اُبھرا۔

"نہ میری لڑکی سے کوئی دشمنی ہے نہ ہی میں اسے اپنی پناہ کے دوران کوئی نقصان پہنچنے دوں گا۔ تمہارا انتخاب ہی لڑکی کی حفاظت کی ضمانت ہے۔ میرے آدمی جتنے بھی بھروسے مند کیوں نہ ہوں، معاملہ لڑکی کا ہو تو سوچنا پڑتا ہے۔ دوسرے کچھ دن اسے تن کونا آئی لینڈ رکھنا ضروری ہے۔ یہاں رکھنے میں بہت خطرے ہیں۔ جب تک رقم ہاتھ نہیں آجاتی، وہ وہیں رہے گی۔ مسلسل صرف تمہاری نگرانی میں۔ کیا تم چاہتے ہو میں ایک لڑکی ذات کو کسی بھی بے بھروسا شخص کے حوالے کردوں؟

اِس بار صاف صاف پوچھا گیا اور رافع نے

www.urdusoftbooks.com
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

ہولے سے سرنفی میں ہلایا ورنہ ایک بار جی میں آئی صاف کہہ دے کہ ایسی بیچ، دھوکے باز لڑکی کو تو شیر چیتوں کے آگے ڈال دینا چاہیے۔ ''لڑکیاں'' ایسی بھی ہوتی ہیں؟ وہ افسوس سے محض سوچ کر رہ گیا۔ باقی کام کے لیے ہامی بھرنے کو بھی دل اس لیے رضامند ہوگیا کہ لڑکی مظلوم ہرگز نہ تھی۔ ایسی فریبی لڑکی کا تو اغوا ہو جانا ہی بہتر ہے۔ وہ اجازت طلب انداز میں اُٹھ کھڑا ہوا۔

''آدھی رقم تمہیں کام سے پہلے مل جائے گی۔ بس یاد رہے کہ رازداری شرط ہے۔ ماں تک کو پتا چلنے نہ دینا۔ کوئی اس سے پوچھ کچھ کرنے پہنچ گیا تو بے چاری کے لیے مشکل ہو جائے گی۔ بہتر تو یہ ہے کہ اسے کسی محفوظ مقام پہ چھوڑ جانا۔ کچھ دن اپنا گھر بند ہی رہنے دو۔''

''وہ جانے والی ہے کچھ دنوں تک اپنی بہن سے ملنے۔'' رافع اب مستعدی سے آگے ہی آگے سوچنے لگا تھا۔

''اچھا۔ کہاں؟''

''مونگلا!''

''ہوں۔ ٹھیک ہے۔'' ابوصالح نے سر ہلایا۔

''اُسے بھیجنے کا بندوبست کرو۔ ہمارے پاس دو دن ہیں۔ دو دن بعد قریب آدھی رات کو لانچ لے کر تم دبئی کھلی تک جاؤ گے۔ باقی کی چھوٹی چھوٹی تفصیل میں تمہیں پرسوں بتاتا ہوں، جانے سے پہلے۔''

''جی صاب!'' اثبات میں سر ہلا کر ہامی بھرتے وہ دروازے کی طرف پلٹ گیا۔

☆☆☆

گاڑی سڑک سے اُتر کر لوہے کے ڈیزائن دار بڑے کالے گیٹ کے اندر داخل ہوئی۔ ویملا نے اپنی اُداس خوابیدہ نگاہ اُٹھا کر باپ کے محل نما گھر کو دیکھا۔ گاڑی گول روش پر لان کے ساتھ ساتھ چلتی چار ستونوں والے اُونچے پورچ میں جا کر رُکی۔ گھر کے اندرونی دروازے کے سامنے ویملا کو اُتار کر اسی رفتار سے چلتی ہوئی دوسرے گیٹ سے باہر نکل گئی۔

ویملا نے اسوج کے ٹنڈ منڈ خشک پڑتے اُجڑے لان کو دیکھ کر سر جھٹکتے اندر کا رُخ کیا لیکن داخلی دروازے کے باہر سیکیورٹی گارڈ چندن کو ایک بوڑھے اجنبی سے اُلجھتے دیکھا، ویملا نزدیک آئی تو دونوں ہی مؤدب بن کر چپ ہو گئے۔

''کیا بات ہے چندن بھیا!'' وہ بوسیدہ کپڑوں والے عمر رسیدہ آدمی کو سر سے پیر تک دیکھتی چندن سے مخاطب تھی۔ اُسے شک سا گزرا کہ بوڑھا شاید رو رہا تھا۔

''کچھ نہیں بے بی!'' چندن نے نظریں جھکا کر بات کو ٹالا اور اس بوڑھے کو چلنے کا اشارہ کیا۔

''ٹھہریے چندن بھیا!'' ویملا نے ہاتھ اُٹھاتے لہجہ سخت کیا تو دونوں ہی سہم کر رُک گئے۔

''بتایئے کیا ہوا؟ کون ہے یہ آدمی!''

''بے بی وہ......'' چندن نے اٹک اٹک کر اسٹارٹ لیا۔ ''یہ شمس الدین ہے۔ یہاں کام مانگنے آیا تھا۔ اِس کی بیٹی کا آپریشن ہے آنکھوں کا، اسی کے لیے رقم جوڑ رہا ہے۔ میں نے ہی اِسے سکھا کر بھیجا کہ یہاں کام چاہیے تو ذرا سا جھوٹ بول دینا۔'' چندن پھر اٹکنے لگا، ویملا سکون سے دونوں ہاتھ سامنے باندھے صرف سننے کے موڈ میں نظر آ رہی تھی۔ جان خلاصی نہ پاتے چندن کو مجبوراً پھر آگے بڑھنا پڑا۔

''میں نے اِسے کہا کہ اپنا اصل نام نہ بتانا۔ خود کو ہندو ظاہر کر دو تو کام پہ لگ سکتے ہو۔ اِس بے چارے نے دیو موہن بن کر اپنا پرچے کروایا لیکن انٹرویو میں بلاوجہ گھبرا گیا اور اس کی پول کھل گئی۔ صاحب نے بڑا اپمان کیا۔ بس اب واپس جا رہا ہے۔'' چندن نے سر جھکائے سخت شرمندگی سے تفصیل بتائی اور ویملا کرب سے لب چبا کر رہ گئی۔ بوڑھے کی مجبوری کا سن کر دل پہ سخت چوٹ پڑی۔ کیا تھا جو بابو جی بجائے جھوٹ سچ کی کسوٹی پر اسے پرکھنے کے اس کی تکلیف اور مجبوری کو دیکھ لیتے اور پھر یہ سفید محل۔ اُس نے نظر اُٹھا کر اپنے شان دار بنگلے کو دیکھا، سوائے جھوٹ اور حرام کے جس کی مٹی میں اور

www.urdusoftbooks.com

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

کچھ نہیں گندھا تھا۔

"صاحب کہتے ہیں ہم اپنے گھر کو مسلم کے وجود سے اشدھ نہیں کر سکتے۔" چندن نے مزید آگاہ کیا۔

"ٹھیک ہے چندن بھیا! آپ جائیں۔" ویملا نے چندن کو آنکھوں سے اشارہ کیا تو بوڑھا بھی ساتھ ہی کھسک لیا۔

"آپ رُکیں بابا جی!" ویملا کے کہنے پر چندن گیٹ کی طرف بڑھ گیا اور ویملا نے کلائی سے گولڈن بریسلٹ اور گلے کی چین اُتار کر بوڑھے کے ہاتھ پر رکھی۔

"اپنا پتا بتا دیں، میں کچھ رقم بھی کل آپ کو بھجوا دوں گی۔ بس کسی سے ذکر مت کریے گا۔"

"میں نہیں لے سکتا بی بی! صاحب کو پتا چل گیا تو......" وہ ہاتھ نفی میں ہلاتے پیچھے ہٹنے لگا۔ ویملا نے آگے بڑھ کر زبردستی چیزیں اس کے ہاتھ پر دھر دیں۔ "کسی کو کچھ پتا نہیں چلے گا۔ چندن کے ہاتھ رقم بھی کل آپ تک پہنچ جائے گی۔ اپنی بیٹی کا ٹھیک سے علاج کروایئے۔"

"اللہ آپ کو خوش رکھے بی بی!" وہ پھر سے رو پڑا۔ تشکر سے اس نے دونوں ہاتھ آگے جوڑے اور ویملا لب بھینچے اندر دوڑ گئی۔

"ہے بھگوان! کتنی ظالم ہے یہ دُنیا اور کتنا انیائے ہے یہاں مظلوموں کے ساتھ۔" ڈائننگ ٹیبل پر ڈٹ کر بیٹھی سلیکھا آنٹی اور اس کی چھوٹی بڑی مخلوق کو کھانے پر ٹوٹتا دیکھ کر وہ تاسف سے سر ہلاتی اوپر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

☆☆☆

"صاحب دوارکا بات کرنا چاہتا ہے۔" ارمیندر نے موبائل سیٹ دھرمیشور کی طرف بڑھایا۔

"بولو دوارکا! کام بنا؟" دھرمیشور اُمید و بیم میں ڈولتا کچھ بدمزا سا لگ رہا تھا اس لمحے۔

"صاحب! وہ رقم تھوڑی زیادہ مانگ رہے ہیں لیکن ہرن بالکل اصلی اور نایاب ہے۔"

"تو ٹھیک ہے ہامی بھر لو۔ مال آج رات تیار ہونا چاہیے۔ مسٹر بورٹن کا شپ کل رات روانہ ہوگا۔ میں اُسے او کے کی رپورٹ دیتا ہوں۔ مال سیدھے ساحل پر پہنچانا ہے۔ باقی ہر معاملے میں محتاط رہنا آگے تم خود سمجھ دار ہو۔"

"جی صاحب! بے فکر رہیں۔" دوارکا نے اجازت لی اور ایک ٹھنڈی گہری سانس لیتے دھرمیشور نے صوفے کی پشت سے سر ٹکایا۔

☆☆☆

دھرمیشور کا پرانے طرز کا یہ حویلی نما مکان کئی لانوں کے بیچوں بیچ کسی قلعے کی طرح ایستادہ تھا۔ باہر لان کا ماحول، وہاں کی خاموشی بھی اس قدر بھلی لگتی کہ ویملا کا جی چاہتا، درختوں کے سایے تلے وہ اِن لانوں میں گھومتی ہی رہے اور جب تک ماں زندہ رہی۔ اندر کا ماحول بھی کم پرسکون نہ تھا، پر اب...... اب وہ گھر اپنا ہی کہاں لگتا تھا۔ بابو جی نے اس کی جنت کو سلیکھا اور اپنے چھوٹے چھ بچوں کے حوالے کر کے نرک ہی بنا ڈالا تھا۔ ویملا کو اب اِس گھر میں نہ سکون میسر تھا نہ آزادی۔ حتیٰ کہ بابو جی بھی اب اُس کے وجود کو یہاں اضافی اور غیر ضروری سمجھنے لگے تھے۔ ورنہ ماں کی موجودگی میں کیا یہ ممکن تھا کہ بنا اس کی اچھا جانے اُس کا کہیں بیاہ رچا دیا جاتا۔ یہ سب سلیکھا آنٹی کی پڑھائی پٹیاں تھیں۔ وہی جلد از جلد اُسے اس گھر سے نکال باہر کر کے پوری طرح ہر شے پر قابض ہو جانا چاہتی تھی اور دُکھ تو اسی بات کا تھا کہ پلکوں پر بٹھانے والا۔ پل بھر کو نظروں سے اوجھل تک نہ کرنے والا باپ کیسے کٹھ پتلی سا ناچتا تھا دوسری بیوی کے آگے۔ ماں سے تو شاید انہوں نے محبت ہی کبھی نہیں کی تھی۔ ویملا کی وجہ سے دن میں دس جھگڑے وہ اپنی پتنی سے کر بیٹھتے تھے کہ وہ اس کا خیال نہیں رکھتی۔ ویملا کو چوٹ کیوں لگی۔ اُسے بخار کیوں آیا۔ وہ کچھ کھاتی کیوں نہیں ۔۔۔ اور جانے کیا کیا۔ ویملا کو افسوس ہوتا اپنے باپ کو دیکھ کر...... کہ اس کی سگی ماں سے تو بیٹی کے معاملے پر وہ سو طرح کے جھگڑے اُٹھا

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

رکھتا تھا اور وہی باپ سوتیلی ماں کے آتے ہی کیوں اس بات کو فراموش کر گیا کہ ویملا کو کسی قسم کی شکایت کوئی دکھ کوئی پریشانی تو نہیں۔ سلیکھا کی طرف سے باپ کا آنکھیں بند کیے رکھنا ویملا کو مسلسل اپنی ماں کے حوصلے اور صبر کی یاد دلاتا۔ بڑے سے لاؤنج کی ابتری بمع بابو جی کی ننھی فوج کو ناگواری کی نظر سے دیکھتی کھٹ کھٹ کرتی اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ اب اُسے اپنے نرنئے (فیصلے) پر کوئی پچھتاوا نہیں تھا۔

بابو جی نے بتایا تھا ڈرائیور ایک گھنٹے بعد واپس آنے والا ہے، تب تک اُس نے اپنی بچی کھچی تیاری مکمل کر کے فریش ہونا تھا۔ حسن آباد جانے سے پہلے وہ انترا سے ملنے گئی تھی اور اب۔ اُس نے ہینڈ بیگ سے موبائل نکال کر ایک نمبر ڈائل کیا۔ آخر کار آج وہ اپنے مشن پر نکل رہی تھی اور اس کی اطلاع کسی اور کو دینا بھی بہت ضروری تھا۔ کلکتہ سے حسن آباد کا فاصلہ قریب ڈیڑھ گھنٹے کا تھا۔ ویملا کو اپنے سفر کے دوران ہی اپنے مقصد تک رسائی حاصل کرنی تھی۔ موسی جی کے ہاں پہنچ کر وہاں سے چوری چھپے نکلنا اگرچہ زیادہ آسان تھا لیکن وہ اپنی پیاری موسی کو کسی مصیبت میں نہیں ڈال سکتی تھی۔ اس کی گمشدگی بابو جی کو اتنا سٹپٹا دیتی کہ وہ موسی تک کو بخشنے کو تیار نہ ہوتے۔ ویملا کو اب ہر حال میں حسن آباد کے راستے میں کسی طرح غائب ہونا تھا تاکہ ڈرائیور بیچ راستے سے ہی واپس آ کر اس کے بابو جی کو اس کے لاپتا ہونے کی اطلاع دے۔ الجھی الجھی سوچوں میں غلطاں وہ سنگھار میز کے سامنے آ بیٹھی۔ ویملا کی توجہ آئینے میں نظر آتے اپنے حسین عکس پر اس لمحے قطعاً مرکوز نہ تھی۔ اس کی توجہ کا مرکز تو ماں بابو جی کی وہ تصویر تھی جو ڈریسنگ ٹیبل کے کونے پر لگی تھی۔ تصویر ہاتھ میں لیتے وہ اپنی ماں جی کے مسکراتے لبوں اور آنکھوں کو دیکھے جا رہی تھی۔ ماں جی۔ جو اب اس سے بہت دور جانے کن دیسوں کی واسی بن چکی تھی۔ اُسے تنہا چھوڑ کر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے۔

ماں کی تصویر پر انگلی پھیرتے وہ نم آنکھوں سے اُسے دیکھ رہی تھی جب نظر ماں کی بالیوں پر پڑی اور ویملا کا تصویر پہ چلتا ہاتھ یک لخت رُکا۔ اُس نے تصویر ایک طرف پہ رکھ کر ہینڈ بیگ سے چابی نکال کر سب سے نیچے کی ایک لاکڈ دراز کو کھولا۔ اُس میں سے ایک خوب صورت زیور کا ڈبہ نکالا۔ اندر ماں کے کچھ زیور، ایک ریشمی رومال، مور پنکھ، عطر کی شیشی اور چاندی کی پازیب رکھی تھی۔ ویملا کو اس ڈبے کا اچانک خیال آنے پر ایک انجانی سی مسرت ہوئی۔ جانے وہ ماں کی اتنی اہم نشانی۔ اس کی پسندیدہ چیزوں کا یہ ڈبہ کیوں کر یہاں بھولے جا رہی تھی۔

اُس نے فوراً سے بیشتر وہ درمیانے سائز کا ڈبہ ایک لفافے میں بند کر کے اپنے ہینڈ بیگ میں ڈال لیا۔ اس گھر اور یہاں کے رہنے والوں کو نہ زیورات کی کمی تھی نہ چیزوں کی لیکن اس کے پاس اپنی ماں کی باقی رہ جانے والی ان چند یادوں کے سوا کچھ بھی نہیں تھا۔

حسن آباد جانے کے لیے باقی کی تیاری ویملا نے پندرہ بیس منٹ میں پوری کر لی۔ ایک اہم فون بھی کمرے کے اندر رہتے نمٹا کر وہ پھر سے لان میں نکل آئی۔ اس کی سوتیلی ماں سلیکھا کو اس کے خالہ کے ہاں جانے کا علم تھا اس لیے خلافِ معمول آج گھر میں اس کی آواز کی گرج سنائی نہ دیتی تھی، شاید وہ خاموشی سے ویملا کے دفعان ہونے کی منتظر تھی۔ جو اُس کے نزدیک غالباً آٹھ دس دن کے لیے اس منظر نامے سے اوجھل ہو رہی تھی۔ اگر اُس لمحے وہ جان پاتی کہ کماری ویملا کبھی لوٹ کر یہاں آنے والی نہیں تو شاید وہ کلکتے بھر کے مسکینوں کو کھانا کھلا کر خوشی کا اظہار کرتی۔

ہوا میں خوشگواری سی محسوس کی جانے والی نمی گھلی تھی۔ عشق پیچاں کی بیل سے کئی پھول جھڑ کر راستے میں گرے ہوئے تھے۔ جن پر سنبھل سنبھل کر قدم رکھتی ویملا کے خیالات بھی پیچ در پیچ کئی سمتوں میں بھٹک رہے تھے۔ گیٹ پر ڈرائیور کا ہارن سنائی دیا اور

www.urdusoftbooks.com
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

خیالوں کے پروں کی پرواز نیچی کرتے اس نے باقی کے سبھی دھیان مٹھی میں سمیٹتے واپسی کی راہ لی۔ آزاد فضاؤں کا رنگین پنچھی پر پھیلائے اسے اپنے اندر بھر لینے کو بے تاب تھا اور وہ آج سے پہلے کبھی اس آواز پر یوں بے دھڑک نہ بھاگی ہوگی۔

☆☆☆

تا کی کی حدود میں داخل ہوتے ہی ویملا کے دل میں عجیب سی دھکڑ پکڑ ہونے لگی۔ حسن آباد اب چند کوس دور تھا اور اس کی منزل۔ اُس کی بے چین نگاہیں آگے کسی آبادی اور رش والے ایریے کی تلاش میں چاروں اور سرگرداں تھیں۔ ڈرائیور کے ساتھ بابو جی کا خاص آدمی ارمیندر بھی اس سفر میں اُن کے ساتھ تھا۔ ایک مصروف چوک سے دائیں مڑنے پر چند ایک ریسٹورنٹ اور فروٹ مارکیٹ دکھائی دینے لگی۔ ویملا کی یہ دیکھتے ہی جیسے مراد بر آئی تھی۔

''ارمیندر جی! کچھ کھانے کو مل سکتا ہے۔'' وہ ذرا سا آگے بڑھی۔

''جی بے بی! سب ہی کچھ گاڑی میں رکھا ہے۔ آپ حکم کریں۔'' وہ ویملا کے جوش کا ستیاناس کرتے فوراً مستعد ہوا۔ ویملا نے بمشکل اپنی جھنجلاہٹ پر قابو پایا۔

''وہ سب میں دیکھ چکی ارمیندر جی! وہ چیزیں میں نے بڑے پیار سے موسی جی کے لیے بنوائی ہیں۔ مجھے تو......'' اس نے اپنی متلاشی نگاہیں باہر دوڑاتے عجلت میں کچھ سوچا۔

''ہاں۔ وہ فروٹ شاپ سے تازہ سیب چاہئیں۔ اس کے علاوہ کچھ کھانے کو من نہیں کر رہا۔''

''جی بے بی!'' اس نے ڈرائیور کو گاڑی ایک طرف روکنے کا اشارہ کیا۔ ارمیندر جی کے باہر نکل کر فروٹ شاپ پر پہنچتے ہی ویملا نے ڈرائیور کو مخاطب کیا۔

''گاڑی میں رکھا پانی بھی گرم ہو گیا ہے پرشوتم بھیا! ایک ٹھنڈے پانی کی بوتل بھی لے آئیے۔''

''جی دیوی!'' وہ سر ہلاتے نیچے اُتر کر مخالف سمت والے ایک اسٹور کی جانب بڑھ گیا۔ ویملا نے ایک محتاط نگاہ دوبارہ ارمیندر پر ڈالتے ہوئے اپنا ہینڈ بیگ کندھے پر لٹکایا اور ایک کپڑوں کا بڑا شاپر جو اُس نے بیگ کے علاوہ آسانی سے اُٹھا لینے کے لیے خود ہی بنایا تھا۔ ہاتھ میں لے کر نیچے اترتے فوراً واپس چوک کا رخ کیا۔ تیز قدموں سے تقریباً بھاگتے ہوئے چوک کے بیچ و بیچ پہنچ کر اندھا دھند ایک مصروف سڑک کی طرف مُڑ گئی۔ سامنے سے آتے ایک خالی رکشہ کو ہاتھ دے کر روکتے بس اسٹینڈ کا کہا اور فوراً سے پہلے سوار ہوگئی۔ تقدیر اچھی تھی کہ بس اسٹینڈ کا راستہ ایک تیسری سڑک سے ہو کر جاتا تھا۔ ورنہ وہ دل ہی دل میں سخت ڈر رہی تھی کہ اگر رکشہ والا واپس اسی روڈ پر مُڑ گیا تو ڈرائیور اور ارمیندر بھیا اب تک اس کی گمشدگی سے آگاہ ہو چکے ہوں گے۔ اس نے شاپر سے چادر نکال کر اپنے اوپر لپیٹ لی۔ فکر تو اب ایک ہی لاحق تھی کہ انہیں ڈھونڈنے لینے کی کوشش میں وہ لوگ بھی جلد ہی بس اسٹینڈ نہ آ پہنچیں۔

''اور کتنی دُور ہے بھیا جی؟'' اس نے بے چینی سے رکشے کی سائیڈ بجائی۔

''بس پانچ، سات منٹ۔'' رکشہ ڈرائیور نے ذرا سا رُخ موڑا اور اچانک ایک کالے شیشوں والی بڑی سی گاڑی نے رکشے کا راستہ روکا۔ رکشہ ڈرائیور نے عجلت میں بریک لگائی اور گاڑی کے تین دروازے یکے بعد دیگرے کھلنے پر تین مشٹنڈے ٹائپ آدمی باہر نکل کر رکشہ کی طرف بڑھے۔ ایک تگڑے شخص نے آگے بڑھ کر اسے باہر کھینچا اور منہ کو رومال سے دبوچ لیا۔ دوسرے نے ڈرائیور کو دھکا دیا اور آن کی آن میں اسے اس بڑی کار میں پھینک دیا گیا۔ جھٹکے سے گاڑی آگے بڑھی اور ویملا کا دماغ اندھیروں کی نذر ہونے لگا۔

☆☆☆

دریا کا ساحل اُس وقت جھینگروں اور مختلف النوع نظر نہ آنے والے حشرات کی کبھی کبھار ابھرتی

www.urdusoftbooks.com

سرسراہٹوں اور پانی کے مدھم کانوں کو بھلا لگتے شور کے علاوہ ہر قسم کی آوازوں سے پاک تھا۔ کنارے کھڑی اس اندھیرے میں ڈوبی لانچ کے ڈیک پر ایک ٹانگ اونچے تختے پر جمائے بار بار گھڑی دیکھتا وہ رافع تھا، جسے ٹھیک تین بجے رات کو وہاں ایک گاڑی کی آمد کی اطلاع دی گئی تھی۔

وہ دو بجے سے کچھ پہلے ہی وہاں پہنچ گیا تھا۔ لانچ میں اُس کے علاوہ صرف ایک ڈرائیور تھا۔ رافع کا کام آج اُس سے کہیں بڑا تھا اس لیے ابوصالح کی ہدایت کے مطابق اسے لانچ چلانے کے لیے ڈرائیور دیا گیا تھا۔ انہوں نے دریا کے راستے ایشوری پور پہنچنا تھا۔ ابوصالح نے بتایا تھا کہ لڑکی کو ایک دن ایشوری پور رکھنے کے بعد ہی تن کونا آئی لینڈ لے جانا تھا۔ وہاں تک لے جانے کی مکمل ذمہ داری البتہ صرف اور صرف رافع کی تھی کیونکہ لڑکی کو آئی لینڈ میں رکھنے کی بات ابوصالح نے سوائے اپنے چند ایک خاص آدمیوں کے کسی سے شیئر نہ کی تھی۔

البتہ رافع کا اس معاملے میں انتخاب ابوصالح کو دو وجوہات کی بنا پر کرنا پڑا تھا، پہلی وجہ وہ بنا لگی لپٹی کے رافع کو بتا چکا تھا کہ اس کے آدمی لڑکی کے معاملہ میں قطعی بے بھروسا تھے اور دوسری وجہ رافع کو بنا ابوصالح کے بتائے ہی معلوم تھی۔ سندربن کے راستوں سے رافع محمد کس خوبی سے واقف تھا، ابوصالح کو تصدیق کی ضرورت نہ تھی۔

خاموشی اور اندھیرے کا حصار توڑتی وہ ایک فوربائی فور تھی جو دور سے ایک نقطے کی صورت اُبھرتے اب رفتہ رفتہ واضح ہو کر بالکل کنارے کے قریب آرکی تھی۔ رافع نے چھلانگ لگائی اور گاڑی کے نزدیک پہنچا

"رافع محمد؟" آنے والے نے ٹارچ کی روشنی رافع کے چہرے پر ڈالتے یقین دہانی چاہی۔ ویسے وہ دونوں ایک مرتبہ پہلے بھی مل چکے تھے۔ نووارد کو پہچاننے میں دقت کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔

"لڑکی نیم بے ہوش ہے۔ مکمل ہوش میں آنے سے پہلے پہلے لانچ میں ڈال دیں تاکہ شور نہ مچائے۔"

"بے ہوش؟" رافع کو حیرت کا جھٹکا سا لگا۔ ابوصالح کے مطابق لڑکی اپنی رضامندی سے اغوا ہوئی تھی پھر بے ہوش کرنے کی نوبت کیوں آئی تھی لیکن بہرحال یہ بات وہ سامنے کھڑے مانک سے نہیں پوچھ سکتا تھا۔ اسے کسی سے بھی زیادہ سوال جواب کی اجازت نہ تھی۔ حالانکہ کہنا تو وہ یہ بھی چاہتا تھا کہ ہوش میں آبھی گئی تو وہ بے فکر رہیں، لڑکی شور نہیں مچائے گی لیکن یہ بات بھی پچھلے جملے کی طرح اس نے منہ میں دباتے گاڑی کا رخ کیا۔

دوسرا آدمی اِس دوران پچھلی سیٹ پر لیٹی لڑکی کی طرف بڑھ چکا تھا۔ رافع گاڑی کے دروازے کے مقابل آیا تو دوسرے شخص نے آڑی ترچھی لیٹی اُس لڑکی کی بغل میں اپنا مضبوط ہاتھ ڈالتے اپنی طرف کھینچنے کی کوشش کی اور مانک نے دوسرا دروازہ کھول کر لڑکی کو ٹانگوں سے دھکا دینے کا ارادہ کیا۔

رافع کا چہرا ایک دم غصے کی شدت سے تپ اُٹھا۔

"اے۔ رُکو......" ہاتھ اُٹھا کر رعب داب آواز نکالتے اس نے باقاعدہ مانک کی کلائی پکڑ لی۔ "یہ کیا طریقہ ہے کسی عورت سے پیش آنے کا۔ ہٹ جاؤ دونوں۔" اُس نے مانک کو سائیڈ پہ کیا تو دوسرا شخص خود بخود ایک طرف ہو گیا۔ رافع نے کچھ دیر رُک کر سوچا پھر ذرا سا جھک کر لڑکی کو پیٹھ کی طرف سے کندھوں پر دباؤ دیتے اُٹھا کر سیٹ کے ساتھ بٹھا دیا۔ وہ نیم بے ہوش سی دائیں طرف کو ذرا سا لڑھک گئی لیکن بہرحال اب وہ بیٹھی ہوئی تھی۔ اب اصل مسئلہ اُسے لانچ کے اندر پہنچانے کا تھا۔ رافع دوڑ کر اپنی لانچ کی طرف گیا اور وہاں سے ایک چادر لے کر واپس آیا۔ لڑکی کو تھوڑا سا آگے کرتے چادر اس کے گرد دو تین بل دے کر یوں لپیٹ دی کہ اب وہ کسی ممی کی طرح پوری اس میں چھپ گئی تھی۔ اس مرتبہ رافع نے آرام سے باہر کی طرف لاتے اسے اپنے کندھے پر ڈالا لیکن وہ یوں اس کے کندھے پر پڑی

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

تھی جیسے کسی نے قالین کو رول کر کے اس کے کندھے پر ڈال دیا ہو۔ وہ لڑکی کو لیے لانچ میں آیا اور اسے پہلے سے تیار اس کی جگہ پر لٹا دیا۔ چادر کو اس نے ایک کونے سے کھینچ کر لڑکی سے الگ کر کے اس کے اوپر ڈال دیا۔ ڈرائیور کو لانچ آن کرنے کا اشارہ کرتے وہ پھر سے مانک وغیرہ کی طرف آیا جو اب گاڑی میں بیٹھنے کے بعد اسے اسٹارٹ کر رہے تھے۔ رافع نے اوپر کو بند ہوتے شیشے میں ہاتھ رکھ دیا

''لڑکی کا سامان؟''

''ہوں؟'' مانک نے اچنبھے سے ایک نظر رافع کو دیکھ کر دوسرے آدمی کی طرف دیکھا۔ رافع نے ہاتھ ڈال کر پچھلا لاک خود ہی کھولتے دروازہ اوپن کیا اور سیٹ کے پیچھے ڈبکے لڑکی کے ہینڈ بیگ اور ایک شاپر کو باہر نکالا۔ شاپر میں جھانکتے پرُزنانہ کپڑے نظر آئے تو تصدیق بھی ہو گئی۔

''ٹھیک ہے، اب تم لوگ جاؤ اور ابو صالح کو او کے کی رپورٹ دے دینا۔'' وہ ایک لمحے کے لیے بھی اُن چوروں کے رعب میں نہیں آیا تھا۔ لڑکی کو چادر میں لپیٹتے وقت ہی اس نے یہ سامان دیکھ لیا تھا۔ ابو صالح کی اپنے ہی بندوں پر بھروسا نہ کرنے کی وجہ بھی سمجھ میں آ گئی۔ مانک اور اس کے آدمی کو واپس بھیجتے رافع واپس لانچ میں آیا اور ڈرائیور کو فوراً روانہ ہونے کا اشارہ کیا۔ اس جگہ سے اب جلد از جلد انہیں دور نکلنا تھا۔ مانک کی گاڑی اور رافع کی لانچ نے بیک وقت وہ جگہ اور علاقہ چھوڑ دیا اور پیچھے رہ گئیں پھر جھینگروں کی سرسراہٹیں، پانی کی غیر محسوس ہلکی آواز اور علاقے کی دُور تک پھیلی ویرانی۔

☆☆☆

دھرمیشور کے گھر تو ویملا کے غائب ہونے سے بھونچال جیسی کیفیت دکھائی دیتی تھی۔ حسن آباد سے تھوڑا پہلے ویملا کا کہیں بھاگ جانا عجیب عجیب وہموں میں مبتلا کر رہا تھا۔ ڈرائیور اور ارمیندر کے بیان صاف بتاتے تھے کہ ویملا اپنی مرضی سے کہیں بھاگ گئی ہے۔ لیکن اس طرح۔ دھرمیشور کی تان بار بار جس ایک سوال پر ٹوٹ رہی تھی۔ وہ معمہ حل ہونے میں ہی نہیں آ رہا تھا۔ یعنی کہ اگر اسے بھاگنا تھا تو وہ گھر سے کہیں بھی جانے کا کہہ کر ہمیشہ کے لیے نکل سکتی تھی۔ اس کے کہیں آنے جانے پر پابندی نہ تھی۔ حسن آباد کے لیے خوشی خوشی ہامی بھرنے کے بعد بیچ راستے سے کہیں چلے جانا۔ کسی طور ہضم نہ ہو رہا تھا۔ دھرمیشور نے گھر کا یہ انتہائی خفیہ حادثہ سب سے پہلے سویتا موسی سے ڈسکس کیا کہ بہرحال وہ ویملا کی خالہ تھی۔ اُس نے ویملا کی اپنے ہاں آمد پر قطعی طور پر لاعلمی کا اظہار کیا۔ آواز اور لہجہ بتاتے تھے کہ وہ سچ بول رہی ہے۔

وہاں سے مایوس ہو کر دھرمیشور کو اگلے رازدار کے طور پر انترا کی پیشی بلانی پڑی۔ وہ اس کی گہری سہیلی تھی۔ یقیناً اس کے ارادوں سے واقف ہو سکتی تھی لیکن انترا نے بھی سراسر خود کو بے خبر ظاہر کیا تھا۔ ویملا نے لائبریری میں اس سے اپنی موسی کے ہاں جانے کی بات کی تھی۔ انترا نے وہی دہرا دی۔ دھرمیشور پوچھے بنا نہ رہ سکا کہ وہ ویملا کی ذاتی زندگی کے متعلق اور کیا جانتی ہے۔ پر انترا کچھ جانتی ہوتی تو بتاتی۔ دھرمیشور جی کی سرخ آنکھوں کی تاب نہ لاتے وہ رو ہی پڑی تھی۔

اب جانے انہوں نے انترا کی باتوں پہ کچھ یقین کیا تھا یا نہیں۔ پر اس بات پر ضرور یقین آنے لگا تھا کہ ویملا اپنی مرضی سے بھاگی تھی اور ظاہر ہے کہ پشت پر کسی لڑکے کے ہونے کا بھی قوی امکان تھا۔ بس کچھ اسی بدنامی کے خوف نے انہیں پولیس تک کو بتانے سے باز رکھا تھا۔ سلیکھا نے تو یہ تک کہہ دیا تھا کہ جو وہ کر چکی ہے، اسے قبول کرتے ویملا کو اُس کے حال پہ چھوڑ دیا جائے۔ لیکن دھرمیشور سگا باپ تھا۔ بیٹی کو اس کے حال پہ چھوڑ دینے کی بات بس کہنا ہی آسان تھا بنا حقیقت جانے کام، کاروبار چلانا، کھانا پینا سونا تک محال تھا۔ وہ کیسے جیتی جاگتی بیٹی پر مٹی ڈال کے بیٹھ جاتا۔

☆☆☆

www.urdusoftbooks.com

ویملا کی آنکھ کھلی تو اس نے خود کو ایک چلتی لانچ میں پایا۔ اونگھتے، سوتے حواس اب مکمل ہوش میں آچکے تھے۔ اس کی یادداشت کے چند ایک دھندلے واقعات میں گاڑی کا سڑک پر بھاگنا، آدمیوں کی آپس کی گفتگو کے چند بے ربط جملے۔ کسی کے کندھے پر سوار ہونا اور اب یہ پانی کا سفر۔ ویملا نے سب سے پہلے اپنے ظاہری حلیے کا جائزہ لیا۔ اس کا لباس اس کے بدن پر محفوظ تھا جوں کا توں۔ ایک اطمینان بھری سانس لیتے اس نے اُٹھ کر شیشے کے پار دیکھا وہ لانچ کے نیچے والے حصے میں تھی شاید، کیونکہ شیشے کے پار بس پانی ہی پانی دکھائی دیتا تھا۔

اغوا کار اسے پانی میں کہاں لے جا رہے تھے۔ طے تو کچھ اور پایا تھا اور...... وہ نچلا لب دانتوں میں دباتے واپس اپنے سامان تک آئی۔ اب وہ سنجیدگی سے کچھ سوچ رہی تھی۔ کیا اسے چپ چاپ وہاں تک چلے جانا چاہیے جہاں اسے لے جایا جا رہا ہے۔ شاید اُنہوں نے اُس کی بات سمجھنے میں تھوڑی غلطی کر دی تھی۔ یہ سب کچھ یوں تو نہیں ہونا تھا۔ جن مہاشے سے اس کی بات ہوئی تھی وہ تو کچھ اور ہی پلان بتا رہے تھے۔ وہ اُلجھی اُلجھی سی اپنے ہینڈ بیگ کے قریب آئی۔ شاید کسی وجہ سے پلان میں تبدیلی کرنی پڑی۔ کال کر کے پوچھ لیتی ہوں۔ ویملا نے پرس کھول کر خوب ٹٹولا۔ پر موبائل کہیں دکھائی نہیں دیا۔ شاپر میں بھی صرف کپڑے ہی دھرے تھے۔ اُسے اب کچھ کچھ گھبراہٹ گھیرنے لگی تھی۔ تبھی کلک کی آواز کے ساتھ دروازہ کھلا اور ایک دراز قامت شخص دروازے میں دکھائی دیا۔

''کچھ کھانا پسند کریں گی؟'' سانولے لڑکے کے کھردرے لہجے سے زمانے بھر کی بے زاری ٹپکتی تھی۔ اس سے نظریں چرائے وہ چھت کی طرف دیکھ رہا تھا۔ ایک تو دروازہ ہی چار سیڑھیاں چڑھ کر تھا اوپر سے اتنا لمبا قد، سر پر بڑا چوکور رومال باندھے، پھر چہرا بھی اوپر کی جانب اٹھائے ہوئے۔ ویملا کے لیے صورت تک سمجھنا مشکل تھا۔

''پانی چاہیے۔'' اس نے آہستگی سے جواب دیا اور وہ آنے والا اُلٹے قدموں واپس لوٹ گیا اور کچھ ہی دیر بعد پانی کی بوتل اور ایک شاپر سمیت واپس آیا، یہ سب دروازے کی اندرونی طرف عجلت میں ڈالتے فوراً ہی واپس پلٹ گیا۔ ویملا سخت جھنجھلائی اُس کے لیے دیے انداز پر۔ اس مرتبہ وہ بہت سارے سوال سوچے بیٹھی تھی، پر وہ تو اندر ہی آنے کو تیار نہ تھا۔ پانی پی لینے کے بعد اس نے شاپر کھولا۔ اس میں کچھ جوسز، بسکٹ کے پیکٹ اور کپ کیک رکھے تھے۔ جانے رات کا کون سا پہر تھا۔ بہر حال اس کی بھوک تو خوب ہی چمک اُٹھی تھی۔ جوس کا ڈبہ کھولتے اس نے تینوں کپ کیک جھٹ پٹ کھا لیے۔

''اُف......'' پیٹ کو کچھ آرام ملا تو دماغ نے بھی ٹھیک ٹھیک کام کرنا شروع کر دیا۔ وہ اُٹھ کر لانچ کے اس چھوٹے سے کمرے کا جائزہ لینے لگی۔ عموماً ایسی لانچوں کا نیچے والا چھوٹا کمرا عین ڈرائیور کی جگہ کے نیچے ہوا کرتا تھا۔ سیڑھیاں چڑھ کر دروازہ کھولتے لانچ کا اوپن ڈیک آجاتا۔ شیشے کی گول ونڈو کے علاوہ ایک بس وہی دروازہ تھا جہاں سے وہ آدمی نمودار ہوا تھا۔ ویملا نے دوبارہ اپنی ناک ونڈو سے چپکائی جس سے آگے صرف اُچھلتا پانی ہی دکھائی دیتا تھا۔ لیکن اس بار...... وہ حیرت سے ونڈو پر ہاتھ مارنے لگی۔ پانی کی شفافیت میں صبح کی روشنی کا رنگ گھلا تھا۔ اندھیری رات میں کالا گدلا سا دکھائی دینے والا پانی تو روشنی کی کرنیں پڑنے پر چمکنے لگا تھا۔ ویملا کا ننھا دل پہلی مرتبہ بری طرح ڈوب کر اُبھرا۔ وہ پچھلی شام کے بعد سے مسلسل کسی سفر میں تھی حتیٰ کہ اس سفر کی اگلی صبح بھی ہو گئی تھی۔

''ہے بھگوان! کہاں بلا ڈالا اس رام جی کیشو نے۔ اتنے لمبے سفر کی بات کہاں کی تھی اس نے۔'' اپنی عجلت پر بھی ویملا کو سخت افسوس ہوا۔ بنا پوری تسلی کیے ہی وہ بھاگ نکلی تھی۔ جس کے پاس پہنچنے کی اُسے جلدی تھی۔ چاہیے تو یہ تھا کہ ڈائریکٹ اسی سے رابطہ

www.urdusoftbooks.com

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

کرتی پر اب...... اب کیا ہوسکتا تھا۔وہ رام جی کیشو وشاید نیت بگاڑ بیٹھا تھا۔

''لاج رکھنا بھگوان!'' ہاتھ آپس میں جوڑے وہ اوپر دیکھتے رو ہی پڑی۔ قریب آدھے گھنٹے بعد دروازہ پھر سے کھلا۔ وہی لڑکا پھر دکھائی دیا۔ اس بار البتہ وہ سیڑھیاں اترتے نیچے تک آگیا۔ ویملا نے دوپٹہ بے ساختہ اپنے کچھ اور قریب کھینچ کر خود کو سمیٹا۔ لڑکے کے ہاتھ میں تھرماس اور پیالی تھی۔ بالکل سامنے اکڑوں بیٹھتے اس نے کپ میں چائے بھری اور بنا ویملا کی جانب نگاہ اٹھائے کپ تھوڑا آگے کھسکاتے واپس اُٹھ گیا۔

''ہم کہاں جا رہے ہیں؟'' ویملا نے ہمت جوڑتے بالآخر حلق سے آواز نکالی۔

''تم نہیں جانتیں کیا؟'' وہ جو مُڑ کر جانے لگا تھا وہیں ذرا دیر کو رُکا البتہ پلٹا نہیں۔

''جانتی ہوں لیکن اتنے لمبے سفر کا تو کسی نے نہیں بتایا تھا۔ میری اپنے مالک سے بات کرواؤ۔''

''وہیں جا رہے ہیں تب تک آرام سے بیٹھو۔''

''ارے پر کتنی دیر۔'' وہ کوفت سے اُٹھ کھڑی ہوئی۔

''بیس منٹ۔'' وہ مختصر جواب دیتے پھر اوپر غائب ہوگیا۔ ویملا نے ایک نظر چائے کے کپ کو دیکھا جس میں سے دھواں اُٹھ رہا تھا۔ ایک گہرا سانس لیتے وہ وہیں بیٹھ کر چائے پینے لگی' بیس منٹ بہت ہوتے ہیں۔ تب تک کے انتظار میں چائے ٹھنڈی کرنا بے وقوفی تھی۔ ایک بار دماغ چست ہوجائے۔۔ دیکھ لوں گی ایک ایک کو۔ جانے کیا سنسنی پھیلا رکھی ہے۔

☆☆☆

رافع محمد نے لڑکی کو ابو صالح کے ایک مخصوص ٹھکانے پر ایشوری پور پہنچایا اور قریب آٹھ بجے اپنے گھر بھی چلا گیا۔ اسے اپنی ماں کو مونگلا پہنچانا تھا اس کی بہن کی گھر۔ ماں کو ایک ہفتے کے لیے خالہ کے گھر چھوڑ کر اس نے اپنے واپس آنے تک سختی سے وہیں رُکے رہنے کی تنبیہ کی اور اب وہ شام کے آٹھ بجے دوبارہ ابو صالح کے سامنے تھا۔

''لڑکی کو لے کر ابھی روانہ ہونا ہے رافع۔'' ابو صالح کی شکنوں بھری پیشانی کچھ اور بھی پُر شکن ہوگئی تھی۔ اضطرابی کیفیت اس کے انگلیاں چٹخانے سے صاف ظاہر ہو رہی تھی۔

''صاب ابھی؟ آپ نے تو اگلی صبح کا کہا تھا۔'' رافع کی حیرت بھی بجا تھی۔ سندر بن کے راستوں پہ رات کا سفر؟

''ہوں۔'' ابو صالح کی تیز نگاہیں کسی غیر مرئی نقطے پہ مرکوز تھیں۔ ''میں نے لڑکی کے باپ کو اغوا کی خبر پہنچا دی ہے۔ محتاط رہنا، کسی بھی قسم کی چیکنگ سے بچنے کی پوری کوشش کرنا۔ بڑے دریاؤں کی نسبت چھوٹی ندیوں کے راستوں کو ترجیح دینا۔''

''صاب؟'' رافع حیرت اور بے یقینی سے بس اتنا کہہ پایا۔ ابو صالح کی عجلت کچھ سمجھ میں نہیں آئی۔ فقط اگلی صبح تک رُک جانے میں کیا قباحت تھی۔ لڑکی ایک بار آرام سے آئی لینڈ پہنچ جاتی تو بتا دیا جاتا۔ لیکن ابو صالح کے رعب نے یہ سب کہنے کا حوصلہ نہیں دیا۔

''مجبوراً رابطہ کرنا پڑا۔'' ابو صالح نے اس کی سوچ پڑھتے خود ہی کہنا شروع کیا۔ ''مجھے اس رقم کی سخت ضرورت ہے دو روز کے اندر اندر۔ جو اس لڑکی کے اغوا کے بدلے ملنی ہے۔ کچھ بہت ضروری پے منٹ کرنی ہیں۔ میں چاہتا تھا کل صبح تک وہ رقم کا بندوبست بھی کرلے۔''

''تو یعنی اب لڑکی کو اتنی دور لے جانے کی بھی کوئی ضرورت نہیں؟'' رافع نے ایک بوجھ سا سرکتا محسوس کیا۔ ایک ان چاہا زبردستی کا سودا جسے وہ سخت مجبوری میں انجام دینے پہ رضامند ہوا تھا۔

''نہیں رافع! کچھ دن وہ لڑکی ہمارے پاس ہے کیونکہ دھرمیشور فی الحال آدھی پے منٹ پہ راضی ہوا ہے۔ اس کے ارادے خطرناک بھی ہوسکتے ہیں۔ تمہیں ابھی نکلنا ہے۔ بہت محتاط رہنا۔ ضرورت کا

www.urdusoftbooks.com
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

جتنا سامان تمہیں چاہیے۔ یوسف کو بتا دو۔ بس آدھا گھنٹہ اور...... اس نے کلائی کی گھڑی سامنے کر کے مطلع کیا۔ رافع اجازت لیتے اُٹھ کھڑا ہوا۔ نکلنے سے پہلے لانچ کا جائزہ لینا ضروری تھا۔ یہ انڈین بارڈر سے ایشوری پور کا سفر نہ تھا جو اس نے بڑی آسانی سے کسی معمول کے سفر کی طرح طے کر لیا تھا۔ یہ خطرناک مگرمچھوں، ٹائیگرز اور سانپوں کا گڑھ تھا۔ سندربن اور منزل بھی تن کونا آئی لینڈ۔

"سنو رافع۔" ابو صالح نے کچھ خیال آنے پر باہر نکلتے رافع کو آواز دی۔ وہ مُڑ کر صاب کو دیکھنے لگا۔

"لڑکی تھوڑی کھسکی ہوئی سی ہے۔ عجیب نہ سمجھ میں آنے والی باتیں کرتی ہے۔ تم دھیان مت دینا۔"

"جی صاب۔" وہ سعادت مندی سے سر ہلاتا باہر نکل گیا۔ اس کی اپنی دلچسپی بھی صفر تھی لڑکی کو متوجہ کرنے میں۔ فی الحال اس کا فوکس ویسے بھی سفر کو محفوظ بنانے کے ہر ممکنہ طریقے پر غور کرنے پر تھا، کیونکہ وہ اکیلا نہ تھا۔ اُسے بحفاظت ایک انسان کو اس کی منزل پہ پہنچانا تھا۔ اور اس اہم ترین بہت بڑی ذمہ داری کے نامکمل رہ جانے میں کوئی تلافی کوئی عذر خود اس کے لیے قابل قبول نہ تھا اور فوراً نکلنے کا مطلب بیچ میں پوری ایک رات کا آنا تھا جبکہ سندربن میں رات کے سفر کی ممانعت تھی، یعنی رات کا یہ سفر اُسے خوب چوکنا رہ کر چھپتے چھپاتے انجام دینا تھا اور سندربن کے پانیوں پہ رات کا سفر مطلب آدھی خودکشی۔

☆☆☆

شام کے ملگجے سایوں میں پانی کا سفر آغاز کرتے اب وہ محض آدھے چاند کی مدھم روشنی کے سہارے آگے بڑھ رہا تھا۔ ہر سُو خنکی مائل اندھیرا چھایا تھا۔ لانچ کی ہیڈ لائٹ اس نے دانستہ بند کر دی تھی۔ فی الحال راستہ قدرے صاف تھا۔ مالنچا ریور سے چھوٹی پرباہ (ندی) کو مڑتے اس کا ارادہ ارپن گا سیا ریور تک پہنچنے اور پھر وہاں سے ندیوں کے راستے تن کونا پہنچنے کا تھا۔ یہاں کنارے کنارے پہلا مینگرو وو جنگل تھا (پانی میں موجود اونچی لمبی خودرو گھاس، پودوں اور درختوں کے بیچ کا راستہ) اس راستے پر کافی آگے چند دوسرے مینگرو وو جنگلات عبور کرنے کے بعد اس کا اپنا گاؤں تھا شرن کھولا۔ وہ شرن کھولا جہاں کی چند بااثر شخصیات نے اسے وہاں سے نکال باہر کرنے کے لیے جانے کتنی گنجلک سازشوں کے جال بُن ڈالے تھے۔ رافع اور اس کی ماں کی دربدری کے پیچھے بڑا ہاتھ رافع کی اس بہادری کا تھا جس نے اُس کی زندگی کا دھارا ہی بدل ڈالا تھا۔ محض تھوڑے سے عرصے میں لوگوں کے کیسے کیسے رویوں سے پالا پڑا تھا۔ انسانی دماغ سے لفظ سیاست کی نفی کر دی جاتی تو دنیا شاید آج یوں نہ ہوتی لیکن افسوس دلوں اور محبتوں کے بیچ در آتی یہ پولیٹکس۔ لمبی آہ بھر کر سامنے یاٹ کی نوک سے پانی میں پیدا ہوتی خفیف سی ہلچل نے اسے حال میں واپس لا کھڑا کیا۔ لہروں کی ہر حرکت سے واقف وہ رافع محمد تھا جس نے اپنی زندگی گزار دی تھی اِن پانیوں اور جنگلوں میں۔ لانچ کا رخ معمولی سا تبدیل کرتے وہ اس ہلچل سے باآسانی کنی کترا کے گزر گیا تھا۔ پانیوں میں سوئے مگرمچھوں کی نیند میں خلل ڈالتی لانچیں انہیں سخت طیش دلاتی تھیں اور فی الوقت وہ اس غصہ ور مخلوق سے نمٹنے کے موڈ میں قطعاً نہیں تھا۔ ایک نظر پیچھے لوہے کی سیڑھیوں پر ڈالتے وہ پھر آگے دیکھنے لگا تھا۔

رات سے ہی یعنی جب سے سفر کا آغاز ہوا تھا رافع نے لڑکی کو بالکل چپ اور گُنگ سا پایا تھا۔ اگرچہ دونوں کا سامنا ہی مشکل سے چند سیکنڈز کے لیے ہو پایا تھا۔ یوسف نے اسے لانچ کے نچلے کمرے میں بند کیا تو یہ منظر رافع نے دور کنارے سے کھڑے رہ کر دیکھا تھا۔ لڑکی اس وقت اپنا نیلا کاسنی سا دوپٹہ مکمل اپنے گرد لپیٹے نظریں جھکائے اندر کی طرف چلی گئی تھی۔ اس کا سامان بھی یوسف اور اس کے ایک ساتھی نے لانچ کے نچلے کمرے میں پہنچایا تھا۔ جس وقت رافع نے لانچ کی ڈرائیو سنبھالی، لڑکی نچلے

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

کمرے میں بند ہو چکی تھی۔ تب سے رافع کا اس سے کوئی رابطہ نہیں تھا۔ دریا کا ایک کشادہ پاٹ گزرتے ہی چھوٹی ندی کو مڑ کر رافع نے لانچ کو کنارے کی طرف روک کر نیچے کا رُخ کیا۔ دروازہ کھول کر پہلے اس نے اندر جھانکا۔ اگر لڑکی سو رہی ہوتی تو وہ وہیں سے واپس لوٹ جاتا لیکن وہ اپنے بستر پر دبکی بیٹھی ہولے ہولے سسک رہی تھی۔ رافع پریشانی سے دو اسٹیپ نیچے آیا

"کیا ہوا؟"

"مجھے میرے گھر پہنچا دو۔ بھگوان کا واسطہ۔" لڑکی جو اپنی روئی روئی سرخ آنکھیں اٹھا کر دروازے کی طرف دیکھنے لگی تھی۔ ہاتھ جوڑ کر اس کی منت کرنے لگی۔

"کیا واقعی تم اپنی مرضی سے بھاگی تھیں؟"

رافع کا دل جس ایک بات کو سن کر گزشتہ دو روز سے مضطرب تھا کہ لڑکی نے اپنی مرضی سے خود کو اغوا کروایا ہے، لگا کہ اس کی تصدیق لڑکی کے منہ سے بھی ضروری ہے۔ ابو صالح جیسے آدمیوں پر بھروسا تو یوں بھی نادانی تھی۔ انجانے میں کہیں وہ کسی معصوم و مظلوم پر کسی زیادتی کا باعث نہ بن رہا ہو۔

"ہاں میں اپنی مرضی سے بھاگی تھی۔ لیکن میں نے ایسا ہرگز نہیں سوچا تھا۔ مجھے لگا۔"

"تمہیں کب کیا لگا۔ مجھے سننے میں کوئی دلچسپی نہیں بے وقوف لڑکی! بس اتنی تیاری ضرور رکھو کہ گھر سے بھاگی لڑکی کے ساتھ "آگے" کیا کچھ ہو سکتا ہے۔ گھر کی چار دیواری میں کانٹے اُگے تھے جو ان جنگلوں میں پھولوں کی سیج تلاش کرنے آئی ہو۔"

رافع نہ چاہتے ہوئے بھی اتنا بول گیا حالانکہ لڑکی کو مخاطب تک نہ کرنے کا ارادہ کیے ہوئے تھا۔

"پلیز میری ہیلپ کر دو، میں تمہیں منہ مانگی رقم دوں گی۔ تم اُس ڈاڑھی والے کے آدمی ہو ناں، میں تمہیں اس سے ڈبل پے منٹ کر دوں گی، کرپا کر کے اس پاٹ کا رخ کلکتے موڑ دو۔" دیسلا بنا سوچے بولتی چلی گئی۔ بستر سے اُتر کر اب وہ تیزی سے سیڑھیوں کے سامنے آن رُکی تھی۔ رافع کو پہلی بار خوب وضاحت سے اس کا چہرا دکھائی دیا تھا۔ بڑی بڑی کالی آنکھیں رونے سے گلابی سی ہو رہی تھیں۔ سفید رنگت، نرم شہابی لب، ہلکے بکھرے ریشمی لمبے بال۔ وہ دوپٹے سے بالکل لاتعلق اسی ایک خیال کے زیر اثر ہاتھ جوڑے کھڑی تھی کہ لڑکا اس کی آفر قبول کرتے اسے کلکتے واپس لے جائے۔ رافع نے بمشکل نظر چرا کر خود کو واپس مڑنے پر تیار کیا اور دو سیڑھیاں عجلت میں پھلانگتا باہر نکل گیا۔ لڑکی کے بولنے چیخنے کی پرواہ کیے بغیر دروازہ ایک بار پھر بند کر دیا۔

☆☆☆

"ابو صالح!" مٹھیاں غصے کی شدت سے بھینچ کر کھولتے یہاں سے وہاں ٹہلتے وہ دھرمیشور تھا جو اس وقت کسی شیر کی طرح اپنے ملازموں پر دھاڑ رہا تھا۔ نشانے پر اس وقت ارمیندر اور ڈرائیور تھے جنہوں نے اس کی بیٹی پر بھاگ جانے کا رقیق الزام لگایا تھا۔ وہ معصوم جو اُس وقت ابو صالح کے چنگل میں پھنسی تھی یعنی کے ایک دوسرے ملک میں۔۔ ابو صالح نے فون کر کے استہزائیہ پہلا جملہ ہی یہی بولا تھا۔

"اِل لیگل پیپرز بنوانے کے ماہر ہو ناں۔ ایک ویزے اور پاسپورٹ کا بندوبست اپنی بیٹی کے لیے بھی کر لو۔ جو بنا کسی پیپر کے بنگلہ دیشی مہمان ہے اس وقت۔"

"کیا چاہتے ہو ابو صالح؟" دھرمیشور کی آنکھوں میں خون اُتر آیا۔

"مجھے کچھ نہیں چاہیے دھرمیشور!" ابو صالح کا کاٹ دار لہجہ دھرمیشور سے بھی زیادہ اونچا تھا" کام میں دھوکا دینے والے کو سبق سکھانا ابو صالح اپنا فرض سمجھتا ہے۔ تمہیں بتانا بہت ضروری تھا کہ دماغ کی تیزیاں ایک تم ہی کو نہیں آتیں۔ خطرہ سامنے دیکھ کر تم نے بندوق جس طرح میرے کندھے پر رکھ دی تھی۔ اب اس بندوق کو چلتا بھی دیکھ۔"

"میری بیٹی کو کچھ نہیں ہونا چاہیے ابو صالح!" دھرمیشور بہت زور لگا کر بھی حلق سے وہ آواز نکال نہیں پایا جو ابو صالح کو اس کے ارادوں سے باز رکھ

www.urdusoftbooks.com
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

سکتی۔ جواباً وہ ایک قہقہہ لگا کر رہ گیا۔
''پولیس تو ہوگی تمہارے ہاں، تو کیوں نہ ہم ''اُس'' راستے سے آگے بڑھیں۔ تم لڑکی کے اغوا کی رپورٹ کٹواؤ میرے خلاف اور میں وہ اصل پیپرز پیش کردوں تمہارے تین آدمیوں کے، جنہیں تمہاری سازش نے میرے آدمی ظاہر کیا تھا۔''
''پر یہ تو......'' دھرمیشور کی صحیح معنوں میں سٹی گم ہوئی تھی۔ ابوصالح اس قدر انتقامی ہوسکتا ہے، اس کے گمان میں بھی نہیں آسکتا تھا۔
''ناممکن ہے ناں۔'' ابوصالح ٹھنڈے ٹھنڈے مسکرایا تھا۔ ''وہ تین آدمی تمہارے ثابت ہوگئے تمہارا تو کاروبار ٹھپ ہوجائے گا۔ چمڑے کا کامیاب بیوپاری کروڑوں کا مالک سیٹھ دھرمیشور شکلا ہرن اسمگلنگ میں ملوث...... مارکیٹ ویلیو تو ایک دن میں آسمان سے زمین پر آگرے گی۔'' ابوصالح نے آرام واطمینان سے اس کی تباہی کا نقشہ کھینچتے دھرمیشور کا رہا سہا سکون بھی برباد کردیا۔
''چلو چھوڑو، اُن تین آدمیوں کی بات۔'' اب وہ گلا کھنکارتے اصل موضوع کی طرف آیا۔ ''میں تمہیں زیادہ مشکل میں نہیں ڈالوں گا۔ تم میرے تین باگ اپنی گبادی پشو (مویشیوں) والی شپ منٹ میں کل رات انڈیا گزار رہے ہو۔ بس اتنا معمولی کام۔''
''لیکن......''
''بس دھرمیشور! اب اور کوئی ''لیکن'' نہیں۔'' ابوصالح نے بات ہی ختم کردی۔
''کہاں؟''
''ہیم نگر سے۔ پانی کے راستے، کل رات۔''
''ہوں اور میری بیٹی؟''
''اگلے روز۔''
''اگلے روز کیوں؟'' دھرمیشور کے ماتھے پر شکنیں آئیں۔
''کیوں کہ تم بڑے بے بھروسا ہو دھرمیشور۔ لانچ پہ میرے دو آدمی تمہاری بیٹی کو لے آئیں تو کیا گارنٹی ہے کہ تم بھی وعدہ پورا کروگے۔ وہ تمہارا علاقہ ہے۔ تم آسانی سے لڑکی چھڑوا لے جاؤ گے۔ پر یاد رکھو ابوصالح اس بار کھڑا منہ نہیں دیکھتا رہے گا۔ ڈیل منظور ہے تو ہاں بولو ورنہ بھول جاؤ اپنی بیٹی کو۔''
''ٹھیک ہے۔ ٹائیگر پار آجائیں گے۔''
دھرمیشور کے لیے اس بار ہر راہ مسدود تھی، سوائے ایک راہ کے اور وہ راہ تھی ابوصالح کا ہر حکم بلاچوں چراں مان لینا۔
''ہمیں لگا بٹیا نے ہم دونوں کو جان بوجھ کر ایک ساتھ کار سے اترنے کو کہا تاکہ وہ۔'' ارمیندر سر جھکائے ایک مرتبہ پھر کٹہرے میں کھڑا تھا۔
''تاکہ ابوصالح کے آدمی آئیں اور اسے اغوا کرلیں۔'' دھرمیشور ایک دم برافروختہ ہوا۔ ''ارے بدبختو۔ ابوصالح کے آدمی کلکتے سے تم لوگوں کے پیچھے تھے اور موقع کی تاک میں تھے۔ یہ بہانہ نہ بنتا تو وہ کچھ اور سوچ لیتے۔ اتنی بھی بدھی نہیں ہے کہ سینکڑوں میل طے کرلینے کے بعد بھی مسلسل پیچھے آتی ایک گاڑی کو نوٹس نہ کرسکو۔ اب دفع ہوجاؤ یہاں سے۔'' وہ ٹہلنا بند کرکے اب دوسرے پہلو پر سوچنے لگا تھا۔ ابوصالح کے ساتھ اس مرتبہ ہاتھ کرنا سراسر ویملا کو کھودینے کے مترادف تھا۔ اسے کیسے بھی کرکے اُس کے تین باگ پار کروانے تھے۔ ہر قیمت پر۔

☆☆☆

لانچ مینگروو فاریسٹ گزار کر دریائے ارپن گاسیا کے ساحل تک آپہنچی تھی۔ چوڑے پاٹ سے اب یاٹ کو اُس نے ایک ندی کی طرف موڑ دیا تھا۔ سندربن میں دریا بے شمار تھے اور ان دریاؤں کو آپس میں ملاتی ندیاں بے حد وحساب، لاتعداد تھیں۔ الٹے سیدھے بل کھاتے یہ سبھی گنجلک راستے درختوں، پودوں لمبی گھاس اور جھاڑیوں کے بیچ سے گزرتے بس پانیوں پہ تیرتے رہتے تھے اور یہ تمام ندی نالے جو اِن دریاؤں سے کسی ''راستہ تلاش کیجیے'' جیسے معمے کی طرح بل کھاتے نکل کر کسی دوسرے بڑے دریا کو جاتے تھے، قدرتی تھے۔ اِن

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

کے ترتیب دینے میں کسی انسانی ہاتھ کا کوئی دخل نہ تھا۔سب قدرت کے دل فریب کرشمے تھے۔

فی الحال اُسے صبح ہونے تک آرام کی اشد ضرورت تھی اور یہ کنارا جہاں رافع نے اب لانچ روکی تھی، آگے آنے والے خطرناک راستوں کے مقابلے بہت حد تک محفوظ تھا۔پرمٹ اس کے پاس موجود تھا۔لیکن معاملہ فی الحال چونکہ اکیلی لڑکی کو ساتھ رکھنے کا تھا اس لیے وہ اپنی طرف سے مکمل احتیاط برت رہا تھا۔ارپن گا سیاریور سے تن کونا کا راستہ اگر بڑے دریا سے سمندر میں اُتر کر طے کیا جاتا تو بہت ہی سیدھا سیدھا تھا اور اُس صورت میں وقت بھی کم لگتا ۔بے آف بنگال پہ واقع سندر بن کا یہ حسین پانیوں بھرا جنگل عین سمندر کے سرے پر تھا جہاں ہمالیہ سے آتے کئی دریاؤں کا دہانہ تھا۔سندر بن قدرت کے چند بالکل خالص قطعات زمین میں سے ایک ہے۔مصنوعی زندگی اور آلائشوں کی ہوا جسے چھو کر بھی نہیں گزری تھی۔آدم خور ٹائیگرز، مگرمچھوں اور بے شمار زہریلے سانپوں اور جانوروں کے اس مسکن کو آج بھی اس کی اصلی حالت میں دیکھا اور اسی طرح محسوس بھی کیا جاسکتا تھا۔آبادیاں اگرچہ یہاں بھی تھیں لیکن بہت کم اور کہیں کہیں، یا کسی قدر آس پاس۔

زیادہ تر دریاؤں کے کنارے یہاں گھنی جھاڑیوں اور نم کیچڑ جیسی زمین کے تھے۔جہاں اُتر کر چلنے پھرنے میں کافی دقت ہوتی تھی لیکن کہیں کہیں ایسے کنارے بھی تھے جہاں سرسبز چراگاہیں تھیں۔ایسے کناروں پر اگرچہ کبھی کبھار شیر چیتے بھی نکل آیا کرتے تھے۔پر لانچ کا انتخاب رافع نے اسی خطرے کے پیش نظر کیا تھا۔عام کشتیوں کے لیے ہر خطرہ کسی دعوت کی طرح کھلا تھا تو لانچ میں ایسے کئی خطرات سے نمٹنے کے بے شمار لوازمات تھے۔لڑکی کی موجودگی کو مدنظر رکھتے لانچ بھی جدید طرز کی لی' جس میں نیچے ایک کمرا بنایا جاتا تھا۔ورنہ دوسری مسافر لانچیں اس سے قطعی مختلف اور بالکل کھلی تھیں۔رافع نے گھڑی پر نگاہ کی۔صبح کے ساڑھے چار بجے تھے، صبح کے آثار کھلنے میں ابھی پورا ایک گھنٹہ باقی تھا۔

لڑکی کی سسکیوں اور گھر واپسی کی منتیں یاد آئیں تو اس کی خیریت جاننے کے لیے وہ ایک بار پھر نیچے کے کمرے کی طرف بڑھا۔نہایت آہستگی سے دروازہ کھول کر اندر جھانکا تو وہ پیٹھ کے بل لیٹی نظر آئی۔کچھ دیر تک رافع نے اس کی پشت کو گھورتے حرکت کے آثار جاننے کی کوشش کی لیکن جانے کیوں وہ کچھ بے حس و حرکت سی دکھائی دے رہی تھی۔دروازہ کھلنے کی ہلکی آواز بھی اسے جگا نہیں پائی تھی۔نہ ہی وجود میں کوئی ارتعاش پیدا ہوا۔وہ پریشانی محسوس کرتا چار سیڑھیاں اُتر کر لڑکی کے نزدیک آیا۔وہ تو سانس لینے جتنا بھی نہیں ہل رہی تھی۔رافع اس مرتبہ سخت گھبراہٹ میں لڑکی کے قریب آیا تھا۔بنا سوچے ہی جھک کر اسے شانے سے ہلایا تو دفعتاً وہ ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھی۔رافع اُس وقت لڑکی کے اس قدر قریب تھا کہ وہ بے ساختہ بدک کر پیچھے ہٹی تھی۔

''میرے قریب مت آنا۔دد...... دُور رہو۔''

وہ گھٹنے سمیٹ کر چھپنے لگی۔

''پر میں تو......''

''میں کسی کی امانت ہوں۔تم مجھے ہاتھ نہیں لگا سکتے۔''

''ہیں۔'' رافع نے اچنبھے سے بھنویں سکیڑیں۔''کس کی امانت؟''

''میں پتنی ہوں کسی کی۔'' وہ ماتھے سے بال ہٹاتے جلدی جلدی بولنے لگی۔

''اچھا؟'' بے یقینی سے سر ہلاتے وہ سیدھا اُٹھ کھڑا ہوا۔''ویسے اگر تم اپنے بچاؤ میں ایسا کہہ رہی ہو تو یاد رکھو کہ عزت کے دشمن ایسی باتوں کو خاطر میں نہیں لاتے۔''

''یقین نہیں آتا تو یہ دیکھو۔'' اس نے اپنے گلے میں ہاتھ ڈال کر ایک چین سامنے کی۔''میرا منگل سوتر۔''

''لیکن مجھے بتایا گیا کہ تم کنواری ہو اور

www.urdusoftbooks.com
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

تمہارے رشتے وغیرہ کی باتیں چل رہی تھیں۔'' رافع گلے میں پڑی کالے موتیوں والی گولڈن مالا کو دیکھتے ابھی بھی بے یقین تھا۔ بھلا ابوصالح جیسا آدمی اس قدر بے خبر کیسے ہو سکتا تھا۔

''ہاں۔ وہ بھی سچ ہے۔ میرے بابو جی میری شادی کروا رہے تھے کیونکہ وہ نہیں جانتے کہ میں پہلے ہی کسی سے بیاہ کر چکی ہوں۔''

''تب تو رونے دھونے کا یہ ڈھونگ بالکل ہی بند رکھو کیونکہ جتنی من مانیاں تم کر چکی ہو، نتیجہ کچھ اس سے بھی بدتر نکلنا تھا۔ بہرحال تم چاہو تو باہر آ سکتی ہو۔ صبح ہونے والی ہے۔ کچھ دیر میں ہم دوبارہ سفر شروع کریں گے۔ باہر کی تازہ ہوا لینے کی اجازت بس ابھی دے سکتا ہوں۔'' رافع اس مرتبہ دروازہ کھلا چھوڑ کر باہر نکل گیا۔ ویملا باہر جانے کا سن کر تیزی سے اُٹھی۔ دوپٹہ گلے میں ڈالتے جوتے سنبھالے اور بالوں کا جوڑا بناتے ان میں کیچر پھنسا کر فوراً رافع کے پیچھے دوڑی کہ کہیں اس سرپھرے کا ارادہ نہ تبدیل ہو جائے۔

''اِسے تم صبح کہتے ہو؟'' باہر کا چہار سُو پھیلا اندھیرا دیکھتے ویملا کی آنکھیں باہر آ گئیں۔ ''اچھی بھلی رات تھی ابھی۔ لے کے نیند کا مزا بھی خراب کر دیا۔ حد ہو گئی یعنی کہ اتنا بھی سمجھ میں نہیں آ رہا کہ جگہ کون سی اور کیسی ہے۔'' وہ گھاس پہ جوتے پھینک سخت آف موڈ کے ساتھ دریا کنارے بیٹھ گئی۔

''ہمارے ہاں صبح اسی وقت ہوتی ہے۔ وہ جو پہلے ڈیک پہ کھڑا ویملا کے باہر نکلنے کا انتظار کر رہا تھا، بعد میں اس کے پیچھے پیچھے چلتا کنارے پر آیا اور پلاسٹک کے نرم سوفٹ سول والے بند جوتے اس کے قریب پھینکتے ابرو سے پہن لینے کا اشارہ کیا۔ ویملا نے گھور کر پلاسٹک کے بند جوتوں کو دیکھا اور پھر اپنے ننگے پیروں کو۔ یعنی یہ کوئی مخملی امپورٹڈ گھاس نہ تھی جو اس کے محل نما گھر کے لانوں میں بچھی رہتی تھی، یہ سندر بن کا قطعہ زمین تھا۔ ویملا نے گھبرا کر پیر جوتوں میں گھسائے اور خود بھی اُٹھ کھڑی ہوئی۔ ویملا نے ماحول کی تنہائی میں ایک غیر مرد کے ساتھ اندھیرے کے اس اکیلے پن کو لمحے بھر کے لیے اس شدت سے حاوی محسوس کیا کہ جسم جھرجھری کے انداز میں باقاعدہ کپکپا کر رہ گیا۔

''نام کیا ہے تمہارا؟'' رافع نے بغل سے ایک شیٹ نکال کر نیچے بچھائی اور اُس پر بیٹھتے اپنا رُخ ایسا رکھا کہ بیک وقت اس کی نظر پیچھے جنگل کے گھنے درختوں اور پانی دونوں پر تھی۔

''ویملا!'' وہ مختصر جواب دیتے خود بھی شیٹ کے دوسرے کونے پر بیٹھ گئی۔

''تو کماری ویملا دیوی!'' اُس نے گلا کھنکارا۔ ''یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ ہم اس وقت ٹائیگرز کے علاقے میں ہیں۔ پیچھے کے جنگل سے غافل مت رہیے۔ روشنی ہونے پر کہیں سے بھی کوئی ٹائیگر پیاس بجھانے گھاٹ پہ آ سکتا ہے اور پانی والی سائیڈ پر بھی نظر رکھیں کیونکہ یہ کنارا مگرمچھوں کا دوسرا گھر ہے۔'' وہ آنکھوں پر رومال کا کونا رکھتے وہیں پر لیٹ گیا۔

''ہونہہ۔'' ویملا نفرت سے اس کی طرف سے منہ پھیرتی دوسری جانب دیکھنے لگی۔

''میں دوبارہ اُس کمرے میں نہیں جاؤں گی۔ وہاں سخت گھٹن محسوس ہوتی ہے۔'' وہ خفا خفا سی پیٹھ موڑے ایک طرح سے آرڈر دے رہی تھی۔

''ہاں اب آج کی صبح کے ساتھ تم آزاد ہو نیچے کا دروازہ کھلا رکھنے اور لانچ میں گھومنے پھرنے کے لیے۔'' رافع فیاضی دکھاتے اب رخ پھیر کر گھاس پہ الٹا لیٹ گیا تھا۔ وہ ویملا کی بتائی اس شاکنگ نیوز پر غور کر رہا تھا جو منگل سوتر دکھا کر ویملا نے کی تھی۔ اس کے گھر سے بھاگنے کی گتھیاں کچھ کچھ سلجھنے لگی تھیں۔ باپ سے آدھی رقم اینٹھنے کی وجہ بھی دماغ قبول کرنے لگا۔ خود ساختہ اغوا کے قصے سے نمٹ کر وہ اپنے پتی کے ساتھ عیش و آرام سے رہنے والی تھی ہمیشہ کے لیے۔

''اُف۔'' رافع نے سخت کوفت سے سر جھٹکا۔ یہ کھانے کمانے کی فکروں سے آزاد، بھرے پیٹ

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

والے لوگ کچھ الگ ہی بیماریوں کا شکار ہوتے ہیں۔ غریب آدمی کی جملہ مصروفیات ایک وقت کا کھانا کھا لینے کے بعد دوسرے وقت کی فکر کے گرد چکر کاٹنے لگتی ہیں اور ان امیروں کبیروں کے نفسیاتی مسئلے ختم نہیں ہوتے۔ پیٹ بھرا پر دماغ خالی اور دل...... دل وہ جو صرف اپنے لیے دھڑکے۔ ہونہہ! وہ بھی اُس حسین چہرے والی سے شدید نفرت محسوس کرتا سر اپنے بازو پر رکھے پرسکون ہونے لگا۔

صبح کی سفیدی نے اپنا چاندی جیسا رنگ ہر سمت بکھیرنا شروع کر دیا تھا۔ سندربن کی وہ صبح پنچھیوں کے چہچہاہٹ سے شروع ہوئی تو ویملا نے پہلی مرتبہ اُٹھ کر اردگرد کا نظارا کھلی آنکھوں سے دیکھا۔ سندربن۔ صبح کی ٹھنڈی روشنی میں۔۔ اتنے قریب سے۔ شفاف حیرت ویملا کی آنکھوں سے جگنو سی جھپک رہی تھی۔

سندربن کی سیر اس کا ایک ایسا خواب تھا جو بابو جی نے کام کاروبار کی مصروفیت کے باعث کبھی پورا نہیں ہونے دیا اور آج...... آج وہ کھلی آنکھوں سے اس حقیقت کو دیکھ اور محسوس کر رہی تھی۔ ایک طرف صاف چمکتے پانیوں کی راجدھانی تھی تو دوسری طرف...... دور تک پھیلی سرسبز چراگاہ اور اس سے پیچھے پچیس تیس میٹر دور گھنے درختوں کا دائیں سے بائیں دور تک پھیلا وسیع جنگل اور اس دور تک پھیلے حسین نظارے میں سوائے ان کی لانچ کے کچھ بھی قدرت کے خلاف نہیں تھا۔

وہ ایک خمار کی کیفیت میں اس حسن کو محسوس کرتی چراگاہ پر دور تک نکل آئی تھی۔ درختوں کا جھنڈ اب بس ذرا سے فاصلے پر تھا۔ وہ بے تابانہ خود کو اس جنگل کے حوالے کر دینا چاہتی تھی لیکن اس لڑکے کی ٹائیگرز والی بات بھی دماغ سے نکلی نہ تھی۔ سندربن اور شیر چیتے تو لازم وملزوم تھے۔ وہ اس لڑکے کو کم از کم اس معاملے میں تو جھوٹا نہیں سمجھ سکتی تھی آخر اتنا تو ویملا کو بھی معلوم ہی تھا۔ درختوں کے جھنڈ سے ذرا پہلے گھاس پر ایک ٹوٹے ہوئے درخت کا تنا پڑا تھا جو یقیناً برسوں سے وہیں تھا۔ اس کے اردگرد اُگی لمبی گھاس تنے سے بھی اونچی نکل آئی تھی۔ ویملا نے کونے کے ایک صاف حصے پر بیٹھتے تصور کیا کہ اگر ابھی یہاں سے ایک باگھ نکل کر اس کے سامنے آجائے تو......

تو شاید اسے بھاگنے کی بھی مہلت نہ ملے۔ وہ تو ایک ہی جست میں اسے آلے گا۔ اور پھر۔ اُس نے جھرجھری لیتے بھگوان کے سامنے ہاتھ جوڑے۔ سندربن کے دیہاتوں میں باگھوں کے بستی والوں پہ حملے آئے روز کی بات تھی۔ کلکتے کے اخباروں میں بھی سندربن کے ایسے واقعات کا تذکرہ اکثر ملتا تھا۔ وہ جھنڈ سے نظر چرا کر واپس لوٹنے کو اُٹھ کھڑی ہوئی۔ صبح اب بہت مکمل اور بھرپور دکھائی دیتی تھی۔ وہ شاید آدھے گھنٹے سے چراگاہ میں گھوم پھر رہی تھی۔ اس سے پہلے کہ سچ مچ باگھ اسے نوالہ بنا لے، اسے لانچ کی محفوظ پناہ گاہ میں چلے جانا چاہیے تھا اور اب تو لانچ پر اسے کھلا پھرنے کی اجازت تھی۔ وہ مُڑ کر لانچ تک آنے کے لیے پلٹی اور قدم جیسے گھاس نے جکڑ لیے ہوں۔ دل عجیب بے ڈھنگے انداز میں دھڑکا تھا۔

سامنے دریا کے کنارے وہ لانچ چلانے والا اُونچا سانولا لڑکا ایک پاؤں پتھر پہ رکھے نیچے جھک کر دریا کے پانی سے منہ دھو رہا تھا۔ دونوں ہاتھوں کے پیالے میں پانی بھر کر اس نے دو تین بار منہ پہ ڈالا اور آخری مرتبہ ہاتھوں کو ایک بار بھگو کر اپنے سارے بالوں کو پیچھے کیا۔ پہلی بار وہ سر پہ بندھے رومال کے بغیر دکھائی دیا تھا۔ اس کے گچھے دار بال گردن تک آتے تھے۔ منہ دھو کر بھیگے ہاتھوں سے بالوں میں کنگھی کرتے اب وہ اسی طرح ایک ٹانگ پتھر پر جمائے دونوں ہاتھ کمر پہ رکھے ندی کے دور تک نظر آتے راستے کو دیکھتے کسی گہری سوچ میں گم نظر آتا تھا۔ ندی آگے چل کر دو راستوں کو جا رہی تھی اور وہ اردگرد سے بے نیاز شاید اپنے راستوں کا تعین کر رہا تھا۔ ویملا کا دل ڈوبنے کی وجہ فقط ایک تھی کہ وہ سارا منظر اسے پہلے کہیں دیکھا دیکھا سا لگا تھا۔

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

"نہیں۔" سر نفی ہلاتے اس نے خود ہی اپنے خیال کی نفی کی۔ ایسے بے سر پیر کے گمان تو اکثر ہی بندے کو ستاتے ہیں اور یہ سوائے ایک وہم کے کچھ نہیں ہوتا یا پھر۔ پچھلے جنم کا کوئی قصہ۔ پر اس بد دماغ کا میرے پچھلے جنم سے کہاں کوئی لینا دینا ہو سکتا ہے۔ وہم ہے نرا۔ وہ کنی کترا کر اُوپر ڈیک پہ آ گئی۔ جنگلے کے ساتھ ساتھ لانچ میں فکس وہ اُس لکڑی کے بنچ پر بیٹھ گئی جو مسافروں کے لیے ہی بنایا گیا تھا۔ رافع بھی لانچ میں سوار ہو کے اسے چلانے کا ارادہ باندھنے لگا۔

"مجھے چائے چاہیے کل والی۔" اُس نے منہ دوسری طرف کر کے سخت روکھے لہجے میں مدعا بیان کیا۔

"کل والی تو ختم ہو گئی تھی۔ بچی بھی ہوتی تو ظاہر ہے اس وقت سوائے پھینکنے کے اور کسی کام نہ آتی۔" رافع نے اُسے چڑایا تھا۔ وہ جواباً گھور بھی نہ سکی۔ اُسے کیا پڑی تھی بلاوجہ ایک غیر آدمی سے آنکھیں چار کرتی۔

"باقی نئی چائے تو آج تمہیں خود ہی بنانا ہو گی۔ کل میرے پاس ڈرائیور تھا اس لیے تمہیں میرے ہاتھ کی مزے دار چائے نصیب ہو گئی۔ آج شاہ چاہتا ہوں کیونکہ ان دو ہاتھوں سے ایک وقت میں، میں ایک ہی کام انجام دے سکتا ہوں۔ ویسے تم کیا لانچ ڈرائیو کر لو گی؟"

شاید اچھا ہوا اور کچھ دیر کی نیند کا اثر تھا کہ زبان اُس کی کچھ زیادہ ہی چل رہی تھی۔ اس مرتبہ ویملا غصے کی نگاہ ڈالے بنا نہ رہ سکی۔ جواباً رافع نے ابرو سے دور رکھے اسٹوو اور چائے کے دیگر سامان کی طرف اشارہ کیا تھا۔

وہ ایک بار پھر "ہونہہ" کرتی اسٹوو کی طرف بڑھ گئی۔ بنا چائے پیے اتنی حسین صبح کا استقبال کرنا ناممکن تھا۔ اس نے جیسے تیسے ایک کپ تیار کیا اور نیچے کے چھوٹے کمرے میں چلی آئی۔ یہاں شاپر میں اب بھی کھانے پینے کا کافی سامان رکھا تھا۔

"اے لڑکی! میری چائے؟" رافع سخت بھنایا ہوا سا دروازے میں آیا تھا۔ ویملا نے اپنی طنزیہ ہنسی کپ کے پیچھے چھپائی۔

"تمہارے لیے۔ کیوں؟" اس نے معصومیت سے آنکھیں پٹپٹائیں۔ "تم ضرور مجھے کھلانے پلانے کے پابند ہو۔ میں نہیں۔"

"بد دماغ، بدتمیز......" وہ پیر پٹختا واپس پلٹ گیا اور مجبوراً سب ہی کچھ ایک ساتھ ڈال کر اپنے لیے چائے چڑھا دی۔ سخت اعصابی تھکان کے بعد چائے کی اسے بھی اشد ضرورت تھی۔ ویملا نے کپڑوں کا تھیلا کھول کر اپنے لیے ایک نیا لباس منتخب کیا۔ دل تو ہاتھ لینے کو چاہ رہا تھا لیکن خیر...... وہ منزل پہ جا کر۔ کپڑے تو صاف ہونے چاہئیں۔ پرسوں صبح گھر سے نکلتے وقت جو کپڑے پہنے تھے ابھی تک وہ ان ہی میں تھی۔ کمرے میں رکھی پانی کی بوتل سے ہاتھ منہ اس نے پہلے ہی دھو لیے تھے۔ لباس تبدیل کر کے اس نے ہینڈ بیگ میں سے کنگھی نکال کر بالوں کی لمبی چٹیا گوندھی۔ جامنی دوپٹہ کندھوں پر پھیلاتے وہ ڈیک پر واپس آئی۔ بنا لڑکے کی طرف دھیان دیے اسٹیل کے جنگلے کے ساتھ آن کھڑی ہوئی۔ لانچ اب بھی دریا کے کشادہ پاٹ کے بجائے ایک ندی سے گزر رہی تھی، ایسی ندیاں جن کے کناروں پر بجائے خشک زمین کے پانی میں ہی لمبی خودرو جھاڑیاں تھیں۔ یہ درخت، پودے اور جھاڑ جھنکار ہی دراصل ندی نالوں کی حدبندیاں تھیں۔ ویملا نے گردن موڑ کر سامنے دیکھا' آگے جس راستے پر اب لانچ مڑنے والی تھی وہاں دائیں بائیں کے درخت ایسے ایک دوسرے پر جھکے ہوئے تھے کہ اُن کے بیچ پانی کے راستے پر دور تک درختوں کی ٹنل سی بنی دکھائی دیتی تھی اور یہ وہ نظارا تھا جسے اس قدر قریب سے دیکھنا ویملا کے لیے صحیح معنوں میں حیران کن تھا۔ لمبی جھاڑیوں اور درختوں کے بیچ پانیوں کا سفر اور وہ ایسے گنجلک راستے تھے کہ بنا موڑ کاٹے آگے کے منظر کے بارے میں جاننا ممکن نہیں

www.urdusoftbooks.com
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

تھا۔ لڑکے کی یہاں کے راستوں کے متعلق معلومات اور لانچ چلانے میں مہارت کمال تھی۔ ویملا مبہوت سی ان پانیوں کی رہ گزر کو دیکھتی بے اختیار سامنے آ کھڑی ہوئی۔ لانچ موڑ کاٹ کر اب جھکے درختوں کی چھاؤں تلے سے گزر رہی تھی۔ ویملا مسحور ہوئی اردگرد سے بے نیاز ایک دم متحیر و مسرور نچلا لب دانتوں میں دبائے قدرت کا ایک حسین نظارا اپنے اندر اُتار رہی تھی۔ رافع اس کے مقابل ہی چار قدم کے فاصلے پر اونچے اسٹول پر بیٹھا لانچ چلا رہا تھا۔ متانت سے ایک سرسری نظر یونہی لڑکی کی طرف ڈالی اور اسٹیئرنگ ہاتھ میں لرز سا گیا۔ دل اُچھل کر حلق میں آیا اور بس سیکنڈز پر مشتمل یہ کیفیت حقیقت کا ادراک ہوتے ہی معدوم بھی ہوگئی۔

''کم بخت! اتنے لمبے بال بھی کوئی رکھتا ہے۔'' وہ اب سر جھٹک کر سامنے متوجہ ہوا تھا۔ ویملا کی گھٹنوں تک جاتی کالی لمبی چوٹی کو وہ پہلی نظر میں پیٹھ پہ جھولتا سانپ ہی سمجھا تھا۔ پھر سندربن کے ماحول میں تو یہ عین ممکن بھی تھا۔ اُس وقت ان کا گزر بھی درختوں کے نیچے سے ہو رہا تھا۔ رافع کو صاف لگا کہ اوپر درخت سے کوئی سانپ اُس لڑکی پر آن گرا ہے۔ ہاں بس اگلے ہی لمحے میں نظر کے دھوکے نے حقیقت کو پالیا اور وہ بھی نارمل انداز میں گہرا سانس لیتے رُخ موڑ گیا۔

ویملا کو احساس بھی نہیں ہوسکا کہ ساتھ بیٹھے نوجوان کے حواس پر اس کی لمبی چوٹی کیسا ناگ سا لپٹ کر چھائی تھی، وہ تو منظر کے حسن میں کھوئی بار بار یہی سوچے جارہی تھی کہ کاش اس کے پاس اپنا موبائل ہوتا تو وہ یہاں کے ہر منظر کو اپنے موبائل کیمرے میں محفوظ کر لیتی۔ یہ مناظر اتنے حسین، اتنے دل فریب تھے کہ کیمرے کی عدم دست یابی اسے سخت کھل رہی تھی اور اپنے موبائل کیمرے کا پہلی مرتبہ خیال آتے جانے کیوں ویملا کی آنکھ کے پردے پہ چھم کر کے ایک اور منظر گزر گیا۔ بس لمحوں کی بات تھی۔ پو پھٹے منہ اندھیرے اُس قدآور کا ایک پاؤں پتھر پہ رکھے منہ پہ چھینٹے مارنے کا منظر کیمرے کی کلک میں چھپانے کا خیال لہرا کے گزر گیا اور اُس نے سر جھٹک کر خود کو سرزنش کی۔

آغاز اکتوبر کی وہ معتدل دوپہر تھی۔ اس ماہ میں یہاں کے موسم میں صبح ہلکی خنک اور باقی کا دن نہایت متوازن اور خوش گوار رہتا تھا۔ دوپہر تک ویملا لانچ میں یونہی اِدھر اُدھر گھوم پھر کر موسم اور مناظر سے لطف اندوز ہوتی رہی تھی۔ دوپہر کو اناس، کیلے اور بسکٹ، نمک پارے رافع نے سامنے لا رکھے۔ ویملا نے کیلے کھا کر کسی حد تک بھوک مٹائی اور نیچے اپنے کمرے میں آرام کرنے چلی گئی۔

☆☆☆

''صوب۔'' یوسف نے موبائل پہ مصروف ابوصالح کو متوجہ کرنے کے لیے پکارا۔

''ہوں۔'' ابرو اٹھاتے وہ ہنوز موبائل پہ ہی مصروف رہا۔

''صوب، دھرمیشور نے بنگلہ دیش پولیس کی مدد لی ہے بیٹی کے لیے۔'' یوسف نے ڈرتے ڈرتے مدعا بیان کیا پر ابوصالح ایک دم چونکا ہوا۔

''پولیس...... ایسا کیسے کرسکتا ہے وہ دھرمیشور، اُس نے آج رات میرے باگھ انڈیا میں داخل کروانے تھے اور......'' وہ زیرِ لب بڑبڑاتے پھر چونکا۔

''خبر کہاں سے ملی؟''

''صوب، وہ تمیزل نے بتایا، خبر پکی ہے۔ ایشوری پور پولیس شاید حرکت میں آچکی ہو۔''

''بے وقوف، گدھا......'' ابو صالح نے وائرلیس نکالتے جلدی جلدی ایک نمبر ملایا پھر یوسف کو دیکھا۔

''پولیس میں پتا کرواؤ، ہمارا نام لیا گیا ہے کیا؟ پولیس کی لمحہ لمحہ حرکت کی خبر دو۔ جاؤ یوسف!''

''جی صوب!'' وہ تھوڑا سا جھک کر فوراً ہی باہر نکل گیا۔

''کہاں پہنچے رافع؟'' ابوصالح کا رافع کے ساتھ وائرلیس پہ رابطہ تھا۔ سندربن کے علاقوں میں

www.urdusoftbooks.com
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

موبائل سگنلز اگرچہ موجود تھے لیکن کہیں کہیں پھر بھی مسئلہ آجاتا تھا۔

"جی صاب۔ تن کونا پہنچنے والے ہیں۔ بس یہی کوئی بیس منٹ اور۔" رافع نے وائرلیس سیٹ منہ کے قریب کیا۔ گفتگو بنگالی میں ہو رہی تھی، ویملا نے ایک نظر چونک کر رافع کو دیکھا۔ اُسے بنگالی سمجھ میں نہیں آتی تھی لیکن لب و لہجے سے اندازہ لگا سکتی تھی کہ کون سی زبان ہے۔ اُس کے کلکتہ میں بنگالی بولنے والے بہت لوگ تھے۔

"تن کونا سے اپنا رُخ اب کہیں اور موڑ دو رافع۔" ابوصالح کی آواز سے واضح پریشانی اور اضطراب جھلک رہا تھا۔

"کیوں صاب؟" رافع نے دفعتاً اسٹیئرنگ پہ ہولڈ کو ڈھیلا کرتے لانچ کو باقاعدہ روک دیا۔ اب وہ درختوں کے سائے تلے رُک گئے تھے۔ ویملا لانچ رُکنے پر ایک خوش کن احساس لیے سائیڈ والے جنگلے کے قریب چلی گئی۔ رافع کا مزاج تو راستہ تبدیل کرنے کا سُن کر یک لخت بری طرح خراب ہوگیا تھا۔

"صاب! پھر کہاں؟"

"قریب کی بستی میں جا سکتے ہو؟ بس چند گھنٹے چھپنے کے لیے۔ میں سچویشن واضح ہونے پر اگلی ہدایات دے سکتا ہوں۔" ابوصالح کا رویہ بہت نرم تھا۔ آخر یہ اسی کے غلط فیصلے کا نتیجہ تھا کہ لڑکی کا سفر شروع ہوتے ہی پولیس نے بھی آلیا تھا۔ ابوصالح کو صاف لگ رہا تھا کہ رافع سے اب اس کا لمبا کام پڑنے والا ہے۔ فی الحال ایک وہی تھا جو لڑکی کو کسی محفوظ مقام پہ چھپا سکتا تھا۔

"قریب تو خیر نہیں صاب!" رافع نچلا لب اضطراری کیفیت میں انگلی سے مسلتے کسی سوچ میں پڑ گیا تھا۔ "نیل کمل کے راستے ڈُبلر چر جا سکتے ہیں۔"

"او ہاں۔" ابوصالح کا دماغ بھی کچھ کچھ کام کرنے لگا۔ "ٹھیک ہے رافع، ڈُبلر چر میں رُک جاؤ کچھ گھنٹے۔ وہاں کچھ مسئلہ محسوس کرو تو تیر چر سے کنائی نگر چلے جانا۔"

"ٹھیک ہے صاب!" رافع کے سر سے بھی منظر واضح ہوتے کچھ بوجھ سرکا۔ اب اُسے تھوڑا پیچھے جا کر دریائے نیل کمل کے چوڑے پاٹ میں لانچ ڈال کر فی الفور ڈُبلر چر پہنچنا تھا۔ چھوٹی ندیوں میں گھوم گھوم کر اس کا بھی دماغ چکرانے لگا تھا۔ اب ایک بار تو بڑے دریا کا رسک لے ہی سکتا تھا۔

☆☆☆

جانے یہ مسلسل سفر کی تھکاوٹ تھی، پُرسکون ماحول کا اثر یا اور کچھ۔ وہ بہت دیر بے خبر سوتی رہی تھی۔ شیشے کی کھڑکی سے باہر جھانکا تو دوپہر کے آثار دکھائی دیے۔ وہ منہ پہ دو چار چھینٹے مارتی جلدی سے اوپر آئی۔ لانچ ایک بار پھر خشکی سے لگی تھی۔ ویملا نے بڑی خوش گوار حیرت سے اردگرد دیکھا۔ دور دور تک سرسبز کھیت دکھائی دے رہے تھے۔ نزدیک یقیناً کوئی آبادی تھی۔ لیکن کھیتوں کے پار بھی درخت ہی درخت نظر آرہے تھے۔ شاید اُن کے پیچھے کہیں۔ اگر یہاں اس کی رہائش اور ٹھکانا تھا تو اُسے دل و جان سے قبول تھا۔

بڑی دیر بعد ویملا کو اس تک چڑھنے کا خیال آیا۔ لانچ تو خالی تھی۔ آس پاس کہیں کوئی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ وہ محتاط قدم اُٹھاتی لانچ سے نیچے اُتری۔ پانی اس جگہ ندی جیسا تنگ تھا۔ وہ لوگ دریا کے بڑے پاٹ سے کہیں بہت اندر آئے ہوئے تھے۔ یہاں بڑے دریاؤں سے نکلنے والے ندی جیسے بے شمار چھوٹے چھوٹے دھارے تھے، جانے اُس ڈرائیور نے لانچ کو یہاں تک کیسے کھینچا تھا۔ چھوٹی کشتیاں تو آسانی سے یہاں وہاں آتی جاتی رہتی تھیں، بڑی لانچوں کے لیے البتہ ذرا مشکل تھا۔ وہ لانچ سے اُتر کر خشکی پہ آگے تک نکل آئی۔ وہ لڑکا معلوم نہیں کہاں غائب ہوگیا تھا۔

"کم از کم مجھے تو ٹھکانے تک پہنچا دیتا پھر میری بلا سے نرک میں جائے، مجھے کیا۔" وہ بے چینی محسوس کرتے ہر طرف نگاہیں دوڑا رہی تھی جب کندھے پہ

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

انگلی بجا کر کسی نے متوجہ کیا

"ہا......" وہ بے ساختہ اُچھل کر پرے ہوئی۔

"اُف......" لڑکے پر نظر پڑتے ہی ویملا نے دل پہ ہاتھ رکھا۔ "آواز نہیں دے سکتے پاگل......"

"واپس لانچ میں چلو۔ جلدی......" وہ انتہائی سنجیدہ اور کسی حد تک پریشان و مضطرب لگ رہا تھا۔

"پھر لانچ میں؟ اور تم مجھے ویدی کے پاس کب پہنچاؤ گے۔ ہم نے شام کو وہاں پہنچنا تھا ناں۔"

آگے چلتے رافع کے ہم قدم ہونے کی کوشش میں بھاگتی وہ ساتھ ساتھ سوالات بھی کر رہی تھی۔ رافع نے مڑ کر حیرت بھری ایک خاموش نگاہ ڈال کر چلنا جاری رکھا اور لانچ میں گھستے ہی اس نے نہایت عجلت میں لانچ دوبارہ اسٹارٹ کر دی۔ پھر اُسے ریورس میں ڈال کے رفتہ رفتہ وہ تنگ راستے سے کھلے پانیوں کی طرف جانے لگا۔ ویملا کا بس نہیں چل رہا تھا 'اُس جلاد صفت کو دھکا دے کر دریا میں گرا دیتی لیکن کم بخت وہ تو تیراک بھی یقیناً بہت اچھا ہوگا۔

"اب تم مجھے کہاں لیے جا رہے ہو۔ آخر کب ختم ہوگا یہ تھکا دینے والا سفر اور تم کچھ بتاتے کیوں نہیں۔ میری بات کرواؤ ویدی سے' جب تک میں اُن سے......"

"چپ رہو۔ بالکل چپ......" رافع نے اپنی سرخ غصیلی نگاہ ڈالتے بے ساختہ ہاتھ بھی تھپڑ مارنے کے انداز میں اُٹھا دیا، لیکن پھر ہوا میں ہی مٹھی بھینچ کر خود کو اپنے ارادے سے باز رکھا۔ ابوصالح نے پہلے کم پریشان کر رکھا تھا کہ اب یہ لڑکی مصیبت بن کر سوار تھی۔

ویملا گھبرا کر دو قدم پیچھے ہٹی، زبان کو یک لخت بریک لگی اور وہ وہاں سے دور ہٹتی چلی گئی۔ رافع کی پشت کو دیکھتے اب وہ بے قابو ہوتی دھڑکنوں کے ساتھ کچھ اور سوچے جا رہی تھی۔ بھاگ کر سیڑھیاں اُترتے اس نے خود کو نچلے کمرے میں بند کر لیا۔ خوف کے عالم میں منہ کو ہاتھ سے دبائے وہ اب کسی نادیدہ خطرے کو اپنے بہت قریب آتے دیکھ رہی تھی۔ ویملا کو پورا یقین تھا کہ جہاں وہ لوگ رُکے تھے، دراصل وہیں ان کی منزل تھی لیکن اُس جلاد کی نیت میں یقیناً فتور آ گیا تھا۔ وہ اسے منزل پر پہنچانے کے بجائے کہیں اور لے جا رہا تھا۔ کچھ مبہم مشکوک باتیں اور حرکات اب پوری طاقت اور وضاحت سے اُس کے دماغ کی گرہیں کھول رہی تھیں۔ کہیں ضرور کچھ ایسا غلط تھا جو ابھی تک اس کی سمجھ میں نہیں آ سکا تھا۔ کسی بھی طرح اب اسی علاقے کے اندر رہتے اُسے اِس لانچ سے چھٹکارا حاصل کرنا تھا۔ جب تک وہ اس کھیتوں والے علاقے کے اندر تھی، کسی حد تک محفوظ تھی۔ ایک بار اس علاقے سے نکل جانا مطلب خود کو ایک بار پھر اس جلاد کے رحم و کرم پہ چھوڑنا تھا۔ ویملا نے اپنے کپڑوں کے شاپر اور ہینڈ بیگ کو ہاتھ میں لیتے ہوئے ایک بار شیشے کی کھڑکی سے باہر دیکھا۔ سورج پچھم کی گہرائیوں میں اُتر رہا تھا۔ روشنی ابھی اتنی تھی کہ راستہ اسے سجھائی دے سکتا تھا۔ مکمل اندھیرا چھانے سے پہلے اسے آبادی تک پہنچنا تھا۔ پھر وہ کسی کی بھی مدد لے سکتی تھی۔

سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آتے ہی اس نے پہلے سر نکال کر پیچھے دیکھا۔ لڑکا پیٹھ موڑے اسٹیئرنگ سنبھالے ہوئے تھا۔ ویملا نے شاپر اور ہینڈ بیگ دروازے کے نزدیک پڑے لکڑی کے بنچ کے نیچے دبا دیے۔ باہر آ کر وہ رافع کے پیچھے آ کھڑی ہوئی۔

"میرا سر بری طرح چکرا رہا ہے۔ کرپا کر کے یہ لانچ روک دو۔" اُس نے سر تھامتے لڑکھڑانے کی ایکٹنگ کی۔ رافع کا اسٹیئرنگ چلاتا ہاتھ رُکا۔

"اب کیا مصیبت آ گئی ہے؟"

"مجھے خود نہیں پتا۔ پلیز گھڑی بھر کے لیے مجھے زمین پہ اُترنے دو۔ یہ مسلسل سفر میری جان لے لے گا۔" وہ لڑکھڑا کر باقاعدہ زمین پر گر گئی۔

رافع نے لانچ کنارے کی طرف کرتے ہوئے اسٹاپ کر دی اور ارد گرد کا جائزہ لیا۔ تن کوٹا کا راستہ چھوڑ کر اس نے دریائے نیل کمل کے راستے ڈبلرچ کا رخ کیا تھا لیکن ہرون پوائنٹ سے تھوڑا آگے

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

پولیس بوٹ دکھائی دی۔ وہ راستہ تبدیل کر کے اگرچہ دبلر چہ بحفاظت پہنچ تو گیا تھا پر چھٹی حس بار بار کسی خطرے کو اپنی جانب آتا محسوس کر رہی تھی۔

دبلر چہ پہ اُتر کر تھوڑا آس پاس گھوم پھر کر بھی اطمینان جانے کیوں نصیب نہیں ہوا، اور بالآخر اپنے دماغ کی سنتے اس نے یہاں سے جلد از جلد جانے کا ارادہ کیا اور دبلر چہ سے نکلے بمشکل ابھی اسے دس، پندرہ منٹ ہی ہوئے تھے کہ لڑکی کا سر چکرانے لگا تھا۔ رافع کو مجبوراً لانچ کنارے کی طرف روکنا پڑی۔ ذرا آگے جانے پر بہت بڑا اور خطرناک مینگرو جنگل آنے والا تھا۔ جہاں کے کنارے کیچڑ زدہ اور نم تھے۔ زہریلے حشرات اور مگرمچھوں سے پُر...... فی الحال اِس حوالے سے یہ علاقہ قدرے محفوظ تھا۔ کنارے خشک اور کھلے تھے۔ ہلکی گھاس پہ مشتمل صاف اور کشادہ۔

''اُٹھو۔'' وہ قریب بیٹھتے بھی محض زبان سے مخاطب ہوا تھا۔ چھو کر متوجہ کرنے کی کوشش کے بجائے وہ خود ہی لانچ سے نیچے اُتر گیا۔ ویملا نے نیم وا آنکھوں سے اُسے اترتے دیکھا۔ نیچے اتر کر وہ ایک طرف کو مُڑ گیا تھا۔ اُس نے رافع کو دور جاتے دیکھ کر اپنا شاپر اور ہینڈ بیگ لانچ سے نیچے کونے کی جھاڑیوں میں پھینکے اور خود خالی ہاتھوں سے نیچے اُتر آئی۔ رافع چونکہ رُکنے پر دلی طور پر مطمئن نہ تھا اس لیے اردگرد کا جائزہ لیتے ذرا دور تک نکل گیا۔ ویملا نے جوں ہی اُسے بائیں ہاتھ کے گھنے درختوں میں غائب ہوتے دیکھا، جھٹ پٹ اپنا سامان ہاتھ میں لے کر پہلے نرم بے آواز قدموں سے دائیں جانب کا رُخ کیا اور پھر رفتار تیز کرتے دوڑ لگا دی۔ اُسے کسی بھی طرح واپسی کے راستے پر چلتے اُس آبادی تک پہنچنا تھا۔

بھاگتے بھاگتے اچانک ویملا کے قدموں کو بریک لگی۔ درختوں کے جھنڈ سے آگے پھر ایک ندی آ گئی تھی۔ یہاں پانی کا پاٹ کچھ تیس فٹ چوڑا لگ رہا تھا۔ تیر کر جانا انتہائی خطرناک تھا۔ ایک تو ان پانیوں میں مگرمچھ بہت زیادہ تھے، دوسرے پانی کی دوسری مخلوق بھی بہت زہریلی تھی، حتیٰ کہ کنگ کوبرا تک عام تیرتے نظر آ جاتے۔ وہ یہ چھوٹا سا ٹکڑا عبور کرنے کے لیے بھی پانی میں داخل ہونے کا رسک نہیں لے سکتی تھی۔ ایک بار پھر خشکی پہ رہتے وہ ندی کے ساتھ ساتھ بھاگنے لگی۔ آگے پانی کی چوڑائی واقعی کم ہو رہی تھی اور جہاں وہ پاٹ ایک بڑے نالے جتنا رہ گیا ویملا اس میں پاؤں رکھتی دوسری جانب نکل کر گھنے درختوں میں گھس گئی۔

بڑی دیر بعد پہلی مرتبہ وہ ذرا سا ستانے کو رُکی تھی۔ وہ خشک لبوں پر زبان پھیرتے نئے سرے سے ہمت جوڑنے لگی، جب جھاڑیوں میں سرسراہٹ سی محسوس کرتے اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ اگر وہ کوئی چیتا ہوا۔ ویملا پیچھے ہٹتے درخت سے جا لگی اور جھاڑیوں میں پیدا ہوتی آہٹ مزید پاس اور پھر...... جھاڑیوں کے آخری حصے کو ہٹاتے وہ دو دیہاتی تھے جو اچانک اس کے سامنے آتے اب سخت حیرت سے اسے تک رہے تھے۔ ٹائیگر سے بچ نکلنے کی خوشی میں ویملا بے اختیار ہنس پڑی تھی۔

''مجھے آبادی تک جانا ہے۔'' وہ دو قدم آگے آ کر اُن دو آدمیوں سے مخاطب ہوئی، جن کے ہاتھوں میں رسیاں، اور کچھ سامان کے تھیلے تھے۔ اب معلوم نہیں وہ اس کی بات سمجھے تھے کہ نہیں۔ ایک آدمی نے شاید بنگالی زبان میں کچھ پوچھا جو ویملا کے بالکل پلے نہیں پڑا۔ ویملا نے اگلی مرتبہ بجائے زبان کے ہاتھوں کی مدد لیتے کچھ اشارے کیے۔ وہ کہنا چاہتی تھی کہ اسے ان لوگوں کے گاؤں جانا ہے۔ شاید وہ بھی اس کی بات سمجھ رہے تھے۔ ایک نے ہاتھ سے اسے پیچھے آنے کا اشارہ کرتے قدم آگے بڑھائے۔ دوسرا ویملا کے پیچھے چلنے لگا۔ ویملا نے کسی قدر گھبراہٹ محسوس کرتے پیچھے والے کو جھجک کر دیکھا اور ان کے درمیان چلنے لگی۔ دونوں دیہاتی جوان اور تنومند تھے۔ ان کا سازوسامان دیکھ کر لگتا

www.urdusoftbooks.com
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

تھا، چیتے یا کسی جنگلی جانور کے شکار کو آئے تھے۔ آدمی شریف اور اچھے لگتے تھے۔ راستے بھر انہوں نے آپس میں کوئی مشکوک اشارہ یا بات چیت نہیں کی تھی۔ ویملا کو کچھ دور اب جھونپڑے اور آگ کی ہلکی روشنی دکھائی دینے لگی تھی۔ اگرچہ وہ بس چند جھونپڑے ہی تھے، کوئی بڑا گاؤں نہ تھا۔ وہ جھونپڑوں کے کنارے کنارے سے ہوتے ایک قدرے دور کے جھونپڑے کی طرف بڑھنے لگے جو شاید ان کا اپنا تھا۔ ویملا کی گھبراہٹ کم ہوتے اب بالکل ختم ہوگئی تھی۔ وہ اب اعتماد و اطمینان سے ان کے ساتھ چل رہی تھی۔ رات ہوجانے کی وجہ سے بستی کا کوئی بھی آدمی باہر دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ اندھیرا ہونے پر شاید وہ اسی طرح اپنے گھروں میں بند ہوجاتے تھے۔

آگے والے آدمی نے بانس اور بھوسے جیسے اس گھر کا لکڑی والا دروازہ کھولتے اُسے اندر داخل ہونے کا اشارہ کیا۔ وہ ایک بڑا اور کشادہ جھونپڑا تھا۔ ویملا نے بے چین نگاہوں سے آس پاس دیکھا لیکن جھونپڑا کسی بھی قسم کی عورت سے خالی تھا۔ آدمی نے اسے کھاٹ پر بیٹھنے کا اشارا کیا لیکن وہ نفی میں سر ہلاتے یونہی کھڑی رہی۔ اشارے سے سمجھانے کی کوشش ضرور کی، پر وہ دونوں خاموش نظروں سے بس اسے دیکھے جا رہے تھے۔

ویملا نے گھبراہٹ محسوس کرتے دروازے کا رُخ کیا تو وہ دونوں ایک ساتھ حرکت میں آئے، ایک نے جھٹ آگے بڑھ کر دروازے کی کنڈی لگائی اور دوسرے نے ویملا کو اپنے بازوؤں میں دبوچا' جس کی بے ساختہ چیخ نکل گئی تھی۔ وہ سخت طیش کے عالم میں اپنا آپ چھڑا رہی تھی، جب کنڈی بند کرنے والا بھی نزدیک آ گیا۔ اس نے ویملا کے منہ پہ ہاتھ رکھ دیا۔ دونوں اسے لیے کھاٹ کی طرف بڑھے' ویملا کا زور لگانا بے کار جا رہا تھا۔ وہ دونوں ہی بہت طاقت ور تھے۔ کھاٹ پہ لٹا کر ایک نے فٹافٹ رسی سے اس کے ہاتھ پیر باندھنا شروع کر دیے۔ دوسرے نے آواز دبانے کے لیے ابھی تک اس کے منہ پہ اپنا ہاتھ رکھا ہوا تھا۔ ویملا کی سانسیں رکنے لگی تھیں۔ تڑپ کر پیر مارتے وہ جی توڑ مزاحمت کر رہی تھی، لیکن وہ آدمی جلد ہی اسے باندھ لینے میں کامیاب ہوگیا تھا۔

بے بسی کی انتہا تھی۔ ویملا کی آنکھوں سے آنسو چھلک پڑے۔ وہ کتنی آسانی سے اور کس بری طرح ایک بہت بڑی مصیبت میں پھنس گئی تھی۔ اس سے اچھی تو وہ لانچ تھی اور اب...... اپنی طرف بڑھتے ہاتھوں کو دیکھتے وہ اپنے بھگوان کو یاد کر رہی تھی' جب دروازہ ایک دھماکے سے کھلا، کسی نے زوردار دھکا دیتے اس لکڑی کے دروازے کو توڑ ڈالا تھا۔ دونوں دیہاتی بوکھلا کر پلٹے اور رافع نے بنا سنبھلنے کی مہلت دیے آگے والے دیہاتی کو اُٹھا کر پچھلے پر دے مارا۔ دونوں پیچھے کی لکڑی والی دیوار سے جا لگے۔ رافع نے بھاگ کر ویملا کی رسیاں کھولنا شروع کیں لیکن دونوں دیہاتی فوراً اُٹھ کر آگے بڑھے۔ رافع نے ایک ہاتھ سے گرہ کھولتے دوسرے سے انہیں دھکا دیا۔ ویملا ہاتھ آزاد ہونے پر خود ہی اپنا بچاؤ کر رہی تھی۔ رافع کے دو ہاتھ مارنے پر ہی باری باری لوٹنیاں کھاتے جھونپڑے سے نکل بھاگے۔ آدمیوں کے بھاگتے ہی رافع نے ایک کڑوی کسیلی نگاہ ویملا پر ڈالتے باہر کا رُخ کیا۔

''تم یہاں کیسے پہنچے۔ تم تو......؟'' وہ پھر ایک بار بھاگ کر اس کے قدم سے قدم ملا رہی تھی۔ رافع کے انداز میں عجلت ہی اتنی تھی۔ چل کر ساتھ دینا ویملا کے لئے بہت مشکل تھا۔

''جب تم نالہ پار کر رہی تھیں۔'' وہ مختصر جواب دیتے تیز قدموں سے چلتا ہی رہا۔ جس وقت ویملا نالہ پار کر رہی تھی۔ رافع اس سے بہت پیچھے ندی کے چوڑے پاٹ کے کنارے سے اسے دیکھ رہا تھا۔ ویملا کے پیچھے جانے کے بجائے اس نے وہیں چوڑے پاٹ میں کود کر ندی پار کرتے جنگل کے راستے اس کا پیچھا کیا تھا۔

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

اتنی دیر سے......؟'' ویملا چیخی۔ ''اور تم اب آرہے ہو''۔ وہ نیچے تک آئی۔ درختوں کی شاخوں کو ہاتھ سے ہٹاتے اب کسی قدر آہستہ روی سے چلنے لگے تھے۔ یہاں جنگل اتنا گھنا تھا کہ درختوں جھاڑیوں سے نمٹتے دماغ گھوم جاتا تھا۔

''میں نے سوچا شاید تمہارا پتی تمہیں ڈھونڈتے ہوئے آنکلا ہے۔'' رافع نے مسکرا کر کہا، ویملا نے بری طرح گھور کر اُسے دیکھا۔

''وہ جنگلی، دیہاتی میرا پتی......؟''

''کیوں نہیں۔ تم اتنے اطمینان سے اس کے پیچھے چل رہی تھیں۔ مجھے لگا کسی دعوت میں شریک ہونے جارہی ہو۔''

''ہاں۔'' ویملا نے چوکر تصحیح کی۔ ''جتنا تم بھوکا مارتے ہو، بندہ تو کسی کی بھی دعوت میں شریک ہونے کو تیار ہوجائے۔''

''دعوت تو وہ منانے لگے تھے۔'' رافع باز نہیں آیا۔

''شٹ اپ! اور دیکھو مجھے سخت پیاس لگی ہے۔ پانی کا بندوبست کرو، ورنہ میں یہیں......''

''شش......'' رافع نے اچانک اپنا مضبوط ہاتھ اس کے منہ پہ رکھ کر سامنے جھاڑیوں کی طرف دیکھا۔

''سانس تک روک لو۔'' وہ اس کے کان میں سرگوشی سے بھی نیچی آواز میں بولا تھا۔

ویملا کا تو ویسے دم گھٹ رہا تھا۔ رافع کی توجہ اور نظریں ہنوز سامنے کی جھاڑیوں پر تھیں۔ ویملا نے خطرہ محسوس کرتے چپ رہنے میں عافیت جانی اور کچھ ہی منٹ کے بعد رافع نے ہاتھ منہ سے ہٹاتے اس کی کلائی تھامی اور جھاڑیوں کی مخالف سمت میں تیزی سے چلتے ذرا آگے جانے پر باقاعدہ دوڑ لگا دی۔ ہانپتی کانپتی ویملا کی کلائی ابھی تک رافع کے ہاتھ میں تھی۔ بہت جلد دونوں گھنی جھاڑیوں سے نکل کر ندی کنارے آنکلے۔ اور یہ وہی ندی تھی جس میں آگے چل کر رافع نے اپنی لانچ روکی تھی۔ کنارے کھڑی لانچ اب بھی دکھائی دے رہی تھی لیکن درمیانی فاصلہ ابھی بھی کچھ زیادہ تھا۔ لانچ پر نظر پڑتے ہی رافع نے ویملا کی کلائی چھوڑ دی۔

''ٹائیگر تھا جھاڑیوں میں۔'' ویملا کو اطلاع بہم پہنچاتے وہ دو قدم آگے ہوا۔

''اب یہ تمہیں کیسے پتا۔ مجھے تو صرف ہلکی سی جھاڑیاں ہلنے کی آواز آئی تھی۔ کوئی بندر، گیدڑ، ہرن بھی ہوسکتا تھا۔''

''میں نے اس کی چمکتی آنکھیں دیکھی تھیں۔'' رافع کے لہجے میں بھرپور اعتماد تھا۔ ویملا لمحے کو چپ ہوگئی۔

''تم ساتھ نہ ہوتیں تو دیکھ لیتا اُسے۔''

''تم؟'' ویملا نے اونچا قہقہہ لگایا۔ رافع نے سخت بدمزگی سے ایک نگاہ ڈالتے چلنا جاری رکھا۔

''کہنا آسان ہے مسٹر! کبھی آمنے سامنے ٹائیگر دیکھا بھی ہے زندگی میں؟ آنکھیں بھی پتا نہیں کس کی چمکتی دیکھ لیں۔ ہر چمکتی آنکھ ٹائیگر کی نہیں ہوتی۔''

وہ رافع کا مذاق اُڑاتے ہنستی چلی گئی۔ رافع نے ان سنی کر کے لانچ کا اسٹیرنگ سنبھالا اور جھٹکے سے بوٹ اسٹارٹ کردی۔ ویملا نے سب سے پہلے پانی کی بوتل منہ سے لگائی۔

''مجھے سخت بھوک لگی ہے، کھانا چاہیے اور دیکھو، بھگوان کے لیے اب فروٹس دکھانا بھی مت۔'' اُس نے باقاعدہ ہاتھ جوڑ دیے۔ ''کیلے کھا کھا کر میرا تو منہ بندر جیسا ہوگیا ہے۔''

''بندریا جیسا۔'' رافع نے اصلاح بھی ثواب سمجھ کر کی۔ ویملا جواباً غصے سے دانت پیس کر رہ گئی۔

''وہاں اسٹوو کے پاس کچھ تھیلوں میں دالیں اور چاول رکھے ہیں۔ چاہو تو اُبال لو۔'' رافع نے ابرو سے اشارہ کیا۔

''چاول۔'' ویملا کے بھوک سے بے حال پیٹ کو محض نام سن کر ہی ایک گونہ آرام محسوس ہوا۔ ''پر اُبلے ہوئے چاول بنا دال بھات کے کوئی کیسے کھائے۔'' ویملا کی اگلی پریشانی پہ رافع نے تاسف

www.urdusoftbooks.com

سے سر ہلایا۔
''ایک ڈبے میں اچار بھی ہے۔''
''اچار۔'' ویملا نے اسٹوو کی طرف دوڑ لگا دی۔ سامان کھنگالنے پر واقعی کچے چاول اور اچار دستیاب ہوگیا تھا۔اس نے آس پاس برتن تلاش کر کے سب سے پہلے چاول بھگو دیے۔
''چاولوں کی بھی ایک پلیٹ بنائی تو یاد رکھو۔ اچار کا ڈبہ سیدھے دریا میں بہادوں گا۔'' رافع نے صبح چائے والی زیادتی یاد دلائی ویملا منہ ہی منہ میں بڑبڑا کر رہ گئی۔

☆☆☆

دھرمیشور مسلسل بنگلہ دیشی پولیس کے ساتھ رابطے میں تھا۔ ابوصالح کے دھوکے نے غضب کی چوٹ پہنچائی تھی۔ ٹائیگرز بارڈر پار کروا لینے کے بعد معذرت کا فون کرتے اس نے صاف کہہ دیا کہ اس کی بیٹی کا اغوا اس نے نہیں کیا۔ہاں پر اتنا اسے معلوم ہے کہ کماری ویملا اس وقت بنگلہ دیش میں ہے اور اس کے ساتھ ایک لڑکے کو بھی دیکھا گیا ہے۔ بقول ابوصالح اس نے تو محض موقع سے فائدہ اُٹھایا تھا۔
''تم میری بیٹی کو جانتے کیسے ہو؟'' دھرمیشور کی خود سمجھ میں نہیں آرہا تھا وہ کس بات کا یقین کرے اور کس کو رد۔
''دو نمبر بزنس میں یہ معمولی باتیں ہیں دھرم شکلا۔ کوئی اور سوال کرو۔''
''میں کیسے یقین کرلوں کہ ویملا کا اغوا تم نے نہیں کروایا اور وہ کسی لڑکے کے ساتھ۔''
''لڑکے کا نام رافع محمد ہے۔ بنگلہ دیشی ہے۔ باربرداری کا لین دین کرنے لانچ پر انڈیا آتا جاتا ہے۔ کسی سے بھی پتا کروالو۔ وہ میرا آدمی نہیں ہے۔'' ابوصالح کا اعتماد مسلسل دھرمیشور کو ڈانواں ڈول کررہا تھا۔
''پچھلا حساب برابر ہوگیا ابوصالح!'' دھرمیشور نے ہار مانتے ایک نئی ڈیل کا آغاز کیا۔ ''تم نے دھوکے سے باگھ پار کروا کر جعلی ویزوں کا بدلہ لے لیا۔ اب مجھے میری بیٹی واپس چاہیے۔ تم میری مدد کرو۔''
''ہوں......اور مجھے کیا ملے گا؟'' ابوصالح قطعاً ایک آسان شکار نہ تھا۔
دھرمیشور کو ڈیل کرتے دانتوں پسینہ آگیا۔ ارمیندر اور ڈرائیور کی باتیں ایک بار پھر سر اُبھارنے لگیں۔ دونوں نے چیخ چیخ کر دعویٰ کیا تھا کہ بٹیا اپنی مرضی سے گئی تھی۔ اب وہ ایک بنگلہ دیشی سے کب اور کہاں ملی اور کیونکر اس کی محبت میں گرفتار ہوئی، ان سب باتوں پر سوچنے کا وقت نہیں تھا۔ اس کم بخت انٹرنیٹ اور فیس بک کے زمانے میں ایسی باتیں اب حیران نہیں کرتی تھیں۔
''تم ہی بتادو تمہیں کیا چاہیے۔'' دھرمیشور اتنا تو جان ہی گیا کہ ابوصالح سب سوچ بیٹھا ہے۔
''تین باگھ پار بھجوا دینے سے مارکیٹ میں میری ساکھ بحال نہیں ہوسکتی دھرمیشور۔ یہ تو تم سمجھتے ہی ہوگے۔'' ابوصالح نے کہنا شروع کیا۔ ''وہ سودا میری وقتی مجبوری تھی۔ اوپر سے تم بنگلہ دیشی پولیس کی مدد بھی لیے بیٹھے ہو، اب میرا اس معاملے میں ٹانگ اڑانا سراسر شنکٹ میں پڑنا ہے۔ سچ کہوں تو پولیس کو ڈال کر تم نے اپنے لیے بھی سمسیا کھڑی کردی ہے۔ میں یہ کام چپکے سے کروادوں گا۔ تمہیں بس اپنے اُن تین آدمیوں کو جیل سے رہا کروانا ہے جو خود کو میرا آدمی بتاتے ہیں۔ تمہارے لیے یہ سرگزشت (محفوظ) راستہ ہے۔ تم نے صرف ان کی رہائی کی کوشش کروانی ہے، بنا یہ سچ اگلوائے کہ وہ تمہارے بندے تھے۔ تم بھی صاف بچ جاؤ گے اور ان کے باعزت بری ہونے کی خبر جب پرنٹ میڈیا چھاپ دے گا تو میری پوزیشن بھی کچھ بہتر ہوجائے گی۔''
''ہوں۔'' دھرمیشور نے پُرسوچ ہنکارا بھرا۔
''کام مشکل ہے ابوصالح! مجھے کچھ وقت دو، میں سب پتا کرکے بتاتا ہوں۔''
اس بار دھرمیشور نے ہامی بھرنے میں عجلت سے کام نہیں لیا۔ کام آسان تھا اور جلد تکمیل کو پہنچ جاتا

www.urdusoftbooks.com
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

کیونکہ اُس ایمان دار ڈی ایس پی کا تبادلہ پچھلے ہفتے ہی دوسری جگہ ہو چکا تھا۔ پیچھے رہ جانے والوں کو خریدنا آسان تھا۔لیکن یہ بات ابوصالح کو بتانا اس کے لالچ کو بڑھانا تھا۔ تین باگھ باآسانی چوبیس گھنٹے کے اندر پار ہو گئے تو اس کی رال اگلی ڈیل کے لیے ٹپکنے لگی تھی۔ معاملہ ویملا کا نہ ہوتا تو ایسے پینترے بازوں کی دھرمیشور جان لے لیا کرتا تھا۔

''کتنا وقت؟'' ابوصالح تھوڑا بدمزا ہوا۔

''سوچ لو دھرمیشور! دیری خود تمہارے حق میں اچھی ثابت نہیں ہوگی، تمہاری بیٹی اس وقت پردیس میں۔''

''ٹھیک ہے...... ٹھیک ہے۔'' دھرمیشور کے خون میں اُبال آیا۔ ''کل صبح بتاتا ہوں۔'' فون بند کر کے اس نے ماتھا اپنے ہاتھوں پہ گرایا۔

☆☆☆

نیند کے جھونکے رافع کو بہت بری طرح پریشان کر رہے تھے۔ کنائی نگر وہ پہنچ چکا تھا۔ لیکن بجائے بستی کی طرف بڑھنے کے وہیں گھاٹ پر اپنی لانچ میں ہی کچھ گھنٹے سکون سے نیند پوری کر لینا چاہتا تھا۔ کیونکہ ایک تو آدھی رات کا وقت تھا، سوئے ہوؤں کو ڈسٹرب کرنا مناسب نہیں تھا۔ دوسرے ویملا بھی کھانا کھانے کے بعد پیچھے بنچ پر ہی ہلکی چادر خود پہ لیے سو چکی تھی۔ بنا لمبی چوڑی پلاننگ میں پڑے رافع نے لانچ ایک ایسی ندی کے کنارے ذرا اندر کر کے روک دی، جہاں کنارا بھی صاف ستھرا سا تھا اور اوٹ میں ہونے کی وجہ سے دوسری عام گزرگاہوں سے قدرے پوشیدہ بھی تھا۔ فی الحال پچھلے حادثے کے بعد لڑکی کے کہیں بھاگ نکلنے کا چانس بھی بہت کم تھا۔

رافع نے لانچ ایک طرف روکتے نگاہ موڑ کر ویملا کو دیکھا، وہ اس وقت منہ جنگلے کی طرف کیے اس کی جانب پیٹھ موڑے لیٹی تھی۔ لمبی ناگن سی چوٹی نیچے لانچ کے فرش تک آئی ہوئی تھی۔ رافع نے لب سکوڑتے گھور کر وہ لمبی چٹیا دیکھی اور سر کھجایا۔ جب کہ اسٹیئرنگ اس کے ہاتھوں میں لرزا تھا۔ دل میں عجیب سی کھدبد لگی تھی۔ جانے یہ چوٹی کتنے بالشت لمبی ہوگی۔

اُس نے اپنی چھوٹی انگلی اور انگوٹھا دائیں بائیں پھیلا کر اپنی بالشت کو دیکھا اور یونہی ہاتھ پھیلائے پھیلائے کسی چور کی طرح دبے پاؤں آگے بڑھتے ویملا کے قریب آیا۔ چوٹی فرش پر بھی بل کھائے پڑی تھی۔ ہاتھ سے ہلکا سا سیدھا کرتے اُس نے ناپنا شروع کیا۔ ایک، دو، تین۔ ہاتھ فرش سے اوپر گردن کی طرف جانے لگا تھا کہ دفعتاً وہ کسمسائی اور رافع جلدی سے دُور ہو گیا۔

تین سے تو بہت ہی لمبی ہے۔ پتا نہیں اور کتنی۔'' وہ سخت بدمزہ سا واپس اپنی جگہ پر آتے' نیچے فرش پر لیٹ گیا۔ جلد ہی ہوا کے خنک ٹھنڈے جھونکوں نے اپنی لپیٹ میں لیا اور رافع محمد گہری میٹھی نیند کی بانہوں میں بڑی آسانی سے سما گیا۔

اُس کی آنکھ دلدوز نسوانی چیخوں سے اچانک کھلی اور یوں کہ وہ ایک جھٹکے سے اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔ صبح کی خنکی مائل دھیمی روشنی ابھی بھی رات کے سرمئی اندھیروں میں گھلی ملی سی تھی۔ رافع کی پہلی نظر بنچ پر گئی۔ ویملا ڈیک پر نہیں تھی۔ اُس نے کنارے کی طرف دیکھا۔ بیس، بائیس میٹر دُور خشکی پر درختوں کے نیچے جامنی سوٹ کی جھلک نے وہاں ویملا کے ہونے کی تصدیق کر دی، پر وہ ایک ایک قدم پیچھے ہٹ رہی تھی جانے کیا دیکھ کر۔ رافع نے ہاتھ مار کر بنچ کے نیچے سے ایک بوری نکالی۔ جھٹ پٹ ایک بندوق، کمان اور تیروں کا دستہ نکالتے لانچ سے نیچے چھلانگ لگا دی۔

ویملا دہشت زدہ سی اب ایک ہی جگہ جم چکی تھی۔ رافع بھاگ کر چند قدم مزید آگے آیا تو جھاڑیوں سے نکل کر مکمل سامنے آتا وہ بلاشک وشبہ ایک باگھ تھا جو گردن گھما کر دائیں بائیں دیکھ رہا تھا۔ ویملا نے چیتے کی شاید ایک جھلک دیکھتے ہی چیخ ماردی تھی۔ رافع کو پوزیشن سنبھالنے کا موقع تو نہیں

www.urdusoftbooks.com
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

ملا اُس نے کمان میں تیر ڈالتے ہی آناً فاناً پچھلی ٹانگ کا نشانہ لیا لیکن ایک تو نیند سے یک لخت بیداری دوسرے انتہائی ایمرجنسی صورت حال۔ تیر ٹھیک نشانے پر لگنے کے بجائے چیتے کے کولہے اور کمر کے درمیان کہیں لگا۔ ایک اونچی غضب ناک دھاڑ نکالتے چیتا ویملا کی طرف بھاگا کیونکہ رافع پر ابھی تک باگھ کی نگاہ نہیں پڑی تھی اس کی آنکھوں کے آگے ایک ویملا تھی۔

"بھاگو ویملا! لانچ کی طرف۔" رافع زور سے چلاتے پھر ایک تیر کمان میں ڈال کر نشانہ باندھ چکا تھا اور ویملا جو، اب سے پہلے سُن ساکت سی ایک ہی جگہ پر جمی تھی۔ رافع کی ایک ہی آواز پر اپنی جگہ سے ہلتے اب لانچ کی طرف بھاگ رہی تھی لیکن اس کی پُر تعجب نگاہوں کا مرکز اب چیتے کے بجائے رافع تھا۔ ایک گھٹنا نیچے گھاس پر ٹکائے دوسرا سامنے رکھے کمان اپنی آنکھوں کے سامنے جوڑے جو تیر چیتے کی طرف چھوڑ چکا تھا۔ باگھ کی دھاڑ پر اس نے سر ذرا سا پیچھے پھیرا تو زخمی باگھ کو مزید غصے میں اپنے پیچھے بھاگتے دیکھا۔

رافع نے عجلت میں اپنی بندوق سیدھی کی۔ آخری چارے کے طور پر لامحالہ اسے بندوق کا سہارا لینا تھا، پر چیتا تیر کے دوسرے وار سے لڑکھڑا کر وہیں گر گیا۔ اسے لنگڑاتا دیکھ کر ویملا کی کچھ ہمت بندھی اور وہ لانچ کے قریب جا کر رک گئی۔ رافع نے تھیلے میں سے ایک اسپرے نکال کر تیزی سے باگھ کی طرف بڑھنا شروع کیا جو گردن اپنی دُم کی طرف موڑتے تیر دانتوں میں لینے کی کوشش میں گول گول چکر کاٹ رہا تھا۔

"واپس آؤ پاگل!" ویملا دُور سے چلائی۔ اس کے نزدیک تو جان بچ جانے پر اب اُن دونوں کو وہاں سے بھاگ نکلنا چاہیے تھا۔ جانے وہ سرپھرا اب چیتے سے مزید کیا چاہتا تھا۔

"اے پاگل!" ویملا بازو لہراتے اسے آگے جانے سے باز رکھ رہی تھی۔ رافع ان سنی کرتے باگھ کے پاس پہنچا اور اس کے چہرے کے قریب اسپرے کر کے پیچھے ہٹا۔ ٹائیگر رافع کو اتنے نزدیک پا کر بری طرح غراتے اچانک ٹوٹ پڑا۔ ویملا چیخ مارتے بے اختیار نیچے بیٹھ گئی۔ زور سے آنکھیں میچے، وہ اگلا منظر دیکھنا نہیں چاہتی تھی۔

ماحول میں اچانک بڑی معنی خیز سی خاموشی در آئی تھی۔ ویملا نے ڈرتے ڈرتے آنکھیں کھول کر اپنا سر اُٹھایا۔ دکھائی دیتے منظر پر بے یقینی سے منہ کھولے وہ پوری اُٹھ کھڑی ہوئی۔

رافع چیتے کے اوپر چڑھا اسے رسیوں سے باندھ رہا تھا۔ جس کے جسم میں کسی قسم کی مزاحمت دکھائی نہ دیتی تھی۔

کپکپاتی ٹانگوں کو کھینچے وہ دھیرے دھیرے آگے بڑھی۔ پسینے میں نہایا وہ لڑکا پوری جانفشانی سے باگھ کو باندھنے میں لگا تھا۔

"تت..... تم نے مار ڈالا۔" وہ خوشی سے چہکی پر جواباً اُسے رافع کی سخت کڑی نگاہ کا سامنا کرنا پڑا۔

"اتنی قیمتی بھی نہیں ہے تمہاری جان کہ اسے بچانے کی خاطر میں ایک بے زبان کی زندگی داؤ پر لگا دوں۔"

"ہیں......" وہ بدک کر دو قدم پیچھے ہوئی۔ "تو یہ زندہ ہے۔ پر یہ تو موذی حیوان ہے، جان لیوا۔ ڈیفنس میں مارنا تو کوئی انیائے نہیں اور......"

"تم بچ گئیں ناں؟" وہ بھنویں سکیڑے، نتھنے پھلائے اس کی چیتے کے خلاف بولی جانے والی گفتگو پر اپنا ردِعمل ظاہر کر رہا تھا۔ ویملا نے کندھے سے لٹکی اس کی کمان کو چور نگاہوں سے دیکھتے ایک بڑا عجیب سا احساس اپنے اندر جاگتا محسوس کیا۔

"تم آرچر (تیر انداز) بھی ہو؟"

"ششش......" وہ منہ پہ انگلی رکھ کر اسے چپ ہونے کا کہہ کر موبائل پہ کال ملاتا ذرا دور ہو گیا۔ ویملا نے چپکے سے آگے بڑھ کر کان لگانے کی کوشش کی لیکن وہ پھر بنگلہ زبان میں بات کر رہا تھا۔ چند ایک انگلش اور ہندی کے لفظ ویملا کے پلے پڑے، جن

www.urdusoftbooks.com
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

میں ریسکیو، ٹائیگر، کنائی نگر، بوٹ، سیلا ریور وغیرہ شامل تھے۔ یوں لگ رہا تھا جیسے وہ کسی کو ایڈریس سمجھا رہا ہو۔

''تم اس کو ریسکیو کروا رہے ہو۔'' رافع فون بند کر کے باٹ کی طرف بڑھا تو وہ حسب عادت پیچھے پیچھے بھاگ کر سوال کرنے لگی۔ ''کیا تم بنگلہ لینگویج بول رہے تھے اور تم نے کسے کال کی؟''

''وائلڈ لائف ویا گھ (محکمہ)'' رافع نے اس مرتبہ آرام سے جواب دیا جس پر ویملا اور زیادہ حیران ہوئی۔

''اتنے ہی اچھے ہو تو انسانوں پہ رحم کیوں نہیں کھاتے۔ بتاتے کیوں نہیں کہ مجھے کہاں لے جا رہے ہو۔''

''تمہارے شوہر کے پاس۔'' جانے اس کا موڈ کیوں اچھا ہوا تھا۔ مسکرا کر بظاہر سنجیدگی سے جواب دیا تو ویملا بری طرح گڑبڑائی۔

''مجھے بس اپنے گھر جانا ہے۔ بابو جی کے پاس۔''

''اور وہ بے چارا جو جنگلوں کی خاک چھان رہا ہوگا۔''

''بول تو یوں رہے ہو جیسے جانتے ہو اُسے۔'' وہ سخت جھنجھلائی۔ رافع نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔

''مجھے لگا محبت کی شادی ہے، اتنا تو کرنا ہی چاہیے یا چلو تمہاری خاطر نہ سہی۔ اُس آدھی رقم کی کشش تو کھینچ ہی لائے گی۔''

''آدھی رقم؟'' ویملا چونکی۔ ''اب یہ کیا۔''

''سنو اب۔'' رافع نے قطعی نظر انداز کرتے ہاتھ اُٹھا دیا۔ ''ہم لوگ فوراً یہاں سے نکل رہے ہیں۔ وائلڈ لائف کی ٹیم اسے خود ہی سنبھال لے گی۔ آگے صاف پانی کی ندی ہے۔ مجھے اپنے زخم دھونے کے لیے جلد از جلد نہانا ہے۔ چپ چاپ یہ اسٹیئرنگ سنبھالو۔ آگے ایک بھی اور سوال کیا تو اُٹھا کر دریا میں پھینک دوں گا۔'' اس کے چہرے پر یک لخت انتہائی کرب کے آثار نظر آئے۔ ویملا اپنی بات بھول کر بنا برا مانے اسے دیکھ رہی تھی۔ لفظ ''زخم'' نے باقی ہر بات بھلا دی۔ وہ اپنے دائیں ہاتھ سے بایاں بازو زور سے دبائے کھڑا تھا۔ لانچ اُس نے اسٹارٹ کر دی تھی۔ ویملا کو آنکھ سے اشارہ کیا تو وہ بوکھلا کر آگے بڑھی۔ اسٹیئرنگ کو اُلٹے سیدھے ہاتھ مارے۔

''کوئی سے دو ہینڈل اپنے ہاتھ میں رکھو باقی سب کو چھوڑو۔'' رافع نے گول اسٹیئرنگ کے اِرد گرد بنے آٹھ ہینڈلوں سے ویملا کو کھیلتے دیکھ کر سخت برا منہ بنایا۔

''آں......اچھا اچھا...... لیکن یہ تو پھسل اور......'' رافع نے آگے بڑھ کر ہینڈل پکڑتے اُسے صحیح سمت میں رہنے کو کہا۔ نچلا لب دانتوں میں دبائے وہ اپنا درد برداشت کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

''تمہیں کہاں زخم آیا ہے، کہیں جسم میں زہر نہ پھیل جائے۔''

''دوائی لگا دی تھی۔ وہاں، سامنے سے لیفٹ لو۔'' رافع نے ایک بار پھر اُسے گائیڈ کیا۔

''صاف تو یہ پانی بھی ہے۔ تم کس صاف دریا کی بات کر رہے تھے۔'' ویملا کے سوال کبھی ختم نہیں ہوتے تھے۔ رافع نے ایک گہرا سانس لیا۔

''یہ خودرو پودوں والی ندیاں جنہیں مینگرو و کہتے ہیں، نمکین پانیوں والی ہیں۔ بڑے دریا کچھ مقامات سے بالکل صاف شفاف ہیں۔''

اس نے تفصیلی جواب سے ویملا کی تسلی کرائی۔ باٹ ایک بڑے اور کشادہ پاٹ میں آ گئی تھی۔ کنارا ان کے نزدیک تھا۔ کنارا خشک اور سرسبز تھا اس کے پیچھے گھنی جھاڑیاں تھیں۔ لانچ رافع نے خود کنارے کی طرف روکی۔ صبح کی روشنی اب پوری کھل چکی تھی۔ وہ رافع کے نیچے اُترتے ہی نیچے کے کمرے میں آ گئی۔ ہینڈ بیگ سے اپنا سوپ اور ایک چھوٹا تولیہ نکالا۔ دو دنوں سے چہرا تک ٹھیک سے دھونا نصیب نہیں ہوا تھا۔ اپنا آپ اسے بڑا ہی میلا کچیلا محسوس ہو رہا تھا۔ جانے منزل کہاں تھی، اوپر سے وہ لڑکا بھی زخمی۔ لڑکے کا خیال آتے ہی ویملا جلدی

www.urdusoftbooks.com

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

سے باہر نکلی۔ جانے اُسے کیسے زخم آئے تھے وہ بھی چیتے کے حملے سے۔۔ وہ ڈیک پر آئی تو رافع نہا کر کنارے پر آچکا تھا۔ گھاس پر آلتی پالتی مارے وہ اپنے کندھے کے پیچھے دیکھنے کی کوشش میں تھا۔ ویملا لانچ سے اتر کر قریب آئی۔

"مے آئی ہیلپ یو؟" رافع نے ایک خاموش نظر ویملا کی طرف اُٹھائی تو جانے کیوں ویملا کو اس کی آنکھوں میں شکوہ سا دکھائی دیا۔ وہ سخت شرمندہ سی تھوڑی اور نزدیک آئی۔ آخر وہ اسی کو بچانے کی خاطر اس خطرے میں کودا تھا۔ کندھے کی کھرونچیں پیچھے پیٹھ تک جا رہی تھیں۔ چیتے کے رافع پر حملے کا منظر وہ خوف کی وجہ سے دیکھ نہیں پائی تھی۔ جانے اس نے اپنے طاقت ور حیوان کو کیسے قابو کیا تھا۔ ویملا نے تھوڑا سا گھوم کر پیچھے کی طرف دیکھا۔ باگھ کے ناخنوں نے پیٹھ کو بہت بری طرح چھیل ڈالا تھا۔ ویملا نے فوراً نظر ہٹالی۔

"تمہیں جلد از جلد ہاسپٹل جانے کی ضرورت ہے ایسے تو......" الفاظ اُس کے منہ میں رہ گئے اور رافع نے ایک طرف پہ رکھی میڈیکل کِٹ اس کے سامنے خاموشی سے پٹخی۔

"او......" ویملا کو جواب مل گیا تھا۔ رافع نے باکس کھول کر ایک ٹیوب نکال کر اس کی طرف بڑھائی۔

"تم صرف اتنا کرو کہ جہاں میرا ہاتھ نہیں جاتا وہاں یہ لگا دو ورنہ سچ مچ زہر پھیل سکتا ہے۔" وہ نہ صرف بہت سنجیدہ بلکہ کسی حد تک اپنے زخم کی وجہ سے فکر مند دکھائی دیتا تھا۔

ویملا نے جلدی سے آگے بڑھ کر کندھے اور پیچھے پیٹھ والے زخموں پہ وہ لیپ لگا دیا۔ لیپ لگانے سے اسے کس قدر جلن محسوس ہو رہی تھی، ویملا نے اس کے منہ سے نکلنے والی سسکی سے اندازہ لگایا۔ رافع کے گردن پر آئے بال ایک بار پھر گیلے تھے۔ وہ اب اس پیٹھ سے خائف ہونے لگی تھی۔ رافع اس کی طرف پشت کرتا اور ایک مانوس سا احساس ویملا کو اس کی جانب کھینچنے لگتا۔ وہ بالوں اور گردن سے نظریں چُرا کر دور ہوگئی۔ رافع نے میڈیکل کِٹ سے ایک انجکشن نکال کر سفید محلول سے بھرا۔

"انجکشن بھی ضروری ہے۔ کیا تم لگالو گی؟" وہ ابرو کھینچے سنجیدگی سے استفسار کر رہا تھا۔ ویملا کو صحیح معنوں میں اب احساس ہو رہا تھا کہ لڑکے پر کیا گزر چکی تھی۔ وہ اپنے زخم کی طرف سے بے حد پریشان تھا لیکن بنا گھبراہٹ کے بڑی ہمت اور دھیرج سے کام لے رہا تھا۔

"اوہ۔ ہاں۔ ہاں۔" ویملا نے عجیب کنفیوژن محسوس کرتے سر ہلایا۔ رافع نے بنا ردعمل ظاہر کیے بغور اس کی ہڑبڑاہٹ کو جانچا۔

"آر یو شیور؟"

"ہاں وہ بہت پہلے سمر کیمپ میں فرسٹ ایڈ سیکھی تھی تو انجکشن لگانا بھی سکھایا گیا تھا۔ میرے لیے یہ روٹین کا کام نہ سہی، پر چتا نہ کرو لگالوں گی۔"

"ہوں۔" رافع نے سرنج اس کی طرف بڑھا دی۔ ہاتھ بھی لگتے کو لرز سا گیا۔ جو اُس نے کہا وہ بھی سچ تھا پر ایک سچ یہ بھی تھا کہ سرنج ہاتھ میں آتے ہی دماغ بند ہو گیا تھا۔ البتہ وہ اس کی مدد پوری ساودھانی (دھیان) سے کرنا چاہتی تھی۔ آگے بڑھ کر ویملا نے اس کے مضبوط بازو کو ہاتھ میں لینے کی کوشش کی لیکن نازک مرمریں ہاتھ بازو کے قریب جا کر رُک گیا۔۔ جھجک اس قدر مانع تھی کہ چاہ کر بھی وہ اپنا ہاتھ آگے نہیں بڑھا پا رہی تھی۔

"کچھ ہی دیر میں میری حالت بگڑنے لگے گی۔ یہ میرا موبائل فون ہے۔ پولیس کا نمبر تلاش کر کے مدد کے لیے بلا لینا۔ موبائل کے سگنلز نہ ملیں تو اوپر لانچ میں وائرلیس سیٹ بھی ہے۔ میری پرواہ مت کرنا مجھے یہیں گھاٹ پر چھوڑ جاؤ تو بھی کوئی مسئلہ نہیں۔ مرے ہوئے کو کیا ریسکیو کرانا۔" بے دھڑک ہدایات دیتے اُس نے یک لخت یہ کہا تو ویملا نے شپٹا کر اس کا بازو دبوچا۔

"کک...... کرتی ہوں ناں۔ ڈرا کیوں رہے

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

ہو۔'' اس بار وہ سرنج لگانے میں کامیاب ہو ہی گئی۔ یہ اور بات کہ سوئی بازو میں گھساتے ہی اس نے سختی سے اپنی آنکھیں اور لب بھینچ لیے تھے۔ رافع نے کن انکھیوں سے سرنج کو خالی ہوتے دیکھا پھر میڈم کی بند آنکھوں کو۔ جانے کتنے سال اسی حالت میں رہنے کا ارادہ تھا اُس نے خود ہی دایاں ہاتھ بڑھا کر سرنج واپس کھینچی۔

''تھینکس۔'' وہ فی الفور اُٹھ کر لانچ کی طرف بڑھ گیا۔

''یہ بائٹس ہیں یا نیلو۔'' پھٹی ہوئی شرٹ رافع کے بازو پہ دھری تھی۔ ویملا اس کی پشت کا زخم دیکھتے کچھ اندازہ لگا رہی تھی۔

''کندھے پہ بائٹ کا زخم ہے۔ پیچھے سب کھرونچیں۔'' وہ یاٹ پہ آکر کونے سے ایک بیگ نکالنے لگا۔

''اِس حالت میں تم لانچ کیسے چلاؤ گے۔''

''آج ہم یہیں رُکیں گے۔ پیچھے بستی ہے۔''

''اچھا......'' وہ پیچھے مڑ کر دیکھنے لگی۔ ''وہاں کون ہے اور ریسٹ تو ہم لانچ میں بھی کر سکتے ہیں۔''

''گھر کا کھانا نہیں کھانا چاہو گی؟'' وہ اُٹھ کھڑا ہوا۔ ویملا نے تعجب سے اس کی بدلتی کیفیت کو دیکھا۔ بڑا ہی بے فکر انداز تھا۔ وہ کندھے اُچکا کر رہ گئی۔

''اپنا سامان اپنے ساتھ رکھو۔'' وہ بیگ میں سے کپڑے نکال کر اب نئی شرٹ پہن رہا تھا۔ پچھلے دو روز سے وہ بھی ایک ہی کالی شرٹ اور ٹی براؤن ٹراوزر میں تھا۔ کچھ دیر بعد وہ اندر کے کمرے سے نکلا تو اس نے لائٹ آسمانی شرٹ کے ساتھ دھوتی باندھی ہوئی تھی۔ یہاں کے اکثر مرد بڑی آسانی سے لنگی کیری کیا کرتے تھے۔ وہ سفید کاٹن کی دھوتی باندھے سامنے آیا تو ویملا کو چکر سا آنے لگا۔ برسوں پرانا ذہن میں کسی حسین یاد سا بیٹھا خواب پوری طاقت سے سامنے آموجود ہوا تھا۔ یہ منظر بھی اس نے بعینہٖ دیکھا تھا۔

''ایسا نہیں ہو سکتا۔ یہ ناممکن ہے۔'' وہ بجھی بجھی سی اپنی چیزیں سمیٹنے لگی۔ وہ اس اجنبی لڑکے کو کسی بھی عام مرد سے رتی بھر بھی زیادہ اہمیت دینے کو تیار نہ تھی۔ بات کر لینا انتہا کی مجبوری تھی ورنہ وہ اُسے مخاطب تک کرنے کی روداد تھی اور وہ...... وہ کس طاقت سے اسے کسی خواب یا شاید پچھلے کسی جنم کی یاد دلا جاتا تھا۔

''مجھے اِس سب کے بارے میں نہیں سوچنا چاہیے۔'' وہ سر جھٹک کر ایک عزم کے ساتھ اُٹھی۔ یہ خیال بھی بس ایک وہم سے بڑھ کر کچھ نہیں۔ وہ لانچ سے اتر کر رافع کے پیچھے چلنے لگی۔ جھاڑیوں سے نکل کر وہ ایک بار پھر کھیتوں میں تھے۔ دُور کچھ جھونپڑے اور مکان دکھائی دیتے تھے۔ رافع اسے لیے چلتا جا رہا تھا۔ کہیں کھیتوں میں مرد کام کر رہے تھے تو کہیں عورتیں سر پر بانس کی ٹوکریاں لیے جاتی دکھائی دے رہی تھیں۔ ویملا کو لگا اس نے بڑے عرصے بعد اپنے علاوہ کوئی عورت دیکھی ہے۔ بڑا ہی اپنائیت بھرا احساس پیدا ہوا۔

اُس لڑکے پر جس کی بھی نظر پڑی، اس نے رُک کر محبت سے ہاتھ ہلایا یا بنگلہ میں کوئی بات کی۔ یہاں سب اسے جانتے تھے۔ شاید یہ اس کا اپنا گاؤں تھا۔ کچھ دیر بعد وہ دونوں ایک بڑے جھونپڑے کے سامنے پہنچے۔ ایک بوڑھی عورت باہر بیٹھی آگ پہ کچھ پکا رہی تھی۔ لڑکے پر نظر پڑی تو بھاگ کر اس سے لپٹ گئی۔ شاید وہ اس کی ماں تھی۔ دونوں میں معلوم نہیں کون سی باتیں ہوئیں۔ ویملا کی طرف بڑھ کر اس نے محبت سے سر پہ ہاتھ رکھا پھر ساتھ لیے اندر آگئی۔

کھاٹ، چٹائیوں، چھوٹے بڑے کچھ اسٹولوں اور تپائیوں سے سجا وہ ایک بہت ہی سادہ سا مکان تھا۔ البتہ وہاں آتے ہی بڑا سکون آور احساس جاگا تھا۔ تین روز کے تھکا دینے والے سفر کے بعد گھر کا میسر آنا خود بخود آنکھوں میں نیند بھرنے لگتا ہے۔ لیکن ہر کام سے پہلے وہ نہا کر فریش ہونا چاہتی تھی۔

''میں نہانا چاہتی ہوں، باتھ روم ہے یہاں؟''

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

ویملا باتھ روم کی تلاش میں دائیں بائیں دیکھتے اس بوڑھی عورت سے مخاطب تھی۔ جواب نہ ملنے پر رُک کر اسے دیکھا۔

''کیا میں نہاسکتی ہوں؟'' ویملا نے عورت کو پھر مخاطب کیا تو وہ جواباً ٹکر ٹکر اسے دیکھنے لگی۔ اب کے اُس نے ہاتھ کے اشاروں سے نہانے کا مدعا بیان کیا پر بے کار۔ وہ کھڑی ہنس رہی تھی۔ ویملا نے باہر نکل کر لڑکے کو ڈھونڈنا چاہا۔ یہ تو اس کا نام بھی نہیں جانتی تھی۔ عورت پیچھے پیچھے باہر آئی تو ویملا نے اونچے قد اور مونچھوں کا اشارہ کرتے دریافت کیا کہ وہ کہاں ہے۔ عورت نے ہنستے ہوئے دریا کی جانب اشارہ کیا۔ ویملا کو فکر لاحق ہوئی۔ کہیں اسے چھوڑ تو نہیں گیا۔

''نہیں نہیں...... اس کا اپنا گاؤں ہے، ماں ہے، چھوڑ کر کہاں بھاگے گا۔'' ویملا کا بے چینی سے چکر کاٹنا بے کار نہیں گیا۔ دس پندرہ منٹ بعد وہ واپس آ گیا۔

''توبہ ہے، منہ اٹھا کر کہیں بھی چل پڑتے ہو، بتا کر جاتے تو اب تک میں نہا کر فریش بھی ہو چکی ہوتی۔'' وہ تیز تیز بولتی رافع کے سر پر پہنچی۔

''تمہاری ماں تو میرے اشارے بھی نہیں سمجھتی۔ باتھ روم ہی دکھادو۔''

''آؤ۔'' وہ سنجیدہ سا ایک طرف بڑھ گیا۔ دو درختوں کے پیچھے وہ چار بانسوں سے بنا ایک چوکور کمرا تھا جس کے گرد چٹائی لپیٹ کر دیواریں سی اُٹھا دی گئی تھیں۔ اندر دو بالٹیاں پانی سے بھری تھیں اور بیٹھنے کے لیے ایک پتھر کی سِل۔

''یہاں......؟'' وہ چیخی۔ ''اور صرف یہ دو بالٹیاں۔'' وہ سخت ناپسندیدگی سے اس ماحول کو دیکھ رہی تھی۔

''پانی کم پڑے تو وہ......'' رافع نے ہاتھ سے دکھایا۔ ''پاس میں کنواں ہے۔ ڈول بھر کے نکال لینا اور زیادہ پانی چاہیے تو ڈبکی لگا لینا۔'' اس بار سمجھاتے ہوئے لڑکے کے لبوں پہ مبہم سی ہنسی اُبھری تھی۔ ویملا کے اندر ہی اندر پیچ و تاب کھانے سے وہ محظوظ ہو رہا تھا لیکن اس کے غصے کے خیال سے مسکراہٹ چھپاتے مڑ گیا تھا۔ ویملا نے واپس جاتے لڑکے کو بلی جیسے ناخن دکھائے۔

''اچھا ہی کیا باگھ نے تمہارے ساتھ تو......''

اور وہ بنا رُکے اور مُڑے کھلکھلا کر آگے بڑھ گیا۔

نہا کر طبیعت واقعی بہت ترو تازہ ہوئی تھی۔ وہ کمرے میں کھاٹ پہ بیٹھی بال سلجھا رہی تھی جب وہ عورت کھانا لیے اندر آئی۔ دوپہر ہو چکی تھی۔ صبح بھی ناشتہ نہیں کیا تھا۔ آلو کی سبزی اور چاول کے ساتھ ویملا نے خوب مزے لے کر بھوک مٹائی۔ اتنا لذیذ کھانا شاید اس نے اپنی زندگی میں کبھی نہیں کھایا تھا۔ اب تو بس خوب لمبی سی نیند کی ضرورت تھی۔ عورت بھی کام کاج نمٹا کر اندر آ گئی۔ لڑکا البتہ تب سے دکھائی نہیں دیا تھا۔ ویملا نے اردگرد سے بے نیاز ہو کر جھٹ پٹ چارپائی پکڑی اور کچھ ہی دیر میں بے سُدھ ہو گئی۔

رافع نے کھیتوں سے پرے الگ ہو کر ابو صالح کو اب تک کی تفصیل سے آگاہ کرتے آگے کے متعلق مشورہ طلب کیا۔ اس کی ذاتی رائے یہ تھی کہ اب کسی طرح جلد از جلد انہیں سندر بن سے نکل کر خشکی اور آبادی کی طرف جانا چاہیے لیکن ابو صالح مسلسل انکاری تھا۔ خشکی کے راستے اس کے نزدیک زیادہ خطرناک تھے۔ اِس صورت میں اب جبکہ دھرمیشور اپنی بیٹی کے سلسلے میں پولیس کی مدد لے چکا تھا۔

''صاب! ہمیں لڑکی کو ضرور بتا دینا چاہیے کہ باپ اس کے پیچھے پولیس لگا چکا ہے۔ ہو سکتا ہے وہ......''

''نہیں رافع۔'' ابو صالح چلایا۔ ''یہ غلطی مت کرنا اور سنو! لڑکی کو کچھ بھی بتانے کا کوئی فائدہ نہیں۔ اس کے لیے بھی اب پیچھے ہٹنا بہت مشکل ہے۔ بلاوجہ وہ گھبرا جائے گی۔ بس تم آج تو کسی طرح یہیں بستی میں رُکے رہو۔ میں رات تک کچھ سوچ کر تمہیں

www.urdusoftbooks.com
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

بتاتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے صاب! یہاں رہنے میں فی الحال کوئی پرابلم نہیں۔" وہ نیم رضامند ہوتے کال آف کر کے واپس پلٹا۔ انجکشن اور دواؤں کے بعد وہ بھی آرام کی شدید ضرورت محسوس کر رہا تھا۔ دوپہر کا وقت سو کر گزار لینے میں ہی عافیت تھی۔ وہ جھونپڑے کے پاس آیا تو ہر طرف خاموشی اور ہُو کا عالم تھا۔ ٹوٹ کا پردہ ہٹا کر وہ اندر آیا تو ویملا کھاٹ پر سوتی نظر آئی۔ موسی البتہ کہیں نہیں تھی۔ شاید گھاٹ پر مچھلیاں پکڑنے گئی ہو۔ وہ سب مچھیرے تھے۔ گھاٹ پر انہوں نے ہر طرف جال لگا رکھے تھے پھر ناؤ میں خود ہی جا کر بیچ بھی آتے۔ دوسرا کمائی کا ذریعہ یہاں کا خالص شہد تھا۔ یہ لوگ اندر جنگل میں جا کر شہد کے چھتوں کو دھونی دیتے اور مکھیوں کو بھگا کر شہد حاصل کر کے بیچتے۔

رافع اپنی میڈیکل کٹ لانچ سے ساتھ ہی اُٹھا لایا تھا۔ کھانے کے بعد اُس نے ایک پین کلر لینی تھی۔ ویملا کی طرف سے نگاہیں چُرا کر دوسری کھاٹ پر بیٹھتے تپائی سے میڈیکل باکس اٹھایا اور ایک ٹیبلٹ ہاتھ پر لی۔ تپائی سے پانی کا جگ اٹھا کر ٹیبلٹ منہ میں رکھتے جگ ہی منہ سے لگا لیا۔ پانی پی کر جگ واپس رکھتے ہوئے غیر دانستہ نظر ویملا کے لمبے کھلے بالوں پر پڑی۔ آج بھلے وہ چٹیا باندھے ہوئے نہیں تھی پر ہلکے نم کھلے بال ایک بار پھر چارپائی سے نیچے تک لٹکے ہوئے تھے۔ رافع کے ہاتھ میں نامعلوم سی کھجلی سرسرائی۔ ایک نظر ہاتھ پھیلا کر بالشت کو دیکھا اور مسکراہٹ دباتے اُٹھ کھڑا ہوا۔

ارادہ اس بار اوپر گردن سے ناپتے نیچے تک آنے کا تھا۔ وہ بس دو قدم ہی آگے بڑھا تھا کہ دُور کہیں سے باتیں کرنے کی آواز آئی۔ وہ جھجک کر اپنی جگہ پر رُکا اور آوازیں قریب آتی جھونپڑے کے بالکل پاس آئیں۔ رافع مڑ کر تپائی کی طرف چلا گیا اور اسی وقت موسی پردہ ہٹا کر اندر داخل ہوئی۔ رافع منہ پہ انگلی رکھ کر اُسے خاموش رہنے کی تنبیہ کرتے باہر نکل گیا۔

ہاتھ کا مکا سا بنا کر ہوا میں لہراتے وہ ہنس کر گھاٹ کی طرف بڑھ گیا۔ ویملا اگر یہاں آرام کر رہی تھی تو وہ لانچ میں کچھ گھنٹے سو کر آ سکتا تھا۔ ہاں پر وہ ہاتھ کی کھجلی۔ وہ زیرلب مسکرا دیا۔ اب ایسا بھی نہیں تھا کہ رافع کے حواس پر وہ کالی گھٹاؤں سی زُلفیں چھا چکی تھیں بلکہ یہ تو ایک بچپن کی انتہائی فضول و بے کار عادت کا مسئلہ تھا کہ وہ نہ چاہتے بھی بالشت پھیلانے پر مجبور ہو جاتا کہ وہ راہ چلتے چیزوں کی گنتی کیا کرتا تھا۔ کبھی راستہ چلتے اپنے قدم ناپنا تو کبھی ناؤ چلاتے کنارے نظر آتے درخت گننا۔ کبھی اڑتے پرندوں کا غول تو کبھی چراگاہ میں گھومتے ہرن و بندر۔

شام پانچ بجے تک وہ بے خبر سوتا رہا تھا بلکہ اتنے دنوں میں آج پہلی مرتبہ صحیح معنوں میں اُسے لگا کہ اس کی پوری تھکاوٹ اُتر گئی ہے۔ لڑکی کی آس پاس موجودگی اُسے ٹھیک سے نیند بھی نہیں لینے دیتی تھی۔

☆☆☆

سورج الوداعی رنگوں سے دھرتی کو نہلائے ہوئے تھا۔ پیلی نارنجی سی روشنی نے آسمان کی نیلاہٹوں میں رنگینی گھول دی تھی۔ ایک اونچا اکلوتا ناریل کا درخت ڈھلتے سورج اور جھونپڑے کے بیچ سیاہی مائل عکس لیے تن کر کھڑا غروب آفتاب کی پینٹنگ کو مکمل کرتا سا دکھائی دے رہا تھا۔ سورج اس سے دریائے سیلا اور اُس سے پیچھے نظر آتی گھنے درختوں کی لکیر نما اوٹ میں روشن تھال سا چھپنے کو تیار کھڑا تھا۔

ویملا کو حیرت ہوئی کہ وہ اتنی دیر سوتی رہی تھی۔ منہ پہ پانی کے چھینٹے مار کر اُس نے کنگھی سے اپنے بال سلجھائے۔ جھونپڑے کے اندر تو کوئی نہیں تھا۔ باہر سے باتوں کی آوازیں البتہ آ رہی تھیں۔ دوپہر کو نہا کر ویملا نے سبز اور سیاہ رنگ کی صاف نئی شلوار قمیص پہنی تھی۔ ساڑھی ان کے ہاں عموماً شادی شدہ عورتیں پہنا کرتیں، وہ چونکہ چند ماہ پہلے تک بھی

www.urdusoftbooks.com
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

اسٹوڈنٹ ہی تھی وہ اور انترا شلوار قمیص اور کرتے جینز وغیرہ میں سہولت محسوس کرتیں۔ سبز شیفون دوپٹے کو اس نے پیچھے گلے میں مفلر سا ڈال کر دونوں پلو آگے کو نکال لیے۔ ایک نظر کھڑکی سے جھانک کر دیکھا، یہاں سے تو بانس واڑیوں کا جنگل اور وہ چٹائی جیسا باتھ روم ہی دکھائی دیتا تھا۔ وہ منہ بناتے دروازے میں آئی۔ جھونپڑے سے ذرا دور کھیتوں میں کچھ آدمی بیٹھے دکھائی دیے۔ ٹولی کی صورت گھیرا سا بنائے' لگتا ابھی کام ختم کر کے لوٹے ہیں۔ ویملا کی اضطراری نظر نے اُن سب سروں میں کسی کو ڈھونڈ لینا چاہا۔ وہ اونچا لمبا جو پوری شان سے ماحول سمیت سب پہ حاوی نظر آتا تھا۔

بھگوان جانے کہاں گیا تھا۔ ویملا بے چین سی دروازے سے نکل کر آگے تک آئی۔ بائیں ہاتھ پہ کھلے آسمان تلے موسیٰ جی آگ جلا کر کچھ کھانا پکانے میں مصروف تھیں۔ وہ جھجک کر ارد گرد پہ نگاہ دوڑاتی اُن آدمیوں کے نزدیک آئی، وہ جو، اب بات چیت ترک کر کے اُسے یوں دیکھ رہے تھے جیسے ٹی وی آن ہونے پر سب کی نگاہیں ایک ساتھ اسکرین پر متوجہ ہوجاتی ہیں

''وہ کہاں ہے؟'' ویملا کے حلق سے عجیب بے ڈھب گھٹی گھٹی سی آواز برآمد ہوئی۔ اُس نے گلا کھنکار کر درست کرتے سب کو سوالیہ نظر سے دیکھا۔

''اُدر گھاٹ پر'' بمشکل ایک آدمی نے اس کی ہندی سمجھ کر جواب بھی ہندی میں دیا تو ویملا فوراً ہی وہاں سے ہٹ گئی۔ گھاٹ ذرا دور سہی پر سامنے ہی دکھائی دے رہا تھا۔ وہ پودوں جھاڑیوں سے الجھتی درختوں کے بیچ سے ہوتی دریا کی طرف بڑھ رہی تھی جب بائیں ہاتھ پہ درختوں کے جھنڈ سے ادھر ایک صاف کشادہ جھونپڑا اور بانس کی حد بندی دکھائی دی۔ پام کے درختوں کے ساتھ بانس کی نفیس حد بندی اور وہیں قریب ہی خشکی پر ایک ناؤ کھڑی تھی۔ وہ اُس خوب صورت گھر کو تعریفی نظر سے دیکھتی آگے بڑھ گئی۔ گھاٹ اب بالکل نزدیک آچکا تھا۔

دریا کنارے دُور تک کا سارا منظر صاف اور خوب واضح تھا۔ ویملا کو اپنی لانچ کی تلاش تھی۔ وہاں کچھ فاصلے پر چند دوسری کشتیاں تو دکھائی دے رہی تھیں، لیکن اُن کی لانچ کہیں نہیں تھی۔ اضطرابی کیفیت میں انگلیاں چٹخاتے وہ من ہی من اب بہت گھبراہٹ محسوس کرنے لگی تھی۔ وہ لڑکا کہیں نہیں تھا۔ اور اگر لانچ بھی نہیں تھی تو...... وہ دور کھڑے تین چار مچھیروں کی طرف جانے کے بجائے واپس پلٹی۔ اُسے اب فوراً اُس عورت کے پاس جانا تھا۔ مردوں کو دیکھتے اب ویملا کو گھبراہٹ سی ہونے لگتی۔ تیز قدموں سے واپسی کی راہ پر چلتے اس کی آنکھوں میں بے بسی کی نمی تیرنے لگی تھی۔ جانے وہ کہاں چلا گیا تھا۔ دل جیسے میلے میں کھو جانے والے معصوم بچے سا سہا ڈرا ہوا محسوس ہونے لگا۔ وہ جن نئے انجان راستوں کا سفر کر رہی تھی، بیتے چار دِنوں نے واضح کر دیا تھا کہ وہی ہے جس پر وہ آنکھیں بند کر کے یقین کر سکتی ہے۔ وہی ہے جو کبھی کسی قیمت پر اس کے ساتھ برا ہونے نہیں دے سکتا۔ وہ پاس ہے تو سب ٹھیک اور او جھل۔ ویملا کا دل ڈوب کر اُبھرا۔ نہیں نہیں۔ وہ او جھل نہیں ہونا چاہیے۔ ٹانگوں پہ لرزا سا طاری ہوا اِس خیال سے کہ فی الحال تو وہ او جھل ہی ہے وہ بھی بمع لانچ کے۔ گھبرائی سٹپٹائی وہ اُس خوب صورت جھونپڑے کے سامنے سے دوبارہ گزری تو اندر سے ایک کم عمر جوان لڑکی باہر آئی۔ مناسب قد کاٹھ والی، رنگت گہری سانولی تھی۔ چہرے کے نقوش البتہ بہت نمایاں اور نفیس تھے۔ ویملا کو دیکھ کر مسکرائی تو چہرے کی دلکشی میں کچھ اور اضافہ ہوا اور ویملا......وہ جواباً مسکرا بھی نہ سکی کہ...... لڑکی کے پیچھے جھونپڑے سے وہ نمودار ہوا تھا جس کی تلاش میں دیر سے ماری ماری پھر رہی تھی۔ آنسو بھی جسے سامنے نہ پا کر چھلک پڑنے کو تیار ہو گئے تھے اور وہ...... وہ اُس پیاری لڑکی کے ساتھ یہاں۔ ویملا یک لخت خود کو سنبھال کر ڈبڈبائی آنکھوں کے ساتھ غصے سے نتھنے پھلائے آگے بڑھ گئی نہ خود کچھ کہا

www.urdusoftbooks.com
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

نہ اُسے بولنے کی مہلت دی۔
"تم اندر جاؤ۔ میں دوبارہ آؤں گا۔" وہ لڑکی کو مخاطب کرتے ویملا کی طرف بڑھا۔ وہ تیزی سے عجلت بھرے قدم اُٹھاتی واپسی کی راہ پر جارہی تھی۔
"ارے رُکو بھی۔" رافع بھاگ کر ہم قدم ہوا۔
"طوفان آرہا ہے پیچھے؟" ویملا نے بغیر مڑے چلنا جاری رکھا۔ ہاتھ بے ساختہ بہتی آنکھوں کو صاف کرنے کو بڑھا۔
"اچھا؟ رو بھی رہی ہو؟" رافع کو اچنبھا ہوا۔ ویملا نے سخت شکوے بھری نظر سے دیکھا جیسے کہتی ہو، واہ اتنی معصومیت۔ اسے لڑکی کے ساتھ دیکھ کر جانے اس کو ڈھونڈ لینے کی خوشی کیوں یک لخت ہوا ہوئی تھی۔
"تم وہاں میرے پیچھے آئی تھیں؟"
"نہیں۔" ویملا تنک کر رُکی۔ "مچھلیاں پکڑنے آئی تھی۔"
"اُف....." رافع نے اتنی اونچی آواز پر بے ساختہ انگلی کان میں ڈالی۔ "تو کچی ہی کھالیں؟" وہ اس کے خالی ہاتھوں کو دیکھ کر ہنسا۔
"آئندہ تم کہیں بھی بنا مجھے بتائے نہیں جاؤ گے۔" وہ انگلی اٹھا کر تنبیہ کرتے پھر سے چلنے لگی۔ انداز میں اب بھی وہی تنتنا دکھائی دیتا تھا۔ پتا نہیں کیوں پر وہ لڑکی کے جھونپڑے سے اس کے نکلنے کا منظر دماغ سے ہٹا نہیں پارہی تھی۔
"انجان لوگ، اجنبی زبان۔۔ پاگلوں کی طرح ہر طرف تمہیں ڈھونڈ رہی تھی اور ایک تم ہو۔ گل چھرے اُڑائے جارہے ہیں۔" وہ اس مرتبہ زبان پھسلنے پر قابو نہ رکھ سکی۔
"اے۔" رافع نے ایک دم دھاڑ کر پکارا تو وہ سہم کر جھٹکے سے رُکی۔
"بدتمیز بد لحاظ لڑکی! سوچ سمجھ کر بات کرو۔" وہ تو یکدم سخت خفا نظر آنے لگا تھا۔ ویملا لمحے کو بری طرح رعب میں آئی لیکن پھر خود کو سنبھال کر آگے بڑھی۔ "ہونہہ......!"

"ایسا نظر آتا ہوں؟" وہ ماتھے پر بل دیے ابھی تک اسی ایک لفظ کو گرفت میں لیے ہوئے تھا۔
"ہاں......" ویملا مضحکہ اڑاتے کمر پہ ہاتھ رکھ کر مڑی۔ "نظر آنے پہ نر بھے (انحصار) کرتا تو لوگوں کو آئینے جیسا نہ پرکھ لیتے، جو دکھتا ہے وہ ہوتا کہاں ہے۔"
"ہاں! جیسے دیکھنے میں تو تم بھی بڑی سوشیل (نرم مزاج) ہو۔" وہ بھی باز نہیں آیا۔ ویملا نے خود کو مزید کچھ بھی کہنے سے روک لیا۔ معمہ پھر بھی حل نہ ہوا کہ وہ کون تھی اور "یہ" وہاں کیا کر رہا تھا۔
"یہ شمپا ہے۔ موشی جی کی ناتی (پوتی)، اس کی ماں کو ملیریا بخار آیا ہے۔ مجھے موشی نے بتایا تو دوائی لے آیا تھا۔ میرے میڈیکل باکس میں ایسی دوائیں رہتی ہیں۔ ملیریا یہاں بہت عام ہے۔"
"میں نے پوچھا کچھ؟" "تسلی" ہونے پر ویملا پھر اکڑ گئی۔
"ہاں لیکن تم نے مجھ پہ آروپ (الزام) لگایا تھا۔" وہ بھی سخت ہوا۔
"مجھے بھوک لگی ہے، بہت سخت۔" وہ دونوں اب جھونپڑے کے قریب آچکے تھے۔ کھیتوں میں بیٹھے ہوؤں کی محفل برخاست ہو چکی تھی۔ اب وہاں کوئی نہیں تھا۔
"مچھلیاں ہضم ہو گئیں اتنی جلدی۔" وہ پھر تنگ کرنے لگا۔
"ہم نہیں کھاتے مچھی وچھی۔" ویملا نے سخت برا منہ بناتے ہاتھ نفی میں ہلایا۔
"اوہو۔" رافع کچھ سیریس ہوا۔ "موشی نے تو مچھی ہی بنائی ہے کھانے میں۔"
"میں نہیں کھانے والی۔ بھوکی سو جاؤں گی۔" وہ خالی پیٹ سونے کے تصور سے ہی روہانسی ہو گئی۔
"اچھا اندر جاؤ۔ میں آتا ہوں۔" وہ فی الفور وہیں سے پلٹ گیا تھا اور یونہی نہیں پلٹا تھا۔ کھانا سامنے آیا تو ویملا کے لبوں پر بے ساختہ ہنسی آ گئی۔ موشی نے مچھی کے ساتھ چاول اُبالے تھے۔ پر کھانے

www.urdusoftbooks.com
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

کی ٹرے میں ابلے چاولوں کے ساتھ لانچ والا اچار کا ڈبا رکھا تھا۔ تو وہ بے چارا اتنی دُور اس کے لیے اچار لینے گیا تھا، لانچ۔ ویملا رُکی۔ ''لانچ کہاں تھی۔ مجھے تو نہیں دکھی۔ خیر......'' وہ سر جھٹک کر پوری دلجمعی سے کھانے میں مشغول ہوگئی۔

سونے کے لیے ویملا کو کونے میں رکھی کھاٹ، ایک چادر اور سرہانہ دیے گئے۔ کچھ فاصلے پر وہ عورت نیچے پڑ کر سوگئی تھی اور وہ لڑکا۔ ویملا نے اپنی متلاشی نگاہیں دروازے کے پار لگائیں تبھی وہ خود ہی اندر آکر ایک کھاٹ اُٹھا لے گیا۔ ویملا نے کھڑکی سے جھانکا تو وہ جھونپڑے کے باہر کھلے آسمان تلے کھاٹ بچھا کر لیٹ رہا تھا۔

''یہاں کے باگھ تو راتوں میں اکثر ہی بستیوں پر حملہ کر دیا کرتے تھے۔ یہاں بھلا کون باہر سوتا ہوگا۔ وہ شاید اس کی وجہ سے۔ ویملا بے چینی سے باہر آکر ایک مرتبہ پھر اس کے سر پر سوار تھی۔

''تم چاہو تو اندر آکر سو سکتے ہو۔ نیند میں ٹائیگر آپہنچا تو بھاگنے کا کیا۔ جاگنے کا سے بھی نہیں دے گا۔''

''میں نمٹ لوں گا۔ تم جاؤ۔''

''دیکھو۔ تم دو راتوں سے آشانت ہو، پل بھر بھی نہیں لگے گا اور گہری نیند تمہیں آلے گی۔ شیر کیا پہلے تمہارا کندھا ہلائے گا کہ اُٹھو اور اپنے وہ۔ بان کمان سنبھالو۔'' ویملا اتنی مضطرب تھی کہ اپنی گھبراہٹ چھپا نہیں پا رہی تھی۔ اس مرتبہ رافع نے ایک گہری نظر بہت تعجب سے اس کی طرف اُٹھائی تھی۔ نگاہوں کا یہ خاموش تبادلہ نہ چاہتے ہوئے بھی کچھ طویل ہوگیا تھا۔ ویملا بھی نظر ہٹا نہیں پائی تھی۔ رافع نے ہی دوسری جانب دیکھا تو وہ ہڑبڑا کر مُڑ گئی۔

''مرضی ہے تمہاری۔ مرو یہیں۔ مجھے تو اپنے گھر پہنچنے سے مطلب تھا۔ تم مر گئے تو اچھا ہے زیادہ آسانی سے گھر پہنچ جاؤں گی۔ جنگلوں میں بھٹکنا تو نہیں پڑے گا۔'' وہ جانے کون سی خفت مٹاتے اونچی آواز میں بڑبڑا رہی تھی۔ رافع نے ہنس کر نفی میں سر ہلایا۔

''اس کے شوہر کو بھی سارے گلے اس کی زبان درازی سے ہوں گے اور جانے کیسا ہوگا وہ بھی۔'' لمحے بھر کو رافع نے رُک کر نجانے کیوں ایسا سوچا پھر سر جھٹک کر لیٹ گیا۔

رات کا جانے کون سا پہر تھا۔ ویملا کے نتھنوں میں ایک ناگوار سی بو گھسی اس لمحے نہ تو وہ مکمل نیند میں تھی نہ ہوش میں۔ پر کوئی انجانا وجود اس کے قریب تھا اور اسی غیر معمولی احساس نے ویملا کو پوری آنکھیں کھولنے پر مجبور کیا تھا۔ اندھیرے میں ڈوبے جھونپڑے میں کہیں سے بہت ہلکی روشنی آرہی تھی۔ اندھیرے میں بجھائی دینے لگا تھا اور وہ کوئی مرد تھا جو اس کے اوپر جھکا ہوا تھا۔

''کک...... کون؟'' گھٹی گھٹی سی آواز نکالتے اس نے آدمی کے سینے پر دھکا دیا۔ پہلا خیال اس لڑکے کی طرف گیا۔ جواباً اس آدمی نے گھبرا کر اپنا ہاتھ ویملا کے منہ پہ رکھ دیا۔ وہ اسے بولنے سے باز رکھنے کے لیے اس کا منہ دبائے جا رہا تھا۔ ویملا اب مکمل ہوش میں آچکی تھی۔ وہ انتہائی کالا اور فربہ مرد اس کے لیے قطعی طور پر اجنبی تھا۔ ویملا نے اِس بار مقابل کو پوری طاقت سے دھکا دے کر دُور کرتے بھاگ کر دروازے کا رخ کیا حالانکہ وہ عورت ابھی تک وہیں پڑی سو رہی تھی۔ پر بجائے شور مچا کر اسے جگانے کے وہ سیدھی رافع کے پاس آئی تھی۔ وہ الٹا لیٹا بالکل بے سدھ سو رہا تھا۔ ویملا نے بے دھیانی میں اس کا زخمی کندھا جھنجھوڑ ڈالا۔

''آہ'' تکلیف دہ کراہ کے ساتھ رافع بوکھلا کر اُٹھ بیٹھا۔

''ک...... اندر کوئی آدمی ہے۔'' وہ پھٹی آنکھوں کے ساتھ ہنوز دروازے کی طرف دیکھ رہی تھی۔

''آدمی......'' رافع ایک جھٹکے سے اُچھل کر کھاٹ سے اُترا اور اندر گھس گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

دونوں باہر نکلے۔اس مرتبہ عورت بھی ساتھ تھی۔تینوں کے درمیان بنگلہ زبان میں کوئی تکرار شروع تھی۔رافع نے بات کاٹ کر ویملا کو دیکھا

''اس نے کچھ کہا تمہیں؟'' وہ اب سخت غضب ناک ہورہا تھا۔

''یہ میرے اوپر جھکا ہوا تھا اور......'' جھجک مانع آئی اور وہ مزید بول نہیں پائی۔ رافع نے ایک تند کٹیلی نگاہ اس لڑکے پر ڈال کر عورت سے کوئی بات کی۔وہ ہاتھ جوڑتے رافع کی منت کرنے لگی۔رافع نے آگے بڑھ کر اس عورت کو اپنے ساتھ لگایا۔نرمی سے اس کی آنکھیں پونچھیں اور ویملا کو چلنے کا اشارہ کیا۔اس کا ہینڈ بیگ اور تھیلا وہ پہلے ہی اپنے ہاتھ میں لیے ہوئے تھا۔وہ لڑکا بھی اب بھاگ بھاگ کر رافع کو روکنے کی کوشش کررہا تھا لیکن وہ کچھ سننے کو تیار نہیں تھا۔رافع کے انداز میں ایک محسوس کیے جانے والا رُعب اور درشتی تھی۔جس کالے بھدے آدمی کو ویملا ایک خوفناک دشمن تصور کررہی تھی۔وہ رافع کے آگے پیچھے پھرتے اس کی منت سماجت حتیٰ کہ پیر تک پڑنے کو تیار لگ رہا تھا۔پر رافع اس لمحے کچھ زیادہ ہی غضب ناک ہورہا تھا۔ہاتھ جھٹک کر ویملا کو لیے کھیتوں کی پگڈنڈی پہ قدم رکھ دیے۔پانچ سات منٹ میں ہی وہ دونوں پھر ایک مرتبہ دریا کے کنارے موجود تھے۔عورت اور وہ آدمی وہیں گاؤں میں رہ گئے۔

''لانچ تو ہے نہیں؟'' ویملا نے سخت آف موڈ کے ساتھ دُور دُور تک خالی پڑے ساحل کو دیکھا۔جگہ بلاشک وشبہ وہی تھی جہاں سے وہ یاٹ سے اُترے تھے۔

''لانچ پیچھے ایک ندی کے لمبی گھاس والے علاقے میں چھپائی ہے۔'' رافع نے گھاس پر گرتے اطمینان سے مطلع کیا۔

''چھپائی ہے؟'' ویملا نے بھنویں سکیڑیں۔ ''کس سے چھپائی ہے؟''

''ظاہر ہے چوروں، ڈاکوؤں سے۔'' رافع بتا نہیں سکا کہ پولیس بوٹ اُن کے پیچھے لگی ہیں۔

''تو......اب کیا ہوگا؟'' وہ بھی وہیں بیٹھ گئی۔ جانے کیسے کیسے حشرات اور کیڑے مکوڑوں کے سرسرانے کی آوازیں آرہی تھیں۔وہ ڈرتے ڈرتے اپنے چاروں جانب دیکھ رہی تھی۔کانوں میں مچھر بھی گھسنے لگے تھے

''روشنی کا انتظار۔'' رافع نے اوپر تک چڑھائی آستینیں کھول کر بازو ڈھانپتے بٹن بند کیے۔''اپنا دوپٹہ اچھی طرح اپنے گرد لپیٹ لو۔ یہاں کا مچھر بھی کافی خطرناک ہے۔''

''اُف......'' ویملا نے جلدی سے دوپٹہ کھولا۔''اتنی لمبی رات ایسے کیسے کٹے گی۔

''لمبی نہیں بس مشکل سے آدھا گھنٹہ یا چالیس منٹ۔''

رافع نے اپنی کلائی آگے کی۔پونے پانچ بجے تھے صبح کے۔

''ہے بھگوان! تیرا لاکھ شکر۔'' ویملا نے آنکھیں بند کر کے ہاتھ جوڑے۔

''اپنا سامان دیکھ لو، مکمل ہے؟ کچھ اُدھر رہ تو نہیں گیا۔'' رافع نے اس کی دونوں چیزیں آگے کی۔

''ہاں، سب ہے۔'' ویملا نے ایک بار جھانک کر تسلی کی۔''ویسے تمہیں اپنی ماں کو ناراض نہیں کرنا چاہیے تھا اور وہ آدمی۔بھائی تھا تمہارا؟'' ویملا کا دل تو نہیں مانا اُس بھدے کو اِس سانولے سپر ہیرو کا بھائی سمجھے، پر لگ کچھ ایسا ہی رہا تھا۔

''وہ میری ماں نہیں ہے نہ ہی وہ بھائی۔'' رافع ہاتھ کا پنکھا جھلتے مچھر بھگا رہا تھا۔ویملا کو اپنے باریک دوپٹے کی وجہ سے خوب بچت ہورہی تھی۔ اُس نے کچھ سوچ کر ہینڈ بیگ سے ایک برتھ ڈے کارڈ نکال کر رافع کی طرف بڑھایا جو پچھلے دنوں انترا نے اسے دیا تھا اور تب سے ہینڈ بیگ میں دھرا تھا۔

''تھینکس۔'' رافع نے کارڈ لے کر پنکھے کے انداز میں جھلنا شروع کردیا۔

www.urdusoftbooks.com
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

''اچھا تو بوا، موسی، چاچی، ماسی کچھ تو لگتی ہو گی۔''

''نہیں۔'' رافع بے ساختہ ہنسا تھا۔ ویملا نے گھنی مونچھوں تلے نظر آتے اس کے لبوں کو دیکھا۔ وہ ہنستے ہوئے بہت اچھا لگتا تھا پر بہت ہی کم کم ہی ہنستا تھا۔ شاید کم کم مسکرانے کی وجہ سے ہی زیادہ اچھا لگتا تھا۔ وہ بے خیالی میں اس کے بارے میں سوچتے خود کو سرزنش کرتی حال میں لوٹی۔

''کچھ بھی نہیں لگتی۔ یونہی مانو یہ سمبندھ (انسانیت کے ناتے)۔''

مانو یہ سمبندھ۔'' ویملا نے مذاق اُڑایا۔ ''تمہیں آتی ہیں ایسی باتیں سمجھ میں۔ ذرا بتاؤ تو ایسا کیا سمبندھ ہوتا ہے؟'' رافع نے ایک خفا نگاہ ڈالتے کچھ سوچا۔ وہ بہت کم اس سے بات چیت کرتا تھا۔ وہی ہر دم بک بک کیے جاتی تو جواب دینا پڑتا تھا۔ پر اس کے مضحکہ اُڑانے والے انداز پر رافع کو سچ مچ تاؤ آیا تھا۔

''اس کے بیٹے کو ٹائیگر سے بچایا تھا۔''

''اسی بیٹے کو۔'' ویملا شاکڈ ہوئی۔ اُن دونوں کے انداز ایسا ہی کچھ تو سمجھا رہے تھے۔ رافع نے سر اثبات میں ہلایا۔

''وہ لڑکا پاؤں سے لنگڑا ہے۔ شاید تم نے غور نہیں کیا۔''

''تو کیا ٹائیگر نے......؟'' ویملا کی آنکھیں پھیلیں۔

''یہ جان بچا کر درخت پہ چڑھ رہا تھا لیکن باگھ نے اس کا پاؤں منہ میں دبا کر کھینچ لیا۔ اگلے حملے میں وہ اسے چیر پھاڑ کر رکھ دیتا کہ میں نے ٹائیگر کو زخمی کر دیا۔''

''اُسی تمہارے بان کمان سے؟'' ویملا اب سب بھول بھال بڑے اشتیاق سے اُسے سُن رہی تھی

''نہیں۔'' رافع نے ایک آہ بھری۔ ''وہ پہلا اور آخری باگ تھا جو میری بندوق کا نشانہ بنتے ہی ہلاک ہو گیا۔''

''تمہیں یہ موذی جانور بڑا اچھا لگتا ہے۔''

''ہر ذی روح۔'' اس نے جملہ مکمل کیا۔ ''ہم کون ہوتے ہیں کسی کی سانسیں کھینچنے والے۔''

''لیکن ایسے تو تمہاری اپنی جان کو خطرہ ہے۔ پھر جان بچانے کے لیے تو ایسے حیوانوں کو ہلاک کرنا ہی پڑتا ہے۔''

''یہاں سب یہی تو کرتے تھے۔'' وہ اب روانی اور سہولت سے بات جاری رکھے ہوئے تھا۔ اُس لڑکی کے ساتھ، جس کی بگڑی تربیت اور اُلٹے سیدھے فیصلوں سے وہ سخت نالاں اور بے زار تھا۔ ''اپنی جان بچانے کے لیے وہ اس نایاب خوب صورت جانور کو داؤ پر لگائے جا رہے تھے۔ میرا باپ بھی ایسا ایک شکاری تھا۔ گاؤں میں جب بھی کسی درندے کی موجودگی کی اطلاع ملتی، میرا بابا ہی اپنا ساز و سامان سنبھال کر اس سے نمٹنے نکلتا تھا۔''

''یہ تیر کمان بھی ان ہی کا ہو گا۔'' ویملا کے دھیان سے وہ چند چیزیں کبھی نہیں نکلی تھیں جو اسے بے حد پسند بھی تھیں۔

''ہاں۔'' لیکن وہ جوانی میں ہی اپاہج ہو گیا تھا۔

''اوہ۔ کیا وہ بھی؟'' ویملا نے لبوں پہ ہاتھ رکھا۔

''ہاں۔ اُس نے اپنی زندگی میں سات ٹائیگرز کو موت کے گھاٹ اُتارا تھا۔ گاؤں والے اسے بڑا ابھی یاتری (بہادر) مانتے تھے۔ اس کے کارنامے گرو (فخر) سے سناتے تھے۔ پر میں ہمیشہ ہی بہت شرمندہ ہوتا۔ جب بھی بابا کسی حیوان کو مارتے میرا دل جیسے کوئی مٹھی میں جکڑ لیتا۔ میں دنوں اپنے آپ سے بھی چھپتا رہتا۔ گاؤں کے بچے مرے ہوئے ٹائیگر کا سرہانوں میں لیے خوشی مناتے اور میں چھپ چھپ کر روتا۔ بس اسی لیے جب میرا بابا اسی ٹائیگر کے ایک حملے میں اپنی ٹانگ گنوا بیٹھا تو میں نے اس کی جگہ سنبھالنے کا نرنئے (فیصلہ) لیا۔ ماں بابا دونوں ہی میرے نرنئے سے ناخوش تھے۔''

www.urdusoftbooks.com
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

"تو یہ تمہارا "کام" ہے۔" ویملا اور زیادہ حیرت زدہ ہوئی۔ وہ تو اسے یونہی کوئی شوقیہ نشانے باز سمجھ رہی تھی۔ "تم نے کتنے ٹائیگرز کا سامنا کیا؟"

"چودہ برس کی عمر سے۔" اُس نے کہنا شروع کیا۔ "گنتی رکھنا مشکل ہے۔ شاید بے شمار بار۔"

"تو اسی لیے تم اتنے کانفیڈنس سے کود پڑے تھے۔ تیر کیان سنبھال کر۔" وہ آج جتنی حیران ہوتی کم تھا۔ "تمہیں ڈر نہیں لگتا۔ کبھی اگر کوئی بڑا کشٹ۔"

"اِسی لیے تو چھوڑ دیا۔ میری ماں بہت ڈرتی ہے۔"

"تو اِسی لیے اب تم آشرم کے کام کرتے ہو۔" ویملا نے اپنی طرف سے اندازہ لگایا۔ رافع نے تعجب سے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

"آشرم کے کام؟" ابوصالح جیسے جھوٹے دو نمبر آدمی کی کم از کم ایک بات سے تو وہ ضرور اتفاق کر رہا تھا کہ لڑکی تھوڑی کھسکی ہوئی ہے۔

"ہمیں اب نکلنا چاہیے۔ روشنی بھی ہونے لگی ہے۔" رافع ایکدم اُٹھ کھڑا ہوا۔

"اور ہماری لانچ؟"

"میں لے آتا ہوں تم یہیں رُکو۔" رافع نے مُڑ کر اسے ہاتھ کے اشارے سے روکا۔ دریا سے ایک چھوٹی ندی دائیں مڑ رہی تھی۔ آس پاس کی جگہ گیلی کیچڑ جیسی اور خوب ہی لمبی گھاس اور جنگلی جھاڑیوں سے بھری تھی۔ رافع احتیاط سے جھاڑیوں کو ہٹاتا آگے نکل گیا تھا۔ وہ پریشان نگاہوں سے نیچے گھاس کو دیکھ رہی تھی۔ یہاں تو سانپ بچھو نکل آنا بھی معمول کی بات تھی۔ لحظہ لحظہ بڑھتی روشنی البتہ کافی حوصلہ افزا تھی۔

"آج ہم دیدی کے پاس پہنچ جائیں گے ناں؟" رافع لانچ نکال لایا تھا۔ وہ سامان اُٹھا کر فوراً اوپر پہنچی۔

"او......" رافع نے جھنجلا کر خیالوں میں اپنے بال نوچے۔ "کون دیدی؟"

"ورشا دیدی! تمہارے آشرم والی۔" ویملا نے آنکھیں پٹپٹائیں اور رافع کو یقین ہو گیا کہ تھوڑی نہیں وہ بہت زیادہ کھسکی ہوئی ہے۔

"فی الحال ہم یہاں سے نکل رہے ہیں۔ آگے کا پروگرام بعد میں سوچیں گے۔" وہ کسی قدر نرم ہوا کہ اگر وہ واقعی کھسکی ہوئی ہے تو ہمدردی کے لائق ہے۔

"میں تو سمجھ رہی تھی یہ تمہارا گاؤں ہے۔ لیکن اگر یہ تمہارا گاؤں نہیں ہے تو تم انہیں کیسے جانتے ہو۔" وہ لانچ پر اس کے پیچھے آ کھڑی ہوئی تھی اور منہ بند رکھنے پہ ہرگز آمادہ نہ تھی۔ رافع کے ضبط سے نتھنے پھولے۔

"میں ایک گائیڈ ہوں۔۔۔ اِس لیے۔"

"گائیڈ؟" تعجب سے دہراتے وہ وہیں رُکی

"ارے تم کیا کیا ہو۔۔۔ ایک ہی بار بتاؤ ناں۔" وہ بری طرح جھلا گئی۔ "ابھی تم نے کہا تم ہنٹر ہو اور......"

"میں نے نہیں کہا کہ میں ہنٹر ہوں۔" رافع نے انگلی اٹھا کر سختی سے تردید کی۔ "اِن فیکٹ میں ہنٹر کہلایا جانا پسند نہیں کرتا۔"

"ہیں، وہ کیوں؟" ویملا کے کچھ پلے نہیں پڑا۔

"جنہیں میں بچانے کا مُدرن (کوشش) کر رہا ہوں ان کا شکاری کیسے کہلا سکتا ہوں۔" وہ اپنی پُر رعونت ناک کو اونچا رکھتے لانچ کا ہینڈل سنبھال چکا تھا۔ ویملا نے ٹھٹک کر حیرت بھری نگاہ اس کی جانب اٹھائی

جانے کیا چیز تھا وہ۔

☆☆☆

"کہاں ہو رافع محمد؟"

"صاب! گاؤں میں۔" رافع کو ہمت نہیں ہوئی کہ اپنے گاؤں چھوڑ آنے کی بات فوری طور پر ابوصالح کو بتاتا۔ اسے لانچ کا سفر شروع کیے پندرہ بیس منٹ ہی ہوئے تھے۔ ذہن میں ایک اور قریبی بستی تھی، جہاں وہ ویملا کو لیے چھپ سکتا تھا۔ فی الحال پولیس کی نظروں سے بچنے کے لیے وہ ابوصالح

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

کا ہر حکم ماننے پہ مجبور تھا ورنہ لڑکی کو ساتھ ساتھ لیے پھرنے کی ڈیوٹی سے اب وہ سخت اوب چکا تھا۔ اپنے اس فیصلے پر بھی اسے حد درجہ افسوس تھا کہ اس نے ابوصالح سے کیوں ہامی بھری تھی۔ ابوصالح کی کال آتے دیکھ کر پائلٹ اس نے کنارے پہ روک دی تاکہ آواز سے اسے شبہ نہ ہو۔

''کیا تم اپنے گاؤں جاسکتے ہو؟'' ابوصالح نے نیا شوشا چھوڑا۔

''میرے گاؤں...... کیا لڑکی کو ساتھ لے کر؟'' وہ کچھ سمجھا نہیں۔

''ہاں ظاہر ہے۔''

''پر صاب! میری ماں نہیں ہے وہاں۔'' نئے حکم نے اسے بری طرح اپ سیٹ کر دیا تھا۔

''تو کیا ہوا رافع! ابھی بھی تم لڑکی کے ساتھ اکیلے ہو۔''

''صاب، وہاں تو گاؤں والے ہوں گے، وہ پوچھیں تو کیا جواب دوں گا۔'' رافع کا ایک دم ہی میٹر گھوما تھا۔ سیکنڈز کے اندر اس نے فیصلہ کیا کہ سرے سے اب وہ کسی قسم کی مصالحت پر تیار ہی نہیں ہوگا۔ ابوصالح سے صاف صاف بات کرنے کا شاید یہی سب سے مناسب موقع تھا۔ اُس کا انتخاب محض تن کونا آئی لینڈ کے راستوں سے واقف ہونے کی بنا پر کیا گیا تھا۔ لڑکی کے حوالے سے اب یہ نت نئے تنازعے اس کے مزاج اور طبیعت کے سخت خلاف جا رہے تھے۔

''صاب میں اسے ایک دوسری بستی لے جاسکتا ہوں لیکن زیادہ دیر اس طرح لٹکا کر نہیں رکھ سکتا۔ اگر پولیس پیچھے آپہنچی تو۔''

''پولیس سے بچنے کا آسان طریقہ تو یہ ہے کہ سب سے پہلے تم لانچ سے پیچھا چھڑوا کے کسی عام کشتی کا سہارا لو اور لڑکی کا حلیہ بھی عام دیہاتی عورتوں جیسا ہونا چاہیے۔''

''صاب وہ میرا کہنا نہیں مانے گی اور وہ تو مجھے کوئی اور سمجھ رہی ہے شاید۔ عجیب بے تکے سوال کرتی ہے۔ اسے لگتا ہے میں اسے کسی آشرم لے جا رہا ہوں۔''

''ہوں۔'' ابوصالح خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا تھا۔ بہت کچھ رافع کو معلوم نہیں تھا تو کافی کچھ وہ لڑکی بھی نہیں جانتی تھی۔ دھوکا بیک وقت دونوں کے ساتھ ہو رہا تھا اور دونوں چونکہ ایک دوسرے کے قریب تھے تو کبھی بھی ابوصالح کی پول کھل سکتی تھی۔ تن کونا میں قیام نہ کرنے کی وجہ سے کھیل بگڑ رہا تھا۔ لڑکی سے زیادہ اسے رافع کی فکر تھی۔ وہ پیسے کے بل پر چلنے والا کھلونا نہیں تھا۔ اس کی صاف سیدھی طبیعت ابوصالح کے لیے مسئلہ بن سکتی تھی۔ اُسے اب کچھ اور سوچنا تھا۔

''کوئی مسئلہ ہے صاب؟'' رافع کو تشویش ہوئی۔ ''میں کوئی صلاح دوں؟''

''لڑکی کی تلاش میں ایک آدمی انڈیا سے آیا ہے۔ اس کے پاس یہ اطلاع بھی ہے کہ لڑکی سندر بن میں ہے۔'' ابوصالح بتا نہیں سکتا تھا کہ یہ اطلاع بھی رافع کے نام کے وہ خود دھرمیشور کو دے چکا ہے

''کہیں وہ لڑکی کا شوہر نہ ہو۔'' رافع کے دماغ میں گھنٹی بجی۔ وہ آس پاس گھومتی ویملا سے قطعی طور پر بے نیاز آرام سے بنگالی میں بات کر رہا تھا۔ تین روز میں اتنا تو دیکھ ہی لیا تھا کہ لڑکی بنگالی سے قطعی طور پر نابلد تھی۔

''لڑکی کا شوہر۔'' ابوصالح کو جھٹکا لگا۔ ''اس کی شادی کہاں ہوئی ہے رافع!''

''ہوئی ہے صاب!'' رافع پُرجوش ہوا۔ ''اس نے وہ پہنا ہوا ہے۔ وہ جو شادی کے بعد یہ لڑکیاں مالا پہنتی ہیں۔'' وہ منگل سوتر کہہ کر ویملا کو چونکانا نہیں چاہتا تھا۔ باگھ کے وائلڈ لائف سینکچوری بھیجنے کے موقع پر اس کے خوب کان کھڑے ہوئے تھے۔

''منگل سوتر۔'' ابوصالح نے دہرایا۔

''جی صاب وہی...... اور اس نے خود بھی مانا ہے کہ باپ سے چوری وہ شادی کر چکی ہے۔''

''ہوں۔'' ابوصالح کے لیے یہ خبر شاکنگ تو

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

تھی لیکن۔
بنگلہ دیش آنے والا آدمی بہر حال لڑکی کا شوہر نہیں تھا۔ وہ دھرمیشور کا خاص آدمی ارمیندر تھا۔ لیکن یہ بات ابوصالح جانتا تھا رافع نہیں۔ ابوصالح کے دماغ میں اچانک ایک بات نے بری طرح کلک کیا، رافع اور لڑکی کو ایک دوسرے سے دُور کرنا اب ضروری ہوگیا تھا اور اس کے لیے اس سے بہتر پلان نہیں ہوسکتا تھا۔ ابوصالح نے لمحوں میں کہانی ترتیب دے کر کہنا شروع کیا۔

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو رافع! وہ آدمی ضرور لڑکی کا شوہر ہوگا۔ میرا خیال ہے اب تمہیں لڑکی سے جلد از جلد پیچھا چھڑا کر واپس آجانا چاہیے۔''

''کیسے؟'' رافع چونکا۔

''بھئی تم کہیں بھی خشکی پر اسے اُتار کر بہانے سے اِدھر اُدھر جاؤ اور بس...... واپس آجاؤ۔''

''اُسے جنگل میں اکیلا چھوڑ کر؟'' رافع کو دھچکا لگا۔ ''ایک جوان لڑکی کو...... نہیں صاب! ایسا میں نہیں کرسکتا۔ آپ پریشان نہ ہوں، میں فی الحال اسے کسی زیادہ، محفوظ مقام پہ رکھوں گا۔'' اُس نے جیسے ہار مان کر کچھ دن مزید اس پھانس کو گلے میں اٹکائے رکھنے کا فیصلہ کیا تھا۔

''تو ٹھیک ہے۔ اب اِسے اپنے گاؤں مت لے جانا۔'' ابوصالح نے سخت اُلجھن محسوس کرتے آخری مشورہ احتیاطاً بھی دیا۔ لڑکی شادی شدہ تھی، یہ بات تو اس کے دماغ میں آ بھی نہیں سکتی تھی۔ رافع محمد کے ساتھ ویملا کے بھاگنے کی بات اس نے دھرمیشور سے اس لیے کی تاکہ خود کو اس اغوا سے بری الذمہ ٹھہرا سکے۔ دھرمیشور نے اپنے تین آدمیوں کو بری کروا کے لوکل اخبار میں خبر بھی لگوادی تھی کہ وہ ابوصالح کے آدمی نہ تھے۔ اب وعدے کے مطابق لڑکی کو سرحد پار بھیجنا تھا۔ لیکن دھرمیشور نے پولیس کو بیچ میں ڈال کر اس کے لیے مسئلہ کھڑا کردیا تھا۔

رافع محمد اگر لڑکی سمیت پولیس کے ہتھے چڑھ جاتا تو ابوصالح کا نام لیے بنا نہ رہتا۔ ویملا کے ساتھ اگر یوسف جیسا اس کا کوئی اپنا بندہ ہوتا تو کچھ بھی سمجھانا آسان تھا۔

''پر یہ رافع محمد جیسے صاف کھرے لوگ۔''

ابوصالح نے تاسف سے منڈی ہلائی۔ ایسے اُصولوں پر کمپرومائز نہ کرنے والے لوگوں سے ابوصالح کو شدید چڑ تھی۔ ویملا کے معاملے میں باقی تو ہر حوالے سے رافع اس کا صحیح انتخاب ثابت ہوا تھا لیکن ایک یہی اُصول پسندی کسی اڑیل ٹٹو جیسی اس جنگلی کے دماغ میں اٹکی تھی۔ اب کچھ بھی کرکے اسے کوئی کھیل کھیلتے سب کچھ دوبارہ اپنی جگہ پہ سیٹ کرنا تھا اور اس کے لیے نقطہ آغاز رافع محمد کو منظر نامے سے ہٹانا تھا۔

رافع اور ویملا اگر ایک ساتھ پولیس یا ارمیندر کے ہتھے چڑھ گئے تو کیا کیا ہوسکتا تھا۔ ابوصالح نے کھلی آنکھوں سے تصور کرنا شروع کیا۔

''نہیں۔ سب گڑبڑ ہوجائے گا۔'' اُسے اب اِن تمام مسائل سے چھٹکارے کے لیے رافع اور ویملا کو ایک دوسرے سے الگ کرنا تھا۔ دھرمیشور نے پولیس اور ارمیندر کو بیچ میں ڈال کر معاملہ مزید خراب کردیا تھا۔ اب وہ کچھ اور سوچ رہا تھا۔

''دھرمیشور کا آدمی کہاں پہنچا؟ اس کے پیچھے کسی کو لگایا؟'' ابوصالح نے نصیر کا نمبر ملایا۔

''صاب وہ تن کونا کے راستے میں ہے۔ ایک چھوٹی لانچ ہائیر کرکے وہ پانی کا راستہ اختیار کیے ہوئے ہے۔ ساتھ دو آدمی بھی ہیں۔''

''ہوں اور ہماری پولیس؟''

''صاب پوچھ گچھ کرتے آگے بڑھ رہی ہے۔ وہ لوگ خشکی کے راستے پر ہیں۔ چوکیوں اور ناکوں پر سخت چیکنگ ہورہی ہے۔ پانی کے راستے پر پولیس بوٹ بھی ایکٹیو اور باخبر ہے۔''

''ہوں، ٹھیک ہے۔ تم بس خاموشی سے نظر رکھو۔ کسی قسم کی رکاوٹ ڈالی تو سیدھا شک ہم پر جائے گا۔ اِن سب کو آرام سے آگے بڑھنے دو۔ میں رافع کو ورد کرتا ہوں۔''

ابوصالح کی پُرشکن پیشانی کچھ اور بھینچ گئی۔

www.urdusoftbooks.com

رافع سے اگر یہ کہا جاتا کہ لڑکی کو انڈین سرحد تک پہنچا دے تو جلد ہی پولیس بوٹ ان کو آن لیتی۔

اب تو لڑکی کو رافع سے الگ کرنے کے بعد ہی اکیلا بھٹکنے کے لیے چھوڑا جا سکتا تھا اور رافع کو اس سے الگ کرنے کا طریقہ بھی سوجھ ہی گیا۔ اس نے موبائل نکال کر ایک اور نمبر ملا کر تن کونا میں موجود اپنے دو خاص آدمیوں کو کشتی پر رافع کے پیچھے پہنچنے کو کہا اور کسی حد تک سکون محسوس کرتے کرسی کی پشت پہ سر ٹکا کر پلکیں موند لیں۔

☆☆☆

صبح کی ٹھنڈی روشنی اچانک بادل اُمڈ آنے پر کچھ اور ٹھنڈی ہو گئی تھی۔ ویملا کے بھاری بوجھل من پر یہ بھرے بھرے بادل بجائے اچھا اثر ڈالنے کے کچھ اور کٹھن ثابت ہوئے تھے۔ دل جانے کیوں مسلسل گھبرائے جا رہا تھا۔ رافع نے بھی دو ایک بار تشویش سے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ سبز پھولوں والی کالی قمیص شلوار میں اس کا حسین چہرا آج معمول سے زیادہ بجھا بجھا معلوم ہوتا تھا۔ کب سے خاموش بیٹھی وہ لہروں کو تک رہی تھی۔ اس کی بے بسی پر لمحہ بھر کو رافع کا دل افسوس محسوس کرنے بھی لگتا تو اگلے ہی پل اس کی نادانیاں پھر سے رافع کو بدگمان کر کے اپنا خیال تبدیل کرنے پر مجبور کر دیتیں۔ بھلا وہ اپنی بہن شکیبہ کے متعلق ایسا سوچ سکتا تھا کہ وہ دوسرے ملک کے کسی ڈان سے خود اپنے اغوا کے لیے ڈیل کرے۔ وجہ اس سے بھی زیادہ خطرناک کہ بھاگ کر کسی کنگلے سے شادی کر لینے کے بعد اب اُسے باپ کے پیسوں سے اپنا مستقبل سیٹ کرنا تھا۔

"تف ہے ایسی لڑکیوں اور ان کی ایسی نیچ سوچ پر۔" وہ سر جھٹک کر سامنے دیکھنے لگا۔ آگے والے چھوٹے سے ایک گاؤں میں پھر ایک آبادی ایسی تھی جہاں رافع کے کئی ایسے جاننے والے تھے جن کی زندگی اس کی مدد کی بدولت آج محفوظ تھی۔ جمال دادا کے دو جڑواں پوتوں کو عین جھولے میں سے ٹائیگر چادر سمیت اُٹھا کر لے بھاگا تھا۔ اور اب کسی آرام دہ جگہ پر پہنچنے کے خیال سے وہ چادر منہ میں دبائے بستی سے نکل رہا تھا۔ رافع اتفاقاً اُسی روز ڈاکومنٹری بنانے والے کچھ سیاحوں کو لے کر وہاں پہنچا تھا۔ بچوں کے غائب ہونے کا شور اُٹھا اور رافع نے موقع پر پہنچ کر دو ننھی جانوں کو شیر کے چنگل سے بحفاظت چھڑوا لیا۔ جمال دادا تب سے رافع کے ممنون و احسان مند تھے۔ موبائل کی گھنٹی نے تصور سے جگایا۔ کال ابوصالح کی طرف سے تھی۔ محتاط راستوں کو اپناتے دھیرے دھیرے خاموشی سے سفر کو آگے بڑھاتے دوپہر نزدیک آنے پر بھی وہ لوگ کچھ ہی سفر طے کر پائے تھے۔ رافع نے دوبارہ کال آنے پر کچھ تشویش سی محسوس کرتے کال اٹینڈ کی۔

"سلام صاب۔" اس نے اپنی آواز نیچی رکھی۔

"وعلیکم السلام۔ کہاں ہو رافع؟"

"صاب گاؤں پہنچ گیا ہوں۔ سامنے ہی گھاٹ ہے۔"

"ٹھیک ہے رافع۔ تم چاہو تو آج یہیں ریسٹ کر کے کل صبح اپنے کام پر چلے جاؤ۔ لڑکی کی ذمہ داری اب دو اور آدمیوں کو سونپ دی ہے۔"

"جی......" کچھ سمجھتے کچھ نہ سمجھنے کی کیفیت میں رافع کو ایک دم کسی خالی پن کا احساس ہوا۔ ابوصالح کے نئے فرمان۔ پر ایک ناگواری کی لہر سی چھو کر کہیں نکل گئی، بس ایک لمحہ بھر۔

"تن کونا سے دو آدمیوں کو بلایا ہے۔ تم لانچ اور لڑکی اُن کے حوالے کر کے جلد از جلد منظر سے ہٹ جانا۔ وہ انڈین لڑکا جو لڑکی کا شوہر ہے۔ جلد ہی تم تک پہنچنے والا ہے۔ اُسے کسی نے مخبری کر دی ہے کہ اس کی پتنی کسی رافع محمد کے ساتھ بھاگ نکلی ہے۔ وہ لڑکا اب دو غنڈے ہائیر کر کے تم دونوں کی تلاش میں نکلا ہوا ہے۔ اگر اب سچ مچ اس نے لڑکی کو رافع محمد کے ساتھ دیکھ لیا تو اپنے شک کی تصدیق ہونے پر وہ تم دونوں کو موقع پر کہیں ہلاک کرنے کی کوشش نہ کرے۔ تم ہمارے بہت قیمتی آدمی ہو۔ میں تمہیں اور خطرے کے حوالے نہیں کر سکتا۔ باقی

www.urdusoftbooks.com
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

بندے بھروسے مند ہیں۔لڑکی کی فکر مت کرنا۔نام یاد رکھ لو۔تمیزالدین اور علی اعظم۔"

ابوصالح نے نہایت عجلت میں مکمل تفصیل بتاتے اسے کسی مشورے اور بحث کی مہلت ہی نہیں دی۔رافع کے پاس سوائے جی صاب کہنے کے اس نے کوئی جواب نہیں چھوڑا تھا۔

"یہیں رُکے رہو۔وہ لوگ بس پہنچتے ہی ہوں گے۔"

"صاب !لڑکی سے کیا کہوں؟" رافع کو اچانک خیال آیا۔

"کہہ دو تمہیں انڈیا پہنچانے کا بندوبست ہو رہا ہے۔" ابوصالح نے جان چھڑوائی۔

"صاب لڑکی گھر تو جا رہی ہے ناں؟" رافع کی تسلی جانے کیوں کسی طور نہیں ہو رہی تھی۔ابوصالح اپنے لہجے کی بیزاری پر قابو پاتے فوراً سنبھلا۔

"کیوں نہیں رافع۔میں تو بلکہ یہ چاہتا تھا کہ تم ہی اسے بارڈر پار کرواتے،لیکن کسی نے پولیس کو تمہارا نام بتا کر کام بگاڑ دیا۔اب تم بالکل بے فکر ہو کر اپنے روٹین کے کام انجام دو۔پولیس یا کسی اجنبی سے واسطہ پڑے تو لڑکی کے معاملے سے صاف مکر جانا۔مجھ سے اپنے رابطے اور کام وغیرہ کو پوشیدہ رکھنا۔یہ بہت ضروری ہے۔تمہارے کام کا معاوضہ تمہیں دو روز میں مل جائے گا۔چاہو تو اپنی ماں کے پاس چلے جاؤ۔"

ابوصالح نے زبان کی شیرینی سے رافع کو مطمئن کرنے کی پوری کوشش کی۔اب وہ مطمئن ہوا یا نہیں' پر ویملا کو دوسروں کے حوالے کرنے کا وقت آ گیا تھا۔فون بند کر کے وہ ویملا کی طرف مُڑا۔لانچ دریا کنارے رُک چکی تھی۔وہ رومال سے ہاتھ صاف کرتے اس کے قریب آیا۔

"اپنا سامان باندھ لو۔تمہیں جانا ہے۔"

"مجھے؟" وہ خالی خالی نظروں سے رافع کو تک رہی تھی۔"اور تم؟" جانے کیا تھا اُس کے لہجے میں۔رافع نظر نہیں ملا پایا۔

"تمہیں تمہارے گھر بھیج رہے ہیں۔میں ساتھ نہیں جا سکتا۔"

"کون؟" وہ تعجب سے اُٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"کون مجھے گھر بھجوا رہا ہے۔"

"ظاہر ہے ابو!" موبائل پر آنے والی ایک انجان نمبر کی کال نے رافع کو اپنی طرف متوجہ کیا۔بستی قریب ہونے کی وجہ سے موبائل کے سگنل باآسانی کیچ ہو رہے تھے۔

"رافع محمد یہ سامنے نارتھ کوسٹ پر سرخ پٹی والی لانچ تمہاری ہے۔میں تمیزالدین!"

"ہاں ہاں۔" وہ تیزی سے لانچ کے ڈیک پر پہنچا۔دُور سے ایک چھوٹی لانچ آتی دکھائی دینے لگی تھی۔

"جلدی کرو ٹائم نہیں ہے۔" رافع نے خود ہی نیچے کے کمرے سے بھاگ کر اس کا سامان سامنے رکھا۔ویملا اب بھی ساکت صامت سی کھڑی اُسے دیکھ رہی تھی۔

"کیا تم نہیں پہنچا سکتے۔مجھے میرے گھر؟"

"نہیں۔" وہ اس کی طرف دیکھنے سے گریز کرتا خشکی پر اُتر گیا۔سامنے سے آتی لانچ ذرا فاصلے پر ساحل سے آ لگی تھی۔رافع ان دو آدمیوں کی طرف بڑھ گیا۔

"میں تمیزالدین۔"

"میں علی اعظم۔" دونوں نے مسکرا کر مصافحہ کرتے رافع کی لانچ کی طرف دیکھا' جہاں سے اپنا ہینڈ بیگ اور تھیلا لیے ویملا نیچے اُتر رہی تھی۔تمیزل اور اعظم نے بے ساختہ ایک دوسرے کو دیکھا' پر رافع کی موجودگی کی وجہ سے چُپ سادھ لی تھی۔

"یہاں سے کہاں جانے کا ارادہ ہے؟" وہ جانے کیوں تسلی کر لینا چاہتا تھا۔

"آں یہاں سے......" تمیزل ذرا دیر کے لیے چپ ہو گیا۔

"یہاں سے بس کوٹکا گھاٹ۔" اعظم نے بات سنبھالی۔

www.urdusoftbooks.com

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

"کوٹکا۔" رافع بری طرح چونکا۔ "اُدھر کس لیے؟"

"صاب تو سرحد پار کا کہہ رہے تھے۔"

"ہاں۔" تمیزل نے گلا کھنکارا۔ "اب بس سیدھے سیدھے سمندر کا راستہ لینا ہے۔ یہ دونوں لانچیں وہاں چھوڑنی ہیں اور جمولا بیچ سے نئی اچھی لانچ سے بارڈر۔"

"ٹھیک ہے جاؤ۔ میں صاب کو بتادوں۔" وہ موبائل فون کان سے لگاتا خشکی پر ذرا آگے تک چلا گیا۔ ویملا کی طرف اُس نے پلٹ کر دیکھا تک نہیں تھا۔ تمیزل نے اپنی لانچ سے ایک اور آدمی کو بلا کر رافع کی لانچ اس کے حوالے کی اور اب تمیزل اور اعظم نے ویملا کو نئی لانچ کی طرف چلنے کا اشارہ کیا اور وہ اُس سرد مہری کی پشت اور رویے کی بے التفاتی کو حیران حیران نظروں سے دیکھتی آگے بڑھ گئی۔

دونوں لانچیں اسٹارٹ ہو کر ایک ساتھ روانہ ہوئیں انجن کے شور پر رافع نے فون کان سے ہٹاتے چونک کر گردن موڑی۔

نئی لانچ کے فرش پر گھٹنوں میں چہرا دیے وہ یوں بیٹھی تھی جیسے اب لٹنے کو اور کچھ نہ بچا ہو۔ موبائل رافع کے ہاتھ سے چھوٹ گرا۔ دور ہوتے ویملا نے سر اُٹھا کر ایک نظر رافع کی طرف دیکھا۔ شکوؤں میں لپٹے وہ چند چاندی سے چمکتے آنسو ہواؤں نے ساحل تک پہنچائے اور رفتہ رفتہ وہ منظر دُور ہونے لگا۔

☆☆☆

رافع کے پاس سوائے اپنے ہنٹنگ والے سامان اور ایک کپڑوں کے تھیلے کے اور کچھ نہ تھا۔ گاؤں جائے بنا چارہ نہیں تھا۔ جمال بابا کے گھر ریسٹ کر کے اگلی صبح اسے کسی عام ناؤ سے واپس نکلنا تھا۔ تھکے تھکے قدموں سے وہ اچانک جمال بابا کے گھر پہنچا تو اس کی آمد پر نہایت خوشی کا اظہار کیا گیا۔ آشیا بھابی سب سے پہلے اسے بچے ملوانے لے آئی تھی۔

"ماما کو سلام کرو۔" آشیا کے جڑواں بچے اب تین تین سال کے ہو چکے تھے۔ رافع نے قریب بلا کر انہیں پیار کیا۔

"کھانا نکالوں رافع بھیا؟"

"میں نہا کر فریش ہونا چاہتا ہوں۔ فی الحال ایک کپ چائے بنا دیں۔"

رافع کو لگ رہا تھا کچھ ہی دیر میں اس کا سر درد کی شدت سے پھٹ جائے گا۔ نہا کر اُس نے ایک ڈھیلی سی بلوٹی شرٹ اور کالی جینز پہنی تھی۔ طبیعت بہت معمولی لیکن بحال ضرور ہوئی۔ جمال بابا بھاگ دوڑ کر کے شام کے لیے کھانے کا بندوبست کر رہے تھے۔ ان کے بیٹے ربیع نے کھاٹ کمرے میں ڈال کر صاف بستر بچھا دیا تھا۔ جمال بابا سمیت یہاں آس پاس بے شمار بستیاں اور گھر ایسے تھے جہاں کے لوگ رافع سے بے حد محبت کرتے تھے کیونکہ جب سے اس بہادر نے باگھ سے نمٹنا شروع کیا تھا، ان کے گھروندے اس جان لیوا درندے سے محفوظ ہو چکے تھے۔ یوں تو یہاں اور بھی بے شمار شکاری تھے جنہوں نے ٹائیگرز سے مقابلے کر کے معصوم جانوں کو بچایا تھا۔ لیکن تیر اندازی کے ماہر رافع کی خصوصیت یہ تھی کہ وہ ٹائیگر کو بھی مرنے نہیں دیتا تھا اور یہی بات بستی والوں کو رافع کے قریب کرتی تھی کیونکہ اپنے علاقے کے اس بہت خاص جانور سے بہرحال وہ بھی بہت پیار کرتے تھے۔

آشیا نے نہلا کر بچوں کو نئے کپڑے پہنائے۔ سب ہی اس کی آمد پر خوب چہک اٹھے تھے۔ رافع کی اپنی جذباتی کیفیت البتہ مرنے جیسی تھی اس وقت۔ خود کو اتنا پژمردہ، اتنا مضمحل شاید آج سے پہلے اس نے پوری زندگی میں کبھی نہیں پایا تھا۔ چائے پی کر کچھ دیر بعد ہلکا سا کھانا کھایا۔ جمال بابا اُسے کمرے میں لے آئے تا کہ وہ کچھ گھنٹے آرام کر سکے۔

کچے مکان کی جھونپڑے جیسی چھت کو گھورتے

www.urdusoftbooks.com
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

وہ سونے کی سعی میں مسلسل ناکام تھا۔ دور جاتی ویملا، اس کی شکوہ بھری بڑی بڑی آنکھیں، آنکھ سے ٹپکتے آنسو۔ دونوں آدمیوں کا ویملا پر نظر پڑتے ہی ایک دوسرے کو معنی خیزی سے دیکھنا، سوالوں کے غیر تسلی بخش جواب۔ ابوصالح کا جان چھڑانے والا لہجہ۔ رافع کی حالت دگرگوں ہونے لگی۔ سر کو ہاتھوں سے تھامتے وہ اٹھ کر بیٹھ گیا

"جانے ویملا اس وقت کہاں ہوگی۔" لانچ میں پوری رات کا سفر اور وہ دو آدمیوں کے بیچ اکیلی۔ رافع کے ہاتھوں سے ٹھنڈا پسینہ بہہ نکلا۔ دماغ برف سا جمنے لگا

آخر اُس نے اتنی آسانی سے کیسے ہامی بھر لی تھی ویملا کو دو اجنبیوں کے ساتھ بھیج دینے کی اور اب۔۔ جانے وہ اسے لیے کہاں سے کہاں پہنچ چکے ہوں گے۔ جمال بابا کے گھر جس وقت وہ پہنچا دن کے دو بجے تھے اور اب۔۔۔ اس نے نچلا لب بے چینی سے چباتے گھڑی سامنے کی، شام کے سات بجے تھے۔ گزرے پانچ گھنٹے ویملا نے کیسے گزارے ہوں گے اور وہ دو آدمی۔۔۔ کچے جھونپڑے میں شدید گھٹن محسوس کرتے وہ بے چینی سے باہر نکل آیا۔

آسمان ابھی بھی بادلوں سے بھرا تھا۔ چاند کی روشنی سے محروم وہ تاریک رات کچھ اور اندھیری اور کالی لگنے لگی تھی۔ جھینگروں کی سرسراہٹوں سے پرے ایک نسوانی چیخ فضاؤں میں جیسے ٹھہر سی گئی تھی۔ لیکن کھاٹ پہ رسیوں سے بندھی بے بس ویملا کو بچانے والا اب بہت دُور کسی مخالف کنارے پہ کھڑا رہ گیا تھا۔ لنگڑے جابو سے کسی دہشت زدہ ہرنی کی طرح بھاگ کر اس کے پہلو میں آنے والی شاید ایک بار پھر کسی حیوان کے پنجوں کے نشانے پر تھی۔۔ اِس سے قبل دونوں مرتبہ وہ ویملا کے قریب تھا' تب بھی یہ درندے اپنے مذموم عزائم پر عمل کرنے سے باز نہیں آئے تھے اور اب۔ اب تو وہ خود اپنے ہاتھوں سے اسے مصیبت کے منہ میں دے آیا تھا۔ اپنا رویہ اُس لمحے پہلی بار انتہائی قابل ملامت لگا۔

کیا سوچ کر اُس نے اعظم اور تمیزل کو بھروسے کے قابل سمجھا تھا۔ لاشعور میں اس خدشے کے موجود ہونے کے باوجود یعنی اُس نے انتہا درجے کی خود غرضی اور کمینہ پن دکھاتے ویملا کو کسی بوجھ کی طرح اپنے سر سے ٹالا تھا۔ اپنی تھکاوٹ، بے آرامی کو دیکھتے باقی ہر خدشے کو نظر انداز کر دیا تھا اور ویملا۔

دل کسی کنویں جیسی گہرائی میں ڈوبا تو ڈوبتا ہی چلا گیا۔ تمیزل اور اعظم کے چنگل سے کسی طرح بچ بھی نکلی تو چیتے' مگرمچھ، سانپ۔۔ خوفناک ویران جنگل۔

رافع اپنے سینے میں ایک نامعلوم سی جلن محسوس کرتے دوڑتا ہوا جمال بابا کے پاس آیا۔

"بابا مجھے ایک ناؤ چاہیے اور ایک لالٹین یا ٹارچ۔" وہ سرخ چہرا لیے اب بری طرح ہانپ رہا تھا۔

"ابھی۔" وہ حیران سا اُٹھ بیٹھے۔" اس وقت کہاں جاتے ہو بیٹا۔"

"کسی کی تلاش میں بابا۔ دیر نہیں کرسکتا۔ کشتی نہ ملی تو رافع پانی میں تیر کر بھی جا سکتا ہے۔" وہ اپنا شکار والا تھیلا کندھے پر ڈال کر بے دھڑک گھر سے نکل گیا تھا۔

"ٹھہرو بیٹا! ناؤ نکالتے ہیں۔ ٹارچ بھی لے جاؤ۔" وہ ربیع کو جگا کر اب کشتی پانی کی طرف کھینچ رہے تھے۔

"اس وقت بھیا!" ربیع مندی آنکھوں سے جب تک معاملے کو سمجھنے کی کوشش کرتا رافع کشتی میں چھلانگ لگا کر اسے دریا کے بہاؤ پر دھکیل چکا تھا۔

شام سے تھوڑا پہلے عین اسی جگہ سے اس نے ویملا کی لانچ کو دور ہوتے بالآخر ایک نقطے کی صورت غائب ہوتے دیکھا تھا۔ اسے جلد از جلد اس نقطے کے مقام تک پہنچنا تھا۔۔ باقی کا لائحہ عمل

www.urdusoftbooks.com
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

وہاں پہنچ کر ہی طے کیا جاسکتا تھا۔ یہ پرانی طرز کی چھوٹی کشتیاں بھی ایک موٹر کے ذریعے کھینچی جاتی تھیں۔

اُس مقام پر پہنچ کے رافع دور تک پھیلے مینگروو فارسٹ کو دیکھنے لگا۔ دریا کے چوڑے پاٹ سے اب تین بڑی ندیاں اندر کی طرف جارہی تھیں اور دریائے سیلا بہت آگے جاکر سمندر میں شامل ہوتے کوئکا بیچ کی طرف۔۔ لیکن جانے کیوں رافع کو لگ رہا تھا کہ وہ لوگ کوئکا کی طرف نہیں گئے۔ اوراب باقی کے تین راستوں کو دیکھتے اسے کیا کرنا چاہیے تھا۔

ویملا کو ڈھونڈنے کی کوشش میں صبح تک جنگلوں میں خوار ہونا سراسر ویملا کو خطرے کے اور قریب کرنا تھا اور اسے اب ویملا کسی بھی قیمت پر صحیح سلامت اپنی آنکھوں کے سامنے چاہیے تھی۔ صبح تک تو ابوصالح اور اس کے آدمی یہ تک کہہ سکتے تھے کہ بحفاظت لڑکی کو انڈیا پہنچادیا۔ تب بھلا اتنے سے بیان پر وہ کیسے تسلی اور سکون محسوس کرتے آرام سے بیٹھ جاتا۔ ویملا کو جب تک وہ اپنی آنکھوں سے اپنے ملک کا بارڈر پار کرتے نہ دیکھ لیتا اسے چین نصیب ہونے والا نہیں تھا۔ رافع نے کشتی کی موٹر آف کرکے موبائل اپنی پاکٹ سے باہر نکالا۔ تمیزل کا نمبر اس کے ریسیوڈ نمبرز میں موجود تھا۔ اس نے کال ملائی تو کچھ سوئی سوئی نروس سی آواز سنائی دی۔

”ہیلو۔“

”کہاں پہنچے تم لوگ؟ میں رافع۔“ اس نے بنا تمہید سوال کردیا تاکہ تمیزل کو سنبھلنے کا موقع نہ ملے۔

”ہم م م......“ وہ حسب توقع غوطہ کھا گیا تھا ”ہم ادھر کوئکا میں۔“

”اور لڑکی؟“ اس نے لب بھینچے۔

”لڑکی بھی یہیں ہے۔“

”بات کرواؤ۔ ابھی۔“

”بھئی وہ سورہی ہے۔“ تمیزل کی زبان واضح لڑکھڑائی تھی

”سورہی ہے تو جگا کر بات کرواؤ تمیزل۔“ رافع دھاڑا۔ ”ابوصالح کا پیغام دینا ہے ارجنٹ۔“

”صاب کا پیغام۔“ تمیزل چونکا۔ ”جھوٹ مت بولو رافع! صاب سے ابھی ہماری بات ہوئی ہے۔ تمہیں جو بھی کہنا ہے صاب سے کہو۔ ہمیں......“

”ویملا سے بات کرواؤ تمیزل۔“ رافع کی غضب ناک آواز نے جنگل ہلا ڈالا تھا۔ بس ایک بار وہ اس کی آواز ہی سن لیتا تو اس کے خیریت سے ہونے کا اندازہ لگا سکتا تھا۔

”نہیں کروا سکتا۔ جو جی میں آئے کرلو۔“ تمیزل نے تیور دکھائے۔

”وہ تم لوگوں کے ساتھ نہیں ہے تمیزل!“ رافع نے جیسے خود کو بتایا۔ ”کہاں چھوڑا اسے۔ بولو......کہاں ہے ویملا۔“

”بھاگ گئی تھی سالی......اور دماغ مت چاٹو ہمارا ابوصالح کو انفارم کردیا ہے ہم نے۔ دوبارہ کال مت کرنا۔“ تمیزل نے روکھا لہجہ اپناتے کال آف کردی۔ رافع منہ کھولے ہکا بکا موبائل اسکرین کو دیکھ رہا تھا۔ ویملا یقیناً ان کے ساتھ نہیں تھی، اسے بس فی الحال اسی بات پر یقین آیا تھا۔ وہ بھاگ گئی تھی یا انہوں نے ویملا کے ساتھ کچھ کیا تھا۔ جاننا نہ صرف انتہائی ضروری تھا بلکہ جلد از جلد اس تک پہنچنا بھی۔ رافع نے وہیں کھڑے کھڑے ایک زوردار آواز نکالی۔

”ویملا......“ پانیوں، پودوں، پتوں اور بادلوں تک میں شگاف کرتی وہ پہلی بلند پکار تھی جو رافع نے دل کی گہرائیوں سے فضاؤں کے سپرد کی تھی لیکن افسوس کہ وہ اس صدا کے جواب میں سوائے خاموشی اور بھیانک سکوت کے کچھ حاصل نہ کرپایا تھا۔ کشتی کیچڑ بھرے کنارے سے لگا کر وہ اپنا شکار کا تھیلا اور ٹارچ سنبھالے ساحل پر اُتر آیا۔

www.urdusoftbooks.com
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

بائیں طرف جاتی پہلی ندی کا یہ بایاں کنارا تھا۔
گھنے جنگل میں تیز قدموں سے گھستے وہ ٹارچ آن کیے پاگلوں کی طرح اپنی نگاہیں دوڑا رہا تھا۔ ساتھ ساتھ ویملا کو بھی اونچی آواز میں پکارتے مسلسل آگے بڑھ رہا تھا۔ بھیانک تاریک جنگل میں ایک انسان کی آواز وہاں چھپے خونخوار درندوں کے لیے کیسی پرکشش دعوت کا باعث ہو سکتی تھی۔ رافع اس لمحے ایسے تمام خدشات سے بے نیاز اور بے بہرا لگتا تھا۔
کاش کہیں سے اس کا جواب سنائی دے جائے۔ یہی امید رافع کو آگے ہی آگے گھنے جنگل میں بھگائے لے جا رہی تھی۔ ویملا کو لگاتار آوازیں دینے کا سلسلہ اس نے بھی بند نہیں کیا۔ ساتھ ساتھ چلتی ندی کے نسبتاً تنگ پاٹ کو دیکھتے رافع نے بایاں کنارا چھوڑ کر دائیں ہاتھ کے جنگل میں جانے کا فیصلہ کیا اور پانی میں تیر کر دوسرے حصے میں آیا۔ واپس ساحل پہ جا کر کشتی حاصل کرنے کا نہ اس کے پاس وقت تھا نہ اس کی کوئی اہمیت۔
ویملا پانیوں کے بجائے یہیں کہیں جنگل میں بھاگی تھی اور وہ یہیں تھی۔ تمیزل کا اتنا کہنا کہ بھاگ گئی تھی سالی۔ کچھ ایسا تاثر دے رہا تھا جیسے وہ بہت دیر پہلے ان سے الگ ہوئی تھی اور اگر ایسا تھا تو یعنی سفر آغاز کرتے ہی شروع کے وقت میں کچھ ہوا اس صورت میں وہ یہیں کہیں ہونی چاہیے تھی۔
ٹوٹی پھوٹی درختوں کی شاخوں، کیچڑ بھرے راستوں، کہیں کہیں پانی، زہریلے کیڑے مکوڑوں اور لاتعداد بے شمار حشرات سے نبرد آزما وہ ایک ہی دھن میں بھاگ رہا تھا۔ اگر وہ یہیں کہیں تھی تو اس خطرناک ماحول سے کیسے نمٹ رہی تھی۔۔۔ کہیں کوئی چیتا اس کی راہ میں آیا ہو تو۔
نفی میں سر جھٹکتے وہ ندی سے دور ہوتے مزید اندر داخل ہو گیا۔
یہاں بھی رافع نے ویملا کو کئی آوازیں دی تھیں۔ یہاں سے دوسری ندی بھی تیر کر پار کرتے قریب آدھی رات تک وہ وہاں بھی بھٹکتا رہا تھا۔ ایک دو جگہ چیتے کی چمکتی آنکھوں اور خوفناک دھاڑوں سے واسطہ پڑا لیکن وہ بجائے مقابلے پر اترنے کے چھپتا چھپاتا نکل گیا۔ اس کے سر پر ویملا ایک جنون بن کر سوار تھی۔۔۔ ورنہ کوئی پاگل ہی خود کو ایسے جنگل کے حوالے کرتا۔
دوسری سے پھر تیسری ندی اور یہاں کے سب سے بڑے آخری مینگروو جنگل میں ویملا کو آوازیں دیتا وہ اب تھکن سے چُور پیاس سے نڈھال بس بے ہوش ہو کر گرنے کے قریب تھا، لیکن بنارُ کے ویملا کو لگاتار پکارتے وہ اپنے آپ سے بیگانہ کسی طرح خود کو گھسیٹے ہی جا رہا تھا۔
دل پہ ایسی ضرب لگی تھی کہ افتاں و خیزاں اب وہ ویملا ویملا پکارتے تھکتا نہ تھا' بہت دیر بعد اسے احساس ہوا کہ خشک گلے کی بدولت اس کے حلق سے اب پہلے جیسی اُونچی آواز نہیں نکل پا رہی اور ایسا نہ ہو کہ ویملا تو یہیں کہیں موجود ہو پر اس کی آواز ہی اسے پہنچ نہ رہی ہو۔ یہی سوچ کر بنا اپنے خشک حلق کی پرواہ کیے اس نے پہلے جیسی اونچی آوازیں دینا شروع کیں۔
''ویملا ...... ویملا ......'' ساتھ ساتھ ٹارچ کی روشنی سامنے کیے وہ بھاگ بھی رہا تھا۔
''کک ...... کون ......؟'' بہت دُور کہیں سے آتی وہ سہمی سہمی سی آواز رافع کے لیے جینے کا مژدہ لائی۔ رُندھے گلے پر قابو پاتے اس نے اپنی آنکھیں صاف کیں۔۔۔ اُسے خود نہیں پتہ تھا وہ رو رہا تھا۔ اور اب ویملا کی آواز سن کر روتے روتے ہنس پڑا تھا۔ اپنی شیفتگی اُس پل خود رافع کی سمجھ سے باہر تھی۔
''ویملا ...... ویملا ......'' وہ دیوانہ وار جھاڑیوں کو ہاتھ سے ہٹاتا آواز کی سمت بھاگا۔
''کہاں ہو؟'' وہ سرسراتے لہجے میں بے تابانہ اسے پکارتے مسلسل ٹارچ گھما رہا تھا۔
''کون؟'' اس نے ایک بار پھر آواز نکالی اور

www.urdusoftbooks.com
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

اس مرتبہ سمت کا تعین کرنا رافع کے لیے مزید آسان ثابت ہوا۔ تھوڑا مزید آگے آنے پر سبز دوپٹے کو اپنے گرد لپیٹے گٹھڑی سی بنی وہ ویملا ہی تھی جو اس کے اچانک سامنے آنے پر کچھ اور اپنے آپ میں سمٹ گئی تھی۔

”میں رافع!“ وہ اپنے بے تحاشا دھڑ دھڑاتے دل کے ساتھ اس کے قریب نیچے آبیٹھا اور ٹارچ اس کے چہرے کی طرف پھیری۔ تکلیف کی شدت سے بند ہوتی آنکھوں کو بڑی دقت سے کھولتے اس نے ایک نظر رافع کے چہرے پر ڈالی اور ”میں رافع“ مسکرا کر کہتے پیچھے کو گر پڑی۔

رافع نے کچھ نہ سمجھتے آگے بڑھ کر سنبھالا دیا لیکن وہ بے ہوش ہو چکی تھی۔ البتہ ہوش سے بیگانہ چہرے پر بھی ہلکی سی مسکراہٹ جیسے چپک کر رہ گئی تھی۔ اکڑوں بیٹھے رافع نے اس کا سر اپنے گھٹنے پر رکھا اور بے ہوشی کی وجہ جاننے کے لیے دوپٹہ جسم سے الگ کیا۔ بظاہر تو وہ ٹھیک تھی۔ جانے کیوں پر پہلا خدشہ کسی ٹائیگر وغیرہ کے حملے کا آیا۔ لیکن خدا کا شکر وہ صحیح سلامت تھی۔ وہ اسے ہوش میں لانے کی کوئی ترکیب سوچ رہا تھا جب ٹارچ کی روشنی ویملا کی آستین ہلکی اونچی ہونے پر اس کی کلائی پر گئی۔ سرخ، جامنی سا ایک دھبہ دکھائی دیا تو رافع نے پوری آستین اوپر کو الٹی۔

”اُف.....“ دل سینے سے اُچھل کر حلق میں آگیا۔ ویملا کو کسی زہریلی چیز نے کاٹا تھا۔ اس نے ٹارچ کی مدد سے جلدی جلدی اسے جانچا۔ ویملا کے سارے بدن پر ایسے دھبے تھے اور یہی اس کی بے ہوشی کی وجہ بنے تھے۔ زہر بہت تیزی سے اس کے جسم میں پھیل رہا تھا۔ رافع نے اپنا بیگ کھول کر پلاسٹک کی کچھ بوتلیں نکالیں۔ اس کے پاس یہاں کے زہریلے حشرات اور سانپوں کے کاٹے سے بچنے کے لیے کئی قسم کی دوائیں تھیں۔ یہ میڈیکل کٹ اس کی ذاتی تھی اس لیے باقی سامان کے ساتھ اسے بھی وہ لانچ سے اُٹھا لایا تھا۔ اس نے جلدی جلدی کچھ دوائیں ویملا کے دھبوں پر لگادیں اور اُس کے بعد سرنج نکال کر انجکشن تیار کرتے ویملا کے بازو میں لگادیا اور اب۔ رافع نے اپنی پریشان نگاہیں اردگرد پر ڈالیں۔ یہ کیچڑ زدہ نم علاقہ خطرناک سانپوں کی آماجگاہ تھا۔ کتنے ہی بل کھاتے چکیلے سانپوں کو وہ خود پیروں تلے محسوس کرتا اور روندتا یہاں تک پہنچا تھا۔ لانگ پلاسٹک شوز نہ پہنے ہوتے تو نامعلوم کتنے سانپوں سے خود کو ڈسوا چکا ہوتا۔

اُسے فی الفور ویملا کو یہاں سے نکال کر کسی صاف جگہ پر لے جانا تھا۔ ویملا کو کندھے پر بوری سا ڈال کر وہ اب ٹارچ کو محتاط انداز میں آگے ڈالتا کسی صاف راستے کی تلاش میں آگے بڑھ رہا تھا۔ ویملا مل گئی تھی لیکن اُس کی جان خطرے میں تھی۔

اب وہ اندازے کے مطابق ندی سے دور کسی زیادہ خشک جگہ کی تلاش میں تھا۔ ندی کے قریب کے سبھی علاقے زیادہ تر کیچڑ زدہ تھے۔ وہ خود کو ندی سے دور کرتے کسی کھلے علاقے کی طرف بڑھ رہا تھا۔

(دوسری اور آخری قسط آئندہ ماہ)

خواتین ڈائجسٹ
کی طرف سے
بہنوں کیلئے خوبصورت ناول
یہ گلیاں یہ چوبارے
فائزہ افتخار
قیمت -/400 روپے
منگوانے کا پتہ:
مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37، اردو بازار، کراچی
فون نمبر:
32735021

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

صبغہ احمد

عیدی

گھر کے چھوٹے سے صحن کی کیاریوں میں لگے موتیا اور گلابوں نے اپنی خوشبو پھیلا رکھی تھی۔ صحن کے دائیں جانب ایک عدد جھولا لٹکایا گیا تھا جبکہ بائیں جانب اطراف میں بانس کے ڈنڈوں پر چڑھی انگور کی پھیلی ہوئی لمبی بیل اپنے قدرے پرانے ہونے کا احساس دلاتی تھی۔ موٹے موٹے سرخ انگوروں کے چند ایک گچھوں پر پرندوں کی چونچوں کے نشان ثبت تھے جبکہ باقی ماندہ گچھوں پر کپڑا لپیٹ کر انہیں پرندوں سے بچانے کی کوشش کی گئی تھی۔

بیل کی چھاؤں تلے وہ ایک ہاتھ سے فون تھامے، دوسرا ہاتھ ڈنڈے کے گرد جمائے گھوم رہی تھی، کبھی جوش سے اس کی چھاؤں میں بیٹھ جاتی۔ اس وقت وہ اپنی عزیز از جان سہیلی طیبہ سے بات کر رہی تھی۔ طیبہ عرف تبو کا گھر اس کے گھر سے چند قدم کے فاصلے پر ہی تھا تاہم ماہ رمضان کی وجہ سے آنا جانا کم ہی ہوتا تھا اس لیے دونوں اپنے احساسات کے اظہار کا شوق فون پر ہی پورا فرما رہی تھیں۔

طیبہ چہک چہک کر اپنی سسرال سے آنے والی عیدی کے متعلق اسے بتا رہی تھی۔ اس کی آواز میں چڑیا کی سی چہچہاہٹ تھی۔ بغیر دیکھے اس کی آواز سے شہلا پہچان گئی تھی کہ وہ کتنی خوش ہے۔

''ہاں شہلا! کیا بتاؤں یار، اس بار تو رنگ بھی میری پسند کے ہیں۔ ہاں، وہ میں نے ارسل کو بتایا تھا فون پر، ایک دن اپنے پسندیدہ رنگوں کے بارے میں''۔

''کیا واقعی!'' شہلا خفیف سے انداز میں بولی
''میں نے اپنی مرضی سے تھوڑا بتایا تھا۔

اس نے خود ہی پوچھا تھا۔'' طیبہ فون کان سے لگائے اس کے ہیں کہنے کے انداز کو پہچان گئی تھی۔ اس لیے فوراً سے پہلے وضاحت دینے لگی۔

''اچھا!'' شہلا نے صرف اچھا کہنے پر اکتفا کیا۔

''ہیں!! کیا اچھا......'' طیبہ پھر سے شروع ہو گئی تھی۔ ''تم سناؤ، تمہاری عیدی آ گئی کیا؟ سچی! میں تو بہت ایکسائٹڈ ہوں۔ دونوں عید کے پہلے دن عیدی میں آیا جوڑا ہی پہنیں گے۔ کیوں! کیسا لگا میرا آئیڈیا۔'' طیبہ اپنی ہی دھن میں بولے جا رہی تھی۔

''میری تو عیدی ہی نہیں آئی! اور دور دور تک کوئی امکان بھی نہیں۔'' شہلا رونی صورت بنا کر بولی۔

''ہیں! ابھی تک نہیں آئی۔ اچھا کوئی بات نہیں میری جان، آ جائے گی اور اگر نہ آئی تو میں بھی گھر والا جوڑا ہی پہنوں گی سچی۔'' طیبہ بہن جیسا پیار جتا کر بولی۔ شہلا کو اور رونا آیا۔

''کیا مطلب نہیں آئی تو......'' شہلا غم و غصے کی ملی جلی کیفیت میں منمنائی۔

''اری او شہلا!'' کچن سے اماں کی آواز بلند ہوئی۔ شہلا فوراً غم بھلائے بولی۔ تبو! میں فون رکھتی ہوں۔ اماں بلا رہی ہیں۔''

''جی اماں......'' شہلا کچن میں آتے ہی بولی۔

''دیکھ۔ سورج سوا نیزے پہ آ گیا ہے، اور سحری کے برتن تو نے ابھی تک نہیں دھوئے۔''

''وہ اماں آج دو سیپارے ختم کیے میں نے فجر کے بعد، پھر ایسی نیند آئی کہ پھر جلدی جاگ ہی نہیں

www.urdusoftbooks.com

آئی۔"

"شیلا! کنی واری آکھیا اے! فجر کے بعد نہ سویا کر نحوست ہوتی ہے۔"

"لیکن اماں، میں فجر کے فوراً بعد نہیں سوئی۔ میں تو فجر سے پورے دو گھنٹے بعد سوئی تھی۔"

اماں نے ایک "گھوری" شہلا کے سرخ و سفید چہرے پہ ڈالی اور اس کی عقل پر ماتم کا سلسلہ ملتوی کرتے ہوئے باورچی خانے سے نکل گئیں۔

☆☆☆

اماں عصر کی نماز سے فارغ ہوئیں تو شہلا کو خیالوں میں گم پایا۔

"شیلا! نماز پڑھ لی نا تو نے۔" اماں نے جیسے جانتے ہوئے بھی سوال کیا۔

"ہاں" اماں۔ شہلا اداس سی بولی۔

"چل پھر کچن میں چل کے تیاری کریں افطاری کی۔"

"اماں دل نہیں کر رہا۔"

"ہیں!! کیوں نہیں کر رہا دل۔ تیرے دل کو نہیں دماغ کو کچھ ہو گیا ہے۔ صبح سے الٹی سیدھی ہانک رہی ہے۔"

"پتا نہیں اماں بس دل نہیں لگ رہا۔"

"دیکھ نی شیلا! تجھے پتا ہے نا یہ مرزا کی چپل کیوں پہنتی ہوں میں، ایک تو چلنے میں آسانی اور دوسرا......"

اماں کا ہاتھ چپل کی طرف جاتے جاتے رک گیا۔

"اماں چھوڑو نا، میں جا ہی رہی تھی۔" شہلا اماں کا مطلب سمجھتے ہوئے بولی۔

شہلا کچن میں جانے کے لیے چپل اڑسنے لگی۔

اماں اسے پیچھے سے جاتا ہوا دیکھ رہی تھیں۔ وہ

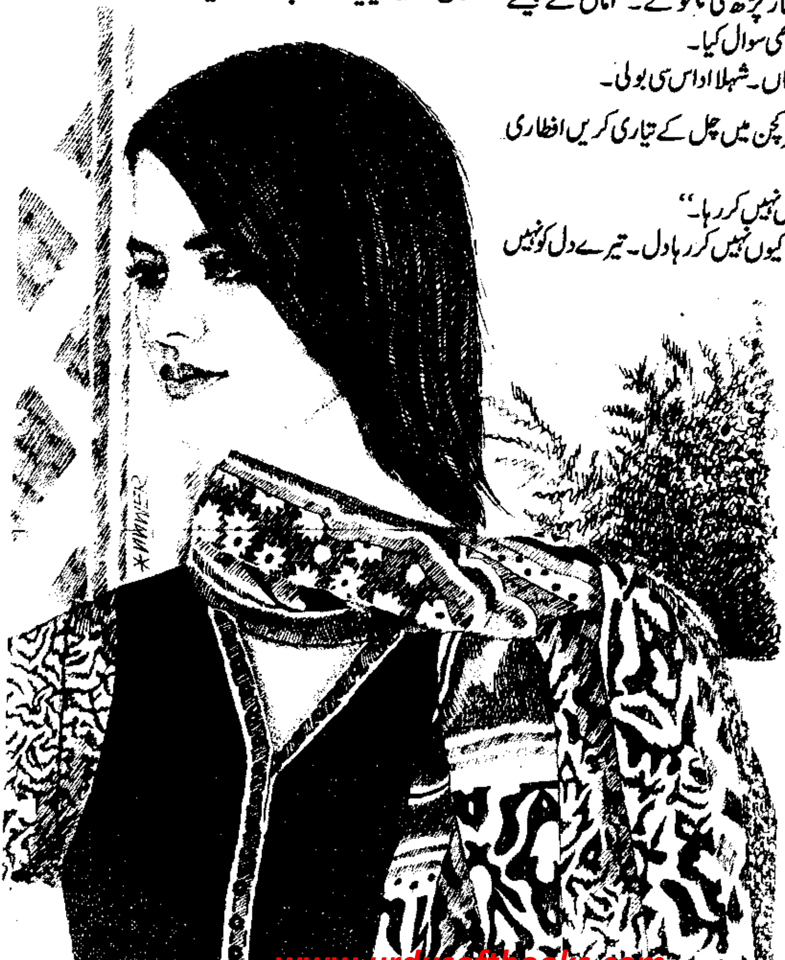

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

ماں تھیں، بیٹی کے دل و دماغ سے بخوبی واقف، وہ طیبہ کی عیدی کے متعلق بھی جانتی تھیں۔

طیبہ کی منگنی اپنے ماموں زاد سے ہوئی تھی۔ اس کی منگنی کو سال ہونے والا تھا۔ جبکہ شہلا کی منگنی چھ ماہ قبل غیروں میں ہوئی تھی۔ دونوں اپنی عیدی کی منتظر تھیں۔ یہ احساس ہی ایسا سہانا تھا ان دونوں کے لیے اور بلاشبہ ہر لڑکی کے لیے ہی باعث مسرت ہوتا ہے پیا گھر سے آئی دھنک رنگ اوڑھنی ـــــ لال ہری کھنکتی چوڑیاں اور مہندی کا گہرا رنگ۔ محبت بھرے ان تحفوں کا ہر لڑکی کو ہی ارمان ہوتا ہے

☆☆☆

رمضان کا تیسرا عشرہ اختتام پذیر ہوا چاہتا تھا۔ یہ آخری روزہ تھا۔ گرمی حد سے سوا تھی۔ شہلا عصر کی نماز خشوع و خضوع سے ادا کر رہی تھی

دروازے پر دستک ہوئی تو شہلا جائے نماز سمیٹتے ہوئے دروازہ کھولنے چل دی اور پھر...... پھر دروازہ وا ہوتے ہی دنیا کی ساری تتلیوں کے رنگ جیسے اس کے چہرے پہ سج گئے تھے۔

"نی کون ہے کڑیے!" اماں کمرے سے نکلتے ہوئے پوچھنے لگیں۔

"ارے صالحہ آپا آپ!" شہلا کی ساس اور نند شہلا کی عیدی لے کر آئی تھیں۔

"شہلا جا! اپنے ابا کو فون کر کہ مسجد سے آتے ہوئے افطار کے لوازمات لے آئیں۔" اماں انہیں لے کر کمرے ـــ کی طرف چلی گئیں۔

"دراصل ہم تو پہلے ہی آنا چاہ رہے تھے لیکن احسن نہیں مان رہا تھا۔ کہہ رہا تھا، امی عیدی میری تنخواہ سے ہی لے کر جائیں۔

اب کل اس کی تنخواہ آئی تو ہم شہلا بیٹی کی عیدی لے کر آ گئے۔"

شہلا صحن میں لگے ٹیلی فون سے ابا کو فون کرنے کے بعد (کہ سیل فون صرف ابا ہی کے پاس تھا) کمرے کی طرف بڑھ رہی تھی، جب احسن (منگیتر) کے اپنے لیے احساسات جان کر خوشی سے سرشار ہو گئی۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے صحن میں لگے لال گلابوں کا رنگ اس کے چہرے نے چرا لیا ہو۔

عشاء کی نماز سے فارغ ہو کر شہلا اپنی دوست کو فون کرنے چل دی۔ طیبہ کو اپنی عیدی کا بتاتے ہوئے اس کا چہرہ چودھویں کے چاند کی طرح چمک رہا تھا۔

☆

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

مہوش افتخار

پیر سید نظر حسین شاہ سے سکھبیر سنگھ بہت متاثر ہوتا ہے ان کے دربار میں روز جھاڑو لگاتا ہے اور اپنے خاندان اور بیوی کی ناراضی سہتا ہے۔ وہ اسلام قبول کر لیتا ہے اس کا نام عبداللہ رکھا جاتا ہے۔ خاندان والے اس کا اور اس کے بیٹے کا بائیکاٹ کر دیتے ہیں، بیوی صدمے سے مر جاتی ہے۔

عبداللہ، نظر حسین شاہ کے دربار پر آ جاتا ہے اور سب انتظامات سنبھال لیتا ہے۔

پیر نظر حسین کے بھائی کا بیٹا ہاشم خاندان کے دیگر لڑکوں کی طرح شہر پڑھنے جاتا ہے اور عیاشیوں میں لگ جاتا ہے۔ بھائی کی بیٹی معصومہ ان کی بڑی بہو ہے۔ پیر نظر حسین بھتیجے کی حرکتوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔ بھاوج اور بہو کے ان کی بیٹی زرناب کا رشتہ مانگنے پر انکار کر دیتے ہیں، دلوں میں فرق آ جاتا ہے۔

پیر صاحب اپنے بعد پیری مریدی کے سلسلے کو باقاعدہ ختم کر دیتے ہیں کیوں کہ وہ کسی کو اس ذمہ داری کا اہل نہیں سمجھتے۔

علاقے میں ایک نیا پولیس افسر آتا ہے، وہ دربار میں فاتحہ پڑھنے آتا ہے، جہاں اسے زرناب نظر آتی ہے۔

معصومہ سب کے بیچ میں بیٹھ کر زرناب پر الزام لگاتی ہے کہ وہ مصطفیٰ (عبداللہ کے بیٹے) کو پیر صاحب کا داماد بنانا

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

مکمل ناول

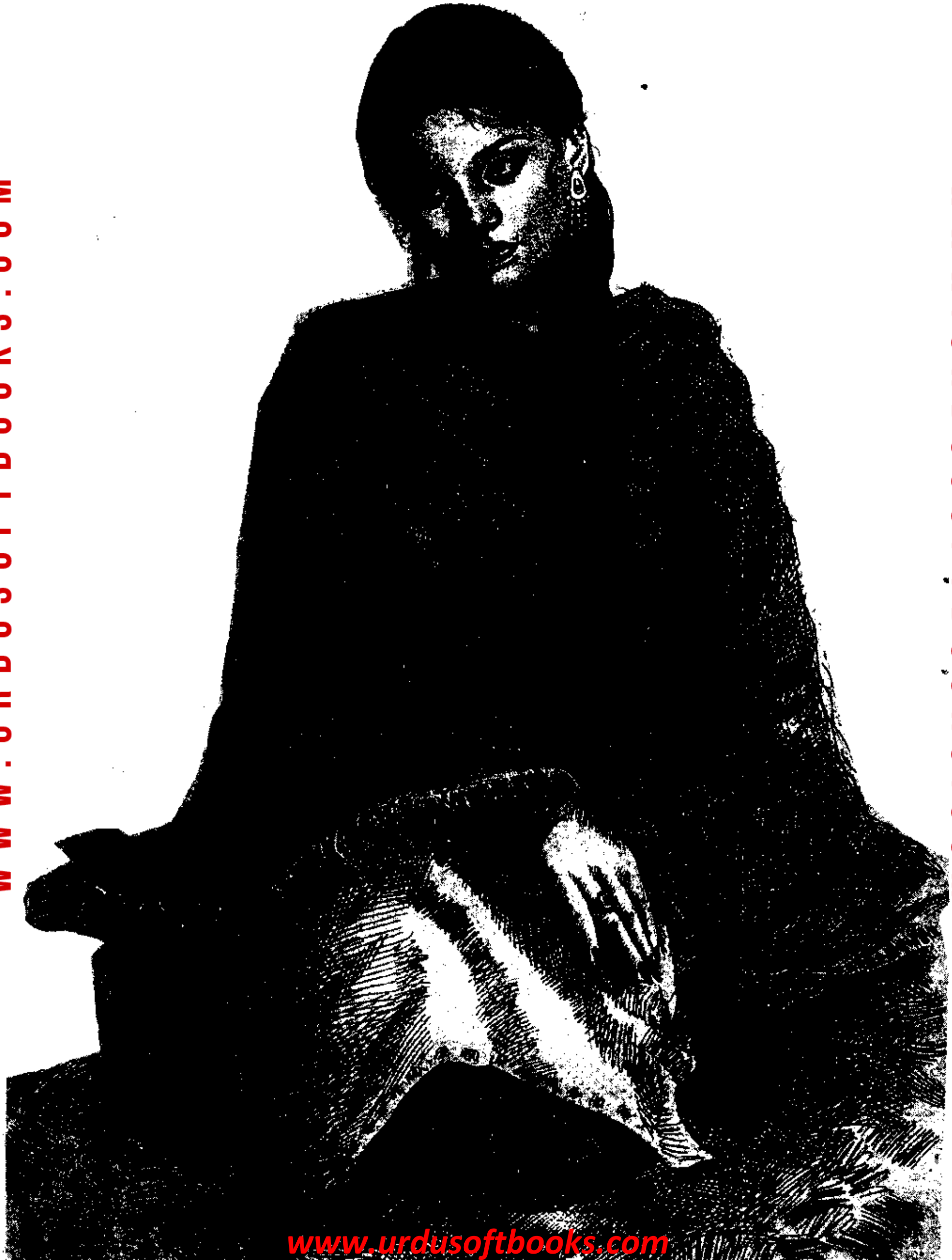

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

چاہتی ہے۔ بختیار شاہ یہ سن کر بیوی کو مارنے کے لیے اٹھتے ہیں۔
معصومہ کے الزام پر زرناب کے بھائی، مصطفیٰ کو خوب مارتے ہیں۔ پیر نظر حسین شاہ سچ جاننے کے باوجود مصطفیٰ اور عبداللہ کو شہر اپنے دوست عثمان جنگ کے پاس بھیج دیتے ہیں۔ عثمان جنگ مصطفیٰ کو اپنا بیٹا بنا لیتے ہیں اور اسے اعلا تعلیم دلواتے ہیں۔
نظر حسین شاہ تینوں لڑکیوں کو پڑھائی کی غرض سے شہر بھیج دیتے ہیں شفق کی شادی ہو جاتی ہے۔ صبور اور صدف کی بات طے ہو جاتی ہے۔ ہاشم کی شادی ناکام ہو جاتی ہے۔ معصومہ زرناب کو پورے گاؤں میں بدنام کر دیتی ہے اور اس کے لیے آنے والے ہر رشتے کی راہ میں رکاوٹ ڈالتی ہے۔ پیر صاحب اور عبداللہ وفات پا جاتے ہیں۔ مصطفیٰ، سیف جنگ کی نئی شخصیت کے ساتھ گاؤں آتا ہے۔ جہاں زرناب کے بھائیوں کی غیر قانونی حرکتوں پر ایکشن لیتا ہے۔ مگر الیکشن کی وجہ سے وہ اس سے جھگڑا نہیں کرتے۔
اماں حوراں کی ٹانگ میں فریکچر ہو جاتا ہے۔ زرناب اور شاہ بی بی، سیف جنگ کی مدد سے انہیں ہسپتال پہنچاتی ہیں۔ شاہ بی بی کا فون سیف جنگ کو ملتا ہے وہ اس سے کال کر کے زرناب کو اپنی حقیقت بتاتا ہے۔
زرناب بے ہوش ہو جاتی ہے۔ ہاشم ایک مرتبہ پھر رشتہ ٹھکرائے جانے پر زرناب کے گھر والوں کو دھمکی دیتا ہے۔
صدف کو زرناب اور سیف کے درمیان رابطے کا پتا چل جاتا ہے۔ وہ دونوں کی ملاقات کرواتی ہے۔ زرناب مصطفیٰ کی محبت قبول نہیں کرتی۔ یہ بات مصطفیٰ کو توڑ دیتی ہے۔ زرناب کی رضامندی سے زوہیب کے گھر والے حویلی میں رسم کرنے آتے ہیں۔ صبور شاہ کو ایس ایچ او جمیل کے ذریعے سیف کے ماضی کے بارے میں ادھوری معلومات ملتی ہیں۔

چوتھی اور آخری قسط

معصومہ کو زرناب کے روبرو دیکھ کے بی بی نور بانو کا رنگ اڑ گیا تھا۔ انھوں نے سہم کر ساتھ بیٹھی کوثر شاہ کا ہاتھ تھاما جو خود بھی پریشان نظروں سے اس منظر کو تک رہی تھیں۔
"بھرجائی۔" گھبرائی ہوئی شفق تیزی سے ان کی طرف بڑھی تو معصومہ شعلے برساتی نظریں زرناب سے ہٹاتی اس کی جانب پلٹیں۔
"کیا بھرجائی؟" ان کے یا آواز بلند ٹوکنے پہ شفق مارے خجالت کے سرخ پڑ گئی۔ "ارے کیا میں اپنی نند کو مٹھائی نہ کھلاؤں؟" انھوں نے اچانک مسکراتے ہوئے سوال کیا تو وہ کھسیا کر پیچھے ہٹ گئی۔
معصومہ نے پلٹ کر ایک جلتی نگاہ زرناب کے چہرے پر ڈالی اور پلیٹ میں رکھی گلاب جامن اٹھا کر اس کی طرف جھکیں۔
"دل تو کر رہا ہے، اسے تمہارے حلق میں پتھر بنا کر پھنسا دوں۔ لیکن......" اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے انھوں نے گلاب جامن اس کے لبوں سے لگائی تو زرناب نے دل میں اٹھتی ٹیسوں کو دباتے ہوئے چھوٹا سا ٹکڑا منہ میں لے لیا۔
معصومہ نے مسکراتے ہوئے اسے خود سے لگا لیا۔
"دعا کرنا تمھیں یہ خوشی نصیب ہو جائے زرناب شاہ!" وہ بھرپور نفرت سے پھنکاریں تو زرناب کی آنکھیں نئے سرے سے بھر آئیں۔
"بھئی۔ یہ بھابھی اور نند میں کیا کھسر پھسر ہو رہی ہے۔ کچھ ہمیں بھی تو بتائیں۔" زرناب کی ہونے والی جٹھانی مسکراتے ہوئے ان کی طرف آئی تو معصومہ زہر خندی مسکراتی سیدھی ہوئیں۔
"کچھ کیا، ہم تو آپ کو سب کچھ بتا دیتے بس موقع ہی نہیں ملا۔" انھوں نے مسکراتے ہوئے ایک کاٹ دار نظر اپنے سسرالیوں پر ڈالی تو زوہیب کی بھابھی ہنس پڑیں۔ جبکہ گھر والوں کی سانس ان

www.urdusoftbooks.com
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

کے سینے میں اٹک گئی۔صاف دکھ رہا تھا کہ معصومہ ان سب کی حالت سے حظ اٹھا رہی تھیں۔
"چلیں ابھی بتا دیں۔"
"ابھی نہیں لیکن کبھی نہ کبھی ضرور بتاؤں گی۔ ان شاءاللہ!" انھوں نے جتاتی نگاہوں سے ساس اور پھپھی کو دیکھا تو جہاں بی بی نور بانو کی پیشانی پہ پسینہ پھوٹ نکلا وہیں شاہ بی بی کا دل چاہا کہ وہ آگے بڑھ کر آج اس عورت کی وہ درگت بنائیں کہ وہ اپنی شکل پہچان نہ پائے۔

☆☆☆

"یہ میں کیا سن رہا ہوں۔تم نے مہمان خواتین کے سامنے گھر والوں سے بدتمیزی کی ہے؟" بختیار شاہ کمرے میں داخل ہوئے تو خاصے برہم تھے۔

ابھی کچھ دیر پہلے زرناب کے سسرالی رخصت ہوئے تھے۔ان کے جاتے ہی شفق نے سارا لحاظ بالائے طاق رکھ کے معصومہ کے ناروا رویے کی شکایت بختیار شاہ سے کی تھی۔ساری بات سن کر صبور اور سلیمان نے پہلی بار معصومہ کی حرکت کی مذمت کی تھی۔کیونکہ معاملہ اب ان کے گھرانے کی عزت اور بہن کی آنے والی زندگی کا تھا جس پہ بہرکیف کوئی سمجھوتا نہیں کیا جا سکتا تھا۔

اپنے سے چھوٹوں کی باتیں بختیار شاہ کے مزاج پہ اچھی خاصی گراں گزری تھیں۔لیکن چونکہ وہ اس وقت غلط نہیں تھے اسی لیے انھیں سب کچھ خاموشی سے سننا پڑا تھا۔

"شکر کریں کہ ابھی تو میں نے انھیں بخش دیا۔ورنہ جو ذلالت آپ کے مکار گھر والوں نے ،آج یہ منگنی چھپا کر کی ہے،اس کے بعد تو اگر میں ان لوگوں کی بھری محفل میں ناک بھی کاٹ دیتی تو کم تھا۔" ہاتھ میں پکڑا بندہ ڈریسنگ ٹیبل پہ مارتے ہوئے وہ غصے سے پلٹیں تو بختیار شاہ کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

"بکواس بند کرو!تم کون ہوتی ہو ہماری ناک کاٹنے والی؟"

"صحیح کہا۔آپ لوگوں نے تو اپنی ناک خود کاٹ لی ہے۔اب ڈھونڈتے پھریئے گا اپنی بیٹیوں کے لیے رشتے!" انھوں نے تنفر سے کہا۔

"ان کا جو نصیب ہوگا، وہ انھیں مل جائے گا۔" بختیار شاہ نے انھیں غصے سے گھورا۔"تم اپنا تماشا بنانا بند کرو۔"

"تماشا تو اب میرا بھائی آپ لوگوں کا بنائے گا!" وہ پھنکاریں۔بختیار شاہ نے استہزائیہ انداز میں ہنکارا ابھرا۔

"ہونہہ! تمہارا بھائی...... وہاں گاڑوں گا اسے جہاں اس کی لاش بھی نہیں ملے گی۔" شوہر کی بات پہ معصومہ سرتاپا سلگ اٹھیں۔

"اتنا آسان نہیں ہے میرے بھائی پہ ہاتھ ڈالنا۔وہ کوئی لاوارث نہیں ہے بختیار شاہ!" وہ تڑپ کر آگے آئیں تو بختیار شاہ نے کڑی نظروں سے ان کے تیور ملاحظہ کیے۔

"اور میرا گھرانہ بھی کوئی لاوارث نہیں ہے۔جب تک بات گھر میں تھی۔میں نے ہاشم کا ساتھ دیا۔لیکن آج میں نے بھری محفل میں زوہیب شاہ کو انگوٹھی پہنائی ہے۔اسے زبان دی ہے۔بات اب "میری عزت اور "میری" زبان کی ہے معصومہ!" وہ میری پہ زور دیتے ایک قدم آگے آئے۔"اور اپنی عزت پہ میں کوئی سمجھوتا نہیں کروں گا۔یہ بات تم خود بھی اچھی طرح سمجھ لو۔اور اپنے بھائی اور گھر والوں کو بھی سمجھا دو!" تنبیہی انداز میں انگلی اٹھائے وہ سرد لہجے میں کہتے باہر نکل گئے تو معصومہ لب بھینچے ان کے پیچھے بند ہونے والے دروازے کو گھورتی رہ گئیں۔

☆☆☆

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

تم نہ آئے تھے تو ہر اک چیز وہی تھی کہ جو ہے
آسماں حدِ نظر، راہ گزر راہ گزر، شیشہ ہے
مگر اب شاید کچھ بھی پھر سے ویسا نہیں ہو سکتا تھا۔ مصطفیٰ کے لوٹ آنے سے زرناب کے اندر باہر ہر چیز بدل کر رہ گئی تھی۔ بالکل ویسے ہی جیسے ایک روز اس کے چلے جانے سے پیچھے سب کچھ بدل گیا تھا۔ کوئی اور وقت ہوتا تو آج زرناب شاہ ماں کے شانوں کا بوجھ سرک جانے پر، خود کو اپنے ضمیر کے آگے سرخرو محسوس کرتی۔ لیکن اب تو انگلی میں پہنی انگوٹھی کسی بار سے کم محسوس نہ ہو رہی تھی اور وہ اس بار پہ پیشانی ٹکائے رات بھر آنسو بہاتی رہی تھی۔

مگر صبح ہوتے ہی اس نے اپنا غم سمیٹ کر خود میں چھپا لیا تھا۔ مصطفیٰ کی جان اور اپنے مرحوم بابا صاحب کی عزت کے لیے کیا گیا اس کا یہ فیصلہ اب حوصلے اور ثابت قدمی کا متقاضی تھا۔ سو وہ اپنے اندر چھائی مردنی کو نظر انداز کیے لاؤنج میں چلی آئی تھی جہاں اس کی اماں جان، شاہ بی بی اور بی بی حوراں، زوہیب کے گھر سے آئی مٹھائی اور میوے کے حصے لگا رہی تھیں۔ تاکہ انھیں پورے خاندان اور گاؤں میں بٹوا کر زرناب کی منگنی کی خوش خبری دے سکتیں۔

شفق ان کی طرف سے آیا ہوا، زرناب کا، سامان کھولے ایک ایک چیز دیکھنے اور سب کو دکھانے میں مگن تھی۔ صدف البتہ خاموشی سے ایک طرف بیٹھی اس ساری مصروفیت کو پھیکی پھیکی نظروں سے تک رہی تھی۔

زرناب پہ ہر لمحہ کیا بیت رہی تھی وہ بخوبی جانتی تھی۔ جب ہی تو اس کا اپنا دل بھی ہر چیز سے اچاٹ ہو گیا تھا۔ اسے بے اختیار وہ وقت یاد آیا تھا جب اس رشتے کو لے کر اس کی خوشی اور جوش دیدنی تھا۔ وہ کتنا خوش تھی کہ اس کی سہیلی ان سب جھمیلوں سے دور جانے والی تھی۔ لیکن اب تو اسے لگ رہا تھا جیسے وہ ان جھمیلوں سے نکل کر ایک نئے جھمیلے میں جا پھنسی تھی۔ جہاں ہر لمحہ اسے اپنے ہی دل کے خلاف ایک لڑائی لڑنا تھی۔ خود کو باور کروانا تھا کہ اس نے جو کیا، ٹھیک کیا۔

"ابھی تو تم دیکھنا، اس مٹھائی کے بٹنے پہ خاندان والوں نے کیسی باتیں بنانا ہیں۔" شاہ بی بی، شفق سے مخاطب ہوئیں۔

"کیوں؟" اس نے چونک کر پھوپھی کو دیکھا۔

"خاموشی سے منگنی جو کر لی ہے ہم نے۔" وہ پھیکی سی مسکرائیں تو شفق نے بے زاری سے سر جھٹکا۔

"سو دفعہ بنائیں۔ ہم دنیا کو کبھی بھی خوش نہیں کر سکتے، اس لیے بہتری اسی میں ہے کہ اپنا سکون اور بھلائی دیکھی جائے۔"

"صحیح کہہ رہی ہو۔ بس اللہ ہماری بچی کی خوشیوں کی حفاظت کرے۔" وہ دل کی گہرائیوں سے بولیں تو سب کے لبوں سے بے اختیار آمین نکلا۔ افسردہ سی زرناب نے نگاہیں جھکا لیں۔

"ارے ہاں نور بانو!" شاہ بی بی اچانک کچھ یاد آنے پہ بھابھی کی طرف پلٹیں۔ "وہ سیف کے لیے بھی مٹھائی بھجوانی ہے۔ اس کا حصہ بھی یاد سے الگ کر دینا۔" اور زرناب کی اپنی انگوٹھی پہ جمی نظریں ساکت ہو گئیں۔

زرد پڑتی رنگت کے ساتھ اس نے اپنا جھکا سر اٹھاتے ہوئے صدف کی طرف دیکھا جو نچلا لب دانتوں تلے دبائے اسے ہی تک رہی تھی۔

☆☆☆

"کی؟ اے کدوں ہویا؟" (کیا؟ یہ کب ہوا؟) فون کان سے لگائے بیٹھے بی بی نرجس کی آنکھیں اس اطلاع پہ پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں۔

www.urdusoftbooks.com
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

" کل شام کو۔" معصومہ نے آنسو پونچھے۔

"یہ سارے ایسے میسنے ہیں بے جی مجھے کسی چیز کی کانوں کان خبر نہیں ہونے دی۔" انھوں نے اپنی مظلومیت کی داستان سنائی تو بی بی نرجس کی پیشانی پہ بل پڑ گئے۔

"بختیار کو پتا تھا؟"

"اللہ جانے۔" وہ بے زاری سے گویا ہوئیں۔ "مجھ سے تو انھیں ماں بہنوں نے رات ہی لڑوا دیا تھا۔" ان کی آواز نئے سرے سے بھر آئی تو بی بی نرجس کا پارہ ہائی ہو گیا۔

"نہ تو کیوں بار بار رو رہی ہے۔ کرتے ہیں منگنی تو کریں۔ خصماں نوں کھاڑں جا کے!" وہ تنفر سے بولیں تو معصومہ پھپھک کے رو پڑیں۔

"مجھے ان کی کمینگی پہ رونا آ رہا ہے بے جی۔ آپ سوچ نہیں سکتیں، کل سب کے درمیان میں نے خود کو کتنی بڑی بے وقوف محسوس کیا ہے۔"

"بے وقوف تو تُو ہے جو کل وہاں خاموش کھڑی رہی۔ میری جیٔ (جیسی) ہوندی ناں کوئی، تو بھری محفل میں ان ساریوں کی وہ کرتی کہ یاد رکھتیں!" وہ دانت پیس کر بولیں تو معصومہ کے لبوں پہ دل جلی سی مسکراہٹ آٹھہری۔

"ہونہہ۔ ابھی تو میں نے کچھ کہا نہیں تھا تو آپ کا داماد مجھ پہ چڑھ دوڑا تھا۔ اگر جو کچھ کہہ دیتی تو گت ہی بنا ڈالتا میری۔" انھوں نے استہزائیہ انداز میں سر جھٹکا۔ "بہرحال انھوں نے رات صاف لفظوں میں کہہ دیا ہے بے جی! کہ اب زرناب کی بات طے ہو چکی ہے۔ لہٰذا ہاشم اس قصے کو بھول جائے۔"

"سو بسم اللہ۔ میں تو خود چاہتی ہوں کہ میرا بچہ لعنت بھیجے اس چڑیل پہ، بلکہ ان سب پہ!" وہ جل کر بولیں۔ "لیکن وہ بھی اپنے نام کا ایک ہی ڈھیٹ ہے۔ ایسا اس بدبخت کے جال میں پھنسا

بیوٹی بکس کا تیار کردہ

سوہنی ہیئر آئل

SOHNI HAIR OIL

- گرتے ہوئے بالوں کو روکتا ہے
- نئے بال اگاتا ہے۔
- بالوں کو مضبوط اور چمکدار بناتا ہے۔
- مردوں، عورتوں اور بچوں کے لئے یکساں مفید۔
- ہر موسم میں استعمال کیا جاسکتا ہے۔

قیمت-/150 روپے

سوہنی ہیئر آئل 12 جڑی بوٹیوں کا مرکب ہے اور اس کی تیاری کے مراحل بہت مشکل ہیں لہذا یہ تھوڑی مقدار میں تیار ہوتا ہے، یہ بازار میں یا کسی دوسرے شہر میں دستیاب نہیں، کراچی میں دستی خریدا جاسکتا ہے، ایک بوتل کی قیمت صرف -/150 روپے ہے، دوسرے شہر والے منی آرڈر بھیج کر رجسٹرڈ پارسل سے منگوالیں، رجسٹری سے منگوانے والے منی آرڈر اس حساب سے بھجوائیں۔

2 بوتلوں کے لئے ---------- 350/ روپے
3 بوتلوں کے لئے ---------- 500/ روپے
6 بوتلوں کے لئے ---------- 1000/ روپے

نوٹ: اس میں ڈاک خرچ اور پیکنگ چارجز شامل ہیں۔

منی آرڈر بھیجنے کے لئے ہمارا پتہ:

بیوٹی بکس، 53-اورنگزیب مارکیٹ، سیکنڈ فلور، ایم اے جناح روڈ، کراچی

دستی خریدنے والے حضرات سوہنی ہیئر آئل ان جگہوں سے حاصل کریں

بیوٹی بکس، 53-اورنگزیب مارکیٹ، سیکنڈ فلور، ایم اے جناح روڈ، کراچی

مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 37-اردو بازار، کراچی۔

فون نمبر: 32735021

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

ہے کہ مت مار کر رکھ دی ہے میری!"
انھوں نے بے زاری سے کہا تو معصومہ نے ایک بے بس سی سانس لی۔ پتا نہیں، کون سی گھڑی تھی جو انھوں نے اس رشتے کا خیال اپنے بھائی کے دل میں ڈالا تھا۔
"بخشوں گی تو نہیں انھیں۔ میرے بھائی کو تکلیف دے کے یہ لوگ جائیں گے کہاں؟ میں نے بھی اگر اس زرتاب کو طلاق نہ دلوائی تو معصومہ نام نہیں!" نفرت سے کہتی وہ خدا سے بے خوفی کی انتہا پر تھیں۔
"خیر چھوڑوں گی تو میں بھی نہیں۔" بی بی نرجس نے قطعیت سے سر ہلایا۔ "لیکن ابھی تو یہ بتا کہ ہم ہاشم کو یہ بات بتائیں گے کیسے؟ کیسے سنبھالیں گے اسے؟" ان کے چہرے پہ یک لخت پریشانی پھیل گئی تھی۔
"وہ ہے کہاں؟" معصومہ نے متفکر لہجے میں استفسار کیا۔
"فیصل آباد گیا ہوا ہے۔" ان کے جواب پہ معصومہ کے لبوں سے بے اختیار سکون کا سانس نکلا۔
"شکر ہے، کچھ دیر کے لیے تو بلا ٹلی۔"
"بے فکر رہ، اج شام کو آ رہا ہے وہ۔" بی بی نرجس استہزائیہ انداز میں بولیں۔ "اس نے تو ات (انت) اٹھا لینی ہے۔ اس دن اسپتال میں اس کی بات سنی تھی ناں تو نے؟"
"سنی تھی۔ اسی لیے تو میرا دل ڈر رہا ہے۔ ہائے اللہ بے جی! اگر اس نے خود کو کوئی نقصان پہنچا لیا تو؟" انھوں نے دہل کر سینے پہ ہاتھ رکھا۔
"اللہ نہ کرے جو میرے پتر کو کج ہو!" وہ گھبرا کر سیدھی ہوئیں۔ "ایسا کر، تو بختیار سے کہہ کہ وہ خود آ کر ہاشم سے بات کرے اور اسے نرمی سے سمجھائے۔ ہو سکتا ہے۔ بہنوئی کی بات اس کی سمجھ میں آ جائے۔"
"ہاں یہ ٹھیک رہے گا۔" معصومہ نے ان کی تائید کی۔ "مگر اس کے لیے انھیں منانا پڑے گا۔ آپ فی الحال گھر میں کسی سے یہ ذکر نہ کریں۔"
"میری مت ماری گئی ہے جو میں اس مصیبت کو اپنے گلے ڈالوں گی!" بی بی نرجس جھنجھلا کر بولیں۔ معصومہ لب دبائے سوچ میں پڑ گئیں۔

☆☆☆

سیف دفتر سے گھر لوٹا تو خاصا تھکا ہوا تھا۔ شمیم کو اپنے کمرے میں چائے لانے کا کہہ کر وہ اوپر چلا آیا۔ بیزاری سے اپنی چیزیں ایک طرف ڈالتے ہوئے اس نے پیروں کو جوتوں کی قید سے آزاد کیا اور یونیفارم سمیت بیڈ پہ نیم دراز ہو گیا۔ زندگی آج کل صرف دفتر سے گھر اور گھر سے دفتر تک محدود ہو کر رہ گئی تھی۔ نہ کوئی مقصد تھا نہ کوئی امنگ۔ اک عالم تغافل تھا جس میں گھر کر وہ دن سے رات کا چکر مکمل کیے جا رہا تھا اور بس۔
ابھی بھی وہ خود سے بیگانہ یونہی خالی الذہنی کی کیفیت میں کھڑکی سے جھانکتے آسمان پہ نگاہیں جمائے لیٹا تھا جب دروازے پہ دستک کے ساتھ اسے شمیم کی آواز سنائی دی تھی۔ وہ اجازت دیتا بے اختیار سیدھا ہو بیٹھا تھا۔
"اج تے صاحب جی ایک بوت ہی خوشی کی خبر ملی ہے۔" شمیم ٹرے اٹھائے اندر داخل ہوئی تو سیف کی نظریں اس کے چہرے پہ جا ٹھہریں جو دلی مسرت کے باعث چمک رہا تھا۔
"اچھا۔" وہ پھیکا سا مسکرایا۔ "ایسی کون سی خبر ہے؟"
شمیم نے مسکراتے ہوئے ٹرے اس کے سامنے رکھی۔ اور اس میں دھری مٹھائی کی پلیٹ اٹھا لی۔

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

"وہ جی اپنی زرناب بی بی ہیں ناں، ان کی منگنی ہو گئی ہے۔" وہ خوشی سے چہکی تو سیف کا پلیٹ کی طرف بڑھتا ہاتھ ساکت ہو گیا۔ وہ پتھرائی نظروں سے اس کا مسکراتا چہرہ دیکھنے لگا۔

" کب۔ کب ہوئی ان کی منگنی؟" اس نے سرسراتے لہجے میں سوال کیا۔

" کل۔ ہائے صاحب جی! مجھے تو ابھی تک یقین نہیں آ رہا۔ یہ تو سچ میں معجزے والی بات ہو گئی ہے!" شمیم کی حیرت باقی گاؤں والوں کی طرح عروج پر تھی۔

" صاحب جی! اگر آپ کو کوئی اور کام نہ ہو تو میں حویلی چلی جاؤں؟ سچ میں۔ میں نے خود کو سویر سے بڑی مشکل سے روک رکھا ہے۔" وہ معصوم سی شکل بنا کر بولی تو سیف نے گہری سانس لیتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا۔

شمیم کے باہر جاتے ہی اس کے لب سختی سے ایک دوسرے میں پیوست ہو گئے۔ اس کے اندر گہرا سناٹا چھا گیا تھا۔

" تو یہ طے ہوا زرناب شاہ! کہ تم مصطفیٰ عبداللہ کے مقدر میں تھیں ہی نہیں!" شگن کی مٹھائی کو دیکھتے ہوئے وہ زخم خوردہ سا مسکرا دیا تھا۔ اس کی آنکھوں میں نمی دبے قدموں اتر آئی تھی۔

☆☆☆

صبور، بختیار شاہ کے پاس بیٹھا انھیں زمینوں کا حساب بتا رہا تھا جب ایس ایچ او جمیل کی کال پہ اس نے فوراً سے پیشتر اپنا "واٹس ایپ" کنیکٹ کیا تھا۔ لمحوں کے توقف کے بعد اسے آگے پیچھے تین تصویریں موصول ہوئی تھیں۔ وہ بغور اسکرین پہ نمودار ہوتے چہرے کو تکنے لگا تھا۔

وہ سفید رنگت والا ایک باریش شخص تھا، جو قریباً ساٹھ باسٹھ سال کا تھا۔ تصویر چونکہ دور سے لی گئی تھی اس لیے اتنی واضح نہ تھی۔ صبور نے لب بھینچے اگلی تصویر دیکھی تھی۔ وہ بھی یونہی چلتے پھرتے کسی مارکیٹ میں لی گئی تھی۔ لیکن اس سے اگلی تصویر پہ وہ ٹھٹک کر رک گیا تھا۔ یہ نسبتاً ایک پرانی تصویر تھی جس میں اس شخص کے چہرے پر موجود داڑھی بھی ہلکی تھی اور نقش بھی واضح تھے۔ جمیل نے یہ تصویر کہاں سے حاصل کی تھی، وہ نہیں جانتا تھا، لیکن یہ ایک بہترین کام تھا جو اس نے کیا تھا۔

" بھا جی! یہ دیکھیں۔" وہ پُرجوش سا بھائی کی طرف جھکا تو بختیار شاہ نے موبائل اس کے ہاتھ سے لے لیا۔ اور بغور سامنے موجود مسکراتے چہرے کو تکنے لگے۔

" اسے تو میں نے کہیں دیکھا ہے۔ لازماً کہیں دیکھا ہے۔" وہ تصویر پہ نگاہیں جمائے ہوئے بولے تو صبور شاہ کی بے چینی شدت اختیار کر گئی۔

" کہاں دیکھا ہے بھا جی؟" اس نے بے قراری سے بھائی کا چہرہ دیکھا۔ بختیار شاہ نے پیشانی مسلی۔ ان کی نظریں مسلسل تصویر پہ جمی تھیں۔ اچانک ان کے ذہن میں ایک جھماکا سا ہوا۔ بے اختیار انھیں اپنے بابا صاحب کی تدفین کے بعد کا وہ وقت یاد آیا جب وہ قبرستان میں کھڑے تھے۔

دور نزدیک ہر جگہ سے آئے پیر نظر حسین شاہ کے مریدوں کا ایک جم غفیر تھا جو ان کے اردگرد جمع تھا۔ ایسے میں اس رش میں جو بھی ان تک رسائی پاتا تھا، وہ اس سے ہاتھ ملاتے جا رہے تھے اور پھر ان کا مصافحے کے لیے بڑھا ہوا ہاتھ ہوا میں ہی معلق رہ گیا تھا، کیونکہ مقابل نے اپنا ہاتھ ان کی طرف نہیں بڑھایا تھا۔

انھوں نے چونک کر نگاہ اٹھائی تھی اور اپنے سامنے بالکل اسی شخص کو، جس کی تصویر اس وقت ان کے ہاتھ میں تھی، دیکھ کر وہ ٹھٹک گئے تھے۔ اس

www.urdusoftbooks.com

کی آنکھوں سے چھلکتی ناگواری اور غصہ اتنا شدید اور واضح تھا کہ لمحے کے ہزارویں حصے میں بختیار شاہ کی پیشانی شکن آلود ہو گئی تھی۔ انھوں نے سخت نظروں سے اس گستاخ کو گھورا تھا۔ مگر وہ ان کی نگاہوں کی پروا کیے بنا، ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کھڑا، انھیں غصے سے دیکھتا رہا تھا اور پھر ایک جھٹکے سے آگے بڑھ گیا تھا۔

اس کی حرکت اتنی عجیب اور غیر متوقع تھی کہ سید بختیار حسین شاہ کو وہ منظر آج بھی اپنی پوری جزئیات سمیت یاد تھا۔ بس اس چہرے پہ وقت کی مسافت نے گرد ڈال دی تھی۔ لیکن آج اس تصویر کے سامنے آتے ہی جیسے کسی نے پھونک مار کر ان کی یادداشت میں محفوظ اس چہرے پر پڑی دھول اڑا دی تھی۔

"یہ تو بابا صاحب کا کوئی مرید ہے۔" وہ دھیرے سے بڑبڑائے تو صبور شاہ اپنی جگہ پہ اچھل گیا۔

"کیا؟"

"ہاں۔ یہ۔ یہ ان کے انتقال پہ بھی آیا تھا۔" وہ اولین دھچکے سے سنبھلتے ہوئے صبور شاہ کی طرف پلٹے تو وہ بغور ان کا چہرہ تکتے ہوئے بولا

"آپ کو سچ سے یاد تو ہے ناں؟"

"بالکل۔ اس نے کچھ حرکت ہی ایسی کی تھی۔"

"کیسی حرکت؟" صبور بے اختیار ٹھٹکا۔ بختیار شاہ نے اسے ساری بات من و عن سنا ڈالی تو وہ جیسے کسی حتمی نتیجے پہ پہنچ گیا۔

"بس۔ اب تو مجھے یقین ہو گیا ہے کہ یہ پروفیسر نا صرف ہمارے خاندان سے اچھی طرح واقف ہے بلکہ اسے ہم سے کوئی پرخاش بھی ہے۔ رہا اس سیف کا باپ، جو کسی گاؤں سے اس کے پاس گیا تھا، اس کا تعلق بھی ہو نہ ہو ہمارے علاقے سے ہے بھاجی! کیونکہ یہ سیف ہمیں پہلے دن سے ہی جانا پہچانا سا لگ رہا ہے اور یہ احساس یوں ہی نہیں ہے۔"

"ہاں۔ اب تو مجھے بھی یہ کوئی اتفاق نہیں لگ رہا۔" بختیار شاہ کچھ سوچتے ہوئے بولے۔

"ایسا کرو، تم لاہور کے لیے نکل جاؤ۔" انھوں نے اچانک سر اٹھاتے ہوئے صبور کی طرف دیکھا تو وہ چونک کر ان کا چہرہ تکنے لگا۔

"جب تک عثمان علی جنگ کو ایک جھٹکا نہیں ملے گا، یہ گتھی نہیں سلجھنے والی صبور!" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولے تو صبور کے چہرے پہ سوچ کی پرچھائیاں در آئیں۔

"سیف سے تو پھر یہ بات نہیں چھپنے والی۔"

"نہ چھپے۔ لیکن تم کون ہو، کہاں سے آئے ہو یہ بتانے کی ضرورت نہیں۔"

"اور اگر اس نے خود پہچان لیا تو؟"

"پہچان لے۔ اسی بہانے خود بھی پکڑا جائے گا۔"

"سوچ لیں بھاجی! آپ کے الیکشن سر پہ کھڑے ہیں؟" اس نے گہری نظروں سے بھائی کو دیکھا۔

"کھڑے رہیں لیکن میں کسی دشمن کو وار کے لیے کھلا نہیں چھوڑ سکتا۔" وہ قطعی لہجے میں بولے تو صبور اثبات میں سر ہلا گیا۔

"ٹھیک ہے پھر اس کام میں دیر نہیں کرتے۔ میں آج ہی لاہور کے لیے نکلتا ہوں۔"

"ہاں اور جمیل سے کہو کہ وہ اب واپس آ جائے۔ اسے وہاں رکنے کی ضرورت نہیں۔ میں نہیں چاہتا کہ سیف کو اس کے اور ہمارے تعلق کے بارے میں کوئی بھنک پڑے یا لاہور میں تم دونوں کو کوئی اکٹھا دیکھے۔" وہ دور اندیشی سے بولے۔

"جی۔"

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

"گارڈز اور بندے ساتھ رکھنا۔جمیل کے بھائی کو بھی عثمان علی جنگ کے روبرو نہ ہونے دینا۔" انھوں نے مزید ہدایات جاری کیں تو صبور شاہ اثبات میں سر ہلاتا اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

بختیار شاہ فارغ ہو کر حویلی آئے تو آگے اپنے کمرے میں معصومہ کو دونوں بیٹیوں کے درمیان چھکوں پھکوں روتا دیکھ کر ان کا الجھا ہوا دماغ مزید گرم ہو گیا۔

"اب اسے کیا تکلیف ہوئی ہے؟" انھوں نے غصے سے بیٹی کو دیکھا۔

"وہ اماں جان، سلمان چاچو کے ہاتھ پھوپھو کی مٹھائی بے جی کی طرف بھجوانا چاہ رہی تھیں۔لیکن امی نے منع کر دیا۔" سبین جھجک کر بولی۔

"تو پھر اب رونا کس بات کا چڑھا ہے؟" انھوں نے بیٹی سے ہی سوال کیا تو بیڈ پہ بیٹھی معصومہ نے تنک کر سر اٹھایا۔

"اپنے نصیبوں کا چڑھا ہے! یہ جو کل ہدایت نامہ جاری کیا تھا ناں مجھے، اسے خود جا کے میرے گھر والوں کو سنا کر آئیں۔" وہ تیز لہجے میں بولیں تو بختیار شاہ انھیں کھا جانے والی نظروں سے گھورنے لگے۔

"اور ایک بات اور!" معصومہ نے تنبیہی انداز میں انگلی اٹھائی۔ "اگر اس خبر کو سن کے میرے جوان بھائی نے خود کو کوئی نقصان پہنچایا ناں شاہ صاحب، تو میں نے بھی آپ کی اس چڑیل بہن کو زندہ نہیں چھوڑنا!" وہ انھیں سرخ آنکھوں سے تکتی غصے سے بولیں تو سبین، ماں کی ہدایت کے مطابق باپ کو قائل کرنے آگے بڑھی۔

"امی ٹھیک کہہ رہی ہیں بابا! آپ دونوں خود جا کے ساری بات ماموں کو سمجھائیں۔انھیں ٹھنڈا کریں۔ایسا نہ ہو کہ کوئی نیا مسئلہ اٹھ کھڑا ہو۔" اس کے نرمی سے کہنے پر بختیار شاہ نے اک گہری سانس لی۔

"اچھا ٹھیک ہے۔کل صبح چلے جائیں گے۔" بیٹی سے کہتے وہ سر جھٹکتے باہر نکل گئے تو سبین نے ماں کی طرف دیکھا جو شوہر پر پیچ و تاب کھاتی، دوپٹہ پھیلا کر باآوازِ بلند اس سارے خاندان کو بدعائیں اور کوسنے دینے لگی تھیں۔

☆☆☆

بختیار شاہ اور معصومہ کی صبح سویرے آمد پہ بڑی حویلی میں سب ہی نے ان کا حیرت بھری خوش گواری سے استقبال کیا تھا۔بی بی نرجس کا چہرہ البتہ داماد کو دیکھ کر تن گیا تھا مگر چونکہ وہ انھیں انجان رہنے کا تاثر دینا چاہتی تھیں اسی لیے اپنے اشتعال پہ قابو پاتی خاموشی سے بیٹھی رہی تھیں۔

"یہ مٹھائی کس خوشی میں ہے بھئی؟" حاذق بہنوئی کے ہاتھ میں مٹھائی دیکھ کر مسکرائے تو بختیار شاہ ایک لمحے کو خاموش ہو گئے۔

"اس اتوار کو زرناب کی منگنی تھی۔یہ اسی کی مٹھائی ہے۔" گلا کھنکھارتے ہوئے انھوں نے مٹھائی اور میوے کی ٹوکری حاذق شاہ کی طرف بڑھائی تو تمام حاضرینِ محفل پہ سکوت طاری ہو گیا۔

"زرناب۔کی۔منگنی...... یہی کہا ناں آپ نے؟" اچانک ہاشم کی آواز اس خاموشی میں ابھری تو سب گھر والوں نے گھبرا کر اس کی طرف دیکھا جو ایک ایک لفظ پہ زور دیتا بہنوئی کے مقابل آ کھڑا ہوا۔

بختیار شاہ نے ایک نظر اس کے تنے ہوئے چہرے پر ڈالی اور اک گہری سانس لی۔

"دیکھو ہاشم! جو ہوا اسے بھول جاؤ۔میں خود تمہارا رشتہ کسی بہت اچھے اور بڑے گھرانے میں کرواؤں گا۔" انھوں نے دوستانہ انداز میں اس

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

کے شانے پہ ہاتھ رکھا۔

"مجھے آپ کی بھیک کی ضرورت نہیں۔" اس نے ان کا ہاتھ جھٹک دیا۔ بختیار شاہ کے لب سختی سے ایک دوسرے میں پیوست ہو گئے۔ انھوں نے ناگواری سے اسے دیکھا۔

"ایک بات تو طے ہے ہاشم! کہ اماں جان نے زرناب کا رشتہ کبھی بھی یہاں نہیں کرنا تھا۔ اس لیے بہتری اسی میں ہے کہ تم بھی اس حقیقت......"

"حقیقت؟" اس نے ابرو اچکاتے ہوئے ان کی بات کاٹ دی۔ "کس حقیقت کی بات کر رہے ہیں؟ اس کی؟" اس نے بھائی کے ہاتھ میں پکڑی ٹوکری کی طرف استہزائیہ انداز میں اشارہ کیا۔ اگلے ہی لمحے وہ سکون سے آگے بڑھا اور اس نے ٹوکری پہ ایک زوردار ہاتھ مارا۔ مٹھائی اور میوہ دونوں ہوا میں اچھلے اور ہر طرف بکھر گئے۔

معصومہ نے دہل کر زمین پہ گرتی چیزوں کو دیکھا۔ سب کے منہ کھلے اور آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

"یہ اوقات ہے میرے نزدیک اس حقیقت کی!" اس نے پلٹ کر جتاتی نظروں سے بختیار شاہ کو دیکھا تو ان دماغ گھوم گیا۔

"کمینے، ذلیل! تیری اتنی جرأت!" حلق کے بل چلاتے وہ ہاشم کی طرف لپکے تھے۔ حاذق اور ایاز ہڑبڑا کر ان کی راہ میں آئے تھے۔

معصومہ زرد رنگت لیے ایک طرف کھڑی تھر تھر کانپ رہی تھیں۔ انھوں نے کبھی گمان بھی نہیں کیا تھا کہ ہاشم اپنے بڑے بہنوئی کے ساتھ اس حد بھی جاسکتا ہے۔

"یوں ہی۔ بالکل یونہی تڑپاؤں گا تم سب کو! تم لوگوں نے میری بات کو نظر انداز کرنے کی جو جرأت کی ہے اس کے بدلے میں، میں اب تمھیں وہاں ماروں گا جہاں پانی بھی نہیں ملے گا!" وہ زہریلے لہجے میں پھنکارا تو بختیار شاہ غصے سے پاگل ہوا تھے۔

"تو مارے گا؟ اوقات دیکھی ہے سالے بدمعاش، زناکار!" خود کو چھڑاتے وہ چیخ کر بولے تو ہاشم کے لبوں پہ تنفر بھری مسکراہٹ آ کر غائب ہو گئی۔

"یہی زناکار تیری بہن سے نکاح کرے گا۔ تو دیکھنا بختیار شاہ! تو دیکھنا!" اور معصومہ کو لگا تھا کہ اگر وہ کچھ دیر اور یہاں کھڑی رہیں تو سب کچھ ہمیشہ کے لیے برباد ہو جائے گا۔

"چلیں۔ آپ کو اللہ کا واسطہ ہے، یہاں سے چلیں۔" دونوں ہاتھوں سے شوہر کا بازو کھینچتے ہوئے وہ رو دینے کو تھیں۔

"بہت شوق تھا ناں تمھیں اپنے بھائی کو سمجھانے کا؟ لو دیکھو، اس کتے کا بھونکنا!" وہ پلٹ کر بیوی پہ دھاڑے۔ "سچ پہچانا تھا بابا صاحب نے اسے۔" کف اڑاتے ہوئے انھوں نے ہاشم کی طرف اشارہ کیا۔ "یہ میری بہن تو دور، اس کی گرد کے بھی لائق نہیں!" ان کی بات پہ ہاشم کی آنکھوں سے آگ کی لپٹیں سی نکلنے لگیں۔

"یہ تو وقت بتائے گا، کون کس لائق ہے بختیار شاہ! تم لوگوں کا یہ غرور اگر مٹی میں نہ ملایا تو ہاشم رجب حسین شاہ نام نہیں میرا!" مٹھیاں بھینچے وہ ایک جھٹکے سے پلٹ کر اندر چلا گیا تو ہر سو جیسے موت کا سناٹا چھا گیا۔

بختیار شاہ نے کھا جانے والی نظروں سے سامنے کھڑے سسرال والوں کی طرف دیکھا۔

"آج کے بعد میرا تم لوگوں سے ہر تعلق ختم!" گرجدار آواز میں کہتے وہ پلٹ کر باہر کی طرف بڑھ گئے تو پتھرائی کھڑی معصومہ زرد چہرہ لیے شوہر کے پیچھے لپکیں۔ انھیں آج پہلی بار ان سے خوف محسوس ہوا تھا۔

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

☆☆☆

مغلظات کا ایک طوفان تھا جو سفید حویلی کے درودیوار نے آج سے پہلے کبھی نہیں سنا تھا۔ بختیار شاہ نے زندگی میں پہلی بار سب کے سامنے، جو منہ میں آیا تھا، وہ معصومہ اور ان کے گھر والوں کو کہا تھا اور وہ ان کے حق میں ایک لفظ نہ کہہ سکی تھیں۔ انھوں نے بنا کسی لگی لپٹی کے ہاشم کو ایک غلط انسان گردانتے ہوئے اپنی ماں کے فیصلے کو بالکل درست قرار دیا تھا۔

یہ ہنگامہ زرتاب کے لبوں پہ ایک زخم خوردہ سی مسکراہٹ بکھیر گیا تھا۔ وہ چپ چاپ وہاں سے ہٹ کر اپنے کمرے میں چلی آئی تھی۔

انسان سچ میں بہت خودغرض ہے۔ یہی بختیار شاہ تھے جنھیں ساری زندگی اپنی بیوی اور سسرال والوں کی کوئی زیادتی، زیادتی نہ لگی تھی۔ ان کے ہاتھوں ماں باپ اور بہن کو ملنے والی کوئی اذیت، اذیت محسوس نہ ہوئی تھی۔ الٹا انھوں نے ہمیشہ اپنے سسرال کا ساتھ دیا تھا۔ ہر آن ماں باپ کو ہی غلط گردانا تھا۔ اور آج جب بات خود پر آئی تھی تو وہ کھرے کھوٹے کی تمیز کرنے پہ اتر آئے تھے؟؟

کاش کہ وہ تب اپنے رشتوں کی ڈھال بنتے جب انھیں ان کے ساتھ اور یقین کی اشد ضرورت تھی۔ اب تو ان کا ہونا نہ ہونا زرتاب کے لیے معنی کھو چکا تھا۔

☆☆☆

مسلسل بجتی اطلاعی گھنٹی پہ لاؤنج میں کتاب پڑھتے عثمان علی جنگ نے بے اختیار ملازم کو پکارا تھا۔ مگر پھر خیال آنے پہ کہ وہ بیگم عثمان کے ساتھ بازار گیا ہوا تھا وہ خود دروازہ کھولنے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

آنے والا جو کوئی بھی تھا، بہت بے صبرا تھا۔ وہ جب تک گیٹ پر پہنچے تھے، بری طرح جھنجلا گئے تھے۔

"کھول رہے ہیں بھئی، کیا ہو گیا ہے؟" کوفت سے کہتے انھوں نے جوں ہی آگے بڑھ کر گیٹ کھولا ان کی نظریں سامنے موجود چہرے پہ جم کر رہ گئیں۔ ایک سیکنڈ۔ دو سیکنڈ۔ تیسرے ہی پل ان کے ذہن میں جھما کا سا ہوا اور وہ اپنی جگہ پہ ساکت رہ گئے۔ ان کی نگاہوں کے عین سامنے پیر سید نظر حسین شاہ کا چھوٹا بیٹا، صبور شاہ کھڑا تھا۔

"کیسے ہیں پروفیسر صاحب؟" گہری نظروں سے ان کا جائزہ لیتا وہ دھیرے سے مسکرایا تو عثمان علی جنگ نے بے اختیار خود کو سنبھالا۔

وہ یہاں تک کیسے پہنچا تھا، وہ نہیں جانتے تھے۔

"میں ٹھیک ہوں۔ لیکن میں نے آپ کو پہچانا نہیں برخوردار۔" اپنا لہجہ نارمل رکھتے ہوئے وہ رسان سے بولے تو صبور مسکرا دیا۔

"حالانکہ میں نے آپ کو فوراً پہچان لیا۔ ہے نا عجیب بات؟"

اس نے میٹھے سے لہجے میں طنز کرتے ہوئے ان کی طرف دیکھا۔ "اندر آ سکتا ہوں؟" عثمان علی نے ایک نظر اس کے چہرے کو دیکھا اور ایک طرف ہو گئے۔ صبور مسکراتا ہوا اندر چلا آیا۔ ساتھ ہی اس کے تین آدمی گنز لیے اس کے پیچھے داخل ہوئے تو عثمان صاحب کے چہرے پہ ناگواری پھیل گئی۔

"یہ کیا طریقہ ہے؟"

"ہمارا تو یہی طریقہ ہے صاحب۔ آپ کو پسند نہیں آیا تو کیا کر سکتے ہیں۔" صبور نے بے نیازی سے کندھے اچکاتے ہوئے پاؤں کی ٹھوکر سے دروازہ بند کر دیا تو عثمان صاحب کے لب سختی سے ایک دوسرے میں پیوست ہو گئے۔ اس کے ارادے یقیناً اچھے نہیں تھے۔

"اچھا گھر ہے آپ کا۔ کون کون رہتا ہے

www.urdusoftbooks.com

یہاں؟"

"پوچھ سکتا ہوں، آپ کون ہیں اور کس سلسلے میں تشریف لائے ہیں؟" اس کی بات نظر انداز کیے انھوں نے سپاٹ لہجے میں استفسار کیا تو صبور کے لبوں پہ کھیلتی مسکراہٹ غائب ہوگئی۔

"میں کون ہوں، یہ تم اچھی طرح جانتے ہو عثمان علی جنگ۔ اگر نہیں بھی جانتے تو کوئی مسئلہ نہیں۔ مجھے تم سے جان پہچان بڑھانی بھی نہیں ہے۔ بس اتنا بتا دو، تمھارا وہ لے پالک بیٹا۔ سیف علی جنگ! کس سلسلے کی کڑی ہے؟" دھیرے دھیرے چلتا وہ ان کے مقابل آ کھڑا ہوا تو عثمان صاحب کی آنکھوں میں سختی اتر آئی۔

"وہ میرا بیٹا ہے!" وہ قطعیت سے بولے تو صبور سرد مہری سے مسکرا دیا۔

"نہیں۔ وہ تمھارے ملازم کا بیٹا ہے۔" اور عثمان صاحب کو زمین اپنے پیروں تلے سے نکلتی محسوس ہوئی تھی۔ یعنی وہ لوگ یہ حقیقت جان گئے تھے کہ سیف ان کا بیٹا نہیں تھا۔

"تمہیں اس سے کیا مطلب ہے کہ وہ کس کا بیٹا ہے؟ تم فوراً یہاں سے باہر نکلو!" انھوں نے غصے سے دروازے کی طرف اشارہ کیا تو صبور کی مٹھیاں بھینچ گئیں۔ اگر سیف علی جنگ کے نام کے ساتھ اے ایس پی کا ٹھنٹھنا نہ ہوتا ناں تو وہ دو منٹ میں اس بڈھے سے ساری سچائی اگلوا لیتا۔

"میں یہاں سے چلا جاؤں گا۔ مجھے صرف اس کے باپ کا نام اور اس کے علاقے کا پتا بتا دو۔" وہ تند لہجے میں بولا تو اس کا مطالبہ عثمان علی جنگ کو ایک لمحے کے لیے سن کر گیا۔ یہ عبداللہ کے متعلق کیوں پوچھ رہا تھا؟ کیا یہ لوگ سیف کی کسی بات سے کھٹک گئے تھے۔ یا پھر انھیں کوئی سن گن ملی تھی؟ خوف سے سوچتے ہوئے انھوں نے اپنا بکھرتا حوصلہ مجتمع کیا۔

"کیوں اور کس لیے بتاؤں؟ دیکھو مسٹر! میرا بیٹا اے ایس پی ہے۔ اس کے گھر میں آ کے یہ غنڈہ گردی دکھانا تمھیں بہت مہنگی پڑ سکتی ہے!" وہ مضبوط لہجے میں بولے۔

"اور تمھیں یہ خاموشی بہت مہنگی پڑ سکتی ہے۔ سیدھے طریقے سے بتاتے ہو یا......" اس سے پہلے کہ وہ ان کا گریبان پکڑتا، دروازے پہ بجنے والی بیل نے صبور کے بڑھتے ہاتھ اپنی جگہ پہ ساکت کر دیے۔ اس نے تیز نظروں سے عثمان صاحب کو دیکھا تھا۔ جنھوں نے دل ہی دل میں اس غیبی مدد پہ اللہ کا شکر ادا کیا تھا۔

"میں پھر آؤں گا۔ یہ مت سمجھنا کہ تمھاری جان چھوٹ گئی عثمان علی جنگ!" تنبیہی انداز میں انگلی اٹھائے اس نے آگے بڑھ کر ایک جھٹکے سے گیٹ کھولا تو دوسری جانب منتظر کھڑی بیگم عثمان ایک اونچے لمبے اجنبی اور اس کے پیچھے اسلحہ بردار آدمیوں کو دیکھ کر بری طرح ڈر گئیں۔

صبور انھیں بغور دیکھتا کروفر سے باہر نکل گیا تو وہ حواس باختہ سی شوہر کی طرف لپکیں۔ پیچھے آتے ملازم نے سرعت سے دروازہ بند کیا تھا۔

"عثمان! یہ۔ یہ کون لوگ تھے؟" ان کے چہرے پہ ہوائیاں اڑتی دیکھ کر عثمان صاحب نے خود کو سنبھالا تھا۔

"ارے بابا! میرا اسٹوڈنٹ تھا۔"

"لیکن وہ گنز......"

"باڈی گارڈ تھے اس کے۔" نرمی سے ان کی بات کاٹتے وہ ان کے شانے کے گرد بازو پھیلا گئے تو بیگم عثمان کی جان میں جان آئی۔

☆☆☆

"حد ہوتی ہے بے جی! اتنی بکواس! میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ ہاشم اپنے بڑے بہنوئی کے ساتھ ایسا سلوک کرے گا۔"

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

فون پہ روتی معصومہ جیسے پھٹ پڑی تھیں۔

"کیا کچھ نہیں کیا میں نے اس بے غیرت کے لیے اور اس نے میرا ہی خیال نہیں کیا۔ یہ بھی نہیں سوچا کہ اگر غصے میں بختیار شاہ مجھے کوئی الٹا سیدھا لفظ (طلاق) کہہ دیتا تو؟"

"اللہ نہ کرے۔ کیوں ایسی بدفالیں منہ سے نکال رہی ہے معصومہ!" بی بی نرجس کے دل پہ ہاتھ پڑا تھا۔

"میرے کہنے یا نہ کہنے سے کیا ہوتا ہے۔ بات کریں اس کی جس نے کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی اور آپ؟ آپ کو بھی کون سا خیال آ گیا تھا میرا یا اپنے داماد کا؟"

"لے میں کیا کرتی؟ میرے تو اپنے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے پڑ گئے تھے۔" بی بی نرجس کھسیا کر بولیں تو دوسری طرف معصومہ کی تیوریاں چڑھ گئیں۔

"اگر آپ کو ہاشم کا اتنا ہی ڈر مارا ہوا تھا تو بختیار کو کہہ کر کیوں بلوایا تھا؟ کیوں بھری سسرال میں میری مٹی پلید کروائی بے جی!" وہ زور زور سے رونے لگیں تو بی بی نرجس خفیف سی ہو گئیں۔

"اچھا تو نہ رو۔ میں۔ میں خود آؤں گی بختیار سے معذرت کرنے۔ بلکہ ایاز اور حاذق کو بھی لے کر آؤں گے۔ سچ میں وہ دونوں بہت پریشان ہیں۔" ان کی بات پہ معصومہ چیخ سی گئیں۔

"کوئی ضرورت نہیں۔ آپ سب اب ٹھنڈے ہو کر بیٹھ جائیں اور فاتحہ پڑھ لیں اپنی بیٹی پر۔"

"اللہ نہ کرے! دیکھ معصومہ! میں پہلے ہی بہت پریشان ہوں مجھے اور پریشان نہ کر۔" بی بی نرجس رندھی ہوئی آواز میں بولیں۔

"یہ مجھے نہیں اپنے لاڈلے کو جا کر بتائیں۔ جس نے بے حیائی کے سارے ریکارڈ توڑ دیے ہیں۔" وہ تپ کر بولیں۔ "نہ بھابیوں کی شرم نہ بہنوئی کا لحاظ۔ کس طرح بختیار کے منہ پہ ان کی بہن کا نام لے کر دھمکیاں دے رہا تھا۔ اس سے نکاح کی قسمیں کھا رہا تھا۔ میں آپ کو بتا رہی ہوں بے جی! مجھے بختیار نے صاف لفظوں میں کہہ دیا ہے کہ اگر اس نے کسی بھی قسم کی ذلالت دکھائی نا تو اس کا خمیازہ صرف اور صرف مجھے بھگتنا پڑے گا۔ آپ کی بیٹی کو!"

ان کی آنکھیں نئے سرے سے بھر آئیں تو وہ پھوٹ پھوٹ کر رو پڑیں۔ شوہر کی ایک ہی دھمکی نے ان کے سارے کس بل نکال دیئے تھے۔ زرناب، اس کی شادی، بھائی کا رد کیے جانا انھیں ہر بات بھول گئی تھی۔ یاد رہا تھا تو صرف اتنا کہ اس سارے قصے میں ان کا اپنا گھر داؤ پر لگ گیا تھا۔

"تو فکر نہ کر۔ یہ ہاشم ذرا آئے تو سہی۔ وہ کروں گی اس کی کہ ساری عاشقی بھول جائے گا۔" بی بی نرجس نے دانت پیسے۔

"کہاں۔ کہاں گیا ہے یہ؟" معصومہ بے اختیار گھبرا گئیں۔ ہاشم کی بکواس نے ان کا سارا سکون غارت کر کے رکھ دیا تھا۔

"تم لوگوں کے جانے کے بعد ایاز اور حاذق نے لعن طعن کی تو حویلی چھوڑ کے نکل گیا۔ پڑا ہے اب اس جہانگیر کے ڈیرے پہ۔" انھوں نے بے زاری سے اس کے دوست کا نام لیا۔

"جہانگیر کا ڈیرہ نہ کہیں بدمعاشوں کا ڈیرہ کہیں، بدمعاشوں کا!" جلا کر کہتی معصومہ اپنا سر پکڑ گئیں۔ "ہائے بے جی اگر یہ لڑکا باز نہ آیا تو کیا بنے گا۔ میں بختیار شاہ کو کیا جواب دوں گی!" وہ سراسیمگی سے بولیں تو بی بی نرجس کا دل ڈوب سا گیا۔ یہ ان پہ کیسی افتاد آ پڑی تھی۔

ایک طرف اگر بیٹے کی خوشی تھی تو دوسری طرف بیٹی کا گھر۔ وہ ساتھ دیتی بھی تو کس کا

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

دیتیں؟

☆☆☆

"کیا؟" عثمان صاحب کی بات نے سیف کو اپنی جگہ پہ ساکت کر دیا۔ "کب آیا تھا وہ؟"

"آج صبح۔"

"اور آپ مجھے اب بتا رہے ہیں!" اس نے ہاتھ میں پکڑا چائے کا مگ سائیڈ ٹیبل پہ پٹخا۔

"تو کیا کرتا۔ تمھیں آفس میں پریشان کرنے بیٹھ جاتا؟" وہ خفگی سے بولے۔ سیف کی پیشانی کے بل گہرے ہو گئے۔

"بھاڑ میں گئی میری پریشانی۔ وہ کمینہ میرے گھر تک پہنچ گیا اور مجھے علم ہی نہیں۔ حد کرتے ہیں آپ بابا!"

"یہی وجہ تھی تمھیں نہ بتانے کی۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ تم کچھ بھی سوچے سمجھے بغیر بختیار شاہ کے سامنے جا کھڑے ہو۔"

"تو آپ کا کیا خیال ہے، میں اب انھیں چھوڑ دوں گا؟" اس نے مٹھیاں بھینچیں۔ "ان کا وہ حال کروں گا کہ ساری بدمعاشی بھول جائیں گے۔" اس کی بات عثمان علی کو مزید پریشان کر گئی۔

"سیف! صورتحال کو سمجھنے کی کوشش کرو۔ صبور شاہ نے مجھے کچھ نہیں بتایا کہ وہ کون ہے۔ کہاں سے آیا ہے؟ میں نے بھی اسے یہی تاثر دیا کہ وہ میرے لیے ایک انجان شخص ہے۔ ایسے میں تمہارا وہاں خود پہنچ جانا، اپنے پیر پہ کلہاڑی مارنے والی بات ہو گی۔ یہ لوگ تو پہلے ہی تمھاری طرف سے کھٹک گئے ہیں۔ بلکہ اندر ہی اندر بہت کچھ پتا کروا چکے ہیں۔ یوں سمجھ لو کہ تم سے بس چند قدموں کی دوری پہ ہیں۔ عبداللہ کا نام کھلنے کی دیر ہے وہ یہ ساری حقیقت جان جائیں گے۔"

"اچھا ہے۔ میں خود بھی اس چوہے بلی کے کھیل کو ختم کرنا چاہتا ہوں۔ جنگ وہ ہوتی ہے جو مردانہ وار لڑی جائے۔ انھیں میرے باپ کا نام چاہیے؟ میں خود بتاؤں گا۔ دیکھتا ہوں کیا اکھاڑ لیتے ہیں میرا۔" وہ دوبدو بولا تو عثمان صاحب کی پریشانی خوف میں بدل گئی۔

"دماغ خراب ہو گیا ہے تمھارا؟ تم ایسا کچھ نہیں کرو گے سیف۔ سنا تم نے!"

"تو کیا بیٹھ کر ان کی دست درازی دیکھتا رہوں؟" وہ زور سے بولا۔ "میں اپنے گھر والوں کی حفاظت کے لیے کسی بھی حد تک جا سکتا ہوں بابا۔" اس نے قطعی انداز میں کہا۔

"اور میں تمھاری حفاظت کے لیے کسی بھی حد تک جا سکتا ہوں۔ سمجھے تم!" وہ غصے سے بولے۔ سیف کو لگا جیسے اس کا دماغ پھٹ جائے گا۔

"خدا کا واسطہ ہے بابا مجھے یوں پابند کر کے مت آزمائیں!"

"اور تم ایسی باتیں کر کے میرا حوصلہ نہ آزماؤ سیفی۔" وہ مضمحل سے بولے۔ "تمھاری ذات پہ صرف تمھارا ہی نہیں ہمارا بھی حق ہے اور اگر تم اس حق کو مانتے ہو تو تمھیں میری بات کا احترام کرنا ہو گا۔"

انھوں نے اپنی محبت کو اس کے راستے کی دیوار بنا دیا تو سیف مارے بے بسی کے لب بھینچ گیا۔

"میں گھر کے لیے گارڈز کا بندوبست کرواتا ہوں۔" وہ چند لمحوں کے توقف کے بعد خفگی سے بولا تو عثمان صاحب اس کی اس درجہ سعادت مندی پہ نہال ہو گئے۔

☆☆☆

"او شہزادے! کیوں سگریٹ پہ سگریٹ پھونک کے اپنا کلیجہ ساڑ رہا ہے؟" ہاشم کو نیا پیکٹ نکالتا دیکھ کر جہانگیر نے اس کے ہاتھ پہ اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ وہ جب سے حویلی سے آیا تھا جلنے اور کلسنے کے

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

سوا اس نے کچھ نہیں کیا تھا۔
"یہ کلیجہ تو پہلے ہی بھڑ بھڑ جل رہا ہے۔" استہزائیہ انداز میں سر جھٹکتے ہوئے اس نے اپنا ہاتھ کھینچا۔ جہانگیر نے گہری سانس لی۔
"اب کرنا کیا ہے؟"
"یہی تو سمجھ میں نہیں آ رہا۔" ہاشم نے بے بسی سے بالوں میں انگلیاں پھیریں۔ جہانگیر نے پُرسوچ انداز میں ٹھوڑی کھجائی۔
"ایسا کر، سب سے پہلے تو سفید حویلی میں اپنا ایک مخبر بٹھا۔ جو تجھے وہاں کے پل پل کی خبر دے سکے۔" وہ چند لمحوں بعد بولا تو ہاشم کی بجھی آنکھیں چمک اٹھیں۔
"یہ کی نا پتے کی بات!" وہ جوش سے سیدھا ہو بیٹھا۔
"کوئی بندہ ہے تیری نظر میں جو اندر کی خبریں دے سکے؟" جہانگیر نے اس کا چہرہ دیکھا۔
"ایک ہے۔" ہاشم سوچتے ہوئے بولا۔
"تیرے لیے کام کرے گا وہ؟" اس نے اگلا سوال کیا۔
"پیسے کا پیر ہے۔ کسی کے لیے بھی کام کرے گا۔" ہاشم مسکرا کر بولا تو جہانگیر بھی مکاری سے مسکرا دیا۔
"چل پھر بلوا اسے۔ ہم سب سے پہلے اپنا رپورٹر تو وہاں فٹ کروائیں ناں۔" اس نے ہاشم کی ٹانگ پہ ہاتھ مارا تو وہ اثبات میں سر ہلاتا جیب سے موبائل نکالنے لگا۔

☆☆☆

"ہاں صبور! کیا بنا؟" اگلی صبح بختیار شاہ نے سب سے پہلا کام بھائی کو فون کرنے کا کیا تھا۔ کل اس سے ساری روداد سن کے وہ اس نتیجے پہ پہنچے تھے کہ عثمان علی جنگ کی ہٹ دھرمی اتنی آسانی سے انھیں معاملے کی تہہ تک نہیں پہنچنے دینے والی تھی۔
اس لیے اس شخص سے صبور کی ایک اور ملاقات بہت ضروری تھی۔ مگر یہ اتنا آسان نہ تھا۔ انھیں ایک ایسا موقع تلاش کرنا تھا جب پہلی بار کی طرح اس بار بھی وہ گھر پہ اکیلے ہوتے۔ مگر آج جب ایس ایچ او جمیل کا بھائی، عثمان علی کے گھر کا چکر لگا کے آیا تھا تو صبور کو ملنے والی اطلاع نے اس کا خون کھولا دیا تھا۔
"بننا کیا ہے بھاجی۔ کل کے واقعے کی خبر سیف علی جنگ کو مل چکی ہے۔ اور آپ سوچ نہیں سکتے کہ اس کمینے نے کیا قدم اٹھایا ہے۔" دوسری طرف بھرا بیٹھا صبور جل کر بولا تو بختیار شاہ چونک کر سیدھے ہوئے۔
"کیا، کیا ہے؟"
"اس نے اپنے گھر کے باہر گارڈ کھڑے کروا دیے ہیں۔"
"کیا!"
"جی۔" صبور نے بدمزگی سے سر جھٹکا۔ بختیار شاہ کا دماغ گھوم گیا۔
"بہت بڑی چیز ہے یہ!" ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ سیف کی گردن مروڑ دیں۔
"اب کیا کریں؟" صبور نے خود کو بے بس محسوس کرتے ہوئے سوال کیا۔
"فی الحال تو کچھ نہیں ہو سکتا۔ سوائے اس کے کہ تم جمیل کے بھائی کو اس کی نگرانی پر مامور کر دو اور واپس آ جاؤ۔"
"میں تو واپس آ جاؤں گا بھاجی! مگر میں نے فیصلہ کیا ہے کہ جمیل کے بھائی کو اب اس بڈھے کی نگرانی پہ نہیں لگانا۔" اس نے حتمی انداز میں سر ہلایا۔
"پھر؟"
"پھر یہ کہ سیف علی جنگ لگا رہے اپنے اس نام نہاد باپ کی حفاظت پہ اور میں اس کے مرے ہوئے باپ کی ہڈیوں میں سے اپنے مطلب کی

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

بات نکال لوں گا۔ میں اب اس کمینے کے سگے باپ کی قبر کا پتا لگواؤں گا بھاجی۔ کتبے پر تو اس سانپ کا اپنا نام لکھا ہوگا ہی۔" وہ زہر خند سا بولا۔ بختیار شاہ نے پُرسوچ انداز میں ہنکارا بھرا۔

"ہوں...... خیال تو اچھا ہے لیکن اتنا آسان نہیں۔"

" آسان تو کچھ بھی نہیں رہا بھاجی۔ نہ عثمان علی جنگ پہ ہاتھ ڈالنا اور نہ ہی اس کی زبان کھلوانا۔"

"چلو پھر کر دیکھو۔ شاید داؤ لگ جائے۔"

"لگے گا کیونکہ اس علاقے میں ایک ہی قبرستان ہے اور جمیل کے بھائی کو فقط ایک ہی قبر ڈھونڈنی ہے۔ پھر چاہے اس قبر تک اسے قبرستان کا چوکیدار پہنچائے یا کوئی محلے دار۔ ہمیں صرف بس تھوڑا سا انتظار کرنا ہے!" وہ دھیرے سے مسکرایا تو بختیار شاہ کو بھی امید کے آثار بندھتے نظر آئے۔

☆☆☆

"اچھا امی! اپنا بہت خیال رکھیے گا۔" شفق نم آنکھیں لیے ماں کے گلے لگی تو بی بی حوراں نے اس کی پیشانی چوم لی۔

"خیر سے جاؤ۔ اللہ پاک اپنی امان میں رکھے۔" بیٹی کو دعاؤں سے نوازتے انھوں نے داماد کے کندھے پہ ہاتھ پھیرا تھا۔

ان دونوں کی آج اسلام آباد روانگی تھی۔ ماں کے کمرے سے نکل کے وہ ہال میں آئی تھی جہاں سارے گھر والے ان کے منتظر کھڑے تھے۔ تائی، پھپھی اور بہنوں سے مل کر وہ بختیار شاہ کی طرف آئی تو وہ سلمان سے بغلگیر ہوتے اس کی طرف پلٹے۔

"یہ زوہیب کے گھر والے کب تک شادی کا ارادہ رکھتے ہیں؟" انھوں نے اچانک ایک بالکل غیر متوقع سوال کیا تو شفق سمیت سب ہی چونک گئے۔

"چار پانچ ماہ بعد کا کہہ رہی تھیں آنٹی۔" وہ اپنی حیرت پر قابو پاتے ہوئے بولی تو بختیار شاہ نے پُرسوچ انداز میں ہنکارا بھرا۔

"لیکن میں اس فرض سے جلد از جلد سبک دوش ہونا چاہتا ہوں۔" ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہتے انھوں نے شفق کی طرف دیکھا تو ایک طرف کھڑی زرتاب کا دل دھک سے رہ گیا۔

"تم ان سے بات کرو۔ اگر انھیں کوئی اعتراض نہیں تو ہم یہ شادی اگلے ماہ کرنا چاہیں گے۔"

زرتاب کو لگا جیسے ہال کے در و دیوار اس پہ آ گرے ہوں۔ اس نے گھبرا کر پاس کھڑی صدف کی طرف دیکھا جس نے بے اختیار اس کا ٹھنڈا پڑتا ہاتھ تھام لیا۔

"مگر پتر! اتنی جلدی تیاری کیسے ہوگی؟" بی بی نور بانو نے پریشانی سے بیٹے کو دیکھا۔

"پیسہ ہونا چاہیے اماں جان۔ باقی آج کل سب کچھ تیار ملتا ہے۔" وہ بے نیازی سے بولے تو بی بی نور بانو کی نگاہیں شاہ بی بی کی نظروں سے جا ٹکرائیں۔

"ٹھیک ہے بھاجی! میں بات کرتی ہوں۔" شفق دھیرے سے بولی۔ "لیکن اگر انھوں نے اس جلدی کی وجہ پوچھی تو؟"

"تو کہہ دینا کہ میرے بھائی الیکشن میں کھڑے ہو رہے ہیں اور وہ اس مصروفیت میں گھرنے سے پہلے بہن کے فرض سے فارغ ہونا چاہتے ہیں۔" وہ بنا کسی پس و پیش کے بولے تو شفق کا سر اثبات میں ہل گیا۔

"اور اگر وہ لوگ مان جاتے ہیں تو میں، اماں جان اور شاہ بی بی کو لے کر تمھاری طرف آ جاؤں گا۔ پھر ہم انھیں وہیں انوائیٹ کر کے تاریخ طے کر لیں گے۔" وہ تو جیسے سب کچھ سوچے بیٹھے

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

تھے۔ زرناب کی رنگت زرد پڑ گئی۔

شفق اور سلمان کے جانے کے بعد بی بی نور بانو اور شاہ بی بی اسی مسئلے کو لے کر ہال میں آ بیٹھیں۔ مگر زرناب وہاں رکنے کے بجائے اپنے کمرے میں چلی آئی۔ صدف بھی پریشان چہرہ لیے اس کے پیچھے آئی تھی۔

"یہ اتنی جلدی سب کیا ہو رہا ہے صدف؟ مجھے لگتا ہے میرا دم گھٹ جائے گا!" زرناب روہانسی ہو کر بولی تو صدف نے اک بوجھل سانس لی۔

"جلد یا بدیر۔ یہ سب یونہی ہونا ہے زرناب۔" دھیرے سے کہتی وہ اس کے مقابل آ کھڑی ہوئی۔

"مجھے کچھ وقت چاہیے۔ پلیز صدف!" وہ ملتجی لہجے میں بولی۔

"یہ اب ممکن نہیں زری۔ تم نے جس دن تائی جان کو اپنا اقرار سونپا تھا، اسی دن تمھارے اختیار کی حد ختم ہو گئی تھی۔" اور زرناب کی آنکھوں میں تیرتی نمی اس کے گالوں پہ پھسل آئی۔

"میں اسے اپنی ذات سے مزید کوئی دکھ نہیں دینا چاہتی تھی صدف! مگر دیکھو، میں ہر روز اسے ایک نیا زخم دے رہی ہوں۔ بے رحمی کی ایک نئی داستان رقم کر رہی ہوں۔ کتنی ظالم ہوں نا میں!" اس کی آنکھوں میں دیکھتی وہ اچانک پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی تو صدف اسے سینے سے لگاتی خود بھی سسک اٹھی۔

☆☆☆

زور و شور سے بجتے ہارن پہ چوکیدار نے بھاگ کر گیٹ کھولا تھا۔ ہاشم کی گاڑی تیزی سے اندر داخل ہوئی تھی اور ایک تیز چرچراہٹ کے ساتھ روش پہ جا رکی تھی۔ غصے میں بھرا وہ ایک جھٹکے سے دروازہ کھول کر نیچے اترا تھا۔ اور تیز قدموں سے چلتا بڑی حویلی کے اندرونی حصے میں چلا آیا تھا۔ جہاں اتفاق سے اس وقت سب ہی افراد خانہ موجود تھے۔

اسے اندر داخل ہوتا دیکھ کے سب کی نظریں اس کی طرف اٹھی تھیں اور پھر اس کے سرخ چہرے پہ جم کر رہ گئی تھیں۔ وہ آج پورے چار دن بعد گھر لوٹا تھا مگر اس کے باوجود برہمی کے آثار اس کے چہرے پہ صاف دیکھے جا سکتے تھے۔ ہاشم سب کی نگاہوں کو نظر انداز کرتا ماں اور بھائیوں کے سامنے جا کھڑا ہوا تھا۔

"آپ لوگ بختیار شاہ سے معافی مانگنے گئے تھے؟" بنا سلام دعا کیے وہ سید حامد عا پہ آیا تو ایاز شاہ کی پیشانی شکن آلود ہو گئی۔

"یہ کون سا طریقہ ہے اپنے بڑوں سے بات کرنے کا؟" انھوں نے کڑی نظروں سے اسے گھورا۔

"بڑے؟" اس کی بھنویں تن گئیں۔ "آپ لوگ اگر میرے بڑے ہوتے نا تو مجھے یوں ذلیل کرنے سفید حویلی نہ پہنچ جاتے!" وہ غصے سے بولا۔ اسے جب سے اس کے مخبر، بشیر، نے یہ اطلاع دی تھی کہ آج اس کے گھر والے بختیار شاہ سے ملنے آئے تھے، اس کا خون کھول اٹھا تھا۔

ایاز شاہ اس کی بات پہ ایک جھٹکے سے اٹھے۔

"ذلیل تو تم نے ہمیں کر کے رکھ دیا ہے۔ پہلے ہم تمھاری وجہ سے سالہا سال ان کی دہلیز پکڑ کر بیٹھے رہے اور اب تمھاری بدولت وہاں معافی تلافی کرتے پھر رہے ہیں اور تم ہم پہ شیر ہو رہے ہو! ہمیں آنکھیں دکھا رہے ہو؟ کچھ احساس بھی ہے کہ تم نے اپنی بہن کے لیے کتنی مشکلیں کھڑی کر دی ہیں؟" تیوریاں چڑھائے وہ اس کے مقابل آ کھڑے ہوئے۔

"بہن! کون سی بہن؟ وہ جو یہاں شوہر کے ساتھ مٹھائی لے کر آ گئی تھی؟" وہ تنفر سے بولا تو بی

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

بی بی نرجس اس کے لہجے کی بدلحاظی پہ دنگ رہ گئیں۔ "میری طرف سے ایسی بہن جائے بھاڑ میں! رہی آپ لوگوں کی نیکی تو یاد رکھیں، میرے ساتھ کسی نے کوئی نیکی نہیں کی۔ آپ لوگوں نے بس رشتہ مانگنے کی زحمت ضرور کی تھی۔ اس کے بعد انھوں نے اسے جوڑا یا توڑا، آپ سب کی بلا سے!" ان کی آنکھوں میں دیکھتا وہ تند لہجے میں بولا تو ایاز شاہ کا دماغ گھوم گیا۔

"تو کیا کرتے ہم؟" وہ اس زور سے گرجے کہ حویلی کے در و دیوار لرز اٹھے۔ "ان سب کو گولی مار آتے یا زرناب کو اٹھا کے تمھارے قدموں میں پھینک دیتے؟"

"کچھ بھی کرتے۔ لیکن وہ نہ کرتے جو آج کر کے آئے ہیں۔" وہ دوبدو چلایا تو ایاز شاہ کی آنکھوں سے لپٹیں سی نکلنے لگیں۔

"میری ایک بات کان کھول کر سن لو ہاشم! تمھاری یہ ضد تمھاری بہن کا گھر برباد کر سکتی ہے۔ اس لیے بہتری اسی میں ہے کہ تم چپ چاپ اس معاملے سے پیچھے ہٹ جاؤ!" انھوں نے تنبیہی انداز میں انگلی اٹھائی۔

"میری بہتری کس میں ہے، یہ مجھے بتانے کی ضرورت نہیں! آپ لوگوں کے گھر آباد کرنے کا میں نے ٹھیکا نہیں لیا ہوا!"

ان کی جانب دیکھتا وہ انتہائی بدتمیزی سے بولا تو ایاز شاہ کا صبر جواب دے گیا۔ ان کا ہاتھ اٹھا اور زوردار آواز کے ساتھ اس کے چہرے پہ اپنا نشان چھوڑ گیا۔ حاذق شاہ اسپرنگ کی طرح اچھل کر کھڑے ہوئے۔ جبکہ بی بی نرجس دم سادھے آنکھیں پھاڑے اس ہولناک منظر کو تکتی رہ گئیں۔

"آپ نے مجھ پہ! مجھ پہ ہاتھ اٹھایا؟" ہاشم غرا کر بڑے بھائی کی جانب لپکا تو اس کی بھابیوں کی دبی دبی چیخیں نکل گئیں۔ بی بی نرجس دہل کر بیٹوں کی جانب بھاگیں۔

"ہاشم! ہوش کر اوئے! بڑے بھائی ہیں وہ ہمارے!" حاذق شاہ نے اسے دھکیل کر پیچھے کیا تھا۔ مگر وہ تو جیسے آپے سے باہر ہو گیا تھا۔

"بس!" پھر کر خود کو چھڑاتا وہ باآواز بلند چیخا۔ "آج سے تم سب میرے لیے مر گئے۔ مجھ سے اب کسی بھلائی کی امید مت رکھنا!"

کف اڑاتا وہ راستے میں آئی ہر چیز کو ٹھوکر مارتا باہر نکل گیا تو بی بی نرجس سنسناتے دماغ کے ساتھ دونوں ہاتھوں میں سر گرائے باآواز بلند رونے لگیں۔

ساکت کھڑے ایاز شاہ نے پتھرائی نظروں سے اس کے پیچھے زور سے بند ہونے والے دروازے کو دیکھا تھا۔ ان کا سب سے چھوٹا بھائی جو کبھی ان کی انگلی پکڑ کر چلا کرتا تھا، آج ان پہ ہاتھ اٹھانے پر اتر آیا تھا۔ انھیں یقین نہیں آ رہا تھا۔

☆☆☆

صبور کے گاؤں لوٹنے پر صدف نے اسے ہاشم اور بھاجی کی لڑائی سے لے کر بڑی حویلی والوں کی یہاں آمد تک ساری بات کہہ سنائی تھی۔ وہ، زرناب کی جلد شادی کے، فیصلے کا سن کر خاصا مطمئن ہوا تھا۔ ان حالات میں وہ بھی اس معاملے کو مزید طول دینے کے حق میں نہ تھا۔ یوں جب زوہیب کی فیملی کی طرف سے مثبت جواب آیا تھا تو بختیار شاہ، ماں اور پھوپھی کے ساتھ اگلے ہی روز اسلام آباد روانہ ہو گئے تھے۔

ان کے جانے پہ معصومہ کچھ نہ بولی تھیں۔ انھیں آج کل گہری چپ نے گھیر رکھا تھا۔ ہاشم کی بڑے بھائی سے لڑائی اور گھر والوں سے لاتعلقی نے انھیں گم صم کر ڈالا تھا۔ یہ ان کا وہ بھائی تھا جس کی محبت میں وہ صحیح اور غلط کا فرق بھلا بیٹھی تھیں مگر اس نے ایک لمحے کو بھی ان کا یا ان کی بیٹیوں کا خیال

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

نہیں کیا تھا۔ بلکہ اس نے تو کسی بھی رشتے کا خیال نہیں کیا تھا اور یہ ملال ان سب کو اندر ہی اندر کھائے جا رہا تھا۔

شفق کے ہاں ان تینوں نے دو دن قیام کیا تھا۔ اس دوران اس نے زوہیب کی فیملی کو کھانے پہ مدعو کیا تھا جہاں سب کے باہمی مشورے سے ٹھیک سوا ماہ بعد کی تاریخ رکھ دی گئی تھی۔

☆☆☆

"کیا؟" بشیر کی بات پہ ہاشم ایک جھٹکے سے سیدھا ہوا۔ پتے بانٹتے جہانگیر نے چونک کر سر اٹھایا اور اس کے چہرے پہ زلزلے کے سے آثار دیکھ کر بے اختیار ٹھٹک گیا۔

"کب۔ کب ہے شادی؟" اس نے سنسناتے لہجے میں سوال کیا تو وہاں موجود تینوں لڑکے آنِ واحد میں بات کی تہہ تک پہنچ گئے۔

"تو پل پل کی خبر مجھے دے گا۔ سنا تو نے؟" دوسری طرف کی بات سنتا وہ غصے سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کا چہرہ انگارے کی مانند دہک اٹھا تھا۔ فون بند کر کے اس نے پاس پڑی کرسی کو اس زور سے ٹھوکر ماری کہ وہ دور جا پڑی۔

"ہاشم! سنبھال خود کو!" جہانگیر تیزی سے اٹھ کر اس کی طرف بڑھا۔ وہ مٹھیاں بھینچے جھٹکے سے اس کی جانب پلٹا۔

"کیسے سنبھالوں؟ شادی طے کر دی ہے ان حرام زادوں نے!" وہ حلق کے بل چلایا تو باقی سب بھی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے۔

"کب ہے شادی؟" جہانگیر نے رسان سے پوچھا۔

"اگلے ماہ کی اٹھائیس کو۔" غصے سے بولتا وہ جیسے پاگل ہونے کو تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کر گزرے۔ جہانگیر نے آگے بڑھ کے اس کا بازو تھام لیا۔

"حوصلہ کر! اور ادھر بیٹھ۔" پکڑ کے اسے بیڈ پہ بٹھاتے اس نے پانی کا گلاس اس کی طرف بڑھایا۔ جو اس نے لمحے میں خالی کر دیا۔

"اب میری بات سن۔ یہ وقت جوش سے نہیں ہوش سے کام لینے کا ہے۔ وہاں اپنا بندہ بٹھانے کا ہمارا مقصد یہی تھا کہ ہمیں وقت سے پہلے ہر چیز کی خبر ہو جائے اور وہی ہوا۔ انھوں نے شادی طے کر دی، ہمیں خبر مل گئی۔ اب ہمیں چاہیے کہ ہم بروقت ملنے والی اس اطلاع کا بھرپور فائدہ اٹھائیں اور پورے سکون سے اپنا اگلا قدم طے کریں۔"

"میں نہیں جانتا، ہمیں کیا کرنا ہے۔ مجھے بس ہر قیمت اور ہر حالت میں یہ شادی ختم کروانی ہے۔" وہ بھر کر بولا تو جہانگیر نے اسے غصے سے دیکھا۔ وہ اسے کیا سمجھا رہا تھا اور وہ کیا کر رہا تھا۔

"اتنا حلوہ نہیں ہے شادی ختم کروانا! تو نے کیا اسے کسی مزارعے کی بیٹی سمجھ رکھا ہے کہ جائے گا اور جا کے پنڈال پھونک آئے گا؟ اوئے گولیوں سے بھون کر رکھ دیں گے وہ تجھے۔ آئی سمجھ میں!" وہ زور سے بولا تو ہاشم کے لب سختی سے ایک دوسرے میں پیوست ہو گئے۔ کمرے میں اچانک خاموشی چھا گئی۔

"پھر اب کیا کریں؟" چند لمحوں کے توقف کے بعد ہاشم کی پسپا سی آواز ابھری تو جہانگیر نے اک گہری سانس لی۔

"نومی! تیرا وہ کراچی والا فلیٹ خالی ہے یا نہیں؟" اس نے سامنے بیٹھے دوست سے استفسار کیا جس کا تعلق لاہور سے تھا۔ وہ چاروں یونیورسٹی کے زمانے کے دوست تھے۔ اس لیے ایک دوسرے کی طرف آنا جانا لگا رہتا تھا۔

"خالی ہے۔"

"بس ٹھیک ہے۔ تو اگلے مہینے کی بیس تک

www.urdusoftbooks.com
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

لاہور سے کراچی کے لیے دو اوپن ٹکٹ کروا دینا۔ ہم لوگ یہاں۔" وہ تینوں بغور اس کی بات سننے لگے تھے۔ ناقابل عمل باتوں کو رد کرتے، قابل عمل باتوں کو شامل کرتے، وہ چاروں چند ہی گھنٹوں میں ایک مربوط منصوبہ بنانے میں کامیاب ہوگئے تھے۔

☆☆☆

موبائل اسکرین پہ نظر آتے صبور شاہ کے نمبر کو دیکھ کے سیف کے لب سختی سے ایک دوسرے میں پیوست ہو گئے تھے۔ جو کچھ وہ اس کے بابا کے ساتھ کر چکا تھا اس کے بعد اس سے نارمل انداز میں بات کرنا سیف کو اپنے صبر کا کڑا امتحان محسوس ہو رہا تھا۔

"جی بولیں صبور شاہ!" بنا کسی سلام دعا کے وہ بے تاثر لہجے میں بولا تو دوسری طرف موجود صبور اس کے انداز پہ ٹھٹک گیا۔ تو کیا اس دن عثمان علی نے اسے پہچان لیا تھا؟ لحظہ بھر کو رک کر سوچتے ہوئے اس نے ذہن کو حاضر کیا۔

"لگتا ہے۔ آج خاصے غصے میں ہیں سرکار۔ خیر تو ہے جناب؟" وہ قصداً ہلکے پھلکے لہجے میں بولا۔ اس کا یوں انجان بننا سیف کا خون کھولا گیا۔ اس نے بے اختیار پیشانی مسلی۔

"ایسی کوئی بات نہیں۔ آپ بتائیں، کس سلسلے میں یاد کیا ہے؟"

"ارے صاحب! یاد تو انھیں کیا جاتا ہے جو بھول جائیں۔ آپ تو ہر وقت ہمارے......"

"سر پہ سوار رہتے ہیں۔" سیف نے استہزائیہ انداز میں اس کا جملہ مکمل کیا تو صبور لب بھینچے خاموش ہو گیا۔

"ہمارے سر پہ سوار ہونے والا ابھی کوئی پیدا نہیں ہوا اے ایس پی صاحب! اس لیے یہ گمان نہ پالیں!" چند ثانیے بعد صبور کی سپاٹ آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی تو سیف کاٹ دار انداز میں مسکرا دیا۔

"آپ کا مطلب ہے، یہ خوش فہمی نہ پالوں۔"

"خاصے سمجھ دار ہیں۔" صبور طنزیہ بولا۔

"اس میں تو خیر کوئی شک نہیں۔" سیف نے اپنی تعریف حق سمجھ کر وصول کی۔ صبور بل کھا کر رہ گیا۔

"بھابی چاہتے ہیں کہ آپ آج رات کا کھانا ہمارے ساتھ کھائیں۔ انھیں آپ سے ایک ضروری کام ہے۔" اپنا غصہ پیتا وہ مدعا پہ آیا تو سیف بری طرح چونک گیا۔ لیکن اس نے کچھ ظاہر نہیں کیا۔

"ٹھیک ہے۔ میں رات نو بجے تک آ جاؤں گا۔" وہ بے تاثر لہجے میں بولا۔ صبور کے لیے اس کی سوچ کو پڑھنا مشکل ہو گیا۔

فون بند ہونے پہ سیف نے ہاتھ میں پکڑا موبائل ٹیبل پہ ڈال دیا۔ یہ دعوت کس سلسلے کی کڑی تھی، وہ اندازہ نہیں لگا پایا تھا۔ لیکن سفید حویلی جانے کا سوچ کر اس کے دل کے درد میں اضافہ ہونے لگا تھا۔ پتا نہیں اس دشمنِ جاں کا چہرہ اسے نظر آتا بھی تھا یا نہیں؟ دل گرفتگی سے سوچتے ہوئے اس نے اپنا سر کرسی کی پشت پہ ڈال دیا تھا۔

☆☆☆

آج بی بی نور بانو نے زرناب کی پہلی ڈھولک رکھی تھی۔ یہ دن بڑی منتوں مرادوں کے بعد سفید حویلی کے سونے آنگن میں اترا تھا۔

مغرب کے بعد گاؤں کی ساری عورتوں کا حویلی میں بلاوا تھا۔ یوں سرِ شام ہی عورتیں اپنے کام نپٹا کر حویلی چلی آئی تھیں۔ ہر سو مسکراہٹیں تھیں زرناب کے لیے دعائیں تھیں اور اس رونق سے تینوں بیبیوں کی روح شاد ہوئی جاتی تھی۔

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

ہنستی مسکراتی لڑکیوں نے ڈھولک کی تھاپ پہ شگن کے گیت شروع کیے تو چار سو جیسے سماں سا بندھ گیا۔ بی بی نور بانو کی مسکراتی نظروں میں بے اختیاری اتر آئی۔ اس دن کا انھیں کتنی شدت سے انتظار تھا یہ صرف وہی جانتی تھیں۔

اوپر اپنے کمرے میں بیٹھی زرناب کے دل پہ ڈھولک کی آواز عجیب سی اداسی طاری کرنے لگی تھی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے تھے۔ سب کچھ ختم ہو جانے کا احساس اس کے اندر بڑی شدت سے جاگا تھا۔

"ساڈاں چڑیاں داچنبہ وے بابل اساں اڈ جاڑاں

ساڈی لمی اڈاری اے اساں مڑ نئیں اوڑاں......"

سیف کی گاڑی سبک رفتاری سے حویلی میں داخل ہوئی تھی۔ سینے میں بڑھتی گھٹن کو نظرانداز کرتے وہ باہر نکلا تھا۔ لیکن اندر سے آتی ڈھولک اور تالیوں کی آواز نے اس کا وجود ساکت کر دیا تھا۔

"تو کیا زرناب کی شادی شروع ہوگئی تھی؟" ڈوبتے دل کے ساتھ اس نے برآمدے میں موجود اندرونی دروازے کی طرف دیکھا تھا۔ جس کے اس پار جدائی اس کی زندگی پہ اپنے نوکیلے پنجے گاڑنے کو تیار بیٹھی تھی۔

"تیرے محلاں دے رنگلے بوہے تے وچوں میری ڈولی لنگدی

سانوں تک جاندی واری دیاساں مڑ نئیں اوڑاں......"

اور سیف کو لگا تھا جیسے کسی نے اس کا دل نچوڑ دیا ہو۔ بامشکل تمام خود کو سنبھالتا وہ ملازم کے پیچھے چل دیا تھا۔ جو اسے اپنے ساتھ لیے مردان خانے میں چلا آیا تھا۔ نفاست سے سجے ڈرائنگ روم میں بختیار اور صبور شاہ کو اپنا منتظر دیکھ کے سیف کے اندر اک شور برپا ہونے لگا تھا۔

"ہو سکے تو میرے بھائیوں کو معاف کر دینا مصطفیٰ!"

زرناب کی آنسوؤں میں ڈوبی استدعا اس کے اردگرد گونجی تو اس کی ہر رگ تن گئی۔ کیا وہ کبھی انھیں معاف کرنے کا حوصلہ پیدا کر سکتا تھا؟ اپنے آپ سے سوال کرتے اس نے سامنے موجود چہروں کی جانب دیکھا، جو لبوں پہ منافقانہ مسکراہٹ سجائے اس کے استقبال کو اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

سیف نے بدقت ان سوچوں کو ذہن سے جھٹکتے ہوئے بختیار شاہ کا مصافحے کے لیے بڑھایا گیا ہاتھ تھام لیا۔

"کیسے ہو اے ایس پی؟" وہ دوستانہ لہجے میں مخاطب ہوئے۔

"میں ٹھیک ہوں۔ آپ سنائیں شاہ صاحب؟"

"بھلے ہیں یا برے ہیں تمھارے سامنے ہیں۔" وہ ذومعنی انداز میں بولے۔ سیف دھیرے سے مسکراتا نشست سنبھال گیا۔

"جو سامنے ہو وہی حقیقت بھی ہو، یہ ہر بار ضروری نہیں ہوتا شاہ صاحب۔"

"لیکن ہم یاروں کے یار اور دشمنوں کے دشمن ہیں۔ یہ تیسرا راستہ اختیار کرنے والوں کے لیے ہمارے پاس کوئی معافی نہیں۔" وہ سرد مہری سے مسکرائے۔ سیف ان کا مطلب سمجھ گیا۔

"ایسے منافقوں کے لیے معافی ہونا بھی نہیں چاہیے۔" ان کی آنکھوں میں دیکھتا وہ قطعی لہجے میں بولا۔ ایک پل کو ماحول پہ خاموشی چھا گئی۔ سیف نے صوفے کی پشت سے ٹیک لگاتے ہوئے ٹانگ پہ ٹانگ جمائی۔

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

"ویسے ڈاکٹر والے قصے کے بعد، میں تو سمجھ رہا تھا کہ ہماری دوستی میں فرق آ گیا ہے۔ لیکن مجھے کہنا پڑے گا کہ آپ نے مجھے حیران کر دیا۔"

"مجھے لوگوں کو حیران کرنا اچھا لگتا ہے۔" اس کی توقع کے مطابق بختیار شاہ نے تعریف کو اپنا حق سمجھ کے وصول کیا تو وہ طنزیہ انداز میں مسکرا دیا۔

"خیال رکھیے گا شاہ صاحب! کسی دن کوئی آپ کو حیران نہ کر جائے۔" اس کی چوٹ پہ بختیار شاہ کے ساتھ ساتھ صبور نے بھی جل کر پہلو بدلا۔

وہ ان کی حالت سے حظ اٹھاتا موضوع پر آیا۔

"صبور کہہ رہا تھا کہ آپ کو مجھ سے کوئی کام ہے؟" اس نے بغور ان کی جانب دیکھا۔

"ہاں۔ آنے والے دنوں میں تمھاری کچھ مدد درکار ہے۔" بختیار شاہ نے اپنے اندر کی کھولن کو کم کیا۔ فی الوقت انھیں واقعی اس کی ضرورت تھی۔

"کس سلسلے میں؟"

"اپنی بہن کی شادی کے سلسلے میں۔" اور سیف کو ایک جھٹکا سا لگا۔ لیکن اس نے سرعت سے اپنے تاثرات کو سنبھالا۔

"اصل میں اگلے ماہ کی اٹھائیس کو میری چھوٹی بہن کی شادی ہے۔" بختیار شاہ نے سلسلۂ کلام جاری رکھا۔ "شادی میں شرکت کے لیے سیاسی شخصیات اور دیگر اہم افسران بھی آئیں گے۔ ان کی سیکیورٹی کے لیے ہمیں بارات والے دن حویلی اور نور والاں سے ملحقہ روڈ پہ بندوں کی تعیناتی چاہیے۔"

انھوں نے کام کی نوعیت واضح کی تو سیف کا دل چاہا کہ وہ اپنی بے بسی پہ کھل کر قہقہے لگائے۔ یعنی یہ ستم کیا کم تھا کہ وہ اس کی زندگی سے ہمیشہ کے لیے جا رہی تھی جو وہ اب جدائی کے ان جاں گسل لمحوں کو اذیت کی آخری حد تک برداشت بھی کرتا؟؟ شکستگی سے سوچتے اس کے لبوں پہ اک زخم خوردہ مسکراہٹ در آئی۔

"ہو جائے گا۔ اور کچھ؟"

"نہیں فی الحال یہی بہت ہے۔" وہ مسکرا کر بولے۔ تبھی ملازم نے کھانا لگنے کی اطلاع دی تو سیف اپنا تار تار وجود لیے اٹھ کھڑا ہوا۔

☆☆☆

تو نے دیکھی ہے وہ پیشانی، وہ رخسار، وہ ہونٹ
زندگی جن کے تصور میں لٹا دی ہم نے
تجھ پہ اٹھی ہیں وہ کھوئی ہوئی ساحر آنکھیں
تجھ کو معلوم ہے کیوں عمر گنوا دی ہم نے

"مبارک ہو۔" رات کے سناٹے میں، ہوا کے دوش پہ اس کی بھاری آواز زرناب کی سماعتوں سے ٹکرائی تو مارے ضبط کے وہ نچلا لب دانتوں تلے دبا گئی۔

رات کے تیسرے پہر سیف کی غیر متوقع کال زرناب کے اندر حشر برپا کر گئی تھی۔ وہ چاہ کر بھی خود کو کال اٹینڈ کرنے سے روک نہ سکی تھی۔ اور اب فون کان سے لگائے بالکل خاموش بیٹھی تھی۔ دوسری طرف بھی شاید الفاظ درکار نہ تھے، بس اس کے سانس کا زیر و بم ہی کافی تھا۔

"کیوں جاگ رہی ہیں اب تک؟" سیف نے دھیرے سے سوال کیا۔ زرناب کی آنکھوں میں آنسو جمع ہونے لگے۔

"مت روئیں۔ آپ کے آنسو مجھے تکلیف دیتے ہیں۔" وہ دل گرفتہ سا بولا تو زرناب ایک لمحے کو ساکت رہ گئی۔

اگلے ہی پل وہ اس شدت سے بکھر کر روئی کہ سیف کا چہرہ مارے ضبط کے لہو رنگ ہو گیا۔

"مجھے آپ کو فون نہیں کرنا چاہیے تھا۔" خود سے کہتے ہوئے اس نے ملال سے سر ہلایا تو زرناب نے تڑپ کے ان لمحوں کو تھاما۔

"مجھے معاف کر دیں مصطفیٰ۔ میں۔ میں کبھی

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

بھی آپ کو تکلیف نہیں دینا چاہتی۔ مگر پھر بھی۔ پھر بھی ہر بار آپ کے دکھ کا باعث بن جاتی ہوں۔" وہ روتے ہوئے بولی تو سیف کا دل درد سے بھر گیا۔

"آپ کے یہ آنسو میری تکلیف کے احساس سے بہہ رہے ہیں۔ مجھے اور کچھ نہیں چاہیئے۔"

"پلیز مصطفیٰ مجھے یوں نہ آزمائیں۔ آپ...... آپ یہاں سے چلے جائیں!" اس کی سسکتی ہوئی التجا سیف کے لبوں پہ خود اذیتی بھری مسکراہٹ بکھیر گئی۔

"چلا جاؤں گا۔ آپ کو رخصت کروادوں پھر چلا جاؤں گا۔"

"مصطفیٰ!" وہ جیسے کراہ اٹھی تھی۔

"آپ کی شادی پہ سیکیورٹی کا انتظام میری ذمہ داری ہے۔ میں اس سے پہلے کہیں نہیں جا سکتا۔" وہ دھیرے سے بولا تو زرناب کی سانس رک گئی۔

"اتنا کڑا امتحان؟؟ یا میرے مولا!" لبوں پہ ہاتھ رکھے وہ آنکھیں میچے بے طرح رو دی تھی۔

زرناب کی خاموشی سیف کو بے چین کر گئی۔ اس نے اسے پکارنے کے لیے لب وا کیے لیکن پھر تھک کر کال کاٹ دی۔ وہ اسے کہتا بھی تو کیا؟ کہنے کو اب بھلا رہ ہی کیا گیا تھا۔

☆☆☆

آنے والے دن پر لگا کر اڑے تھے۔ زرناب کی عدم دلچسپی پہ مجبوراً صدف اور بی بی نور بانو کو شفق کے پاس اسلام آباد جانا پڑا تھا۔ جہاں ان تینوں نے مل کر ساری تیاری مکمل کی تھی۔

زرناب کا اس دن کے بعد سے سیف سے کوئی رابطہ نہیں ہوا تھا۔ وہ کس حال میں تھا، خود کو کیسے سنبھالے ہوا تھا، وہ کچھ نہیں جانتی تھی۔

ادھر ہاشم دوستوں کے مشورے پر نور والاں سے قریباً ڈیڑھ گھنٹے کی مسافت پہ واقع گاؤں میں، جہانگیر کے ایک خاص بندے کے پاس چلا گیا تھا۔

اس کے گاؤں سے یوں اچانک غائب ہونے پہ بڑی حویلی والے بری طرح پریشان ہو گئے تھے۔ وہ کیا ٹھانے ہوئے تھا، کیا نہیں، وہ کچھ نہیں جانتے تھے۔

جوں جوں شادی کے دن قریب آرہے تھے معصومہ کی پریشانی بڑھتی جارہی تھی۔ دوسروں کی زندگی میں بھونچال اٹھائے رکھنے والی کو جب اللہ نے اپنے غم میں مبتلا کیا تھا تو وہ اپنی ساری مکاری اور داؤ پیچ بھول گئی تھیں۔

ہاشم کے نور والاں سے جانے کی اطلاع بختیار اور صبور شاہ کے لیے خس کم جہاں پاک والی بات ثابت ہوئی تھی۔ وہ دونوں اب مکمل اطمینان سے شادی کے کاموں کو دیکھ رہے تھے۔ ساتھ میں ان کا رابطہ لاہور میں موجود جمیل کے بھائی سے بھی تھا جسے فی الحال اپنے مقصد میں کامیابی نہیں مل پائی تھی۔

☆☆☆

"بی بی جی! یہ رسم کا تھال دیکھ لیں۔ ٹھیک لگ رہا ہے نا؟" فضلی بڑے سے منقش تھال کو سجائے، شفق کے پاس آئی جو حال سے بے حال ادھر سے ادھر بھاگتی پھر رہی تھی۔

"بالکل ٹھیک ہے۔" اس نے ذرا کی ذرا رک کر ایک نظر تھال پہ ڈالی۔

"فضلی! یہ تھال، مٹھائی اور لڑکیوں کی مہندی والی تھالیاں ابھی کے ابھی گاڑی میں رکھوا دو۔ ایسا نہ ہو ہم بھول جائیں۔"

وہ اسے ہدایت دیتی چائے کی ٹرے اٹھائے تیزی سے شاہ بی بی کے کمرے کی طرف بڑھ گئی جہاں خاندان کی ساری بزرگ خواتین محفل جمائے بیٹھی تھیں۔

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

آج ان سب نے زوہیب کی مہندی لے کر اسلام آباد جانا تھا۔ اس سے ایک دن پہلے وہ لوگ آ کر زرناب کی رسم کر گئے تھے۔ جب سے گھر میں شادی کے فنکشن شروع ہوئے تھے۔ ہر طرف رونق ہی رونق اتر آئی تھی۔ زرناب کی ننھیال، بی بی حوراں کا میکہ سب نے بھرپور شرکت کی تھی۔ بڑی حویلی والے بھی مارے باندھے ہی سہی لیکن شریک ہونے پر مجبور تھے۔

البتہ خاندان کے کچھ گھر ایسے بھی تھے جنھوں نے اس شادی میں آنے سے صاف انکار دیا تھا۔ ان کی اس تنگ نظری کے باوجود سفید حویلی کی رونق عروج پر تھی جسے دیکھ دیکھ کر بی بی نرجس اور معصومہ کڑھتے نہ تھکتی تھیں۔ ہر طرف زرناب کے دولہا اور اس کی پڑھی لکھی اور مہذب سسرال کا چرچا تھا۔ ان کے گھر سے آئی اس کی ایک ایک چیز دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ ایسے میں بھلا حسد کے ماروں کے لیے ان خوشیوں کو برداشت کرنا کہاں آسان تھا؟ معصومہ جلی بھنی سی زیادہ تر اپنے کمرے میں گھسی رہتی تھیں جس کی ان میں سے کسی کو مطلق پرواہ نہ تھی۔

اس وقت بھی خوش گوار سی یہ ہلچل اپنے عروج پر تھی۔ نور والاں سے اسلام آباد چونکہ دو گھنٹے کی مسافت پہ تھا اس لیے مردوں نے خواتین کو پانچ بجے کی حد دے رکھی تھی جس کے باعث ہر کوئی بھاگتا نظر آ رہا تھا۔ مہندی ان کے ہاں خالصتاً زنانہ تقریب سمجھی جاتی تھی۔ اس لیے خاندان کی عورتوں کے ساتھ صرف وہی مرد جا رہے تھے جنھوں نے گاڑیاں چلانی تھیں اور ان میں صبور شاہ اور سلمان بھی شامل تھے۔ باقی شاہ بی بی اور بختیار شاہ زرناب کے پاس گھر میں تھے۔

اللہ اللہ کر کے ٹھیک سوا پانچ بجے یہ سب حویلی سے روانہ ہوئے تو پیچھے یوں خاموشی چھا گئی جیسے کسی نے جادو کی چھڑی گھما کر سارے محل کو سلا دیا ہو۔

"توبہ۔ ان لڑکیوں کو نکالنا بھی کسی معرکے سے کم نہیں۔" شاہ بی بی ہنستی ہوئی زرناب کے کمرے میں داخل ہوئیں، جو اس کی کزنز کی تیاری کے باعث میدانِ جنگ کا نقشہ پیش کر رہا تھا۔ مگر اس کی نفاست پسندی بھی جیسے کہیں جا سوئی تھی۔ وہ کسی مومی مجسمے کی طرح پیلے سوٹ میں ملبوس، بکھرے ہوئے بیڈ پہ، پشت سے سر ٹکائے بیٹھی تھی۔ پھوپھی کو آتا دیکھ کر وہ اک گہری سانس لیتی سیدھی ہوئی تھی۔

"چائے لاؤں آپ کے لیے؟"

"نہیں میری جان! تم رہنے دو۔" انھوں نے مسکرا کر اپنی لاڈلی کو دیکھا جو مایوں کے جوڑے میں اداس سی ان کے دل میں اتر گئی تھی۔

وہ بے اختیار آگے بڑھی تھیں اور جھک کر اس کی پیشانی چوم لی تھی۔

"اللہ میری بچی کو سدا شاد و آباد رکھے، کوئی غم نہ دکھائے۔" انھوں نے محبت سے اس کے چہرے کو چھوا تو زرناب کی آنکھوں میں نمی پھیل گئی۔

"میں چائے بنا کر لاتی ہوں۔" وہ دھیرے سے کہتی اٹھ کھڑی ہوئی۔ "بھا جی کہاں ہیں؟"

"مردان خانے میں ہے۔ ساتھ والے گاؤں سے چوہدری حامد آیا بیٹھا ہے۔ تم اگر کچن میں جا رہی ہو تو دیکھ لینا کہ اس رضیہ نے اندر چائے پانی بھجوایا ہے یا نہیں۔ میں تب تک ذرا وضو کر لوں۔" وہ اپنا دوپٹہ اتارتے ہوئے بولیں تو زرناب اثبات میں سر ہلاتی نیچے چلی آئی۔

☆☆☆

فضا میں مغرب کی اذانیں بلند ہو رہی تھیں۔ دھیرے دھیرے پھیلتی سرمئی چادر سورج کی آخری کرنوں کو خود میں سمیٹ رہی تھی۔

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

ایسے میں دبے قدموں سے آگے بڑھتے شخص نے چوکس نظروں سے اطراف کا جائزہ لیا تھا۔ حویلی کے تقریباً سب ہی ملازمین اس وقت اپنے اپنے ٹھکانوں پر تھے۔ وہ مطمئن ہو کر آگے بڑھا تھا اور حویلی کے عقبی باغ میں چلا آیا تھا۔ اسے اسی پھیلتے ہوئے اندھیرے کا انتظار تھا۔ جس کی اوٹ بہت کچھ چھپا لینے کی طاقت رکھتی تھی۔

باغ میں پہنچ کر اس نے انتہائی سرے پر موجود دروازے کی کنڈی کھول دی تھی۔ یہ دروازہ کبھی کبھار ملازمین حویلی سے باہر جانے کے لیے استعمال کر لیا کرتے تھے۔ کنڈی کھول کر اس نے موبائل پر کسی کو مس کال دی تھی اور تیز قدموں سے وہاں سے پلٹ آیا تھا۔

اس کا رخ اب حویلی کے گودام کی طرف تھا۔ جو رہائشی عمارت کے پچھلی جانب موجود صحن میں ایک طرف کو بنا ہوا تھا۔ گھر کا یہ حصہ زیادہ تر خالی ہی رہتا تھا۔ یہاں صرف ضرورت کے وقت ہی آنا جانا ہوا کرتا تھا۔ اس شخص نے ایک بار پھر چوکنے انداز میں اطراف کا جائزہ لیا تھا اور جیب میں رکھی چابی سے گودام کے دروازے پہ جھولتا تالا کھول کر اندر داخل ہو گیا تھا۔

اپنے پیچھے دروازہ بند کرتے ہوئے اس نے پھرتی سے جیب سے ٹارچ نکال کر ایک طرف کو چھپایا گیا مٹی کے تیل کا کین نکالا تھا۔ یہ کین اس نے ایک رات پہلے خود ہی یہاں بوریوں کے پیچھے رکھا تھا۔

سرعت سے ڈھکن کھول کر اس نے تیل اردگرد کی چیزوں پہ گرانا شروع کر دیا تھا۔ اگلے ہی لمحے وہ خود دروازہ کھول کر باہر نکل آیا تھا اور پھر اس نے دروازے کے دوسری جانب سے ہی ایک جلتی ہوئی تیلی اندر کی طرف اچھال دی۔ بھک کی زوردار آواز کے ساتھ نارنجی شعلہ ہوا میں بلند ہوا تھا۔

اس نے فاتحانہ نظروں سے اس لپکتے ہوئے شعلے کو دیکھا تھا اور پلٹ کر بھاگتا ہوا وہاں سے نکلتا چلا گیا تھا۔

☆☆☆

"اگ لگ گئی۔ گودام وچ اگ لگ گئی۔"

بشیر کی چیخوں نے حویلی کی پُرسکون فضا میں دہشت کی دراڑیں ڈال دی تھیں۔ جو جہاں تھا وہاں سے نکل کر پچھلے صحن کی طرف بھاگا تھا۔ مٹی کے تیل سے بھڑکائی گئی آگ لمحوں میں گودام کی چھت سے باتیں کرنے لگی تھی۔ آناً فاناً پورے گھر میں ہنگامہ برپا ہو گیا تھا۔ چیخ پکار اس قدر زیادہ تھی کہ کان پڑی آواز سنائی نہ دے رہی تھی۔ اور یہی وہ وقت تھا جس کے انتظار میں عقبی باغ میں، درختوں کے پیچھے چھپے بیٹھے، دو نقاب پوش وجود تیزی سے حرکت میں آئے تھے۔

ہاتھوں میں پستول پکڑے انھوں نے بھاگتے قدموں سے باغ عبور کیا تھا اور پچھلے برآمدے سے دروازہ کھول کر رہائشی عمارت میں داخل ہو گئے تھے۔ ان کا ارادہ سیدھا اوپر زرناب کے کمرے میں جانے کا تھا۔ لیکن جوں ہی وہ راہداری عبور کر کے ہال میں پہنچے تھے ان کی نظر وہاں پریشان حال کھڑی زرناب اور شاہ بی بی کی پشت سے ٹکرائی تھی۔

ایک دوسرے کو اشارہ کرتے وہ دبے قدموں آگے بڑھے تھے جب اچانک زرناب کو کسی کی موجودگی کا احساس ہوا تھا۔ وہ تیزی سے پلٹی تھی اور اپنے سامنے سیاہ کپڑوں میں دو نقاب پوش آدمیوں کو دیکھ کر اس کی آنکھیں مارے خوف کے پھیل گئی تھیں۔ اس کے حلق سے بلند ہونے والی چیخ کا گلا ایک ہی جست میں گھونٹ دیا گیا تھا۔ جبکہ دوسرے نے ہاتھ میں پکڑی پسٹل شاہ بی بی کے سر پہ ماری تھی۔ وہ لہرا کر زمین پہ گری تھیں۔

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

اسی اثناء میں پھرتی سے کلوروفارم سے بھیگا رومال زرناب کی ناک پہ رکھ دیا گیا تھا۔ وہ مچھلی کی طرح تڑپی اور اگلے چند ہی سیکنڈ میں حملہ آور کے بازوؤں میں جھول گئی تھی۔ آنے والے نے شانوں پہ دھری سیاہ شال میں اس کا نازک وجود لپیٹ کر اپنے کندھے پر ڈالا اور سرعت سے اپنے ساتھی کے ساتھ اسی راستے سے ہوتا، عقبی باغ کے دروازے سے حویلی کے پار نکل گیا تھا۔

☆☆☆

تھانے سے نکلتی سیف علی جنگ کی گاڑی کا رخ اس کے گھر کی طرف تھا۔ وہ چپ چاپ سا ڈرائیور کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھا تھا۔

آج کل اس کے اندر برپا حشر کا عالم ناقابل بیان تھا۔

درمیان کے ماہ و سال، محنت، ریاضت، نام مقام ہر چیز جیسے بے معنی ہو کر رہ گئی تھی اور وہ ایک بار پھر اسی جگہ پہ آ کھڑا ہوا تھا جہاں سے چلا تھا۔ تھکا ماندہ اور خالی!

"سرجی! وہ حویلی کی طرف سے دھوں سا کیسا اٹھ رہا ہے؟" ڈرائیور کی پریشان آواز پہ اس نے چونک کر اپنے دائیں جانب دیکھا تھا۔ وہ اس وقت بڑی سڑک پر موجود تھے اور وہاں سے دور حویلی کی جلتی روشنیوں میں انھیں سیاہ دھویں کے بادل اوپر کو اٹھتے صاف نظر آ رہے تھے۔ ڈرائیور نے گاڑی روک دی تھی۔

"آگ...... حویلی میں شاید آگ لگ گئی ہے۔ گاڑی اس طرف لو فوراً!" اس کی ہدایت پہ رفاقت نے تیزی سے موڑ کاٹا تھا۔ سیف کا دل اس کے سینے سے باہر آنے کو تھا۔ ان کی گاڑی بہت تیزی سے گاؤں کی طرف جاتی سڑک پر بھاگ رہی تھی جب اچانک سامنے سے ایک اور گاڑی آندھی طوفان بنی ان کے پاس سے گزری تھی۔

سیف نے بے اختیار پلٹ کر دیکھا تھا۔ وہ ہاشم شاہ کی سفید سرف تھی۔ رخ موڑتے ہوئے اس نے اپنی پریشان نگاہیں ایک بار پھر سامنے کی طرف مرکوز کر دی تھیں۔

سیف کی گاڑی جس وقت حویلی کے باہر رکی تھی تب تک وہاں اچھا خاصا ہجوم جمع ہو چکا تھا۔ اپنے خدشے کو سچ ہوتا دیکھ کر اس کی دھڑکنیں منتشر ہو گئی تھیں۔ وہ وحشت زدہ سا باہر نکل کر سب کو دھکیلتا اندر کی جانب بھاگا تھا۔ اس کا رخ برآمدے میں موجود داخلی دروازے کی طرف تھا۔ وہ کون تھا؟ کس حیثیت سے اندر جا رہا تھا؟ وہ سب بھول گیا تھا۔ یاد رہا تھا تو صرف اتنا کہ اسے زرناب شاہ کو دیکھنا تھا۔ زندہ اور صحیح سلامت!

لیکن اندر داخل ہونے پہ ایک اوسان خطا کر دینے والا منظر اس کے سامنے تھا۔ شاہ بی بی زمین پر گری ہوئی تھیں اور ملازمہ انھیں پکارتے ہوئے ان کا چہرہ تھپتھپا رہی تھی۔ وہ بھی شاید ابھی اندر آئی تھی۔

"صاحب جی! بی بی بے ہوش ہو گئے نے!"

سیف اسے ہٹاتا تیزی سے ان کے قریب جھکا تھا۔

"پانی لاؤ!" اس کی ہدایت پہ وہ بھاگ کر پانی لے آئی تھی۔

"زر۔ زرناب بی بی کہاں ہیں؟" پانی لیتے ہوئے اس نے پریشانی سے سوال کیا۔

"پتا نئیں جی۔ میں تو انھیں یہیں بی بی کے ساتھ چھوڑ کر گئی تھی۔"

"جاؤ۔ فوراً جا کے سارے کمرے دیکھو۔" اس کے حکم پہ ملازمہ اندر کو بھاگی تھی۔ سیف نے شاہ بی بی کے چہرے پر پانی کے چھینٹے مارے تھے۔ ان کے لبوں سے کراہ نکلی تھی۔

تب ہی رضیہ پھولی سانس سمیت اندر داخل

www.urdusoftbooks.com
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

ہوئی تھی۔

"ص۔صاحب جی! زرناب۔زرناب بی بی کدرے وی نئیں نے۔"

"کیا؟" سیف کی پیشانی شکن آلود ہو گئی تھی۔ "میں۔میں باہر دیکھتا ہوں۔" وہ سرعت سے دروازے کی طرف لپکا تھا۔

پچھلے صحن میں بختیار شاہ کو ڈھونڈتا وہ پاگل ہونے لگا تھا۔اندر شاہ بی بی زخمی پڑی تھیں اور زرناب سرے سے غائب تھی۔اس کی چھٹی حس جس بات کی طرف اشارہ کر رہی تھی، وہ اتنی سنگین اور جان لیوا تھی کہ وہ اس کے بارے میں سوچنا بھی نہیں چاہتا تھا۔

خدا خدا کر کے اسے بختیار شاہ نظر آئے تو وہ انھیں ساتھ لیے اندر چلا آیا، جہاں زخمی پڑی شاہ بی بی کو دیکھ کر ان کے ہاتھ پاؤں پھول گئے تھے۔اور جب گھبرائی کھڑی رضیہ نے انھیں زرناب کی غیر موجودگی کا بتایا تھا تو وہ تو جیسے ڈھے ہی گئے تھے۔

"نہیں۔یہ۔یہ نہیں ہو سکتا۔یا اللہ رحم۔رحم مولا!" ان کا چہرہ لٹھے کی مانند سفید پڑ گیا تھا۔سیف تیزی سے ان کے قریب آیا تھا۔

"کیا نہیں ہو سکتا شاہ صاحب؟"

"وہ۔ہاشم۔ہاشم!" وہ اپنے حواسوں میں نہیں لگ رہے تھے۔

"ہاں...... میں نے ہاشم کی گاڑی کو جاتے...... "اور سیف کی زبان کو یک لخت بریک لگی تھی۔آنِ واحد میں وہ معاملے کی تہہ تک جا پہنچا تھا۔اس کا چہرہ انگارے کی طرح دہک اٹھا تھا۔وہ ایک جھٹکے سے پلٹا تھا اور بھاگتے ہوئے حویلی کی دہلیز عبور کر گیا تھا۔

☆☆☆

زرناب کی بوجھل آنکھیں بامشکل تمام کھل پائی تھیں۔

"پ...... پانی!" اس کے خشک لبوں سے لفظ ٹوٹ کر ادا ہوا تھا۔اگلے ہی لمحے اس کا سر اونچا کرتے ہوئے پانی کا گلاس اس کے لبوں سے لگا دیا گیا تھا۔وہ چند گھونٹ پی کر ہی نڈھال ہو گئی تھی۔اپنا سر تکیے پہ ڈالتے ہوئے اس کی خالی نظریں در و دیوار سے ہوتی چھت پہ لگی لائٹ پر آ ٹھہری تھیں۔

معاً اسے اپنے ہاتھ پہ کسی کی نرم گرفت کا احساس ہوا تھا۔اس نے رخ موڑ کر اپنے دائیں طرف دیکھا تھا جہاں کرسی پہ آگے کو جھکا بیٹھا شخص بغور اسے دیکھ رہا تھا اور تب ہی نگاہوں کے سامنے ایک جھماکا سا ہوا تھا۔گزرے منظر اپنی تمام تر دہشت کے ساتھ تازہ ہوئے تھے اور اس کی بے تاثر آنکھوں میں پہچان کے رنگ بڑی تیزی سے پھیلا گئے تھے۔ہاشم نے گہری نظروں سے ان رنگوں کو دیکھا تھا اور خباثت سے مسکرا دیا تھا۔

"کیسی ہو جانِ من؟" اس کی آنکھوں میں جھانکتے اس نے اس کے نازک ہاتھ کو لبوں سے لگا لیا تو زرناب کو جیسے کسی کرنٹ نے چھو لیا۔اس نے تڑپ کر اپنا ہاتھ کھینچا اور ایک جھٹکے سے اٹھ بیٹھی۔

"ت...... تم!!"

"ہاں میں۔کہو کیسی لگی یہ ملاقات؟" وہ اس کی جانب جھکا تو زرناب سہم کر بیڈ کی پشت سے جا لگی تھی۔اس کے چہرے کا خوف ہاشم کو محظوظ کر گیا۔

"د...... دور...... دور ہٹو ہاشم!" خود پہ پڑی چادر سینے سے لگائے وہ لرزتے لہجے میں بولی تو ہاشم قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔

"کب تک بھاگو گی زرناب شاہ! ان بانہوں کے سوا اب تمھارے لیے کوئی پناہ گاہ نہیں بچی...... کہا تھا نا میں نے کہ اگر تمھیں اٹھا کر بھی اپنے قدموں میں گرانا پڑا تو گراؤں گا۔" اس پہ نگاہیں

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

گاڑے وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا تو زرناب کی آنکھوں میں آنسو در آئے۔

"تم اپنی ہوس میں اتنا گر جاؤ گے، میں نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا!"

"ہوس؟ ہوس کہاں، تم تو میرا حق ہو۔ میں نے کہا تھا نا تم صرف ہاشم شاہ کی ہو۔ صرف ہاشم شاہ کی!" اس کی طرف دیکھتا وہ زور سے بولا تو زرناب کے چہرے پہ نفرت پھیل گئی۔

"میں نہ کبھی تمھاری تھی، نہ ہوں اور نہ کبھی بنوں گی۔ تم حق دار نہیں لٹیرے ہو، غاصب ہو، کمینے ہو!!" وہ حلق کے بل چلائی۔ ہاشم کی آنکھوں میں سختی چھا گئی۔

"میں اگر چاہوں تو ایک منٹ میں تمھارے اس زعم کے ٹکڑے اڑا سکتا ہوں۔ مگر میں تمھارا اور تمھارے سگوں کا غرور تل تل کر کے بکھیروں گا۔ میں تمھیں اپنے پاؤں کی جوتی بنا کے ہاشم شاہ سے نفرت کرنے کی ایسی سزا دوں گا زرناب کہ تم مجھ سے رحم کی بھیک مانگو گی! تم ہر اس لمحے کو روؤ گی جب تم نے مجھے دھتکارا تھا!" اس کے لہجے میں درندوں کی سی غراہٹ تھی۔ زرناب زہر خند سا مسکرائی۔

"رحم کی بھیک تو تم میرے رب سے مانگو گے ہاشم شاہ! مگر وہ تمھیں بھی معاف نہیں کرے گا! میں اپنی ذات کو ختم کر دوں گی مگر تمھاری تسکین کا باعث کبھی نہیں بنوں گی! کبھی نہیں!" وہ زور سے چیخی۔ ہاشم سرد مہری سے مسکرا دیا۔

"چلو کھلی اجازت دی۔ جو جی چاہے کر لو۔ لیکن اگر تم ناکام رہیں زرناب شاہ تو پھر صرف جشن ہو گا، میری جیت کا جشن!" اس کی آنکھوں میں دیکھتا وہ پلٹ کر باہر نکل گیا تو زرناب جو اتنی دیر سے خود کو سنبھالے کھڑی تھی، بھر بھری ریت کی طرح زمین پہ بکھر گئی۔ وحشت سے گہرے گہرے سانس لیتے ہوئے اس نے آنسوؤں بھری آنکھوں سے چاروں طرف دیکھا تھا۔ کمرے میں سوائے قالین، پلنگ اور ایک کرسی کے کچھ نہ تھا۔ سیدھی سپاٹ دیواریں ہر کھڑکی، ہر روزن سے بے نیاز تھیں۔

وہ کہاں تھی، کب سے تھی؟ اسے کچھ اندازہ نہ تھا۔ بدبختی اپنی سیاہی لیے ایک بار پھر اس کی زندگی کو تاریک کرنے آ پہنچی تھی۔ وہ دونوں ہاتھوں میں سر گرائے چیخیں مار مار کر رونے لگی تھی۔

☆☆☆

چند گھنٹوں کے اندر اندر خوشیوں کی جگہ ماتم نے لے لی تھی۔

حویلی میں آگ کی خبر کس طرح مہندی کے فنکشن میں پہنچی تھی بختیار شاہ نہیں جانتے تھے۔ مگر جب سب گھر والے بھاگم بھاگ واپس پہنچے تھے تو ساتھ میں زوہیب اور اس کی فیملی کو دیکھ کر بختیار شاہ کے اعصاب شل ہو گئے تھے۔ باہر لگی آگ تو کسی نہ کسی طرح بجھا لی گئی تھی مگر جو آگ دامن سے آ لپٹی تھی اس کے بلند ہوتے شعلوں سے وہ اپنی خاک ہوتی عزت کو کسی طور نہیں بچا پائے تھے۔

بات واضح ہوئی تھی تو ہر طرف کہرام مچ گیا تھا۔ صبور، ہاشم کے خون کا پیاسا ہو گیا تھا۔ سب نے مل کر اسے بامشکل تمام قابو کیا تھا۔ ایاز اور حاذق پورے خاندان کے سامنے مجرم بنے بیٹھے تھے۔ جبکہ معصومہ اور بی بی نرجس کی، کاٹو تو بدن میں لہو نہیں والی کیفیت تھی۔ ان کا لاڈلا ان کے سر پہ بدنامی کا یہ پہاڑ توڑے گا انھوں نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا۔

زوہیب اور اس کے گھر والوں کے لیے یہ ساری صورت حال ایک بہت بڑا دھچکا تھی۔ اتنے نامی گرامی خاندان کے اندر یہ کھچڑی پک رہی تھی انھیں یقین نہیں آ رہا تھا۔ وہ سب ساکت بیٹھے

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

ایک دوسرے کا چہرہ تک رہے تھے۔ کیا کریں، کیا نہیں، کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

سیف کے فوری ایکشن پہ پورے ضلعے کی فورس حرکت میں آ گئی تھی۔ ہاشم کی گاڑی کا نمبر اور دیگر تفصیلات ہرنا کے پر پہنچا دی گئی تھیں۔ خود اس نے نور والاں میں موجود ہاشم کے سارے دوستوں کے گھر فی الفور چھاپے مارے تھے۔ اور یہیں سے انھیں جہانگیر اور ان کے تیسرے دوست ندیم کے غائب ہونے کا بھی پتا چلا تھا۔ ہاشم کی طرح ان دونوں کے موبائل نمبر بھی بند جا رہے تھے۔ جس سے یہ بات ثابت ہو گئی تھی کہ ہاشم نے ان دونوں کے ساتھ مل کر زرناب کو اغوا کیا تھا۔

سیف نے ان دونوں گھروں کے مردوں کو گرفتار کر لیا تھا اور ان کے موبائل نمبر ٹریس پہ لگوا دیے تھے۔ بات کو میڈیا سے مخفی رکھنے کے لیے سیف کے ساتھ ساتھ بختیار شاہ نے بھی اپنا سارا اثر و رسوخ لڑا دیا تھا۔ اس کی یہ بھاگ دوڑ پوری شاہ فیملی کو اس کا شکر گزار بنا گئی تھی۔ بختیار اور صبور شاہ عجیب سی ندامت محسوس کر رہے تھے مگر کچھ کہنے سے قاصر تھے۔

حالات کی قلعی کھلنے کے بعد سیف اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ گودام کی آگ بھی اسی سلسلے کی کڑی تھی۔ جو یا تو انھوں نے حویلی میں گھس کر خود لگائی تھی یا پھر اس کام میں کسی چوتھے بندے نے ان کی مدد کی تھی۔ اس صورت حال نے بشیر کے توتے اڑا دیے تھے۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ سیف علی جنگ اتنی جلدی اصل مجرموں تک پہنچ جائے گا۔

بشیر کو یقین تھا کہ ہاشم اور اس کے دوست کسی صورت لاہور نہیں پہنچ سکے ہوں گے، کیونکہ ان کے یہاں سے نکلتے ہی تقریباً گھنٹے کے اندر اندر سیف نے تھانے پہنچ کر ضروری کارروائی شروع کر دی تھی۔ ایسے حالات میں وہ کہاں تھے کہاں نہیں اسے کچھ علم نہ تھا۔ مگر وہ اتنا ضرور جانتا تھا کہ اگر وہ تینوں پکڑے جاتے تو اس کی شناخت بھی لازمی تھی۔ جس کے بعد اسے تو بختیار شاہ کی گولیوں نے تھانے کی شکل بھی نہیں دیکھنے دینی تھی۔

☆☆☆

ہاشم کمرہ بند کر کے تیز قدموں سے چلتا ہوا دوسری طرف آیا تھا جہاں جہانگیر اور ندیم کے علاوہ جہانگیر کا خاص آدمی عرفان بھی بیٹھا تھا۔ تین کمروں، صحن، باتھ روم اور ایک چھوٹے سے کچن پہ مشتمل یہ اڈا عرفان کا ہی تھا جو اس نے اپنے یار دوستوں کے لیے مخصوص کر رکھا تھا۔ ہاشم اتنے دنوں سے یہاں پر ہی رہ رہا تھا۔ اسے دیکھ کر جہانگیر بے اختیار سیدھا ہوا تھا۔

"ہوش آیا؟"

"ہاں۔" ہاشم بے زار سا صوفے پہ گر سا گیا۔ زرناب کے سامنے وہ خود کو جتنا پُرسکون ظاہر کر کے آیا تھا، اتنا وہ تھا نہیں۔ اور اس کا سہرا سیف علی جنگ کو جاتا تھا جس نے عین وقت پہ پہنچ کے ان کی ساری محنت پہ پانی پھیر دیا تھا۔ ورنہ وہ تو حویلی سے لڑکی لے کر نکلنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ جس کے بعد سفید حویلی والے چاہ کر بھی ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے تھے۔ جب تک سارا معاملہ ان کی سمجھ میں آتا وہ اپنی منزل یعنی لاہور پہنچ بھی چکے ہوتے۔ جہاں زرناب سے نکاح کے بعد ہاشم نے اسے لے کر کراچی فلائی کر جانا تھا۔ مگر بھلا ہو اس اے ایس پی کا جس نے اپنا تمام تر اثر و رسوخ استعمال کرتے ہوئے ان کے لاہور تک پہنچنے کی راہ مسدود کر دی تھی۔

پہلے تو ان کی سمجھ نہیں آیا تھا کہ یہ ہو کیا رہا ہے؟ وہ دور سے ہی پولیس کو دیکھ کر رک گئے تھے۔ گاڑیوں کی لمبی قطار تھی جسے روک کر چیکنگ کی جا رہی تھی۔ تب ہی جہانگیر کو عرفان کی کال آئی

www.urdusoftbooks.com

تھی۔ اس نے فوراً سے پیشتر انھیں اپنے اڈے پر پہنچنے کے لیے کہا تھا۔ کیونکہ اس کی اطلاع کے مطابق یہ تا کہ بندی سیف علی جنگ نے، ان ہی کی گرفتاری کے لیے کروا رکھی تھی۔

عرفان کی بات سن کے ان سب کی ہوائیاں اڑ گئی تھیں۔ انھوں نے فوراً سے پیشتر گاڑی موڑی تھی اور اسے طوفانی انداز میں بھگاتے عرفان کے اڈے پر پناہ لی تھی۔ ہاشم کا غصہ اور جھنجھلاہٹ عروج پر تھی۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ سیف علی کو جان سے مار دیتا جس نے اس کی کامیابی کو مشکل بنا دیا تھا۔

"اس کتے کی گاڑی دیکھ کر ہی میری چھٹی حس نے خطرے کا احساس دلا دیا تھا۔ کاش کہ ہم اسے راستے میں ہی ٹھوک دیتے تو جان چھوٹ جاتی ہماری۔" ہاشم بالوں میں انگلیاں پھنسائے غصے سے بولا تو جہانگیر کے لبوں پہ استہزائیہ مسکراہٹ در آئی۔

"ہاں اے ایس پی کو ٹھوک دیتے، تا کہ باقی کی ساری زندگی جیل میں سڑتے ہوئے گزرتی ہماری!"

"نہ تو اب بڑے محفوظ ہیں ہم؟" ہاشم نے ناراضی سے اسے دیکھا۔ "فقط ڈیڑھ گھنٹے کے فاصلے پر بیٹھے ہیں اس سے۔ وہ کسی بھی وقت ہمارے سر پہ عذاب بن کے نازل ہو سکتا ہے۔"

"کیسے نازل ہو سکتا ہے؟ ہم نے کوئی سراغ چھوڑا ہے اپنے ٹھکانے کا؟" جہانگیر نے خفگی سے سوال کیا تو ہاشم خاموش ہو گیا۔

"تو خواہ مخواہ پریشان ہو رہا ہے۔ بس ایک دو دن کی بات ہے۔ جیسے ہی خطرہ ٹلتا ہے ہم سب سے پہلے تم دونوں کو یہاں سے نکالنے کی کرتے ہیں۔ تب تک اگر تو چاہتا ہے تو......" اس نے سامنے والے کمرے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے خباثت سے آنکھ دبائی تو ہاشم سرد مہری سے مسکرا دیا۔

"نہیں۔ اسے تو میں نکاح کی مار ماروں گا۔ آج کی یہ ڈھلتی رات سفید حویلی والوں اور ان کی لاڈلی کے منہ پر ایسی کالک ملے گی کہ اب اسے ہاشم شاہ کے علاوہ اور کوئی پوچھے گا بھی نہیں!" وہ بے رحمی سے بولا تو جہانگیر سفاکی سے ہنس دیا۔

☆☆☆

جوں جوں رات بھیگ رہی تھی، توں توں گھٹن کا احساس بڑھتا جا رہا تھا۔ مردان خانے میں بیٹھے مردوں کے لیے اپنی غیرت کے جنازے پہ یوں ہاتھ باندھے بیٹھے رہنا نا قابل برداشت ہوا جا رہا تھا۔ تب ہی جب رات کے تین بجے تک مجرموں کا کوئی سراغ نہ مل سکا تھا تو زوہیب کی ہمت جواب دے گئی تھی۔

وہ کچھ بھی کہے سنے بنا اپنی فیملی کو لے کر واپس چلا گیا تھا۔ ان کا یوں چلے جانا سب گھر والوں کے حوصلے بکھیر گیا تھا۔ شفق، صدف، بی بی حوراں، سبین، نوشین کسی کے بھی آنسو نہ تھم رہے تھے۔ بی بی نور بانو پر تو مسلسل غشی کی کیفیت طاری تھی۔ جبکہ شاہ بی بی کو ڈاکٹر پٹی کر کے سکون کا انجکشن دے گیا تھا۔

معصومہ، ماں اور بھابھیوں کے ساتھ اپنے کمرے میں منہ چھپائے بیٹھی تھیں۔ ہاشم کی اس گری ہوئی حرکت کے بعد ان میں خاندان کی کسی عورت کا سامنا کرنے کی ہمت نہ تھی۔ دونوں ماں بیٹیوں کا رو رو کر برا حال تھا۔ معصومہ ہاشم کو بد عائیں دیتے نہ تھک رہی تھیں جبکہ ان کی بھابھیاں، انھیں نظر انداز کیے غصے میں بھری بیٹھی تھیں۔ ان کے اور ان کے شوہروں کے حصے میں تو یہ بدنامی مفت میں آئی تھی۔ وہ سیخ پا نہ ہوتیں تو اور کیا کرتیں۔

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

ادھر سیف کے لیے گزرتا ہوا ہر پل کسی قیامت سے کم نہ تھا۔ ہاشم کا چہرہ، اس کی گندی آنکھیں اور نشے میں لڑکھڑاتے قدم جب بھی اس کے تصور میں آتے، اسے یوں لگتا جیسے اسے کوئی انگاروں پہ گھسیٹ رہا ہو۔ اس کے زرناب کے لیے کیا خیالات تھے سیف اچھی طرح جانتا تھا۔ ایسے میں اس گھٹیا آدمی کی زرناب کے گرد موجودگی کا احساس اسے مارے دے رہا تھا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ ہاشم شاہ کو پاتال سے بھی جا کر ڈھونڈ نکالتا اور اس کے ناپاک وجود کے اتنے ٹکڑے کرتا کہ کوئی اس کی صورت نہ پہچان پاتا۔

اس وقت بھی وہ تنہا اپنے آفس میں بیٹھا تھا جل رہا تھا جب جمیل کی آواز نے اس کی تناؤ بھری سوچوں کو بکھیر دیا تھا۔

"سر جی! ابھی ابھی اطلاع آئی ہے کہ کسی ناکے سے اس نمبر کی سفید سرف نہیں گزری۔" اس نے تازہ ترین رپورٹ اسے دی تو سیف کے اندر جیسے کسی نے نئی روح پھونک دی۔

"اس کا مطلب ہے، وہ اسی علاقے میں ہیں۔" وہ پُر جوش سا اٹھ کھڑا ہوا۔ "میں ابھی اضافی نفری طلب کرتا ہوں۔ سورج نکلتے ہی ہمیں نوروالاں کے اردگرد کا چپہ چپہ چھاننا ہے۔ وہ لوگ ہمارے ہاتھ سے نکلنے نہیں چاہئیں جمیل!" قطعی لہجے میں کہتا وہ اپنے موبائل پہ کوئی نمبر ملانے لگا تو جمیل اسے سلیوٹ کرتا مستعدی سے باہر نکل گیا۔

☆☆☆

زور زور سے دروازہ دھڑ دھڑانے کی آواز پہ قالین پر گری زرناب بری طرح ڈر کر اٹھی تھی۔ وحشت سے دیوار کے ساتھ سمٹتے ہوئے اس نے خوف زدہ نظروں سے کمرے کے دروازے کی طرف دیکھا تھا۔ وہ بھول گئی تھی کہ یہ دروازہ اندر سے نہیں بلکہ باہر سے بند تھا۔

اسی اثناء میں دروازہ دوبارہ اسی زوردار آواز سے پیٹا گیا تھا اور تب زرناب کو احساس ہوا تھا کہ بجایا جانے والا دروازہ اس کمرے کا نہیں بلکہ کوئی اور تھا۔ اگلے ہی لمحے اسے باہر قدموں کی دھمک سنائی دی تھی۔ وہ بھاگ کر اپنے کمرے کے دروازے کے ساتھ آ لگی تھی۔

دوسری طرف چھائی خاموشی میں کنڈی کھلنے کی واضح آواز آئی تھی۔ شاید داخلی دروازہ تھا جسے کھولا گیا تھا۔

"کی گل اے؟ کیوں سویرے سویرے سیاپا پایا ہویا اے؟" کسی کی غصے سے بھری نیند سے بوجھل آواز زرناب کی سماعتوں سے ٹکرائی تو اس کا دل دھک سے رہ گیا۔ تو کیا اسے یہاں قید ہوئے ساری رات گزر گئی تھی؟ وحشت سے سوچتے اس کا پورا وجود لرز اٹھا تھا۔ وہ لبوں پہ ہاتھ رکھے گھٹ گھٹ کے رو پڑی تھی۔

"استاد! غضب ہو گیا۔" دوسری طرف سے ایک پریشان اور گھبرائی ہوئی آواز آئی تو زرناب کا سسکتا وجود ساکت ہو گیا۔ اس نے بے چینی سے آنسو پونچھے۔

"کی ہویا؟" بھاری سی یہ آواز ہاشم کی نہیں تھی۔

"او جی سارا علاقہ پلس (پولیس) نے اپڑیں قبضے اچ لے لیا اے۔"

"کی!" اور زرناب کو اپنے مردہ وجود میں زندگی کی نئی لہر دوڑتی محسوس ہوئی تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ مصطفیٰ اسے بچانے آ گیا تھا۔

"یا اللہ تیرا شکر ہے۔ تیرا شکر ہے میرے مولا!" آنکھیں میچے وہ بے اختیار رو پڑی تھی۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ اڑ کر مصطفیٰ کی مضبوط پناہوں میں چھپ جاتی۔

"ہور جی او جہانگیر تے ندیم باؤ دے گھر اچ

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

راتی چھاپا وی پیا اے۔"

"او تیری!" اگلے ہی لمحے وہ شخص یقیناً اندر کی جانب بھاگا تھا اور پھر تھوڑی ہی دیر میں دوسری طرف جیسے بھونچال آ گیا تھا۔ تین چار مردوں کی اونچی اونچی آوازیں بلند ہوئی تھیں۔ زرناب دم سادھے دروازے سے کان لگائے کھڑی تھی۔

"میں نے کہا تھا۔ کہا تھا کہ وہ ہمارے سروں پہ پہنچ جائے گا۔ اب کیا کریں گے ہم؟" ہاشم کی غصے میں ڈوبی جھنجلائی ہوئی آواز اس نے لمحے میں پہچان لی تھی۔ ان سب پہ یہ بم یقیناً سوتے سے اٹھا کر پھاڑا گیا تھا۔ جب ہی ان کی حواس باختگی عروج پر تھی۔

"او صبر کر! پہلے مجھے گھر تو فون کر لینے دے!" جہانگیر نے بوکھلاہٹ میں اپنے نئے نمبر سے بڑے بھائی کا نمبر ملایا تھا۔ یہ جانے بغیر کہ وہ کتنی فاش غلطی کرنے لگا تھا۔ اس کے اور ندیم کے بھائی نا صرف پولیس کی حراست میں تھے بلکہ ان کے نمبر بھی انڈر آبزرویشن تھے۔

"عرفان میری پسٹل دے!" ہاشم کی آواز پہ زرناب سرتا پا لرز اٹھی تھی۔ اپنی تکلیف میں وہ یہ بات تو بھول ہی گئی تھی کہ ان لوگوں سے ٹاکرے کی صورت میں مصطفیٰ کی جان کو کس قدر خطرہ ہو سکتا تھا۔

"یا اللہ میرے مصطفیٰ کی حفاظت کرنا۔ اسے کچھ نہ ہونے دینا میرے مولا!!" آنکھیں میچے اس نے پوری شدت سے اپنے رب کو پکارا تھا۔ اس حقیقت کا احساس کیے بنا کہ وہ اوپر والے سے صرف مصطفیٰ کی نہیں بلکہ "اپنے" مصطفیٰ کی سلامتی کی دعائیں مانگ رہی تھی۔

☆☆☆

جہانگیر کی غلطی سیف کو اس کی منزل کا نشان دے گئی تھی۔ اس کی کال سے مطلوبہ موبائل نمبر کے سگنلز کو ٹریس کیا گیا تھا اور تھوڑی ہی دیر میں اس کے پاس اپنے مجرموں کے ٹھکانے کی پوری تفصیل آ گئی تھی۔

جمیل سے "بیلی والاں" کے اس علاقے کا حدود اربع سمجھتے ہوئے اس نے دو ٹیمیں تشکیل دی تھیں۔ ایک وہ جو سول کپڑوں میں ملبوس گھر کے سامنے سے حملہ کرنے والی تھی۔ اور ایک ٹیم وہ جو یونیفارم میں گھر کے پیچھے سے اندر کودنے والی تھی۔ وہ اندر بیٹھے افراد کو سنبھلنے کا موقع دیے بنا چاروں خانے چت کر دینا چاہتے تھے۔

ہاشم اور اس کے بندوں کا ٹھکانا مل جانے کی اطلاع، سفید حویلی کے سوکھے دھانوں پہ، پانی بن کر برسی تھی۔ بشیر البتہ اس خبر کو پاتے ہی سب کی نظر بچا کے منظر سے غائب ہو گیا تھا۔ گھر کی ساری خواتین زرناب کی سلامتی کے لیے سجدہ ریز ہو گئی تھیں۔ جبکہ مرد اسلحے سے لیس "بیلی والاں" کے لیے نکل کھڑے ہوئے تھے۔ آج یا وہ نہیں تھے یا ہاشم شاہ نہیں تھا۔

ایاز اور حاذق بے بسی سے، جانے والوں کو دیکھتے رہ گئے تھے۔ ان کی ماں کلیجہ پیٹتی، دہائیاں دیتی ان کی بانہوں میں جھول گئی تھی۔ اور بہن دونوں ہاتھوں میں سر پکڑے صحن کے بیچوں بیچ بیٹھی زار و قطار رو رہی تھی، مگر وہ چاہ کر بھی بھائی کی حفاظت کے لیے کوئی قدم نہ اٹھا سکے تھے۔

کھڑکیوں اور دروازوں سے لگی ملازمین کی آنکھیں اس منظر کو تجسس سے تک رہی تھیں۔ یہ دن اس دن سے کتنی مشابہت لیے ہوئے تھا، جب ایسے ہی ایک روز، ملازمین سے بھرے اسی صحن میں پیر سید نظر حسین شاہ کی عزت کو اچھالا گیا تھا، اور وہ غم و یاسیت کی تصویر بنے اس رسوائی کو سمیٹنے پر مجبور ہو گئے تھے۔

تب اس دن وہ رسوائی شاہ صاحب کے

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

دامن میں زبردستی "ڈالی" گئی تھی۔اور آج یہ رسوائی خود "چل" کر بڑی حویلی والوں کی دہلیز سے آلپٹی تھی۔ ذلت کی اس تقسیم میں بڑا فرق تھا۔اور شاید اسی فرق کا نام مکافات عمل ہے۔

☆☆☆

سیف کے اشارے پہ سول کپڑوں میں ملبوس، ڈی ایس پی مظہر چوہدری، اطمینان سے چلتا ہوا مطلوبہ گلی میں داخل ہوا تھا۔ چند لمحوں بعد چار مزید پولیس اہلکار، سول کپڑوں میں، ایک دوسرے سے باتیں کرتے اسی گلی میں داخل ہوئے تھے۔ گھر سے چند قدموں کے فاصلے پہ، مظہر چوہدری نے رک کر گلی کے سرے کی طرف دیکھا تھا۔ جہاں سے سیف کی پولیس موبائل آگے بڑھ گئی تھی۔ وہ جیب سے فون نکال کر اس پہ مصروف ہونے کا تاثر دیتا ایک طرف کو کھڑا ہو گیا تھا۔ اس کے پیچھے آتے بندے بھی ایک دکان کے آگے رک گئے تھے۔

تھوڑی دیر بعد مظہر کے موبائل پہ سیف کی مس کال آئی تھی۔ جس کا مطلب تھا کہ وہ گھر کے پیچھے اپنی پوزیشن سنبھال چکا تھا۔ وہ موبائل جیب میں ڈال کر پسٹل کی موجودگی کو یقینی بناتا، گھر کی طرف چل پڑا تھا۔ اس کے حرکت میں آتے ہی پیچھے موجود چاروں اہلکار بھی آگے بڑھے تھے۔

مطلوبہ گیٹ پر پہنچ کر مظہر چوہدری نے بڑے نارمل انداز میں دروازہ کھٹکھٹایا تھا۔ لیکن اس کے باوجود اندر بیٹھے افراد چوکس ہو گئے تھے۔

جہانگیر سے یہ جاننے کے بعد کہ اس کے اور ندیم کے گھر والے دونوں خیریت سے تھے وہ چاروں مطمئن ہو گئے تھے۔ عرفان نے انھیں یہی سمجھایا تھا کہ اگر پولیس نے گاؤں سے باہر کے علاقے کو گھیرے میں لے بھی لیا تھا تب بھی ان کے ٹھکانے پر پہنچنا پولیس کے لیے ممکن نہ تھا۔

اس کی بات سن کر ان سب کو حوصلہ ہوا تھا اور وہ اٹھ کر ناشتے پانی کی تیاری میں لگ گئے تھے۔ انھیں پھر سے نارمل انداز میں ہنستا بولتا۔ سن کر زرناب بری طرح الجھ گئی تھی۔ آخر اس فون والے بندے کو اس کے گھر والوں نے ایسا کیا کہہ دیا تھا جو یہ سب اتنے مطمئن ہو گئے تھے؟ کیا پولیس کے گھیرے کی خبر غلط تھی یا مصطفیٰ اس کی تلاش میں کہیں اور نکل گیا تھا؟ بے چین سی زرناب سوچ سوچ کر پاگل ہونے کو تھی۔

تب ہی اس کے دروازے پہ کھٹ پٹ ہوئی تھی۔ ہاشم کو اندر آتا دیکھ کر وہ نفرت سے رخ موڑ گئی تھی۔ ہاشم نے ایک نظر اس پہ ڈالنے کے بعد اپنے پیچھے دروازہ بند کرنے کے بجائے اس کے دونوں پٹ کھول دیے تھے۔ زرناب نے چونک کر اس کی طرف دیکھا تھا۔

"دیکھو زرناب شاہ! باہر دیکھو! تمھاری ایک رات ہاشم شاہ کے نام لگ چکی ہے۔" اس کی آنکھوں میں دیکھتا وہ خباثت سے مسکرایا تو زرناب کا چہرہ زرد پڑ گیا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو اترتے دیکھ کر وہ مسکراتا ہوا آگے بڑھ آیا۔

"نہ میری جان ابھی تو رونے کو ساری عمر پڑی ہے۔" وہ اسے پچکارتا اچانک اس کے چہرے پر جھکا تو زرناب اسے دھکا دیتی کھلے دروازے کی طرف بھاگی۔ ہاشم لڑکھڑا کر سنبھلا اور تیزی سے اس پہ جھپٹا۔ زرناب کی کلائی جکڑتے ہوئے اس نے بے رحمی سے ایک تھپڑ اس کے منہ پر مارا۔ وہ کسی بے جان گڑیا کی طرح دور جا گری۔

"سالی! کمینی! تجھے عزت راس نہیں آئی۔ اب میں تجھے بتاتا ہوں کہ ہاشم شاہ کو دھتکارنے کی کیا سزا ہوتی ہے!" اپنے پیچھے دروازہ بند کرتا وہ اس کی طرف لپکا تو زرناب کی چیخوں نے کمرے کے در و دیوار ہلا دیے۔

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

اسی وقت صحن میں کچھ گرنے اور کسی کے بھاگنے کی آواز آئی۔ مگر ہاشم پہ ایسا جنون سوار تھا کہ اسے کچھ سنائی نہیں دیا تھا۔ اس نے جھپٹ کر چیخیں مارتی زرناب کو اپنی جانب کھینچا تھا اور اس کی مزاحمت پہ حاوی ہونے کی کوشش کرنے لگا تھا۔

تب ہی دوسری طرف سے اچانک فائر کی آواز بلند ہوئی تھی۔

ہاشم یک لخت ساکت ہوا تھا۔ لیکن اس سے پہلے کہ وہ کچھ سمجھتا کمرے کے دروازے پہ زوردار ٹھوکر پڑی تھی۔ ہاشم نے بوکھلا کر زرناب کو دھکیلتے ہوئے جیب سے پستول نکالنی چاہی تھی۔ تبھی دروازے پر ایک اور کاری ضرب لگی تھی جس کے نتیجے میں کنڈی جڑ سے اکھڑ گئی تھی۔ ہاشم بری طرح گھبرا کر پیچھے ہٹا تھا۔

"ہینڈز اپ!" سیف کی گرجدار پکار پہ ہاشم کا ہاتھ بے اختیار کانپ گیا تھا۔ روتی ہوئی زرناب نے بے یقین نظروں سے سامنے کھڑے مصطفیٰ کی طرف دیکھا تھا۔ جو ہاتھ میں پسٹل لیے ان کے مقابل کھڑا تھا۔

"خ...... خبردار...... جو تم آگے بڑھے!" ہاشم سرعت سے پستول نکالتا الٹے قدموں پیچھے ہٹا تھا۔

"پستول پھینک دو ہاشم! تمہارے تینوں دوست ہماری گرفت میں ہیں!" سیف اس کے پیچھے کھڑی زرناب کو دیکھتے ہوئے سنبھل کر بولا تو ہاشم نے دانت پیسے۔

"حرام زادے! میں تجھے اپنی کامیابی اتنی آسانی سے نہیں چھیننے دوں گا۔ میں جان سے چلا جاؤں گا لیکن......" اس نے بجلی کی سی تیزی کے ساتھ پلٹ کر زرناب کو اپنی جانب کھینچا تو اس کی چیخ نکل گئی۔ "لیکن زرناب شاہ کو نہیں چھوڑوں گا!"

اس کی حرکت سیف کا چہرہ سرخ کر گئی۔ اس نے خونخوار نظروں سے ہاشم کی آنکھوں میں دیکھا۔

"بی بی پہ سے ہاتھ ہٹاؤ ہاشم!"

"کیوں؟ تیری بیوی لگتی ہے کیا؟" اس نے زہرخند نظروں سے سیف کو دیکھا تو اس کا صبر جواب دے گیا۔ اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ اور سرعت سے گن کا رخ بدل کے ہاشم کے دائیں جانب فائر کر دیا۔ زرناب کی چیخ بے اختیار بلند ہوئی تھی۔

ہاشم اس حملے کے لیے قطعی تیار نہ تھا۔ وہ خوف زدہ سا اچھل کر پیچھے پلٹا تو زرناب پہ اس کی گرفت ڈھیلی ہوگئی۔

سیف نے موقعے کو غنیمت جانا اور زرناب کی طرف چھلانگ لگا دی۔ چشم زدن میں زرناب پیچھے کھڑے جمیل کی طرف دھکیل دی گئی تھی۔

زرناب کو اپنے شکنجے سے نکلتا دیکھ کر ہاشم پاگل ہو گیا تھا۔ اس نے رکھ کر ایک گھونسا سیف کے منہ پر مارا تھا۔ جمیل کے ساتھ گھسٹتی زرناب کی چیخ نکل گئی تھی۔ کمرے کی دہلیز پار کرنے سے پہلے اس نے دونوں کو آپس میں بری طرح گتھم گتھا ہوتے دیکھا تھا۔

تب ہی کمرے کے اندر سے فائر کی آواز آئی تھی اور زرناب کا دل دھک سے رہ گیا تھا۔ جمیل نے گھبرا کر کمرے کی طرف دیکھا تھا۔

اچانک ایک اور فائر ہوا تھا اور پتھرائی کھڑی زرناب کے لیے اس وار کو سہنا ممکن نہ رہا تھا۔ وہ لڑکھڑائی تھی اور اگلے ہی لمحے چکرا کر ہوش و خرد سے بیگانہ ہو گئی تھی۔

☆☆☆

اس کی آنکھ نرم بستر پہ کھلی تھی۔ اس کی پلکوں میں جنبش اترتی دیکھ کر حویلی کی پانچوں خواتین بے تابی سے اس کی طرف متوجہ ہوئی تھیں۔

"زری! میری بچی!" اپنی پیشانی پہ ممتا بھرا لمس محسوس کرتے ہی وہ ماں کا احساس پا گئی تھی۔

www.urdusoftbooks.com
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

"اماں...... اماں جان!" خشک پڑتے لبوں پہ زبان پھیرتے اس نے اپنی بوجھل آنکھیں کھولنے کی کوشش کی تھی۔

"اماں صدقے ! اماں قربان !" آنسو بڑی تیزی سے ان کی آنکھوں میں جمع ہونے لگے تھے۔

زرناب نے دھیرے سے آنکھیں کھولتے ہوئے ان کا چہرہ دیکھا تھا۔

"مص...... مصطفیٰ کہاں ہے اماں جان؟" خالی خالی نظروں سے انھیں تکتی وہ ٹوٹے لہجے میں بولی تو بی بی نور بانو نے چونک کر اسے دیکھا۔ ان کے پاس بیٹھی شاہ بی بی اور بی بی حوراں بھی اس کے منہ سے یہ نام سن کر الجھ گئی تھیں۔ کچھ ایسی ہی کیفیت شفق کی بھی تھی۔ بس ایک صدف تھی جس کے چہرے پہ الجھن کے بجائے گھبراہٹ در آئی تھی۔ اس نے سٹپٹا کر بیڈ پہ لیٹی زرناب کی جانب دیکھا تھا جو یقیناً دواؤں کے زیرِ اثر تھی۔ وہ بے اختیار اس کے پاس آ بیٹھی تھی۔

"زری! میری جان۔۔" اس نے پیار سے اس کا بازو چھوا تو زرناب نے بے چینی سے اسے دیکھا۔ اگلے ہی پل وہ ایک جھٹکے سے اٹھ بیٹھی۔

"مصطفیٰ مرگیا کیا؟ بولو صدف وہ مرگیا کیا؟" دیوانہ وار اس کا بازو جھنجھوڑتے وہ وحشت سے چلائی تو صدف بری طرح پریشان ہوگئی۔

"کچھ...... کچھ نہیں ہوا اسے۔ وہ ہاسپٹل میں ہے اور بالکل ٹھیک ہے۔" دونوں ہاتھوں میں اس کا چہرہ تھامے وہ گھبرائی ہوئی بولی تو زرناب یوں خاموش ہوگئی جیسے کسی نے جادو کے زور پر اسے چپ کروادیا ہو۔

"زری! زرناب!" صدف نے گھبرا کر اسے ہلایا تو وہ اس کے سینے سے آلگی اور اس طرح زور زور سے روئی کہ ان سب کو بھی اپنے ساتھ سسکنے پر مجبور کرگئی۔

بی بی نور بانو نے تڑپ کر اسے اپنی آغوش میں لے لیا۔ وہ بھی رو پڑی تھیں۔

کل رات سے زوہیب کے گھر والوں نے کوئی رابطہ نہیں کیا تھا۔ ان کی یہ خاموشی محض چند ہی گھنٹوں میں سفید حویلی والوں کو کھا گئی تھی۔

مگر زرناب کو صبور کے بازوؤں میں بے سدھ دیکھ کر ان پہ قیامت گزر گئی تھی۔ آناً فاناً بختیار شاہ کے دوست ڈاکٹر کو بلایا گیا تھا جس نے اس بے ہوشی کو ذہنی دباؤ اور شدید صدمے کا نتیجہ بتایا تھا۔ اس کی دی گئی دواؤں کے زیرِ اثر زرناب تو سوگئی تھی مگر وہ سب اس کی حرماں نصیبی پر رونے کو تنہا رہ گئی تھیں۔

اس کے تن سے لپٹا مایوں کا جوڑا اس کے نصیب کی طرح مسلا ہوا تھا۔ ٹوٹی چوڑیاں، زرد رنگت، بکھرے حواس سب اس کی بربادی کی داستان سنا رہے تھے۔ اس کے ساتھ کیا بیتی تھی، کیا نہیں یہ تو وہی بتا سکتی تھی، مگر فی الحال تو ان کے لیے سب ختم ہوگیا تھا۔

شہر سے آنے والے مہمانوں کے لیے کل کی روشنیوں بھری تقریب موت کا بہانا بنا کے ٹال دی گئی تھی اور گاؤں والوں سے کچھ چھپانے کو بچا نہ تھا۔ ایسے میں وہ اپنی بچی کی قسمت پہ ماتم نہ کرتیں تو اور کیا کرتیں؟

شاہ بی بی نے بامشکل تمام بی بی نور بانو کو چپ کروایا تھا۔ کمرے میں بے حد بوجھل سی خاموشی چھا گئی تھی۔

"م...... مجھے آپ لوگوں کو کچھ بتانا ہے۔" صدف کی سہمی ہوئی آواز اچانک اس خاموشی میں ابھری تو سب کی بجھی ہوئی آنکھیں اس پر آ ٹھہریں۔

"سیف...... سیف علی جنگ اصل میں عبداللہ چاچا کا بیٹا، مصطفیٰ ہے۔" اس نے اٹکتے

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

ہوئے اپنی بات مکمل کی تو ان چاروں کو لگا جیسے کمرے کی چھت ان پر آ پڑی ہو۔

"کیا؟" شاہ بی بی کو اپنی سماعتوں پہ یقین نہیں آیا تھا۔ "کیا...... کیا کہہ رہی ہو صدف!" ان کی آواز حلق میں پھنس گئی تھی۔

"میں ٹھیک کہہ رہی ہوں بی بی۔" اور کوثر شاہ سینے پہ ہاتھ رکھے جہاں کی تہاں رہ گئی تھیں۔ کمرے میں موت کا سناٹا چھا گیا۔ صدف نے ایک چور نظر سب پہ ڈالی اور نگاہیں جھکا گئی۔

"آج سے چند ماہ پہلے جب زرناب ایک صبح تایا جی کی قبر پہ گئی تو وہاں اسے......" اس کی بوجھل آواز اطراف میں بکھرنے لگی۔ وہ چاروں دم سادھے اسے سنتی رہیں۔

"مصطفیٰ آج سے نہیں بلکہ بچپن سے زرناب کو چاہتا آیا ہے۔ وہ اس سے کتنی بے لوث اور شدید محبت کرتا ہے اس کا ثبوت تو آج ہم سب نے دیکھ ہی لیا ہے۔ وہ اس کی خاطر جان کی بازی لگا گیا۔ مگر زرناب اتنی مجبور اور بے بس ہے کہ اس کا نام لے کر رو بھی نہیں سکتی۔ اس وقت جو زری کی حالت ہے اس کے ہم سب ذمہ دار ہیں۔ اس نے ہماری جھوٹی آن اور گھٹن زدہ سوچ کی خاطر اپنے دل کو اس کی واحد خوشی سے محروم کر دیا۔ وہ تنہائی میں روتی رہی، تڑپتی رہی مگر آپ لوگوں کی عزت اور تربیت پہ حرف نہیں آنے دیا۔ اور شاید زندگی بھر نہ آنے دیتی اگر جو وہ زوہیب کے ساتھ رخصت۔۔۔" صدف کے لیے مزید بولنا ممکن نہ رہا تو وہ آنکھوں پہ ہاتھ رکھے سسک اٹھی۔ اس کے آنسو ان سب پہ چھایا سکتہ توڑ گئے۔ انھوں نے برستی آنکھوں سے بیڈ پہ نڈھال پڑی زرناب کی طرف دیکھا جس کے گالوں پر آنسوؤں کے نشان اب بھی باقی تھے۔ بعض اوقات اولاد اپنے بڑوں کو اپنی اعلیٰ ظرفی اور قربانی سے اپنا مقروض بنا دیتی ہے۔ اور یہی زرناب اور مصطفیٰ نے کیا تھا۔

☆☆☆

آئی سی یو کے باہر کھڑے عثمان علی جنگ کی ڈبڈبائی نظریں، شیشے کے اس پار، بے سدھ پڑے سیف پہ جمی تھیں۔ اس کے مشینوں سے جکڑے زخمی وجود کے پاس بیگم عثمان بے آواز آنسو بہا رہی تھیں۔ ہاشم کی چلائی گئی دوسری گولی سیف کی پسلی کے پاس لگی تھی۔ وہ بری طرح زخمی ہوا تھا۔ مگر اس نے اسے قابو کر کے دم لیا تھا۔

ڈی ایس پی مظہر چوہدری، سیف کو لے کر قریبی شہر بھاگا تھا جہاں ابتدائی امداد دینے کے بعد اسے خصوصی طیارے سے اسلام آباد بھیج دیا گیا تھا۔ جہاں فوری آپریشن کر کے اس کی گولی نکال دی گئی تھی۔ یوں جب تک وہ سب اپنی گاڑیوں میں اسلام آباد پہنچے تھے سیف کو آپریشن تھیٹر سے فارغ کر کے آئی سی یو میں شفٹ کر دیا گیا تھا۔ لیکن چونکہ اس کا کافی خون ضائع ہوا تھا اس لیے اس کی حالت خاصی تشویش ناک تھی اور یہی بات باعثِ پریشانی تھی۔

عثمان صاحب اپنے آنسو صاف کرتے دھیرے سے پلٹے تھے۔ لیکن اپنے پیچھے بختیار شاہ کو کھڑا دیکھ کر ان کے لب سختی سے ایک دوسرے میں پیوست ہو گئے تھے۔ اگلے ہی لمحے وہ انھیں نظر انداز کرتے آگے بڑھ گئے تھے۔ بختیار شاہ شرمندہ سے ان کے پیچھے چلتے باہر لابی میں آئے تھے۔ جہاں ان کے علاوہ صبور، سلمان اور ان کے خاندان کے کچھ اور مرد بھی بیٹھے تھے۔

عثمان علی جنگ ان سب سے ہٹ کر دور جا بیٹھے تھے۔

صبور شاہ نے ایک چور نظر ان پر ڈالی تھی۔ سیف، آج ان کی عزت کی حفاظت کرتے ہوئے اس حال کو پہنچا تھا، مگر آفرین تھی عثمان علی پہ

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

کہ وہ اسے (صبور شاہ کو) سامنے پا کر بھی کچھ نہ بولے تھے۔ان کی یہ اعلاظرفی صبور کو بری طرح شرمندہ کر گئی تھی۔اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کن الفاظ میں ان سے اپنی بدسلوکی کی معافی مانگے۔

"ہمت سے کام لیں عثمان صاحب۔اللہ نے چاہا تو سیف بالکل ٹھیک ہو جائے گا۔" انھیں گم صم سا دیکھ کر بختیار شاہ ان کے قریب چلے آئے تو عثمان علی جنگ نے چونکتے ہوئے اپنے مخاطب کی طرف دیکھا اور خود سے ذرا فاصلے پہ پیر سید نظر حسین شاہ کے بڑے بیٹے کو بیٹھا دیکھ کر ان کے لبوں پر اک استہزائیہ مسکراہٹ آ کر غائب ہو گئی۔

"جو کہ تمھارے لیے کسی طور خوشی کی خبر نہیں ہو گی بختیار شاہ۔" ان کے لہجے کی کاٹ اور اندازِ تکلم بختیار شاہ کو بری طرح چونکا گیا۔

"آپ ایسا کیسے کہہ سکتے ہیں؟" انھوں نے ناگواری سے عثمان علی کو دیکھا۔

"میرے خیال میں وہ تم ہی تھے جس نے اپنے بھائی کو میرے گھر بھیجا تھا۔" انھوں نے سرد لہجے میں انھیں جتایا تو بختیار شاہ بے طرح گڑبڑا گئے۔

"ایسی بات نہیں ہے۔۔۔صبور آپ کی طرف کسی غلط ارادے سے نہیں آیا تھا۔وہ تو صرف سیف کے......"

اصلی باپ کا نام اور اس کا پتا جاننے کے لیے اپنے غنڈے لے کر آیا تھا۔اور ایسا یقیناً کسی خیر سگالی کے جذبے کے تحت تو نہیں کیا گیا تھا۔ وہ طنزیہ انداز میں ان کی بات کاٹتے ہوئے بولے تو بختیار نگاہیں چرا گئے۔عثمان صاحب نے انھیں شعلے برساتی نظروں سے دیکھا۔

"مرد بنو بختیار شاہ! جس سے نفرت کرتے ہو اس سے بانگِ دہل اپنی نفرت کا اظہار بھی کرو۔یوں دنیا دکھاوے کو منافقت مت کرو!" ان کی بات بختیار شاہ کا چہرہ سرخ کر گئی۔

"اچھا! تو پھر اپنے بارے میں کیا خیال ہے عثمان علی جنگ؟" انھوں نے غصے سے انھیں دیکھا۔"یاد ہے وہ دن جب تم میرے بابا صاحب کی تدفین پہ آئے تھے؟" بختیار شاہ نے آن کی آن میں اس چھپن چھپائی کے کھیل کو ختم کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔

"اچھی طرح یاد ہے۔بلکہ تمھارا ہاتھ رد کرنا بھی یاد ہے اور تم سے اپنی نفرت بھی یاد ہے!" وہ بنا کسی پس و پیش کے بولے تو بختیار شاہ ایک لمحے کو حیران رہ گئے۔وہ تو سمجھ رہے تھے کہ ان کے منہ سے یہ بات سن کر عثمان علی گھبرا جائیں گے،منکر ہو جائیں گے۔مگر انھوں نے تو وہ باتیں بھی کہہ دی تھیں جن کا بختیار شاہ نے کوئی حوالہ نہیں دیا تھا۔

"میں مرد ہوں بختیار شاہ۔اپنی کسی بات سے پیچھے ہٹنے کی مجھے عادت نہیں!" وہ ان کی آنکھوں میں دیکھتے نڈر انداز میں بولے۔بختیار شاہ کی بھنویں تن گئیں۔

"اتنے ہی مرد ہو تو آج اس نفرت کی وجہ بھی بتا دو عثمان علی!"

"سوچ لو بختیار! کہیں زندگی میں نیا بھونچال نہ آ جائے۔" وہ کاٹ دار انداز میں مسکرائے۔

"میری فکر مت کرو۔تم اپنی کہو جنگ۔" وہ سرد لہجے میں بولے۔عثمان صاحب نے اک جتاتی نگاہ ان کے چہرے پر ڈالی۔ان کے نزدیک آج وہ وقت آ گیا تھا جب سچائی اور اچھائی کا آئینہ،غرور اور طاقت کے روبرو رکھا جا سکتا تھا۔

"یاد ہے وہ دن،جب ایک معصوم کو بھری حویلی میں ذلت اور رسوائی کا نشانہ بنایا گیا تھا؟" عثمان صاحب نے مبہم سے انداز میں سوال کیا تو بختیار شاہ الجھ کر ان کا چہرہ دیکھنے لگے۔

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

"کس کی بات کر رہے ہو تم؟"

"عبداللہ اور اس کے بیٹے مصطفیٰ کی!" وہ ایک ایک لفظ پہ زور دیتے ہوئے بولے تو بختیار شاہ نے یوں جھٹکا کھایا جیسے کسی بچھو نے ڈنک مار دیا ہو۔

"تمھاری ناموس کی خاطر آج اپنی زندگی داؤ پہ لگانے والا کوئی اور نہیں، بلکہ مصطفیٰ عبداللہ ہے، بختیار شاہ!"

اور سید بختیار حسین اگلا سانس لینا بھول گئے تھے۔ وہ عثمان علی جنگ کی نفرت کی بڑی سے بڑی وجہ سوچ سکتے تھے لیکن ان کے اس رویے کے پیچھے مصطفیٰ کی ذات نکلے گی یہ انھوں نے کبھی گمان بھی نہیں کیا تھا۔ "اب اپنا پستول نکالو اور جا کے اپنے محسن کا سینہ چھلنی کر آؤ۔ میں بھی تو دیکھوں کہ ایک باظرف شخص کی اولاد کس حد تک کم ظرفی کا مظاہرہ کر سکتی ہے۔"

وہ تلخ لہجے میں بولے تو بختیار شاہ سائیں سائیں کرتے وجود کے ساتھ ساکت بیٹھے رہ گئے۔ ان کے ساتھ اتنے ماہ سے اٹھنے بیٹھنے والا مصطفیٰ عبداللہ تھا۔ انھیں یقین نہیں آ رہا تھا۔

"میں نے شاہ صاحب جیسی نیک اور خوف خدا رکھنے والی ہستی اپنی زندگی میں نہیں دیکھی۔ انھوں نے عبداللہ اور اس کے بیٹے کو در در کی ٹھوکریں کھانے کے بجائے میرے پاس بھیج دیا تھا اور میں نے اللہ کے حکم سے مصطفیٰ کو جو بنایا وہ آج تم سب کے سامنے ہے۔ وہ خائن نہیں دیانت دار ہے۔ لٹیرا نہیں محافظ ہے۔ تمھاری جس عزت سے تمھارا اپنا خون کھیل گیا، اس نے اسی عزت کی حفاظت اپنی جان پر کھیل کر کی۔ یہی فرق ہے تم لوگوں میں اور اس میں!" انھوں نے شہادت کی انگلی سے اندر کی طرف اشارہ کیا۔

"تم اس کے بارے میں کچھ نہ جانتے ہوئے بھی اس کے دشمن بن گئے۔ اور وہ تمھارے بارے میں سب کچھ جانتے ہوئے بھی اس موقع پر اپنی دشمنی بھلا گیا۔ کیا اس سے زیادہ اچھائی اور اعلا ظرفی کا ثبوت بھی کوئی دے سکتا ہے؟ کیا ایسا شخص ماضی میں بھی کبھی حویلی کی عزت پہ غلط نگاہ ڈال سکتا ہے بختیار شاہ؟" اندھیرے اور اجالے کا فرق واضح کرتے انھوں نے اچانک ایک بہت عجیب سا سوال ان کے سامنے رکھا تو بختیار شاہ کی پتھرائی آنکھوں نے چونک کر ان کی طرف دیکھا۔ عثمان علی جنگ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے۔

"جاؤ اور جا کے میرے اس سوال پہ اچھی طرح غور کرو اور اگر کوئی جواب نہ ملے تو اپنی بیوی سے قرآنِ پاک پہ حلف لے کر اس سے یہ سوال کرنا۔ امید ہے تمھیں صحیح جواب مل جائے گا۔"

ان کی حیرت کو نظر انداز کیے وہ اندر کی جانب بڑھ گئے تو بختیار شاہ بنا پلکیں جھپکائے انھیں جاتا دیکھتے رہے۔ یہ وہ کون سا پنڈورا بکس کھول گئے تھے؟

☆☆☆

بختیار شاہ اچانک اسپتال سے اٹھ آئے تھے۔ صبور اور سلمان کے پوچھنے پر بھی انھوں نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ تمام راستہ ان کا مزاج تنا رہا تھا۔

لیکن حویلی میں قدم رکھتے ہی انھیں لگا تھا کہ ایک آتش فشاں تھا جو پھٹ پڑا تھا۔ بختیار شاہ نے اس گرج دار آواز کے ساتھ معصومہ کو پکارا تھا کہ ان کے ساتھ ساتھ حویلی کی باقی خواتین بھی ہال کی طرف بھاگی چلی آئی تھیں۔ صبور اور سلمان حیرت کی تصویر بنے، بھائی کے سرخ چہرے کو تک رہے تھے۔

"جی۔" معصومہ فق رنگت لیے، بیٹیوں کے ساتھ اندر آئی تھیں۔ وہ اسی وقت سے خائف تھیں

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

جب ہاشم کی اس ذلیل حرکت کا خمیازہ انھیں بھگتنا تھا۔ بختیار شاہ نے ان پہ ایک گہری نظر ڈالی تھی اور ان کے مقابل آکھڑے ہوئے تھے۔

" کیا کہتی رہی تھیں تم آج تک کہ مصطفیٰ اور زرناب کو گل چھرے اڑاتے تم نے بہت بار دیکھا تھا؟" ان کے چہرے پہ نگاہیں جمائے انھوں نے ایک بہت غیر متوقع سوال کیا تو معصومہ کے ساتھ ساتھ باقی سب نے بھی چونک کر ان کی جانب دیکھا۔ یہ اچانک مصطفیٰ کا ذکر کہاں سے آ گیا تھا؟ شاہ بی بی کے ساتھ ساتھ ان چاروں کی گھبراہٹ بھی عروج پہ پہنچ گئی تھی۔

"ہ۔ہاں۔" معصومہ اپنی حیرت چھپاتے ہوئے گھبرائی ہوئی سی بولیں تو بختیار شاہ کے لب سختی سے ایک دوسرے میں پیوست ہو گئے۔ انھوں نے تیز نظروں سے انھیں گھورا اور بت بنی کھڑی شفق کی طرف پلٹے۔

" جاؤ شفق! قرآنِ پاک لے کر آؤ!" اور وہاں موجود سب ہی لوگ اپنی جگہ پر ساکت رہ گئے۔ یہ کیا ہونے جا رہا تھا؟ بی بی نور بانو نے لرزتے دل کے ساتھ صدف کا ہاتھ تھام لیا تھا۔ جبکہ معصومہ کی رنگت خطرناک حد تک سفید پڑ گئی تھی۔ شفق سہمی سی جا کر قرآنِ پاک لے آئی۔ بختیار شاہ نے کلامِ پاک اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

"اللہ کے اس کلام کو ہاتھ میں لو معصومہ! اور پھر اپنے یہی الفاظ دہراؤ۔" سرد لہجے میں کہتے انھوں نے قرآن، خوف زدہ کھڑی معصومہ شاہ کی طرف بڑھایا تو وہ اس تیزی سے پیچھے ہٹیں کہ سب گھر والوں کے ساتھ ساتھ ان کی اپنی بیٹیوں کے چہروں پر بھی حیرت در آئی۔ ان کی ماں نے تو ہمیشہ انھیں یہی بتایا تھا کہ ان کی پھوپھی کا چکر حویلی کے ایک ملازم، مصطفیٰ، کے ساتھ تھا۔

" معصومہ! قرآن پکڑو!" بختیار شاہ نے بلند آواز میں اپنی بات دہرائی تو وحشت زدہ معصومہ نفی میں سر ہلاتی پھوٹ پھوٹ کر رو پڑیں۔

" مجھے معاف کر دیں۔ مجھے معاف کر دیں بختیار!" وہ اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپا گئی تھیں۔ سب کی سانس جیسے تھم گئی تھی۔ سین اور نوشین بے یقینی کے عالم میں آنکھیں پھاڑے ماں کو تک رہی تھیں اور بختیار شاہ، وہ تو جیسے وہاں تھے ہی نہیں۔

" کاش کہ تم جان سکتے کہ کون کس کے پیچھے پڑا ہے بختیار شاہ!" شاہ بی بی کی آواز ذہن کے دریچے سے نکل کر ان کے ضمیر پہ کوڑے کی مانند برسی تو مارے ندامت کے انھوں نے اپنی آنکھیں سختی سے بند کر لیں۔

کچھ ایسی ہی حالت صبور شاہ کی بھی تھی۔ جو سناٹے کی کیفیت میں گھرا کھڑا تھا۔ حالانکہ ابھی تو اس پہ سیف کی اصلیت نہ کھلی تھی، ورنہ بڑے بھائی کی طرح اس کے ملال کا بھی کچھ اور ہی رنگ ہونے والا تھا۔

بختیار شاہ نے آنکھیں کھولتے ہوئے روتی ہوئی اس عورت کی طرف دیکھا، جس پر اب وہ کبھی مر کر بھی اعتبار نہیں کر سکتے تھے۔ آن کی آن میں وہ ایک فیصلے پہ پہنچ گئے تھے۔

" میں سید بختیار حسین شاہ، پورے ہوش و حواس کے ساتھ، معصومہ شاہ تمھیں طلاق دیتا ہوں!" الفاظ تھے یا کوئی صُور ہر کوئی جیسے ہڑبڑا کر ہوش میں آیا تھا۔

" بھابی!" سلمان اور صبور دہل کر ان کی جانب لپکے تھے۔ جبکہ ان کی دونوں بیٹیاں وحشت کے عالم میں چیخ مار کر ان کے بازوؤں سے آ لگی تھیں۔

" یہ مت کریں بابا۔ یہ مت کریں!" دیوانہ

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

وار انھیں جھنجھوڑتے وہ چیخیں مار مار کر رو پڑی تھیں۔ معصومہ زمین پہ نگاہیں جمائے پتھر کی ہو گئی تھیں۔

"طلاق دیتا ہوں!" وہ دوبارہ بولے تھے۔ بی بی نور بانو تیزی سے آگے بڑھی تھیں اور اگلے ہی لمحے ان کا ہاتھ پوری طاقت سے بیٹے کے چہرے پہ آ پڑا تھا۔ سب کے دل دھک سے رہ گئے۔

"اماں جان!" بختیار شاہ نے بے یقینی سے ماں کو دیکھا جن کا چہرہ مارے غضب کے سرخ ہو رہا تھا۔

"خبردار! جو اک لفظ وی ہور کیا تے!" انھوں نے تنبیہی انداز میں انگلی اٹھائی۔ "اس عورت سے تو طلاق کا لفظ کہہ کر تعلق ختم کرنے چلے ہو تم۔ یہ بتاؤ کہ میں کون سا لفظ بولوں جس سے تم جیسے ناخلف بیٹوں سے اپنا تعلق ہمیشہ کے لیے ختم کر سکوں؟" وہ غصے سے چلائیں تو بختیار شاہ اپنا نچلا لب دانتوں تلے دبا گئے۔

"سزا کی بات کرتے ہو تو پہلے خود کو کٹہرے میں کھڑا کرو بختیار۔۔۔ یہ تو دوسروں کی اولاد تھی، مگر تم دونوں تو ہمارے اپنے بیٹے تھے۔ بتاؤ پھر، اعتبار کیا تھا اپنے بابا صاحب کا؟ اس بہن کا جس نے تمھاری انگلی پکڑ کر چلنا سکھا تھا؟"

انھوں نے تلخی سے دونوں بیٹوں کو دیکھا تو وہ نادم سے نظریں چرا گئے۔ بی بی نور بانو کے لبوں پہ اک زخم خوردہ مسکراہٹ آ کر دم توڑ گئی۔

"سزا صرف اسے نہیں تم دونوں کو بھی ملنی چاہیے۔ جنھوں نے ایک پرائی عورت کے کہے کا اعتبار کیا اور اپنے ہی ماں باپ اور بہن کے حق میں اندھے اور بہرے بن گئے۔ تم لوگوں نے اس وقت بوڑھے باپ کو تنہا چھوڑا جب انھیں بیٹوں کے مضبوط سہارے کی اشد ضرورت تھی۔ تم نے اس وقت بہن کا مان توڑا جب اسے تمھارے بھروسے اور یقین کی چادر درکار تھی۔ تم نے ہر لمحہ مجھے جھٹلایا اور اس بدقماش ہاشم کو میری بچی کے لیے ایک بہترین جوڑ قرار دیا۔ اب بتاؤ میں تم لوگوں کو کیا سزا دوں؟ کیا سزا دوں؟" حلق کے بل چلاتی وہ پھپھک کر رو پڑیں تو بختیار اور صبور شاہ کو لگا کہ اب وہ کبھی اپنی جھکی نظریں نہ اٹھا پائیں گے۔

"ہم چاہے کچھ بھی کہہ لیں، کتنا بھی پچھتا لیں۔ مگر وہ وقت واپس نہیں لا سکتے اماں جان! جہاں ہم اپنے بابا صاحب کے پیروں کو چھو کر ان سے معافی مانگ سکتے۔ مگر آپ کا سایہ ہم پہ سلامت ہے اور آپ سے ہم یہی التجا کر سکتے ہیں کہ ہمیں معاف کر دیں۔ اللہ کے واسطے ہمیں معاف کر دیں اماں جان!"

بختیار شاہ بھرائی آواز میں کہتے ماں کو خود سے لگا گئے تو وہ بیٹے کے سینے سے لگ کر اس طرح روئیں جیسے برسوں کے بھٹکتے مسافر کو اس کی منزل مل گئی ہو۔ صبور بھی بے تاب سا آگے بڑھ کر ماں سے جا لگا۔ یہ منظر وہاں موجود سبھی لوگوں کے آنسوؤں میں شدت لے آیا تھا۔

☆☆☆

زرناب نظر حسین شاہ کی آنکھ جیسے ایک طلسم کدے میں کھلی تھی۔ صدف سے یخنی پیتے اس نے چونک کر اپنے کمرے میں آتے دونوں بھائیوں کو دیکھا تھا اور گھبرا کر سیدھی ہو بیٹھی تھی۔ آج نجانے کتنے سالوں بعد انھوں نے اس کے کمرے میں قدم رکھا تھا۔ وہ بھی یقیناً بحالتِ مجبوری۔ زرناب کو ان کے اس جبر پہ ڈھیروں ندامت نے آن گھیرا تھا، جو محض اس کی وجہ سے انھیں خود پہ کرنا پڑ گیا تھا۔ وہ واقعی اپنے بھائیوں کے لیے ایک عذاب بن گئی تھی۔

"زری!" بختیار شاہ کی دھیمی آواز کمرے کی

www.urdusoftbooks.com

خاموش فضا میں ابھری تو اپنی سوچوں میں گم زرناب ایک لمحے کے لیے ساکت رہ گئی۔ "کیا بھاجی نے اسے زری کہہ کر پکارا تھا؟" بے یقینی سے سوچتی اس نے حیرت سے سر اٹھا کر سامنے کھڑے بھائی کی طرف دیکھا تھا۔ اس کی بے جان آنکھوں کا یہ حیرانی بھرا تاثر بختیار شاہ کو گہری شرمندگی اور دکھ سے دوچار کر گیا تھا۔

انھیں ایک ٹک اپنی جانب تکتا پا کر زرناب بری طرح خوف زدہ ہو گئی تھی۔

"بھاجی! میں...... میں قسم کھاتی ہوں کہ میرے اللہ نے میری عزت پہ کوئی حرف نہیں آنے دیا۔ میں خود کو ختم کر لیتی لیکن اپنے وجود پہ کوئی داغ لے کر آپ کے سامنے نہیں آتی۔ م۔ میرا یقین کریں بھاجی۔ میں خطا کار نہیں!" ان کی طرف دیکھتی وہ یک لخت ہاتھ جوڑ گئی تو بختیار شاہ کا پورا وجود کانپ اٹھا۔ یہ وہ کیا کہہ گئی تھی! وہ تڑپ کر آگے بڑھے اور پوری شدت کے ساتھ اسے خود سے لگا لیا تھا۔ ان کے سینے سے لگتے ہی زرناب کو کون و مکاں بھول گئے تھے۔ وہ یوں چیخیں مار مار کر روئی تھی جیسے آج ہی اپنے ہر نقصان، ہر دکھ کا ماتم یاد آیا ہو۔

☆☆☆

سیف کو کمرے میں شفٹ ہوئے آج دوسرا دن تھا۔ اس کے زخم کی تو مسیحائی کر دی گئی تھی لیکن اندر پھیلی وحشت کا حال صرف وہی جانتا تھا۔ نہ دن کو چین تھا نہ رات کو قرار۔ ہر لمحہ بس زرناب کا خیال تھا جو نجانے کس حال میں تھی۔

کتنی بار اسے دل نے مجبور کیا تھا کہ وہ فون کر کے اس کی آواز سنے، اس کی خیریت دریافت کرے۔ لیکن ہر بار وہ یہ سوچ کر نئے سرے سے اذیت میں مبتلا ہو جاتا تھا کہ پتا نہیں اس کے ساتھ ہاشم نے کیسا سلوک کیا تھا؟ اور پتا نہیں وہ اس حادثے کے بعد اس سے بات کرنا بھی چاہتی تھی یا نہیں؟

اسے وہ منظر بھلائے نہیں بھولتا تھا جب زرناب کی چیخوں نے باہر صحن میں اس پہ ہیجان طاری کر دیا تھا۔ وہ دیوانہ وار اس دروازے پہ پل پڑا تھا جس کے پار سے اسے زرناب کی چیخیں سنائی دے رہی تھیں۔ پوری شدت سے دروازے پہ ضرب لگاتے اس نے یہی دعا کی تھی کہ اللہ اسے ایسا کوئی منظر نہ دکھائے جس کی وہ تاب نہ لا سکے۔

دروازے کے کھلتے ہی اسے ڈری سہمی، روتی ہوئی زرناب دیوار کے ساتھ لگی کھڑی نظر آئی تھی۔ اس کی بکھری حالت سیف کا دل چیر کر رکھ گئی تھی۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ ہاشم کا سینہ گولیوں سے بھون کر رکھ دیتا۔ مگر حوصلے سے کام لینا اس کی قانونی مجبوری تھی۔ لیکن جس وقت اس نے زرناب کو اپنے ناپاک ہاتھوں سے چھوا تھا اس کا صبر تار تار ہو گیا تھا۔

وہ ہر مصلحت، بھلا کر اس پہ پل پڑا تھا۔ اس کے وجود کو گھونسوں اور لاتوں سے رگیدتے وہ اس کا نام و نشان تک اس دنیا سے مٹا دینا چاہتا تھا۔ ایسے میں زمین پہ گرے ہاشم نے اچانک پستول پر جھپٹتے ہوئے اس پہ گولی چلا دی تھی۔ اس کی پہلی گولی سیف کے پاس سے گزری تھی۔ وہ بجلی کی سی تیزی سے سنبھل کر سیدھا ہوا تھا۔ لیکن تب تک اس نے دوسرا فائر کر دیا تھا۔ گولی سیف کے جسم میں پیوست ہو گئی تھی۔

آگ کا ایک شعلہ تھا جو اسے اپنے اندر اترتا محسوس ہوا تھا۔ وہ بے اختیار کراہ اٹھا تھا۔ اگلے ہی پل اس نے پوری طاقت سے اپنے جوتے کی ایک زوردار ضرب ہاشم کے پیٹ میں رسید کی تھی۔ وہ وہیں درد سے دہرا ہو گیا تھا اور تبھی جمیل پولیس کے دیگر بندوں کے ساتھ اندر بھاگا چلا آیا تھا۔ آن

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

واحد میں انھوں نے ہاشم کو اپنی گرفت میں لے لیا تھا۔ جبکہ وہ خود بے دم سا زمین پہ آ گرا تھا۔

زرناب کی خیریت کا سن کر، سکون کی ایک گہری لہر اسے اپنے اندر اترتی محسوس ہوئی تھی ، اب اگر وہ مر بھی جاتا تو اسے پرواہ نہ تھی۔ اس کے دماغ پہ چھاتا غبار رفتہ رفتہ گہرا ہونے لگا تھا۔ اور جب اسے مکمل طور پہ ہوش آیا تھا تو وہ اسپتال میں تھا۔ جہاں اس کے بابا اور امی اس کے پاس تھے۔ سفید حویلی والوں کے متعلق نہ اس نے کچھ پوچھا تھا اور نہ ہی عثمان صاحب نے اسے کچھ بتایا تھا۔

لیکن اب اس کی یہ بے کلی دیکھتے ہوئے عثمان علی بھی پریشان ہو گئے تھے۔ نجانے ان کی کہی بات نے بختیار شاہ کے دل و دماغ پہ اثر کیا بھی تھا یا نہیں؟

"سیف!" اسے گم صم سا لیٹا دیکھ کر وہ اس کے پاس چلے آئے۔ "بیٹا! میں تمھیں ایک بات بتانا چاہتا ہوں۔" وہ دھیرے سے گویا ہوئے تھے۔ تبھی دروازے پہ دستک نے انھیں اپنی بات ادھوری چھوڑنے پر مجبور کر دیا تھا۔

"یس۔" اگلے ہی لمحے دروازہ کھول کر جو چہرے اندر داخل ہوئے تھے، انھیں دیکھ کر وہ اپنی جگہ پہ ساکت رہ گئے تھے۔ کچھ ایسی ہی حالت سیف کی بھی تھی جو بختیار اور صبور شاہ کے ہمراہ دو باپردہ خواتین کو دیکھ کر حیران رہ گیا تھا۔

"السلام علیکم عثمان صاحب۔" بختیار شاہ نے ان کی طرف بڑھتے ہوئے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا تو عثمان علی جیسے ہوش میں آئے۔

"وعلیکم سلام۔" انھوں نے بغور ان کا چہرہ دیکھا جس پہ موجود دوستانہ سی مسکراہٹ انھیں کسی انہونی کا پتا دے رہی تھی۔ تو کیا اللہ نے ان کے سیف کو سرخرو کر دیا تھا؟ بے یقینی سے سوچتے ان کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی تھی۔

بی بی نور بانو اور شاہ بی بی، بیگم عثمان سے مل رہی تھیں۔ جبکہ صبور نادم سا ان کے سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔

"میں آپ سے بہت شرمندہ ہوں۔" وہ فقط اتنا ہی کہہ سکا تھا۔ عثمان علی مسکرا دیے۔

"تمھیں احساس ہو گیا میرے لیے یہی کافی ہے۔" انھوں نے اس کا شانہ تھپتھپایا۔ صبور اک گہری سانس لیتا سیف کی طرف بڑھا جس کے پاس بی بی نور بانو اور شاہ بی بی کھڑی تھیں۔

"دنیا میں شاید ایسا کوئی لفظ نہیں پتر، جسے ادا کر کے ایک ماں، اپنی بیٹی کی عزت کے محافظ کا شکریہ ادا کر سکے۔ میں تمھارا دین نہیں دے سکتی۔ کبھی بھی نہیں!" اس کے سر پہ ہاتھ پھیرتی بی بی نور بانو بے اختیار رو پڑیں تو سیف نے ان کا ہاتھ تھام لیا۔

"میں نے کوئی احسان نہیں کیا۔ یہ میرا فرض تھا بی بی۔"

"ہاں، وہ فرض جس کی پاس داری تم نے بچپن میں ہی سیکھ لی تھی۔ بس ہم سے ہی سمجھنے میں بھول ہو گئی۔" بختیار شاہ ملول سے بولے تو سیف نے چونک کر انھیں دیکھا۔

"ہم تمھارے گنہگار ہیں مصطفیٰ۔ کیا تم اپنے گنہگاروں کو معاف نہیں کرو گے؟" انھوں نے اچانک آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ تھام لیا تو سیف کو لگا جیسے وقت کی گردش تھم گئی ہو۔ یہ انھوں نے اسے کس نام سے پکارا تھا؟ کیا کہا تھا؟ اس کی بے یقینی میں ڈوبی نگاہیں اپنے بابا پہ جا ٹھہریں جو آنکھوں میں نمی لیے مسکرا دیے تھے۔ بختیار شاہ بری طرح نادم ہو گئے۔

"ایسے مت دیکھو مصطفیٰ کہ ہم اپنی کوتاہیوں کا بار اٹھانے کے بھی لائق نہ رہیں۔ یہ سچ ہے کہ اگر تمھاری حقیقت کسی اور حالات میں کھلتی تو شاید

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

اب کی بار تمھاری لاش اس گاؤں سے جاتی۔ مگر اوپر والے کو شاید ہماری آنکھیں کھولنا مقصود تھا۔ جب ہی تو اس نے ہم پر تمھارا کردار، تمھاری اچھائی اور تمھارا ظرف اس طرح سے واضح کیا کہ ہم چاہ کر بھی ان کی بلندی سے انکار نہیں کر سکے۔

میں کبھی تم سے معافی مانگوں گا میں نے یہ کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا۔ مگر جب چیزیں گمان سے باہر اور یقین سے ہٹ کر وقوع پذیر ہو جائیں تو انسان کو سمجھ لینا چاہیے کہ معاملہ اوپر والے کی عدالت میں جا پہنچا ہے۔ اور میں کم از کم اس معاملے میں اس کی پکڑ میں نہیں آنا چاہتا۔ کبھی بھی نہیں!" اس کی آنکھوں میں دیکھتے ان کی آواز بے اختیار لرز گئی تو سیف کی آنکھیں اپنے رب کی اس درجہ عظمت پہ اشک بار ہو گئیں۔

کیا اوقات تھی بھلا اس کی؟ اپنے اللہ کا ایک خطا کار اور عاجز بندہ! مگر پھر بھی اگر اس نے اس کی سرخروئی کی ٹھان لی تھی تو یہ اس کے کرم اور اس کے فضل کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ وہ سربلند ٹھہرا تھا اور اس سربلندی کا تقاضا تھا کہ وہ تنگ دلی کا مظاہرہ نہ کرتا، تکبر سے پیش نہ آتا۔

"میں نے آپ کو اور صبور کو معاف کیا۔ میں نے ہر اس شخص کو معاف کیا جس نے مجھ پر اور زرناب شاہ پر تہمت دھری تھی!" دھیرے سے بولتا وہ ان کے ہاتھ پہ اپنا دوسرا ہاتھ بھی رکھ گیا تھا۔

☆☆☆

زرناب نظر حسین شاہ کی زندگی میں یہ دن خواب بن کے اترا تھا جب اس کے دونوں بھائی مصطفیٰ عبداللہ سے معذرت کر کے لوٹے تھے۔ الجھنیں یوں سلجھ جائیں گی، بدگمانیاں یوں مٹ جائیں گی، ان بہن بھائیوں کے دل پھر سے ایک دوسرے سے جڑ جائیں گے، ایسا بھلا اس نے کب سوچا تھا؟ بے شک اوپر والے نے اس کی بارہ سالہ اذیتوں کا ازالہ دیکھتے ہی دیکھتے کر دیا تھا۔ عزت سے لے کر رشتوں تک ہر چیز واپس لوٹا دی تھی۔ مگر ایک کسک، ایک کمی دل کے نہاں خانے میں اب بھی باقی رہ گئی تھی۔

وہ جس دن سے لوٹی تھی، اس کی مصطفیٰ سے بات نہیں ہوئی تھی۔ خود سے رابطہ کرنے کی اس میں ہمت نہ تھی اور وہ نجانے کیوں چپ کی چادر اوڑھ گیا تھا۔ شاید ہاشم والے واقعے کے بعد وہ اس سے دامن بچانا چاہ رہا تھا۔ ظاہر ہے، ایک ایسی لڑکی جو رات بھر ایک غیر شخص کی تحویل میں رہ کر آئی ہو۔ اور جسے اس نے خود اس شخص کے ساتھ بند کمرے سے نکالا ہو۔ جس کے ہونے والے شوہر نے اسے اپنانے سے انکار کر دیا ہو۔ ایسی لڑکی سے بھلا وہ کیونکر کوئی تعلق رکھنا چاہے گا۔

شاید سب ہی مردوں کی غیرت کا یہی تقاضا تھا اور وہ کوئی اس دنیا کے مردوں سے الگ تو نہ تھا۔

لیکن زرناب کو پھر بھی افسوس تھا۔ وہ اس سے ایک بار بات تو کرتا، چاہے رسماً ہی سہی۔ وہ کون سا اس سے عمر بھر کا عہد مانگنے چلی تھی۔ ان کا ملنا تو اب بھی ناممکن تھا۔ وہ جانتی تھی کہ معافی تلافی کا مطلب یہ ہرگز نہیں تھا کہ اس کے بھائی اپنی روایات سے منہ موڑنے والے تھے۔ ایسے میں کم از کم وہ ہی اپنے دعووں کی لاج رکھ لیتا۔ اور کچھ نہیں تو زرناب خود کو اتنا ہلکا، اتنا حقیر تو محسوس نہ کرتی جتنا کہ اس گزرے ایک ہفتے میں کر چکی تھی۔

بظاہر سب ٹھیک تھا، لیکن وہ جانتی تھی کہ اس کے گھر والوں کو مستقبل کے اندیشے اندر ہی اندر کھائے جا رہے تھے۔ اس کی ماں کے سجدے طویل اور پھوپھی کی دعائیں لامحدود ہو گئی تھیں۔ مگر اس کے باوجود اس کا دل جانتا تھا کہ اب اس کی آبادی ناممکن تھی۔

☆☆☆

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

آسمان پر چھائے بادلوں نے صبح سے حبس کر رکھا تھا۔اس گھٹن بھری فضا نے زرناب کے اندر پھیلی بے چینی کو سوا کر دیا تھا۔وہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ باہر لان میں چلی آئی تھی جہاں ہوا بند ہونے کے باوجود اسے سکون کا احساس ہوا تھا۔وہ چپ چاپ سی درخت کے تنے سے ٹیک لگا کر آنکھیں موند گئی تھی۔

اسے بیٹھے تھوڑی ہی دیر گزری تھی جب حویلی کے پھاٹک پہ کسی گاڑی کا ہارن بجا تھا۔زرناب نے آنکھیں کھولتے ہوئے دور بنی روش کی طرف دیکھا تھا جہاں کھلے گیٹ سے ایک انجان گاڑی اندر داخل ہو رہی تھی۔تب ہی گھر کا اندرونی دروازہ کھول کر بختیار اور صبور شاہ باہر آئے تھے۔ان کے پیچھے شاہ بی بی، بی بی نور بانو اور بی بی حوراں بھی چہرے چھپائے آکھڑی ہوئی تھیں۔

زرناب ان سب کو دیکھ کر تیزی سے سیدھی ہوئی تھی۔ابھی تھوڑی دیر پہلے تک تو کسی مہمان کی آمد کوئی ذکر نہ تھا، پھر اچانک ایسا کون آ گیا تھا جو پورا گھر ہی استقبال کو باہر آ کھڑا ہوا تھا؟ الجھ کر سوچتے اس نے سامنے دیکھا تھا جہاں گاڑی سے ایک بزرگ خاتون اور مرد کو نکلتا دیکھ کر وہ ٹھٹک گئی تھی۔زرناب کے لیے وہ قطعی اجنبی چہرے تھے مگر اس کے سارے گھر والے ان سے یوں تپاک سے ملے تھے جیسے برسوں کی شناسائی ہو۔اسی خوش دلی کے ساتھ مرد، مردان خانے کی طرف اور خواتین اندر کی جانب بڑھ گئی تھیں۔

زرناب کچھ سوچتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔ لیکن اس سے پہلے کہ وہ قدم اٹھاتی برآمدے کا دروازہ کھول کر صدف نے چاروں اور نظر دوڑائی تھی۔اور اسے لان میں کھڑا دیکھ کر وہ یک لخت پُر جوش سی اس کی طرف بھاگی تھی۔

"زری!" اس کی پکار میں انوکھی سی چہکار تھی۔

زرناب نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"تمھیں پتا ہے اندر کون آیا ہے؟" پھولی سانس کے درمیان اس نے اشتیاق سے پہیلی بوجھی تو زرناب کا سر نفی میں ہل گیا۔

"مصطفیٰ کے بابا عثمان علی جنگ اور ان کی بیگم آئی ہیں۔" وہ خوشی سے بولی تو زرناب پلکیں جھپکنا بھول گئی۔

☆☆☆

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں بھاجی؟"

چہرہ چھپائے بیٹھی بی بی نور بانو سب سے پہلے ہوش میں آئی تھیں۔عثمان صاحب کی درخواست پہ وہ اور شاہ بی بی، بیگم عثمان کے ہمراہ کچھ دیر کے لیے حویلی کی بڑی بیٹھک میں آکر بیٹھی تھیں۔ لیکن عثمان علی جنگ کی بات سن کر تمام حاضرینِ محفل پر سکتہ طاری ہو گیا تھا۔

"وہی جو آپ نے سنا بی بی! میں اپنے بیٹے سیف کا رشتہ آپ کی صاحبزادی کے لیے لے کر آیا ہوں۔" انھوں نے اپنی بات اسی سکون سے دہرائی تو بی بی نور بانو کی آنکھیں مارے بے یقینی کے پھیل سی گئیں۔رحمتوں کے در اتنی جلدی بھی وا ہوتے ہیں انھیں یقین نہیں آ رہا تھا۔مگر ان کے بیٹے؟ ان کی سہمی نظریں بے اختیار صبور اور بختیار شاہ پہ آٹھہریں جو لب بھینچے بالکل خاموش بیٹھے تھے۔عثمان علی نے اک گہری سانس لی۔

"دیکھیں بی بی صاحبہ! ہم نے یہ رشتہ نہ تو کسی احسان کو جتانے کے لیے مانگا ہے اور نہ ہی اس صورت حال سے فائدہ اٹھانے کے لیے۔باخدا اگر میرے مرشد پیر سید نظر حسین شاہ بھی زندہ ہوتے تو میں اسی فخر اور اسی خوشی کے ساتھ اپنی درخواست لے کر ان کے سامنے آتا۔کیونکہ میں جانتا ہوں کہ میرا بیٹا، اس کا کردار و اخلاق اور اس کا نام مقام اس قابل ہے کہ میں زرناب بیٹی کا نام

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

اپنی زبان پر لاسکتا ہوں۔اور مجھے اس بات کا بھی یقین ہے کہ میرے مرشد مجھے کبھی مایوس نہ لوٹاتے۔کیونکہ انھوں نے انسانوں کا معیار کبھی بھی ان کی رنگ و نسل سے طے نہیں کیا تھا۔

انھوں نے ہمیشہ اسے عزت کے لائق جانا تھا جس کا کردار بلند اور عمل سچا تھا۔ پھر چاہے وہ ایک غریب نو مسلم عبداللہ ہی کیوں نہ تھا، جسے انھوں نے ہمیشہ اپنے ساتھ بٹھایا، اپنے ساتھ کھلایا۔

ہوسکتا ہے آپ لوگوں کو میری یہ جرات ناگوار گزری ہو۔لیکن میری ایک بات یاد رکھیے گا۔ شرافت اور پرہیزگاری ذات پات کی محتاج نہیں ہوتی۔ اس کی سب سے بڑی مثال آپ کے سامنے ہاشم اور سیف کے کرداروں کی ہے۔ایک نے آپ کے گھرانے کا فرد ہوتے ہوئے بھی آپ کی عزت پہ سوال کھڑے کر دیے اور دوسرا، ایک غیر ہو کر بھی اس کا محافظ بن گیا۔وہ کوئی سوال اٹھائے بنا آپ کی عزت کو اپنے نام کی ردا پہنانا چاہتا ہے۔اس سے بڑھ کر بھلا اس کے دل میں آپ سب کا کیا احترام ہوسکتا ہے۔"

رسان سے اپنی بات مکمل کرتے وہ خاموش ہوگئے تو بختیار اور صبور کی نظریں جھک سی گئیں۔

بے شک ان سب کے لیے زرناب کی یقین دھیانی کافی تھی لیکن دنیا کے لیے تو یہ تسلی بہت ناکافی تھی۔

کمرے میں گہری خاموشی چھا گئی۔

"عثمان صاحب!" چند لمحوں کے توقف کے بعد بختیار شاہ کی بھاری آواز اس خاموشی میں ابھری تو سب کی بے چین و منتظر نگاہیں ان پہ آٹھہریں۔

"ہماری بیٹی الحمدللہ آج بھی اتنی ہی پاکیزہ ہے جتنی کہ اس چھت کے سائے تلے تھی۔اس کی حرمت اور اس کی بات پہ ہمیں اتنا ہی بھروسا ہے جتنا کہ خود اپنی ذات پر۔لیکن مجھے یہ کہنے میں بھی عار نہیں کہ میں نے مصطفیٰ جیسا نیک مرد اپنی زندگی میں نہیں دیکھا۔دیر سے ہی لیکن میں اپنے بابا صاحب کی پرکھ پہ ایمان لے آیا ہوں۔ان کے نزدیک مصطفیٰ کل بھی قابل بھروسا تھا اور وہ آج بھی لائقِ ستائش ہے۔ بے شک اونچی صرف اللہ کی ذات ہے۔ مجھے اس رشتے پر کوئی اعتراض نہیں۔"

برملا مصطفیٰ کی خوبیوں کا اعتراف کرتے انھوں نے آخر میں ایک بالکل غیر متوقع فیصلہ سنایا تو ہاں موجود ہر چہرے پہ خوش گوار سی بے یقینی چھا گئی۔صبور کے لب بھی بھائی کے اس فیصلے پہ کھل اٹھے۔

"جیو بیٹا! تم نے حقیقتاً میرا دل جیت لیا۔آج تم نے صحیح معنوں میں پیر سید نظر حسین شاہ کی اولاد ہونے کا فرض نبھایا ہے!" اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے عثمان علی جنگ نے بے اختیار بختیار شاہ کو سینے سے لگا لیا۔جنھیں آج پہلی بار یوں لگا تھا جیسے انھوں نے اپنی کوتاہیوں کا تھوڑا سا کفارہ ادا کر دیا ہو۔

☆☆☆

آسمان بھی اگر زرناب شاہ پہ آ گرتا تو اسے اتنا شدید جھٹکا نہ لگتا جتنا کہ ماں کی بات سن کر لگا تھا۔اس نے پتھرائی آنکھوں سے خوشی سے نہال ہوتی، ہنستی روتی ماں بہنوں کو دیکھا تھا جو اپنے رب کی اس درجہ مہربانی پہ شکر ادا کرتے نہ تھک رہی تھیں۔زندگی کی ایک نئی لہر تھی جو بالکل اچانک ہی سفید حویلی کے بے جان در و دیوار کے درمیان جاگ اٹھی تھی۔ایسے میں ایک وہی تھی جو ساکت بیٹھی تھی۔

اگر یہ خبر اسے کسی اور حالات میں ملتی تو وہ مارے خوشی اور بے یقینی کے دیوانی ہوجاتی ہے۔مگر اب تو اسے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ بالکل ہی بے وقعت ہوگئی ہو۔یہ تو یقیناً ترس تھا جو اس پہ کھایا جا

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

رہا تھا۔
اگر وہ اسے اپنی محبتیں، اپنی شدتیں نہیں دے سکتا تھا تو اسے زرناب کا مذاق اڑانے کا بھی کوئی حق نہیں تھا۔ وہ خاموشی سے سب کے درمیان سے اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گئی تھی۔ مصطفیٰ کا نمبر ملاتے اس کے لب بھینچے ہوئے اور ماتھے پر لاتعداد شکنیں تھیں۔ دوسری طرف پہلی ہی بیل کے بعد اس کی کال ریسیو کر لی گئی تھی یوں جیسے وہ فون ہاتھ میں لیے ہوئے ہو۔

"اگر اس پل کوئی مصطفیٰ کو سارے جہان کی دولت بھی دے ڈالتا تو وہ آپ کی اس آواز پر اسے نچھاور کر دیتا۔"

اس کے ہیلو کہنے سے بھی پہلے مصطفیٰ کی گمبھیر آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی تو زرناب کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

"کس لیے؟ میرا مذاق اڑانے کے لیے یا پھر مجھے یہ جتانے کے لیے کہ آپ کتنے عظیم، کتنے نیک ہیں؟" وہ غصے سے بولی تو سیف کے پُر کیف جذبات کو جھٹکا سا لگا۔

"میں سمجھا نہیں؟" اس نے الجھ کر پوچھا۔

"سمجھیں گے بھی کیسے؟ آپ کو کیا پتا آپ نے مجھے کتنی تکلیف پہنچائی ہے؟ میں تو پہلے ہی بہت ارزاں ہو چکی تھی مصطفیٰ! پھر آپ نے ایسا کیوں کیا؟ کیوں مجھے میری ہی نظروں میں بے مول کر دیا۔"

وہ بے اختیار رو پڑی تو سیف چکرا گیا۔ وہ تو سمجھا تھا کہ شاید زرناب شاہ کے دل میں بھی اس کے لیے نرم گوشہ ہے۔ لیکن اس کی بات نے تو اس کے پیروں تلے سے زمین نکال دی تھی۔

"کیا آپ اس رشتے سے خوش نہیں زرناب؟" اس نے بے حد ضبط سے استفسار کیا۔

"کاش کہ یہ کوئی "رشتہ" ہوتا۔ مگر یہ تو محض آپ کا ترس، آپ کا رحم ہے۔ جو مجھے کسی صورت نہیں چاہیے!" وہ آنسوؤں کے درمیان چیخ کر بولی۔ سیف بے اختیار ٹھٹک گیا۔ تو کیا زرناب یہ سمجھ رہی تھی کہ وہ اس سے ترس کھا کر شادی کر رہا تھا؟

"کیوں، آپ میں راتوں رات ایسی کون سی کمی پیدا ہو گئی ہے جو میں آپ پر ترس یا رحم کھاؤں گا؟" اس نے سنجیدگی سے سوال کیا تو زرناب نے غصے سے اپنی آنکھیں رگڑیں۔

"یہ اپنے آپ سے پوچھیں۔ جس طرح واپس آنے کے بعد آپ نے مجھ سے دامن بچایا ہے، اس سے تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مجھ میں کہیں نہ کہیں کوئی کمی تو ضرور آئی ہے۔"

وہ تیز لہجے میں بولی۔ اس کی بات پر سیف نے اک گہری سانس لی۔ وہ اس کی غلط فہمی سمجھ گیا تھا۔

"اگر ایسی بات ہے تو پھر یہ گلہ تو میں آپ سے بھی کر سکتا ہوں۔ آپ اگر ذہنی طور پہ الجھی ہوئی تھیں تو میں جسمانی طور پہ لاچار تھا بلکہ اب تک ہوں۔ مگر آپ نے کتنی بار فون کر کے میرا حال احوال دریافت کیا؟ تو کیا میں بھی یہ سمجھ لیتا کہ آپ مجھ سے دامن بچا رہی ہیں یا جان چھڑا رہی ہیں؟"

اس نے نرمی سے سوال کیا تو زرناب چپ رہ گئی۔ سیف نے اک بوجھل سانس لی۔

"دیکھیں زرناب! جو کچھ بھی ہوا وہ کوئی خوش گوار حادثہ نہ تھا، میں یہ سوچ کر ہچکچاتا رہا کہ آپ سے کیسے اور کن الفاظ میں بات کروں گا جبکہ یہ جھجک یہ فاصلہ تو حالات کا پیدا کردہ تھا۔ جس کا واحد اور بہترین حل میرے پاس یہی تھا کہ میں اپنے جذبات اور نیت کی سچائی ثابت کرنے کے لیے آپ کو ہمیشہ کے لیے اپنی زندگی میں شامل کر لیتا، مگر آپ نے تو میری آرزوؤں کو کچھ اور ہی نام دے ڈالا۔ کیا آپ کو لگتا ہے کہ میں نے آپ کے

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

وجود سے محبت کی ہے زرناب شاہ؟" اس نے اچانک رک کر سوال کیا تو دم سادھے کھڑی زرناب سختی سے نچلا لب دانتوں تلے دبا گئی۔

" اگر ایسا ہوتا نا، تو میں رشتہ بھیجنے سے پہلے، آپ سے اپنے بہت سے خدشات کی تصدیق چاہتا!" وہ بنا کسی جھجک کے صاف الفاظ میں بولا تو زرناب نے مارے شرمندگی کے اپنی آنکھیں سختی سے میچ لیں۔

" مگر میری محبت اتنی سطحی نہیں۔ اگر یہ اتنی ہی سطحی ہوتی تو سالوں پہلے آپ کے نظروں سے اوجھل ہونے پر یہ بھی کب کی فنا ہو چکی ہوتی۔ یوں میرے ساتھ میرے اندر زندہ نہ ہوتی!" وہ مضبوط لہجے میں بولا تو وہ خود پر سے ہر اختیار کھو بیٹھی اور بری طرح رو پڑی۔

" مجھے معاف کر دیں مصطفیٰ! میں...... میں ڈر گئی تھی۔ مجھے لگا کہ آپ بھی زوہیب کی طرح، بنا کچھ کہے سنے، صرف مجھے سزا سنائیں گے۔ جبکہ مجھے اعتراف ہے کہ اگر اس دن آپ فرشتہ بن کر صحیح وقت پہ نہ آتے تو آج میں...... میں برباد......"

وہ اپنی بات ادھوری چھوڑ کے سسکنے لگی تو سیف کا دل اس کے خدشوں اور خوف پہ کٹ کر رہ گیا۔

"بس...... بس میری زندگی اور نہیں۔ آپ کو اب کسی سے خوف زدہ ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں دوبارہ کبھی آپ کی آنکھوں میں آنسو نہیں دیکھنا چاہوں گا۔" وہ پورے جذب بولا تو اس درجہ محبت اور مان کا احساس زرناب کے آنسوؤں میں شدت لے آیا۔

"اچھا ایک بات بتائیں۔ کیا آپ میری دلہن بننا پسند کریں گی؟" اس نے قصداً ہلکے پھلکے لہجے میں سوال کیا تو زرناب کا چہرہ مارے حیا کے تپ اٹھا۔

" میں فون بند کر رہی ہوں۔"

" واہ! ایسے کیسے فون بند کر رہی ہیں۔ اچھا یہ ہی بتا دیں کہ آپ کو یہ "چلغوزہ" بطور دولہا قبول ہے؟" وہ شرارت سے بولا تو زرناب اس بھولے بسرے حوالے پر جو ہنسی تو پھر ہنستی چلی گئی۔ اس کی زندگی سے بھرپور ہنسی سیف کو مبہوت کر گئی۔ اس جھرنے میں اسے اسی شوخ و شنگ لڑکی کی جھنکار سنائی دی تھی جسے لوٹانے کا اس نے خود سے عہد باندھا تھا۔

" قبول ہے۔ اپنی روح کی گہرائیوں سے قبول ہے۔" وہ ہنستے ہوئے بولی تو سیف علی جنگ کے لبوں پہ جان دار مسکراہٹ آٹھہری۔

" اس کھلکھلاتے اقرار پہ مصطفیٰ عبداللہ آپ پہ اپنی ایک تو کیا سو جانیں بھی وار سکتا ہے زرناب شاہ!" وہ گمبھیر لہجے میں بولا تو زرناب کا چہرہ کانوں کی لوؤں تک سرخ پڑ گیا۔ اگلے ہی لمحے اس نے گھبرا کر رابطہ منقطع کر دیا تو سیف کا بے ساختہ قہقہہ آنے والے دنوں کو خوشیوں کی نوید دے گیا۔

☆☆☆

روشنیوں سے سجی بارات ایک شہزادے کو ساتھ لیے سفید حویلی کے جگمگاتے آنگن میں اترنے کو تھی۔ معجزے یوں بھی ہوتے ہیں، کسی کو یقین نہ آ رہا تھا۔ پورا نور والاں اپنی چھوٹی بی بی کو بھرپور عزت سے اپنے ہر دل عزیز سیف صاحب کے ساتھ رخصت کرنے کے لیے حویلی میں اُمڈ آیا تھا۔ سیف نے جس فخر سے زرناب کو اپنایا تھا اس نے لوگوں کے دلوں میں پنپتے ہر شک کا خاتمہ کر دیا تھا۔

سفید حویلی میں ہر چیز، ہر تیاری پہلے سے بڑھ کر تھی۔ شاید اس لیے کہ اس بار سب کے دل حقیقی خوشی اور اطمینان سے لبریز تھے۔

ایسے میں ایک صرف معصومہ تھیں جن کی شرمندگی اس گزرے ایک ماہ میں ملال میں ڈھل

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

گئی تھی۔ وہ اپنی سسرال میں کسی سے نظریں ملانے کے قابل نہ رہی تھیں۔ خاص طور پہ اپنی بیٹیوں سے۔ جن کے لیے ماں کا یہ گھناؤنا روپ حقیقتاً گہرے صدمے کا باعث بنا تھا۔

وہ اپنے شوہر اور ان کے گھر والوں کے حوصلے اور بڑائی کی بھی قائل ہو گئی تھیں۔ اگر اس دن بی بی نور بانو بختیار شاہ کو نہ روکتیں تو آج وہ ایک طلاق یافتہ عورت ہوتیں۔ وہ سچ میں اپنی ساس کی مقروض تھیں جن کی بیٹی کو برباد کرنے میں انھوں نے کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی مگر وہ ان کا گھر بچانے کے لیے اپنے ہی بیٹے کے آگے ڈٹ گئی تھیں۔

بی بی نور بانو نے اس دن کے بعد سے معصومہ شاہ کو ایک لفظ نہ کہا تھا۔ بس ایک خاموشی بھری لاتعلقی تھی جو ان کے ساتھ ساتھ باقی سب نے بھی اختیار کر لی تھی۔ بختیار شاہ نے اپنا کمرہ الگ کر لیا تھا۔ اس سے زیادہ سمجھوتے کی ان سے امید بھی نہیں کی جا سکتی تھی۔ لیکن معصومہ کے لیے جان چھڑکنے والے شوہر کی یہ لاتعلقی جان لیوا تھی۔ وہ پل پل پچھتا رہی تھیں، کٹ رہی تھیں۔ ایسے میں آج جب رونق اپنے عروج پر تھی تو ان کی ہمت جواب دے گئی تھی۔ وہ بے اختیار ہاتھ جوڑے ان کے کمرے میں آ کھڑی ہوئی تھیں۔

"آپ کو آپ کی بہن کی ان خوشیوں کا واسطہ ہے بختیار! مجھے معاف کر دیں۔ میں آپ کی اس نفرت کو مزید نہیں سہہ سکتی! خدارا مجھے معاف کر دیں!" روتے ہوئے وہ یکلخت ان کے پیروں میں جھک گئیں تو ساکت کھڑے بختیار شاہ جھٹکے سے پیچھے ہٹے۔

"یہ کیا حرکت ہے۔ اٹھو فوراً!" وہ ناگواری سے بولے مگر معصومہ ان کے سامنے دوزانو زمین پہ جھکی پھوٹ پھوٹ کے رو پڑیں۔

"میں بہت بری ہوں۔ بہت بری۔ بے شک میں نے آپ کے اعتبار کو توڑا، آپ کے ماں باپ کو دکھ دیا، آپ کی معصوم بہن کے کردار جگہ جگہ رگیدا، میلا کیا۔ مگر باخدا یہ سب میں نے اپنے لیے نہیں کیا۔ یہ سب میں نے اپنے بھائی کی محبت میں کیا جو مجھے اپنے بچوں کی طرح پیارا تھا۔ مگر وہی بھائی میرا سب کچھ داؤ پہ لگا گیا۔ مجھے رسوا کر گیا۔ اللہ نے اسے ہی میری پکڑ کا سامان بنا دیا۔ اس سے بڑی سزا بھی بھلا کوئی ہو سکتی ہے؟ اوپر والے کی لاٹھی سچ میں بے آواز ہے۔ ہائے! بڑی بے آواز ہے۔"

زاروقطار روتے وہ اپنا سر دونوں ہاتھوں میں تھام گئی تھیں۔ بے اختیار بختیار شاہ کے دل کو کچھ ہوا تھا۔ گری ہوئی صحت اور ملگجا حلیہ لیے وہ آج اس خوشی کے موقعے پر بھی لفظ پچھتاوے کی عملی تفسیر بنی بیٹھی تھیں۔

اگلے ہی لمحے وہ آگے بڑھے تھے اور زمین پہ گری معصومہ کو شانوں سے تھام کر اٹھا لیا تھا۔ ان کے چھوتے ہی وہ اس بے قراری سے ان سے لپٹ کر روئی تھیں کہ بختیار شاہ کی اپنی آنکھوں میں بھی دھواں سا بھر گیا تھا۔

"میں نے تمھیں معاف کیا معصومہ! صرف اس لیے کہ اگر میری ماں مجھے ایک موقع دے سکتی ہے تو مجھے تمھیں بھی ایک موقع ضرور دینا چاہیے۔ مجھے یقین ہے کہ تم اب کی بار میرا اعتبار نہیں توڑو گی۔ مجھے میری ہی نظروں میں شرمسار نہیں کرو گی!"

وہ نرمی سے بولے تو معصومہ شاہ کو لگا جیسے انھیں سارے جہان کا خزانہ مل گیا ہو۔

"کبھی نہیں۔ مر کر بھی نہیں!" ان کے سینے سے سر اٹھائے بنا وہ آنسوؤں کے درمیان بولیں تو بختیار شاہ نے پرسکون انداز میں انھیں شانوں سے

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

تھام کر خود سے الگ کیا۔

"چلو پھر جا کر تیار ہو جاؤ۔ اور آج اپنی نند کو چھوٹی بہن کی طرح رخصت کر کے سب پر یہ بات ثابت کر دو۔"

وہ مسکرا کر بولے۔ ان کی بات پہ معصومہ نے پوری نیک نیتی سے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے اپنے بہتے اشک سمیٹ لیے۔

☆☆☆

محبتوں اور دعاؤں کا ایک عجب ہی عالم تھا جن کے سائے تلے رخصت ہو کر زرناب سیف کے سنگ چلی آئی تھی۔ اس کے گھر یہ ان کے رشتے داروں کے باعث خوب ہی رونق تھی۔ اسی ہنسی مذاق میں ڈھیروں رسموں کے بعد اسے سیف کے کمرے میں پہنچا دیا گیا تھا۔

سب کے باہر نکلتے ہی زرناب نے دھیرے سے سر اٹھایا تھا۔ وہ مصطفیٰ عبداللہ کے کمرے میں اس کی دلہن کی حیثیت سے موجود تھی، اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔ وہ اپنا فرشی غرارہ سمیٹے بیڈ سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

اچانک اس کی نظر دریچے کے اس پار آسمان کی سیاہ گود میں چمکتے چاندی کے تھال پہ پڑی تھی۔ وہ مبہوت سی چودھویں کے چاند کو تکتی کھڑکی میں آ کھڑی ہوئی تھی۔

دھک دھک کرتے دل کے ساتھ اس نے اپنے پیچھے قدموں کی آہٹ سنی تھی۔ دلفریب خوشبو کا دائرہ اس کے گرد تنگ ہونے لگا تھا۔ زرناب کے شانوں پر ایک نرم لمس آ ٹھہرا تھا۔ وہ پوری جان سے لرز اٹھی تھی۔

"جانتی ہو میں نے یہ تاریخ کیوں رکھوائی تھی؟" ایک گمبھیر لہجہ اس کے بے حد قریب گنگنایا تو زرناب کا بارِ حیا سے بوجھل سر دھیرے سے نفی میں ہل گیا۔

"اس لیے کہ ایسی ہی ایک روشن رات میں، میں نے اپنے چاند کو اپنے روبرو دیکھنے کی تمنا کی تھی۔" نرمی سے اس کا رخ اپنی جانب موڑتے ہوئے وہ محبت پاش لہجے میں بولا تو زرناب کا شرمگیں چہرہ بے اختیار جھک گیا۔ سیف نے مسکراتے ہوئے شہادت کی انگلی سے اس کی ٹھوڑی اونچی کی۔ زرناب کے لب کپکپا گئے۔

"تم میری ہستی کا کل ہو زرناب مصطفیٰ! تمہیں نکال دوں تو مصطفیٰ عبداللہ کے پاس سوائے خسارے کے کچھ بھی نہیں بچتا۔" زرناب کی آنکھوں کے کنارے بھیگ گئے۔

"اور زرناب کی ذات سے اگر مصطفیٰ کو نکال دو تو زرناب کے پاس کچھ نہیں بچتا۔ آپ میری محبت ہی نہیں بلکہ میرے ہر درد کا انعام ہیں۔ میرا شب تاب، میرا جگنو ہیں۔ وہ شب تاب جس نے زرناب کو اپنی روشنی سے آفتاب بنا دیا۔ اس ذرے کو آفتاب بنانے کے لیے شکریہ۔ بے حد شکریہ!" پرنم آنکھوں سے اس کے چہرے کو تکتے ہوئے، زرناب نے کہا تو مصطفیٰ نے اس کے دونوں ہاتھ اپنے حنائی ہاتھوں میں تھام کر لبوں سے لگا لیے۔

☆

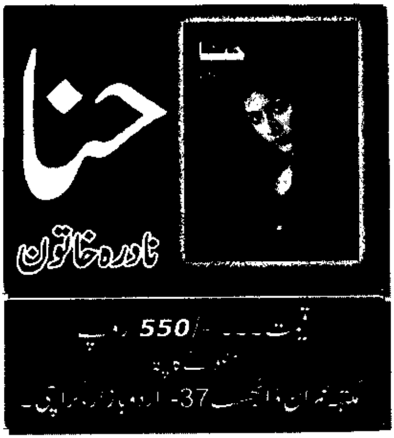

www.urdusoftbooks.com
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

سحرش بھٹو

تینوں چاند دی چوڑی دا

گوٹھ شاہ گاؤں کی حویلی میں صبح کا سورج کے طلوع ہونے کے ساتھ ہی صائمہ شاہ کے بین شروع ہو چکے تھے۔ مگر یہ بین کسی کی میت پر نہیں جوان بھتیجی کے اغوا پر کیے جا رہے تھے۔

پاس پڑی ایزی چیئر پر بیٹھا اس لڑکی کا بھائی کئی مرتبہ جان کنی کی کیفیت سے گزر چکا تھا۔

"پھپھو پلیز چپ کر جائیں۔"

رانیہ شاہ نے رات سے ایک ہی حالت میں بیٹھے اپنے شوہر پر ایک گھبرائی سی نگاہ ڈالی۔

"یوسف میری بات سنیے پلیز۔" صائمہ شاہ کو نظر انداز کر کے رانیہ یوسف شاہ سے مخاطب ہوئی تھیں۔

"رات سے آپ نے کچھ نہیں کھایا، اس طرح تو آپ خود بیمار پڑ جائیں گے۔"

چھت کے ساتھ لٹکتے قیمتی فانوس پر نگاہیں جمائے بیٹھے اس مرد کی حالت میں اپنی شریک سفر کی بات سن لینے کے باوجود کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔

"پلیز یوسف! ایک دو بسکٹ ہی چائے کے ساتھ لے لیں۔"

یوسف شاہ جو صبح سے ہزاروں دفعہ موت کا ذائقہ حلق سے اتار چکے تھے۔ بیوی کی بات سن کر اپنی سرخ پڑتی آنکھیں کانچ کے فانوس پر سے ہٹالی

مکمل ناول

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

تھیں۔

"یہ تم کہہ رہی ہو رانی؟" ٹوٹے لہجے میں بلا کی کاٹ تھی۔

"میری بہن کے جنازے پر آنسو بہائے جا رہے ہیں، اس وقت اس نمانی کی جوان میت پر لوگ بین ڈال رہے ہیں۔ گاؤں والے مجھے پُرسہ دینے بس آنے ہی والے ہوں گے اور تم...... تم مجھے چائے پینے کی آفر کر رہی ہو۔"

اپنی بات مکمل کرتے یوسف شاہ نے سر کے بالوں کو اپنی مٹھیوں میں جکڑ لیا اور پھوٹ پھوٹ کر رو دیے۔

گوٹھ شاہ گاؤں کے وڈیرے کی اس بے بسی پر

ان کی بیوی بس اپنے آنسو ضبط کرتی رہ گئیں۔

ہر کوئی رو کے دکھائے یہ ضروری تو نہیں
خشک آنکھوں میں بھی سیلاب ہوا کرتے ہیں

☆☆☆

گلہ تو یہ ہے تم آتے نہیں کبھی، لیکن
جب آتے بھی ہو تو فوراً ہی جانے لگتے ہو

وہ اس کے پاس آ کر مسکرائی تھی۔

"خیریت؟ آج مجھ غریب پر بجلیاں گرانے کا ارادہ تھا؟" زاوی کی مسکراہٹ میں شوخی تھی۔

وہ لوگ اس وقت نومی احسان کے فلیٹ پر موجود تھے اور یہاں نومی کی برتھ ڈے پارٹی منائی جا رہی تھی۔

"جو خود دوسروں پر بجلیاں گراتے پھر رہے ہوں، ان پر بھلا یہ ستم کون کرے؟" نیہا نے مسکراہٹ دباتے ہوئے سچ اگلا۔

یہ الزام تراشیاں فراز
کہیں تمہاری عادت ہی تو نہیں؟

زاوی کے استفسار میں طنز کا رنگ نمایاں تھا لیکن نیہا محسن کے لہجے میں جواباً حسرت سمٹ آئی تھی۔

یہ بات جون تمہاری مذاق ہے کہ نہیں
کہ جو بھی ہو اسے تم آزمانے لگتے ہو

"ہوں خوب۔" پینٹ کی جیب سے سگریٹ کا پیکٹ برآمد کرتے وہ مسکرایا۔

"تمہیں...... تمہاری اس بات کا جواب جون ہی کے الفاظ میں دینا چاہوں گا، اگر اجازت دو۔"

"ارشاد۔" نیہا کی ہنسی میں اضطراب جھلکا۔

"تمہاری یہ شاعری کیا ہے بھلا؟ بھلا کیا ہے؟
تم اپنے دل کی اداسی گانے لگتے ہو"

سگریٹ کا کش لیتے وہ شعر مکمل کر چکا تھا۔

"لہجے میں کاٹ بلا کی رکھتے ہو زاویار شاہ! تمہارے انکار پر بھی پیار آتا ہے۔" وہ نیم وا آنکھوں سے مسکرائی تھی۔

"اس کا مطلب آپ مان رہی ہیں، ان تلوں میں تیل نہیں ہے۔" پاس کھڑا نومی اچانک بحث میں کودا تھا۔

"تلوں سے تیل نکالنا کون سا مشکل کام ہے، میں ضرور کوشش کرنا چاہوں گی اگر تمہارے دوست کو شرط منظور ہو۔" اس کے لہجے میں چیلنج تھا۔

اپنے شانے پر دھرا نیہا کا ہاتھ پرے ہٹاتے ہوئے زاویار خیام زور سے ہنس پڑا تھا۔

"سنا ہے کہکشاؤں میں روز و شب ہی نہیں
تو پھر تم اپنی زبان کیوں جلانے لگتے ہو"

اس کے ذو معنی شعر پر وہ فقط اس کو تکتی رہ گئی تھی۔

☆☆☆

"زاویار نہیں آیا اب تک۔" کھانے کی میز پر آتے ہی تانیہ بیگم نے مایا سے پوچھا تھا۔

"نو میم! زاویار بابا اس وقت کہاں گھر آتے ہیں۔ وہ تو دیر سے گھر آتے ہیں۔" مایا اپنے مخصوص انداز میں جواباً بولی تھی۔

"خیریت، آج زاویار کی فکر کھانے کی میز پر دامن گیر ہو گئی آپ کو۔" اپنی شریک حیات کے خوب صورت چہرے پر پیار بھری نگاہ ڈالتے احد شاہ مسکرائے تھے۔

www.urdusoftbooks.com
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

اپنے تراشیدہ بالوں کو جھٹکا دیتے ہوئے تانیہ شاہ نے انہیں گھورا۔

"سو واٹ احد! زاوی بیٹا ہے میرا، اس کی فکر کرنا میرا فرض بنتا ہے۔"

"او ریئلی ڈارلنگ! یہ فرض آپ کو آج کی تاریخ میں یاد آتا تھا۔" احد شاہ کا قہقہہ ڈائننگ روم کی خاموش فضاؤں میں گونجا تھا۔

کھانے کی میز کے گرد بیٹھے افراد سے نظریں چُراتی تانیہ شاہ اپنے لب باہم بھینچ گئی تھیں۔

"زاوی کی فکر مما کو ٹھیک ہو رہی ہے پاپا!" کب سے خاموش بیٹھی رانیہ شاہ نے گفتگو میں اچانک حصہ لیا اور بولی۔

"ہی از ناٹ فائن، صبح اس کو بہت ہی تیز بخار تھا۔"

"اچھا تو پھر کسی ڈاکٹر وغیرہ کو دکھایا کہ نہیں۔"

پاپا نے ابرو اچکائے۔

"نو پاپا! دراصل وہ دوپہر ہوتے ہی کسی سے ملنے کے بہانے گھر سے نکل گیا تھا۔"

"اُف یہ لڑکا، سچ میں اس کا دماغ خراب ہو چکا ہے۔" احد شاہ فکر سے سر جھٹک کر رہ گئے۔

"مایا میں اپنے بیڈ روم میں جا رہی ہوں، زاوی آجائے تو مجھے اطلاع دے دیں۔"

"اوکے میم! ضرور۔" مایا نے فوراً تانیہ شاہ کے حکم پر سر خم کیا اور پھر خاموشی کے ساتھ میز سمیٹنے لگی۔

ایک ایک کر کے خیام ہاؤس کے تمام افراد کھانے کی میز پر سے اٹھ کر جا چکے تھے سوائے ایک رانیہ شاہ کے۔ بھائی کے متعلق فکر مند ہوتی وہ کھانے سے کب کا ہاتھ کھینچ چکی تھی۔

"میم کچھ اور لاؤں آپ کے لیے؟"

"نو تھینکس۔" مایا کے استفسار پر وہ شرمندہ سی ہو کر اٹھنے لگی تھی۔

جب کے روتے ہوئے ہنی کو دونوں ہاتھوں میں اٹھائے دُریکتا نے ادھر کا رخ کیا تھا۔

"یہ دیکھیے بھابھی ہنی کتنا رو رہا ہے۔"

"ارے رے...... رے! کیا ہوا مائی بے بی۔" رانیہ نے جھٹ ہنی کو نند کے ہاتھوں سے لے لیا اور اپنے شانے کے ساتھ لگا کے بیٹے کو پچکارنے لگی۔ ٹھیک اس وقت باہر پورچ میں بائیک رکنے کی آواز ابھری تھی۔

"لگتا ہے زاوی آ گیا۔" رانیہ بھابھی نے ہونٹ کاٹتے ہوئے ڈائننگ روم کے داخلی دروازے کی جانب دیکھا۔

"تم ایسا کرو دُرے! ہنی کے لیے جلدی سے فیڈر بنا کر لے آؤ جب تک میں اس کے ماموں کے کان کھینچتی ہوں۔" مان بھرے انداز میں کہتی وہ ہنی کو اپنے ساتھ لگائے ڈائننگ روم کا دروازہ عبور کر گئی تھی۔

دریکتا خاموشی سے چلتی کچن میں آ گئی جہاں مایا اپنی نگرانی میں ملازموں سے برتن دھلوانے میں

بہنوں کے لیے خوب صورت ناولز

ملال زیست	آمنہ ریاض	300/-
بڑا آدمی	نسیم سحر قریشی	400/-
فصل غم کا گوشوارہ	رضیہ جمیل	300/-
دل اک گلشن	رضیہ جمیل	300/-
سوچ نگر کی رانی	رضیہ جمیل	350/-
حنا	نادرہ خاتون	550/-
چلمن	نادرہ خاتون	300/-

بذریعہ ڈاک منگوانے کے لیے
مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37 اردو بازار، کراچی۔ فون 32216361

www.urdusoftbooks.com
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

مصروف تھی۔
"میم! کین آئی ہیلپ یو۔"
"نو تھینکس۔" مایا کی آفر کو رد کرتی وہ آگے بڑھی تھی اور فریج سے دودھ کا جگ نکال کر دودھ الیکٹرونک کیٹل میں گرم کرنے کے ارادے سے ڈالنے لگی۔
جب لاؤنج سے آتی تیز دھاڑ کی آواز سن کر ہی کافیڈر اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر کچن کے فرش پہ جا گرا۔ شکر تھا فیڈر میں ابھی دودھ نہیں ڈالا تھا ورنہ تمام دودھ ضائع ہو جاتا۔
"فار گاڈ سیک، مسز رانیہ یوسف! حد میں رہوا پنی۔"
"مہربانی کر کے میرے گلے کا ہار بننے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ چونچلے جا کر اپنی ماں کی طرح دوسرے امردوں کو دکھاؤ تو بہتر ہوگا۔" زاویار خیام کی کرخت آواز دریکتا کی سماعت سے جوں ہی ٹکرائی اس نے گھبرا کر کچن کے دروازے کی جانب یوں دیکھا تھا، گویا وہ وہیں کھڑا چلا رہا ہو۔
جبکہ دریکتا کی گھبراہٹ کو محسوس کرتے ہوئے ایک بے حد محظوظ مسکراہٹ نے مایا کے لبوں کو چھو لیا تھا۔
وہ لوگ خیام ہاؤس میں کل وقتی ملازم تھے سو ایسے روز کے ڈراموں کے عادی تھے۔
مارے خفت کے دریکتا نے اپنا چہرہ سرعت کے ساتھ دوسری سمت موڑ لیا تھا۔ پھر فیڈر اٹھا کر گرم دودھ میں چینی گھولتے ہوئے وہ اس وقت کو کوسنے لگی جب رانیہ بھابھی کے کہنے پر اس نے اپنی چھٹیاں خیام ہاؤس میں گزارنے کا فیصلہ کیا تھا۔

☆☆☆

دور کہیں کھیتوں میں ہل چلاتے ٹریکٹر پر چلتے ریڈیو کی آواز فضا میں گونج رہی تھی۔
وہ چارپائی پر چت لیٹی افق کے آنچل پر دمکتے روشنیاں لٹاتے چاند کو تکنے میں مگن تھی۔
کبھی کبھی تمہارے لہجے کی شبنمی ٹھنڈک
سماعتوں کے دریچوں پر خواب خواب اترے
اداس شب میں کبھی کڑی دوپہر کے لمحوں میں
کوئی ستارہ، کوئی سحاب گلاب اترے
آکاش پر ٹکا چاند جھک کر سرگوشیاں کرنے لگا۔
خوب صورت و نازک لب دھیرے سے مسکا اٹھے۔
"شریر۔" ماہ کامل پر شوخ سی نگاہ ڈالنے کے بعد اس نے آنکھیں موند لی تھیں۔
گھنی پلکوں کی باڑھ کے پیچھے وہ وجیہہ چہرہ یکا یک روشن ہوا تھا۔
یہ چاند، یہ رات کی پیشانی کا گھاؤ
جی میں آئے کوئی ایسا زخم دل پر کھا کر دیکھیں
یہ خواہش اس کی روح میں پلی تھی، سرہانے رکھا جون ایلیا کا شعری مجموعہ "گمان" اٹھایا اور جھٹ نظروں کے سامنے کر لیا۔ وہ پوری رات آنکھوں میں کٹ گئی تھی۔

☆☆☆

"تو اس کا مطلب تم مجھ سے محبت نہیں کرتیں"
اسکرین پر لکھا سوال پڑھ کر اس کو رونا آ گیا۔ وہ جلدی جلدی جواب لکھنے لگی۔
"یہ تم کیسے کہہ سکتے ہو؟"
"سالی!" دوسری جانب بیٹھے بندے کے منہ سے ایک موٹی گالی برآمد ہوئی تھی مگر جب سیل کی اسکرین پر انگلیاں چلائیں تو مصلحت کو تھامے رکھا۔
"کیونکہ — ! اگر تم کو واقعی مجھ سے محبت ہوتی تو — تم مجھ سے ملنے کی خاطر وہاں آنے کی حامی بھرتیں جہاں میں تم کو بلا رہا ہوں۔"
دوسری جانب بیٹھا وہ گھاگ شکاری اب مسکرا رہا تھا اور ادھر محبت کے نام پر بے وقوف بننے والی وہ معصوم سی لڑکی ہرگز نہیں جانتی تھی کہ...... وہ زید احسن ایک ہی وقت میں فیس بک، ٹوئٹر اور دیگر سوشل ویب سائٹ پر اس جیسی بیسوں لڑکیوں کو ایک ساتھ پٹانے میں مصروف تھا۔
"احسن پلیز! ٹرائی ٹو انڈر اسٹینڈ می۔ میں یہ رسک نہیں لے سکتی۔"
"اٹس مین یو ڈونٹ بلیو می، تم کو مجھ پر اعتبار نہیں ہے جان احسن!"

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

"ایسی بات نہیں ہے مگر۔"
"اگر مگر تو وہ ہی کرتے ہیں جن کے دل میں چور ہو؟" اداس سا آئی کون دے کر پوچھا گیا تھا۔
"لیکن احسن وہ میری فرینڈ ہے ناں۔"
"کون...... وہ — پنک فیری؟" یہ استفسار لکھتے احسن کا حلق تک کڑوا ہو چکا تھا۔
ٹیکسٹ سینڈ کرنے کے بعد وہ ہاتھ میں موجود خوش ذائقہ کافی کے مگ کو سینٹر ٹیبل پر پٹخ چکا تھا۔
یہ کہاں کی دوستی ہے کہ بنے ہیں دوست ناصح
کوئی چارہ ساز ہوتا کوئی غم گسار ہوتا
احسن زید کے لبوں پر شکوہ مچلا۔

☆☆☆

"یہ تم مجھ سے کہہ رہے ہو زاوی؟" رانیہ شاہ کی آنکھیں پھٹنے کو تھیں۔
"ہاں جی بالکل، اب اس دیوار پر انگلی اٹھانے سے تو رہا کیونکہ آئی تھنک، ان دیواروں کو تم عورتوں کی طرح ادائیں دکھانی نہیں آتی ہوں گی۔" تلخی کا زہر اس کے لہجے میں گھلا تھا۔
"لگتا ہے زاوی! آج پھر تم نے ڈرنک لی ہے۔"
اپنی آنکھوں میں اچانک امڈ آنے والی نمی کو پیچھے —— دھکیلتی وہ بڑی بے بسی کے ساتھ کہہ پائی تھی۔
"آں...... ہاں۔" وہ ہنسا۔
"ہوش میں رہنے ہی کب دیتی ہے تم ماں بیٹیوں کی مکاری۔ ورنہ کوئی پاگل ہی ہوگا جو اس زہر کو روز اپنے حلق سے اتارنے کا تردد کرتا پھرے۔"
"خود کو یوں برباد نہ کرو میرے بھائی!" رانیہ شاہ کے بھرائے لہجے پر جہاں کچن کی دہلیز پار کرتی دریکتا کے قدم رکے تھے وہیں لاؤنج کی سیڑھیوں کے قریب کھڑا زاویار خیام بے اختیار ہنس پڑا تھا۔
"ہا...... ہا! مان لیا۔ ایکٹنگ اچھی کر لیتی ہو تم رانیہ شاہ!" اپنے جملے کو ادھورا چھوڑ کر وہ رکا تھا پھر دو چار قدموں کا فاصلہ طے کر کے اس کے روبرو آ کر گویا ہوا۔
"سچ کہتے ہیں بیٹیاں اپنی ماں پر جاتی ہیں، تمہارے کام میں بہت جھلک ہے تانیہ بیگم کی۔"
"تانیہ بیگم — ؟ وہ ماں ہیں تمہاری زاویار شاہ۔" رانیہ چیخی تھی۔
"ماں نہیں، ناسور ہیں وہ میری زندگی کا۔" زاویار کی آواز میں برف تھی۔
"زاوی نکالو اس گند کو اپنے دماغ سے، ماں صرف ماں ہوتی ہے۔" اپنی سسکی روکتے ہوئے رانیہ شاہ نے اپنے بانہوں میں بلکتے ہنی کو آگے بڑھ کر لاؤنج کے صوفے پر پٹخ دیا تھا۔
"گند......؟" بھانجے کے منہ پھاڑ کر رونے کا نوٹس لیے بغیر بہن کے پورے جملے میں سے اپنا مطلوبہ لفظ کھینچ کر وہ کراہا۔
"ٹھیک کہا تم نے رانیہ شاہ! واقعی بہت گند مچایا ہے اس عورت کے خون نے میرے اندر...... اور اگر کسی روز زندگی نے مجھے جرأت بخشی تو ضرور قطرہ قطرہ نچوڑ کر بہادوں گا اس گندے خون کو میں اپنی رگوں میں سے...... سنا تم نے......؟" اپنی بات مکمل کرتے، وہ اس بار اتنی قوت کے ساتھ چیخا تھا کہ تانیہ شاہ اپنے بیڈ روم سے دوڑی چلی آئی تھیں۔
صفا جو رانیہ سے چھوٹی تھی اور فقط آج سے چار روز قبل ہی زاویار کے ہاتھوں تھپڑ کھانے کے بعد اپنے روم میں بند ہوئی بیٹھی تھی — آج اتنے دنوں بعد بھائی کے چلانے کی آواز سن کر وہ باہر آنے پر مجبور ہو گئی تھی۔
"یہ کیا تماشا لگا رکھا ہے زاویار تم نے؟" تیزی سے سیڑھیاں اتر کر احد شاہ بھناتے ہوئے اس تک پہنچے تھے۔
"تھنک چاچو! تماشا کہاں ہے؟" احد صاحب کی بات سن کر وہ ایک ادا کے ساتھ ان کی سمت پلٹا تھا۔
"تماشا نہیں تو پھر یہ شور کیسا ہے؟" رانیہ نے دیکھا تھا زاویار سے یہ استفسار کرتے ہوئے پاپا کے لہجے میں سرد مہری عود آئی تھی۔

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

''یہ شور...... آں ہاں...... یہاں تو جشن، زاویار خیام کی رسوائی کا جشن......''

''بکواس بند کرو زاویار!'' احد شاہ ایک دم غصے میں آ کر چلائے تھے۔ ''تم اپنی حد سے بڑھ رہے ہو، دیکھ رہا ہوں میں آج کل۔''

''کیا واقعی؟'' اس مرتبہ وہ پاس کھڑی تانیہ بیگم کی جانب دیکھتے ہوئے مسکرایا تھا۔ وہ فوراً نظریں چُرا گئی تھیں جبکہ ماں کی اس حرکت پر وہ بس ایک کاٹ دار نگاہ ان کے چہرے پر ڈال کر رہ گیا تھا۔

''بہت ہوگیا یہ بچپنا! اب اپنی ذمہ داریاں سنبھالو زاوی! سمجھے تم۔'' احد چاچو نے اچانک ناصحانہ انداز اپنایا تھا۔

''ذمہ داریاں......؟'' وہ زہر خند سا ہنس دیا۔

☆☆☆

''ہاں احسن! وہ ہی پنک فیری، وہ کہتی ہے لڑکیوں کو کبھی بھی تنہائی میں کسی نامحرم کے ساتھ ملاقات نہیں کرنی چاہیے۔''

''کیوں تنہائی میں نامحرم کیا لڑکیوں کو کھا جاتے ہیں؟'' ضبط کرتے احسن نے مسکراہٹ والے آئی کون کے ساتھ لکھا تھا۔

''نہیں مگر، تنہائی میں دونوں کے درمیان شیطان ہوتا ہے ناں۔'' ڈرتے ڈرتے وہ لکھ کر بھیج چکی تھی۔

وہ پہلا لڑکا تھا جس کی وجاہت پر وہ مرمٹی تھی، وہ اس سے سچی محبت کرنے لگی تھی لیکن وہ سچی محبت نہیں کرتا تھا۔ وہ تو بس اپنے وقت کو خوب صورت بنانے کی کوشش کر رہا تھا مگر یہ بات وہ نادان لڑکی نہیں جانتی تھی۔

''او کم آن سنڈریلا!'' احسن نے دوسری جانب اپنے دانت پیس لیے تھے۔

اس نے کو یوں بھی سوئیٹ سنڈریلا کی اس ان دیکھی فرینا۔ پنک فیری پر بلا کا غصہ تھا۔ یہ سب اس لڑکی کے سمجھانے کا ہی تو نتیجہ تھا کہ سنڈریلا کو ملنے پر رضامند کرنے میں اتنی دقت پیش آ رہی تھی ورنہ تو اکثر لڑکیاں جلد اس کی چکنی چپڑی باتوں میں آ کر ملنے کی ہامی بھر لیا کرتی تھیں۔

''ہاؤ اسٹرینج جانو! تم اس دور کی لڑکی ہو کر ایسی وعظ دینے والی ملانی کے ساتھ دوستی کیونکر کرسکتی ہو؟''

''ٹلینگوئج پلیز، احسن! شی از مائی فرینڈ۔''

''او کے بابا ہوگی وہ تمہاری دوست، مگر اس کو بتا دینا کہ دو محبت کرنے والوں کے درمیان صلح کرانے والے فرشتے تو آ سکتے ہیں مگر شیطان نو وے۔'' اور احسن کا یہ وہ جملہ تھا جس کو سننے کے بعد وہ سوئیٹ سنڈریلا اپنی خاندانی حد پار کرنے کا فیصلہ لمحوں میں کر گئی تھی۔

''او کے ہم مل رہے ہیں۔''

''یاہو۔''

سنڈریلا کا جواب سن کر وہ ہواؤں میں اڑنے لگا تھا۔ اسی وقت دوستوں کو کال ملائی اور ایک نئی چڑیا کے پھنسنے کی اطلاع دینے لگا۔

☆☆☆

تمام رات جاگنے کا نتیجہ تھا کہ فجر کی نماز قضا ہو چکی تھی۔ دس بجے کے قریب اس کی آنکھ کھلی تو بھابھی کو اپنے سر پر کھڑا پایا۔

''ہوگئی صبح مائی ڈئیر!'' بھابھی مسکرائیں۔

''سورج سوا نیزے پر پہنچ گیا بھابھی! آپ کو پتا نہ چل سکا۔'' نازک کمر پر بکھرے اپنے گھنے بال سمیٹتی وہ شرارت سے ہنسی تھی۔

''تجھے تو یہ پوچھے گا۔'' بھابھی نے ڈیڑھ سالہ ہنی کو اس کے اوپر ڈال دیا۔ اس نے بے ساختہ ہنی کو اپنے ساتھ لپٹا لیا۔

''رات بھر جاگ کر کیا کرتی رہیں؟'' کمرے کو سمیٹتی بھابھی نے پوچھا۔

''کچھ خاص نہیں، بس یوں ہی شاعری۔'' جھک کر بھتیجے کے بھرے بھرے گال چوم کر وہ مسکرائی تھی۔

''شاعری کے ساتھ لگاؤ...... خیریت' کہیں

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

محبت تو نہیں ہوگئی؟"
"کمال کا تکا...... جیو بھابھی! ہوگئی ہے ناں۔" اقرار فوراً کرلیا گیا تھا۔
"واٹ......؟" بھابھی پوری کی پوری اس کی طرف گھوم گئی تھیں۔
"کون ہے وہ؟"
"میرا ڈیڑھ سالہ بھتیجا حنین یوسف۔"
"دھت تیرے کی۔" کشن اٹھا کر بھابھی نے اسے زور سے دے مارا تھا۔ وہ ہنستی ہوئی واش روم کی جانب مڑ گئی۔
"سنو یار! تمہارے بھائی آفان کے پروپوزل کے بارے میں پوچھ رہے تھے۔ کیا کہتی ہو تم؟ ہاں کہلوا دیں پھپھو کو؟"

وہ بری طرح جھینپ گئی تھی۔
"مجھے نہیں معلوم، آپ اور ادا جو مناسب سمجھیں وہ کریں۔" کہہ کر وہ رکی نہیں تھی، دوڑ کر واش روم میں گھس گئی تھی۔
"ارے رکو تو لڑکی ایک عدد جون کا شعر ہمیں بھی تو سناتی جاؤ۔" وہ جانتی تھیں کہ جون ایلیا اس کے پسندیدہ شاعر ہیں سو ہنس کر چھیڑا تھا۔ اس بات سے بے خبر کہ وہ دل ہی دل میں جون ہی کو گنگنا کر رہ گئی تھی۔

اس نے ہم کو گمان میں رکھا
اور پھر کم ہی دھیان میں رکھا
ہم نے پیہم ورد کرکے
اس کو ایک امتحان میں رکھا

آفان شاہ کی بے قراریوں کا تصور کرکے وہ خود میں سمٹ سی گئی تھی۔

☆☆☆

"ذمہ داریاں...... کون سی ذمہ داریاں؟"
اس کا انداز سوالیہ تھا۔
رانیہ شاہ نے کن اکھیوں سے ماں کی سمت دیکھا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ آگے زاویار کیا کہنے والا تھا۔ ہمیشہ کی کہی گئی ـــ باتیں ہی دہرانے والا تھا جنہیں سننے کے بعد تانیہ شاہ کئی کئی دن اپنے بلڈ پریشر کو کنٹرول کرنے میں گزارتی تھیں۔
"کمال کرتے ہیں چاچو! آپ بھی بھلا مجھ پر کون سی ذمہ داریاں ہیں۔" کمال معصومیت کے ساتھ مسکراتے ہوئے وہ استفسار کررہا تھا۔
"بارہ سال کا تھا جب میرا باپ مرگیا تھا، کاروبار سنبھالنے کی خاطر آپ گاؤں سے شہر آگئے۔ میری ماں کو لگا ہوگا میں ان کا سہارا نہیں بن سکتا جب ہی اس نے اپنے دیور یعنی آپ کے ساتھ نکاح رچالیا۔ ہوگئی پوری ذمہ داری؟
رانیہ خیام بڑی ہوئی تو تایا سائیں نے اپنے بیٹے کے لیے اس کا ہاتھ مانگ لیا۔ لاکھوں کا جہیز دے کر آپ نے رخصت کردیا تھا میری بہن کو، ہوگئی تھی پوری ذمہ داری؟"
"ہاں چھوٹی صفا کو لگا ہوگا کہ کوئی اس کا ہاتھ مانگنے اس مرتبہ خیام ہاؤس نہیں آئے گا، جب ہی تو وہ اسی کلب میں آگئی تھی جہاں میں جاکر اپنے دوستوں کے ساتھ ناچتا تھا۔ خیر اس کے لیے بھی کوئی بر ڈھونڈ ہی لیں گے۔ آپ کردیجیے گا رخصت اسے بھی۔ بس اس کے بعد بھلا کون سی ذمہ داری رہ جاتی ہے میرے لیے؟"
"شٹ اپ زاویار! اینڈ گیٹ لاسٹ فرام ہیئر۔" اس کی بکواس مکمل ہوتے ہی احد صاحب چٹختے اعصاب کے ساتھ چلا اٹھے تھے۔
"کام ڈاؤن چاچو! چھوٹی چھوٹی باتوں پر بڑے لوگ غصہ نہیں کیا کرتے۔" وہ حسب معمول ہنس پڑا پھر کندھے اچکاتے ہوئے سیڑھیاں چڑھ گیا۔
زاویار کے وہاں سے جانے کے بعد لاؤنج میں موجود تمام افراد کو جیسے سانپ سونگھ چکا تھا۔

"احد...... احد...... میں اس کی بے رخی نہیں سہہ سکتی۔" دفعتاً تانیہ شاہ کی سسکیوں نے ماحول میں چھپائے سکوت کو منتشر کرڈالا۔

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

''میں مر جاؤں گی احد! میں مر جاؤں گی......''

وہ منہ پر ہتھیلی جما کر رو دیں۔

رانیہ ماں کی بے بسی پر کٹ کر رہ گئی' اس کو تو اتنا بھی ہوش نہیں تھا کہ اس تمام تماشے کے بعد صوفے پر بلک بلک کر روتے اپنے سات ماہ کے بیٹے کو اٹھا کر چپ ہی کروا دیتی۔ جبکہ صفا خیام --- نظریں چرائے کھڑی تھی

انٹرنیٹ پر غیر لڑکوں کی ساتھ دوستی نے یہ دن دکھایا تھا کہ آج وہ اپنے ہی بھائی کی نظروں سے گر چکی تھی اور قصور تو اس کا اپنا تھا مگر اس نے الزام دھر دیا تھا دریکتا شاہ پر۔ جو اس تمام معاملے سے بے خبر اس وقت ہنی کو اٹھا کر بھابھی کے روم میں جا گھسی تھی۔

''صفا نے بالکل بھی تو اچھا نہیں کیا اپنے ساتھ۔'' وہ ہنی کے منہ میں فیڈر ڈالتی بڑبڑائی تھی۔

دریکتا کو اچھی طرح سے یاد تھا وہ دن' جب صفا کی نیٹ پر لڑکوں کے ساتھ دوستی کے بارے میں اسے پتا چلا تھا تب اس نے کئی گھنٹوں تک فون پر صفا خیام کی کلاس لے ڈالی تھی۔

''لڑکیوں کے لیے ایسی باتیں بدنامی کا سبب بن جایا کرتی ہیں۔ صفا' تم کو سوچ سمجھ کر قدم اٹھانا چاہیے۔''

''اوہو گاؤں کی الھڑ حسینہ چھوڑو بھی، بدنام ہوں گے تو کیا نام نہ ہوگا۔'' صفا کا قہقہہ سیل فون پر ابھرا تھا، دریکتا سر پکڑ کر رہ گئی تھی۔

☆☆☆

''کیا واقعی --- وہ تم سے ملنے پر راضی ہوگئی۔'' وہ اس وقت رومی کے ساتھ پی سی میں بیٹھا ڈنر کر رہا تھا۔ جب احسن کی کال اس کے سیل پر آئی تھی۔

''ہاں یار! وہ آرہی ہے۔'' احسن چہکا۔

''ہا......ہا!'' زید کنگ کا قہقہہ استہزائیہ تھا۔

''تو کیا وہ اپنی اس دوست...... ہاں کیا نام تھا اس کا، ہوں پنک فیری۔ تو کیا اس کا دعذ وہ بھول گئی۔'' احسن سے استفسار کرتے' اس نے ایک بار پھر ایک زوردار قہقہہ لگایا تھا۔ احسن بھی دوسری جانب ہنس پڑا تھا۔

دراصل احسن کی اس نئی گرل فرینڈ کی وجہ سے آج کل ان لوگوں کے گروپ میں پنک فیری پر بھرپور تبصرے ہوتے تھے۔ احسن کے ساتھ مل کر اس نے پنک فیری کو فیس بک پر سرچ بھی کر ڈالا تھا بعد میں اس کے پکچر دینے پر دونوں نے مل کر ان باکس میں ہوٹنگ بھی خوب کی تھی۔

دو دن گزر جانے کے باوجود جب دونوں کو اپنی واہیات گفتگو کے جواب میں کوئی ردعمل نہ ملا تو احسن چونکا۔

''یار! لگتا ہے وہ ہم جیسوں کو منہ نہیں لگاتی۔''

''یو اسٹوپڈ مائی بوائے۔'' وہ طنزیہ انداز میں مسکرایا تھا۔

''ہر لڑکی ایک ہی فطرت کی حامل ہوتی ہے، ذرا سی توجہ دی اور پھر بیٹھ کر تماشا ملاحظہ کیا۔ پہلے پہل وہ تمہاری سنڈریلا بھی تو یوں ہی نخرے دکھا رہی تھی کہ نہیں۔''

''ہم بات تو سچ ہے تیری۔'' حسی نے سر ہلایا۔

''یس ڈیئر! مگر بات ہے رسوائی کی۔'' رومی کی کال آنے لگی تو وہ کال سننے لگا۔

☆☆☆

تیرا خیال میرے آس پاس رہتا ہے
کوئی جمال میرے آس پاس رہتا ہے
تو کون ہے مرے دل میں کہاں سے آیا ہے
یہ ہی سوال میرے آس پاس رہتا ہے

''تم کون ہو آفان شاہ میرے۔'' نہانے کے بعد وہ چھت پر بال سکھانے آئی تھی اور وہاں پہ بیٹھے پھر بیت گئے تھے۔

آئی سردیوں کے دن تھے۔ فضا میں میٹھی سی خنکی بسی تھی۔ نومبر کی دھوپ گھنگھرو پہنے اس کے من آنگن میں ناچتی پھر رہی تھی۔ دل کے کورے کاغذ پر اس شخص کی قدموں کی چاپ نئی تھی۔

www.urdusoftbooks.com

آفان شاہ اس کا پھوپھی زاد تھا۔
صائمہ شاہ جوانی میں ہی بیوگی کی چادر اوڑھ کر بھائی باپ کی دہلیز پر آ بیٹھی تھی۔ شوہر کی زمین جائیداد تھی مگر دیکھ بھال کرنے والا کوئی موجود نہیں تھا۔
جب تک آفان چھوٹا تھا' ماموؤں نے زمینوں کا حساب کتاب سنبھالے رکھا پر جیسے ہی پڑھائی مکمل کرنے کے بعد وہ گاؤں لوٹا تو تمام معاملات بھانجے کے سپرد کر کے قیوم صاحب ایک طرف ہو کر بیٹھ گئے ویسے کچھ ہی عرصے بعد ان کی اچانک وفات کی بعد خود شاہوں کی زمینوں کا حساب بھی قیوم صاحب کے اکلوتے بیٹے یوسف شاہ نے اپنے ہاتھوں میں لے لیا تھا۔
دوسری جانب ایک ہی گھر میں رہنے کی وجہ سے دریکتا' آفان شاہ کو بہت اچھی طرح سے جان چکی تھی۔ بچپن میں اپنے اس پھپھی زاد کی نرم گفتاری اسے بے حد بھاتی تھی۔ دھیمے لہجے میں اپنی بات دوسروں تک پہنچانے والا آفان شاہ جس درجہ وجیہہ تھا اسی قدر خوب صورت مزاج کا مالک بھی تھا۔
شاعری سے گو وہ واقف نہیں تھا مگر شہر سے واپسی پر ہمیشہ کچھ شاعری کی کتابیں دریکتا کے لیے ضرور خرید لاتا تھا۔
''آپ کو کیسے پتا چلا شاعری مجھے پسند ہے؟''
جب پہلی مرتبہ چھٹیوں میں وہ گاؤں آیا تو اس کے لیے وصی شاہ کی ''میرے ہو کے رہو'' خرید لایا تھا۔
''مجھے یہ تو معلوم نہیں کہ تمہیں شاعری سے دلچسپی ہے کہ نہیں مگر تم کو دیکھ کر کسی شاعر کی تازہ غزل کا خیال آتا ہے۔'' دھیمے لہجے میں کہی گئی آفان شاہ کی اس بات نے دریکتا کو حیران سا کر دیا تھا۔
نگاہ اٹھائی تو اس شخص کی آنکھیں بولتی ہوئی لگی تھیں۔
الجھی الجھی سی وہ ''تم میرے ہو کے رہو'' اٹھا کر وہاں سے بھاگ آئی تھی اور پھر اسی رات کو جب کھانا کھانے کے بعد وہ لان میں چہل قدمی کرنے کے ارادے سے آئی تو اس نے وہاں آفان شاہ کو بیٹھے پایا۔ کلف لگے کاٹن کے سوٹ میں ملبوس وہ آنکھیں موندے نیم دراز تھا۔ گود میں رکھے قیمتی سیل پر اس وقت جو نغمہ چل رہا تھا اس کا حرف حرف دریکتا شاہ کے من کے تار چھیڑنے کے لیے کافی تھا۔
''ہماری غزل ہے تصور تمہارا
تیرے بنا نہ جینا گوارا''
وہ دبے پاؤں وہاں سے پلٹ آئی تھی۔ بعد میں اس کی ہاں پر ایک خوب صورت انگوٹھی کو اس کی انگلی کی زینت بنا کر اسے آفان شاہ کے نام کر دیا گیا تھا۔

☆☆☆

''صاحب! آپ کا ناشتا لے آؤں یا پھر لنچ کریں گے۔'' بارہ بجے کے قریب وہ اٹھا تھا۔ جب ناشتے کے بارے میں معلوم کرنے ملازمہ چلی آئی۔
''ہوں، جوس لے آؤ۔ بعد میں لنچ لے لوں گا۔'' اس نے آرڈر دیا۔
آج اتوار تھا سو وہ لمبی تان کر سویا تھا اور اب بے حد خوش گوار موڈ کے ساتھ چینل بدلنے میں مصروف تھا جب احسن کی کال آ گئی۔
''کیا حال ہے ڈیئر!''
وہ مسکرایا۔ ''حال کا مت پوچھو بس فوراً سائن اپ ہو جاؤ۔''
''کدھر واٹس ایپ پر؟''
''نہیں ایف بی پر۔''
''او کے، ویل سب خیریت تو ہے؟''
''یہ تو میں کچھ دیر بعد تجھ سے پوچھوں گا۔'' احسن کا انداز مبہم تھا۔
''اس نے کندھے اچکا کر جوس کا گلاس ٹیبل پر رکھ دیا پھر ایف بی پر آ گیا۔
''سالے تیری تو......''
پورا ہوم وزٹ کر لینے کے باوجود اس کو کوئی بھی ایسی آفت وہاں نظر نہ آئی تھی جس کو دیکھ کر احسن مرا جا رہا تھا۔

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

"ابے تیرے باپ کی فلم تو ایف بی پر نہیں آرہی، پھر مجھے کیوں ڈسٹرب کیا؟" بے حد آف موڈ کے ساتھ احسن کو واٹس ایپ کر کے وہ شاور لینے کے ارادے سے اٹھ گیا تھا۔

☆☆☆

یونیورسٹی میں اس کا ایڈمیشن کیا ہوا روز و شب بدل کر رہ گئے۔ پڑھائی پڑھائی اور پڑھائی، ادا یوسف روز اس کو کال کرتے' بھابھی سے بھی بات ہو جایا کرتی تھی۔ یہاں آ کر اس کی دوستی عائشہ اور حنا کے ساتھ ہو گئی، دونوں ہی خاصی شوخ و چنچل تھیں۔

اور ان ہی دنوں جب وہ زندگی کے مزے لوٹ رہی تھی' صفا کی وجہ سے ڈسٹرب ہو کر رہ گئی تھی۔

محبت اور اپنا وقت برباد کرنے میں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے، یہ وہ بات تھی جو وہ صفا کو سمجھانا چاہتی تھی مگر صفا خیام کو تو لگتا تھا کہ کسی سے اندھا عشق ہو چکا ہے۔ وہ گھاگ شکاری اپنی لچھے دار باتوں کا گڑھا کھود کر اس کو دفن کرنے کی تیاریوں میں تھا۔

☆☆☆

"پیارے! میرے باپ کی فلم ایف بی پر آنی بھی نہیں تھی، ہاں مگر تیری میری شامت ضرور آئی ہوئی ہے وہاں سو جلدی سے اپنا ان باکس کھول اور دیکھ لے۔" حسی کو یقین تھا ان دونوں کو ایک جیسے ٹیکسٹ کیے گئے تھے۔

"شامت......؟" وہ جو تیار ہونے کے بعد اپنی ہیوی بائیک کی چابی انگلیوں میں جھلاتا کمرے سے باہر نکل رہا تھا۔ وہیں کھڑے کھڑے سیل پر ایف بی کا ان باکس چیک کرنے لگا۔

"حسی ایڈیٹ...... آج قتل ہوگا تو میرے ہاتھوں۔" پورا ان باکس کھنگالنے پر بھی جب اپنی شامت والا ٹیکسٹ نظر نہ آیا تو وہ دانت کچکچانے لگا۔

"اوہو۔۔۔ اور میسجز۔"

حسی کے واٹس ایپ کرنے پر اس نے فوراً اور میسجز پر ہاتھ مارا تھا اس کے ساتھ ہی نگاہیں پنک فیری کے نام پر ٹھہر گئی تھیں۔

"نو ڈاؤٹ کہ تم ہی وہ لوگ ہو جو اس دھرتی پر چلتے پھرتے شیطانوں کا درجہ رکھتے ہو مگر یاد رکھنا تم کو تمہاری شامت اعمال ضرور ایک دن لے ڈوبے گی۔

جس طرح دوسروں کی بہنوں کو بہکا کر مختلف جگہوں پر آنے کی دعوت دیتے ہو تم لوگ، ایسی ہی کسی جگہ پر جب تم جیسا کوئی دوسرا حیوان مرد تمہاری اپنی ہی بہن کو بے وقوف بنا کر لے آئے گا...... تب وہاں اپنی ماں جائی کا سامنا کرتے وقت تم سب جانو گے کہ بے حیائی کی دعوت میں ہلاکت ہے۔"

اس کے بعد اس کے منہ سے مغلظات کا طوفان ابل پڑا، کانوں سے دھواں تو احسن کی طرح اس کے بھی نکل رہا تھا لیکن یہ انا ہی تھی جو وہ اس کے سامنے ڈٹ گیا تھا۔

"آئم امپریسڈ، بالکل کسی آوارہ کتیا کی طرح بھونکتی ہو تم، شیطان تو تمہارا باپ ہوگا جس نے تم جیسی فتنی کو جنم دیا ہے۔ ویسے ایسی ہی پارسا ہو تو کمینی ایف بی پر آ کر کیوں بیٹھی ہو تم۔

کسی چاہنے والے نے دھوکا دیا ہوگا جب ہی یہ سبق پڑھا رہی ہو، اچھی طرح سے جانتا ہوں میں تم جیسی لڑکیوں کو، خود کو پارسا دکھا کر کیش کرواتی ہو۔"

جس طرح کی زبان وہ اپنے یار دوستوں میں بیٹھ کر استعمال کرنے کا عادی تھا یہاں بھی اسی انداز میں ٹائپ کرتا گیا تھا۔

اس کو انگلش میں جتنی بھی گالیاں یاد تھیں' وہ تمام گالیاں لکھنے کے بعد آخر میں یہ بھی لکھ بھیجا۔

"میں آفر کرتا ہوں تمہیں آج شام کو مجھ سے ملنے آ جاؤ۔ وہاں تمہارے بھائی کو آئی پر امس نہیں بلاؤں گا۔"

اپنی بھڑاس نکال چکنے کے بعد وہ سائن آؤٹ ہو گیا تھا۔

یہ الگ بات تھی کہ کوئی جواب دینے کے بجائے پنک فیری نے اس کو اور حسی دونوں کو بلاک

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

کر دیا تھا۔

☆☆☆

وہ فقط حرف حق ہے کہ اس عہد میں فراز
خود سا گناہ گار پیغمبر لگے مجھے

''اتنی موٹی بات کا مطلب؟''

''مطلب یہ ہے سائیں کہ تم جیسے گھنے لوگوں سے ہم جیسے گناہ گار بھلے۔'' زاویار کھل کر ہنسا۔

''تم اور سدھر جاؤ...... پھر کہیں گے کہ سورج دوسری جانب سے طلوع ہوا ہے۔'' آفان نے چوٹ کی تھی۔

''ہا...... ہا، وہ تو مغرب ــــ سے جب ہی طلوع ہوگا ناں جب آپ کی معصومیت زمانے پر کھلے گی۔''

''طنز کرنے میں تمہارے ساتھ مقابلہ نہیں کر سکتا۔''

''تو پھر معصومیت میں مقابلہ کر رہے ہو میرے ساتھ؟'' دوسری طرف سے ہنسی دبا کر پوچھا گیا تھا۔

''زاویار، میں ہارا۔'' آفان نے گویا ہتھیار پھینکے۔

''اوکے فائن۔ ہارے ہوئے انسان! یہ بتاؤ شہر کب آ رہے ہو؟''

''جب تم بلاؤ۔''

''ہماری محفل میں گر آنا پسند ہو تو آ جاؤ، پارٹی ہے دعوت دے رہا ہوں تمہیں۔''

''پارٹی کہاں ہے؟'' آفان اٹھ کر بیڈ کراؤن کے ساتھ ٹیک لگاتے ہوئے مسکرایا تھا۔

''ہے ایک دوست کے بنگلے پر۔''

''اوکے پھر کل آنے کی کوشش کروں گا۔''

''ٹھیک ہے آنا پھر دوائی پلاؤں گا تجھے۔''

زاویار خیام مبہم سی ہنسی ہنسا تھا۔ لب کاٹتے ہوئے آفان نے کال منقطع کی تھی۔

ایک بے حد چبھتی مسکراہٹ نے زاویار خیام کے چہرے کا احاطہ کر لیا تھا۔

☆☆☆

''کیا بات ہے درے! اس مرتبہ تم جب سے گاؤں سے ہو کر آئی ہو کچھ چپ چپ سی ہو؟''

اس دن وہ چاروں کینٹین میں بیٹھی سموسوں اور کولڈ ڈرنک کے ساتھ انصاف کر رہی تھیں جب سیاہ جدید تراش خراش کے لباس میں اداس کلی کی طرح مرجھائی دریکتا کو عائشہ نے اچانک مخاطب کیا تھا۔

''نہیں ڈیئر! ایسی تو کوئی بات نہیں ہے۔'' پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ جواباً مسکراتی وہ اندر سے خود کو بے حد تنہا محسوس کر رہی تھی۔

اس وقت اس کے انداز کو کسی نے محسوس نہیں کیا تھا، عائشہ کی توجہ حنا کی نئی نئی ہوئی منگنی کی جانب مبذول ہو چکی تھی۔

مگر بعد میں ہاسٹل آ کر دریکتا کے ضبط کی تانیں ٹوٹ گئی تھیں۔ وہ دونوں ہاتھوں میں اپنا نازک چہرہ چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی تھی۔

وقت کرتا ہے پرورش برسوں
حادثہ ایک دم نہیں ہوتا

ایک ہی حادثے نے اس کی زندگی میں طوفان کھڑا کر دیا تھا۔

''اس بار چھٹیوں پر گاؤں جانے پر اس کو علم ہوا تھا کہ آفان شاہ کی تایا زاد بہن کی شادی ہے اور ان سب کو شرکت کی دعوت دی گئی ہے۔ شادی چونکہ دوسرے گاؤں میں تھی سو بھابھی کے ساتھ دریکتا کو بھی وہاں چند روز کے لیے رہائش اختیار کرنا پڑی تھی۔

وہ جو اپنے گھر میں ایک مخصوص ماحول میں رہنے کی عادی تھی' آفان شاہ کے آبائی گاؤں کے ماحول میں اسے عجیب سی بے چینی ہونے لگی تھی۔ سب سے بڑی بات آفان کے کزن کی چھیڑ چھاڑ کرنے کا انداز تھا جو اس کو بری طرح سے کنفیوز کر جاتا۔ دوسرا دریکتا نے محسوس کیا تھا جب سے ان دونوں کی منگنی ہوئی تھی' آفان کی وارفتگیاں حد سے سوا ہو چلی تھیں، اس کو جہاں کہیں بھی وہ دیکھتا' ٹھہر سا جاتا تھا۔

اور اس روز بھی تو یہ ہی ہوا تھا، صائمہ پھپھو کی

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

طبیعت کچھ خراب تھی سو وہ ان کے کمرے میں آ کر پھپھو کا سر دبانے لگی تھی۔
انہوں نے منع بھی کرنا چاہا تھا پر درے نے ایک نہ سنی اور سرہانے ٹک کر پھپھو کی پیشانی پر اپنی نرم ہتھیلی رکھ دی۔ دفعتاً وقاص شاہ کے ساتھ آفان بھی وہاں آ نکلا تھا۔
اور اس کو اپنی ماں کے سرہانے بیٹھا دیکھ کر آفان شاہ کی خوب صورت آنکھوں میں ہزاروں دیپ جل اٹھے تھے۔
''اوہو، منگیتر کا دیدار ہوتے ہی کیسے چہرا کھل گیا میرے یار کا۔'' وقاص کے عامیانہ انداز پر آفان ہولے سے ہنس دیا تھا۔
دریکتا نے کن اکھیوں سے دواؤں کے زیر اثر غنودگی میں جاتی پھپھو کی جانب دیکھا اور وہاں سے جانے کے لیے پر تولنے لگی۔
''او یار تو بیٹھ ادھر۔'' وقاص نے آنکھ دبائی۔
''میں ذرا اوطاق کا چکر لگا کر آتا ہوں۔''
وقاص آفان کو وہاں بٹھا کر خود باہر نکل گیا تھا۔
''کیسی ہو؟'' وقاص شاہ کے وہاں سے جانے کے بعد آفان کی بھاری آواز اس کی سماعت میں اتری تھی۔
''جی...... ٹھیک۔'' اپنے اندر کی بے چینی کو چھپانے کی سعی کرتی وہ بمشکل اتنا ہی بول پائی تھی۔
''بہت دور دور رہنے لگی ہو، خفا ہو ہم سے۔''
بے قرار لہجے میں بے تابی کے سمندر موجزن تھے۔
''نہ نہیں تو۔'' اس شخص کی بے قراری نے دریکتا کے اندر پھیلی بے چینی کو جیسے بڑھا دیا تھا۔
وہ ایک دم سے اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی تھی۔ محبت اس کو آفان شاہ سے کس حد تک تھی، وہ نہیں جانتی تھی مگر اس کے دل نے اس شخص کو ہمیشہ اونچی مسند پر بیٹھا دیکھنا چاہا تھا۔
''دریکتا!'' اس کو دروازے کی جانب قدم بڑھاتے ہوئے دیکھ کر پیچھے سے پکارا۔
''رک جاؤ درے!'' آفان شاہ کی دوسری بار صدا دینے پر اس کو رکنا پڑا تھا۔
''جی۔'' وہ مڑی، اس بات سے بے خبر کہ وہ اس کے بے حد قریب کھڑا تھا۔
''اُف۔'' پلٹنے کی کوشش میں دریکتا کا سر آفان شاہ کے سینے سے جا ٹکرایا تھا۔ ساعت کے ہزارویں حصے میں دریکتا پر گھڑوں پانی پڑا تھا۔
''ارے سنبھل کر، نازک سی جان ہے۔ آندھی طوفان کی طرح چلنا کیا ضروری ہے۔'' اس کی لحہ بھر کی قربت ہی آفان شاہ کی آنکھوں میں خمار کے ڈورے دوڑا گئی تھی۔ نازک سی درے کو سہارا دینے کی خاطر اسے باقاعدہ بازوؤں کا گھیرا باندھنا پڑا تھا۔
چھنا کے سے دریکتا کے اندر کچھ ٹوٹا تو آنکھوں کا آئینہ دھندلا سا پڑ گیا۔ اپنی محبت کی آنکھوں میں آنسو خواہ کوئی بھی مرد ہو، برداشت نہیں کر سکتا۔
آفان کی مسکراہٹ بھی لمحوں میں ہوا ہوئی تھی۔
''سوری......دراصل......'' وضاحت دینے کی کوشش میں وہ ہکلایا تھا۔
اور وہ جو اس اثنا میں خود کو سنبھال چکی تھی، گہری نیند کی وادیوں میں اتری پھپھو پر ایک نظر ڈالنے کے بعد تیزی کے ساتھ دروازے کی سمت بڑھی تھی اور جانے کیا دھن سوار تھی اس پر اس وقت کہ وہ دہلیز پر کھڑے پورے چھ فٹ کے بندے کو نہ دیکھ پائی تھی۔ نتیجتاً چوکھٹ پر کھڑے وجود کے ساتھ بھرپور ٹکر ہونے کی وجہ سے اس کی کلائی میں بجی تمام پیلی چوڑیاں ٹوٹ کر کارپٹ پر آ گری تھیں۔
''خیریت! اتنی بدحواسی؟ کچھ چرا کر بھاگ رہی ہو کیا؟'' زاویار خیام کی سرد آواز میں کچھ تو تھا ایسا کہ وہ پلٹ کر اس کا چہرہ دیکھنے پر مجبور ہو گئی تھی۔
موصوف کے لبوں پر کھیلتی مسکراہٹ نے لمحوں میں اس پر کیا کچھ نہ جتا ڈالا تھا، یقیناً وہ آفان شاہ کے ساتھ دریکتا کی ٹکر کو دیکھ چکا تھا۔

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

''سوری یار میں نے ڈسٹرب تو نہیں کیا؟''
آنسوؤں کو پلکوں پر روکتی وہ اپنے اور بھائی کے مشترکہ بیڈروم کی طرف بڑھ رہی تھی جب زاویار کا ذو معنی جملہ اس کی سماعت سے ٹکرایا تھا۔
''ارے نہیں یار! تم بھی حد کرتے ہو۔''
نظریں زاویار سے چراتے ہوئے آفان شاہ نے مسکرانے کی کوشش کی تھی۔
''تم آؤ گے مجھے اتنا یقین نہیں تھا؟''
''آنے کا ارادہ نہیں تھا پھر تم نے فورس بہت کیا سو چلا آیا۔'' مسکرا کر اپنے آنے کی وجہ سے آگاہ کرتا وہ کاؤچ پر آفان شاہ کے سامنے جا بیٹھا تھا۔

☆☆☆

''بن...... بن تو میری لیلا
بندوق میری لیلا......
''ہائے سوئیٹ ہارٹ......''
ڈی جے کے لگائے گانے پر ناچتی رومی اس کی طرف آ گئی تھی اور وہ جو اس وقت شدت سے حسی کا منتظر تھا۔ جس کے ساتھ آج اس کی سنڈریلا کو آنا تھا، رومی کی اچانک انٹری پر وہ جی بھر کے بے زار ہوا۔
''واٹ آر یو ڈوئنگ؟'' (کیا کر رہے ہو؟'')
وہ مسکرائی۔
''فیلنگ بور یار۔'' ٹن کو منہ سے لگاتے ہوئے بولا تھا۔
''تم ہی بتاؤ اب اس بوریت کو دور کرنے کی خاطر یہ کنیز کیا کر سکتی ہے؟''
''کنیز کو میرے ساتھ رقص کرنا پڑے گا۔''
''جو حکم جہاں پناہ......'' رومی کھلکھلائی۔ اس نے مسکرا کر اس کا ہاتھ تھاما اور پھر دونوں ڈانس فلور پر آ گئے۔ جہاں سے پہلے کئی جوڑے محو رقص تھے۔
''کڑی تو فرینکلی نچدی۔'' پر وہ دونوں پاگلوں کی طرح ناچنے لگے تھے۔ جب اچانک اس کو گھونٹ بھرتے اچھو لگ گیا تھا۔ زمین یکلخت دو حصوں میں بٹ کر اس کے پیروں کے نیچے سے گویا پھسلنے لگی تھی۔

نشہ تھا مگر اب اتنا بھی نہیں کہ وہ اس صورت کو بھی نہ پہچان پاتا۔ وہ تھی...... وہ ہی تھی...... ہاں وہی تو تھی...... مگر سوال یہ تھا کہ وہ اس محشر میں یہاں کیا کر رہی تھی۔
رومی کو ایک جانب دھکیل کر وہ اس کی سمت دوڑ پڑا تھا۔ وہ اس کا نام لینا چاہتا تھا، وہ اس کو پکارنا چاہتا تھا لیکن اس کی آواز حلق میں پھنس کر رہ گئی تھی۔
ایک طوفان بدتمیزی تھا' نشے میں ناچتے لڑکے لڑکیوں کو ایک طرف ہٹاتا وہ کسی بھوکے شیر کی مانند اس جانب بڑھا تھا۔

☆☆☆

بلیو ٹائٹ پر وائٹ اسٹائلش لانگ شرٹ جس پر بے حد نفیس سی کڑھائی کی گئی تھی' میں ملبوس' نیلے رنگ کی بالیاں دونوں کانوں میں ڈالے سفید سینڈلوں کے ساتھ وہ بے حد پیاری لگ رہی تھی۔
''کہاں کی تیاری ہے؟''
بیڈ پر لیٹی بظاہر میگزین پڑھنے کی ایکٹنگ کرتی وہ جو کب سے اس کی تیاریوں کا جائزہ لینے میں مصروف تھی پوچھے بنا نہ رہ سکی۔
''میں اس سے ملنے جا رہی ہوں۔''
''واٹ؟'' اسے جھٹکا لگا۔
''پلیز تم ایسا مت کرو۔'' وہ اٹھ کر اس کے پاس آ گئی۔
''اوہو، کیا پرابلم ہے تمہارے ساتھ، میرے پرسنل میٹر میں اتنا انٹرفیئر کیوں کرتی ہو تم۔''
''کیونکہ تم مجھے عزیز ہو اور میرا فرض بنتا ہے کہ تمہیں غلط کام کرنے سے روکوں۔''
''غلط کام...... واٹ ڈو یو مین؟'' اس نے حقارت سے بھنویں اچکائیں۔
''تم کو ایسا کیوں لگتا ہے کہ تمہارے علاوہ باقی سب لوگ یہاں غلط کام کرتے پھر رہے ہیں۔ ایک تم ہی ہو جو دوسروں کو درست راستہ دکھانے کے لیے پیدا ہوئی ہو۔'' اس نے ناک کر طنز کیا تھا۔ وہ بلبلا اٹھی۔

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

''یار تم غلط مت سمجھو میری بات کو۔'' اس نے آگے بڑھ کر خلوص سے اس کا ہاتھ تھامنا چاہا تھا۔

''اونہوں...... بات مت کرو مجھ سے۔'' اپنا ہینڈ بیگ اٹھا کر وہ خفا ہوتی کمرے سے باہر نکل گئی تھی۔

پاپا مما اس وقت گھر پر موجود نہیں تھے، وہ کسی پارٹی میں شرکت کرنے کے ارادے سے ابھی کچھ دیر قبل ہی گھر سے نکلے تھے سو وہ اطمینان سے اپنی دوست کی لائی کار میں بیٹھ کر نکل آئی تھی وہاں سے۔

ان لوگوں کے طے شدہ پروگرام کے مطابق عینی نے اسے لکی مال کے قریب اتار دیا تھا، وہاں سے حسی نے آ کر اپنی بائیک پر اس کو پک کر لیا تھا۔

☆☆☆

''یہ کیا، تمہیں تو بے حد تیز بخار ہے۔'' شام کو مہندی کے فنکشن میں تیار ہونے کے لیے بھابی اسے اٹھانے آئیں تو اس کا نازک وجود تیز بخار میں پھنک رہا تھا۔

''کیا ہو گیا درے! بخار تھا تو بتایا ہوتا۔'' بھابھی نے اس کو ڈانٹ پلائی۔

''سوری بھابھی! اتنا زیادہ نہیں تھا بخار۔ لگتا ہے اب بڑھ گیا ہے۔'' نقاہت سے جواب دیتے اس نے آنکھیں موند لی تھیں۔

''او کے تم لیٹی رہو میں آفان کو بلا کر لاتی ہوں۔ کسی ڈاکٹر کو بلا لائے گا وہ۔''

''نہ...... نہیں بھابھی...... کسی کو بلانے کی ضرورت نہیں ہے۔'' بھابھی کی بات سن کر وہ بستر سے اٹھنے لگی۔

''کیا ہوا بھئی، یہاں آ کر اتنی بونگی ہو گئی ہو درے کی بچی، ظاہر ہے اب یہ گاؤں آفان کا ہے تو کسی ڈاکٹر کو بھی جانتا ہو گا کہ نہیں۔'' جی بھر کر اس کی کلاس لینے کے بعد بھابھی کمرے سے باہر نکل گئی تھیں۔

آفان بھابھی کے کہنے پر ڈاکٹر کو لیے جب کمرے میں داخل ہوا تو وہ نیم بے ہوشی کی حالت میں ملی تھی۔ آفان شاہ مضطرب سا اپنی انگلیوں کو

---- مسل کر رہ گیا تھا۔

دوسرے ہی روز جوں ہی اس کی طبیعت سنبھلی تھی وہ یوسف ادا کے ساتھ واپس اپنے گاؤں آ گئی تھی۔

☆☆☆

پوش ایریا میں بنے اس بنگلے کے اندر قدم رکھتے ہوئے اس کو چکر سا آ گیا تھا۔

''حسی! یہ تم مجھے کہاں لے آئے؟'' لہجے کی کپکپاہٹ میں خوف کا عنصر نمایاں تھا۔

بیک گراؤنڈ میں ڈی جے کا لگایا ہوا تیز نغمہ گونج رہا تھا۔ حسی نے اس کی بات نہیں سنی تھی بلکہ اسے وہیں کھڑا چھوڑ کر وہ اپنے فرینڈز کی تلاش میں آگے بڑھ چکا تھا۔

وہاں کا ماحول دیکھ کر اسے رونا آنے لگا، یہ کس بند گلی کا انتخاب کر بیٹھی تھی وہ۔ جس کی دوسری جانب کوئی کھڑکی تھی نہ دروازہ۔ سچ کہا ہے کسی نے بے حیائی کے کئی روپ ہوتے ہیں، اس کی پشت پر سوار ہونے والا شخص منہ کے بل گرتا ہے۔ وہ بھی تو منہ کے بل گری تھی، اس کو نفس کی بے لگامی نے آج یہ دن دکھایا تھا کہ اس وقت اس بازار میں وہ برہنہ وجود کے ساتھ تماشا بنی کھڑی تھی۔

چھوٹے سے اسٹائلش اسٹالر کو اپنے گرد لپیٹنے کی کوشش کرتی وہ دریکتا کے لیکچر کو یاد کر کے رو پڑی تھی۔ اس کی طرح حسی جانے اور کتنی لڑکیوں کو بے وقوف بنا چکا ہو گا۔ یہ خیال کسی کند چھری کی طرح اس کا گلا کاٹ رہا تھا۔ دفعتاً اس کی نگاہ اس بازار میں ناچتے اس لڑکے پر پڑی تھی جو اس کا کوئی اور نہیں...... وہ اس کا...... اس سے آگے وہ مزید سوچ نہ سکی تھی۔

جی چاہا زمین پھٹے اور وہ اس میں سما جائے۔

☆☆☆

''بی بی جی! آپ کے بالوں میں تیل لگا دوں؟'' وہ اس وقت برآمدے میں رکھے جھولے پر جھول رہی تھی، جب حویلی کی نوعمر ملازمہ نصرت

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

نے اس کے پاس آ کر استفسار کیا۔
"ٹھیک ہے لے آؤ تیل......" ذہنی انتشار سے چھٹکارا پانے کی کوشش کرتی وہ نصرت سے مخاطب ہوئی تھی۔
کچھ دیر بعد نصرت تیل کی بوتل اٹھا لائی تھی اور جھولے کے پیچھے کھڑی ہو کے اس کے گھنے بالوں میں تیل کی مالش کرنے لگی۔
"بھابھی کہاں ہیں؟"
"وہ تو باورچی خانے میں ہیں جی! آفان سائیں کے ساتھ۔ ان کے بھائی بھی آج ادھر آ رہے ہیں ناں، ان کے لیے دعوت کا انتظام کر رہی ہیں جی وہ۔"
"اس کا مطلب آج آفان شاہ اپنی کزن کی شادی اٹینڈ کرنے کے بعد حویلی آ رہا ہے۔"
"کوئی بات نہیں میری چھٹیاں بھی آج ختم ہو رہی ہیں، کل ادا سائیں سے کہہ کر ڈرائیور کے ساتھ شہر چلی جاؤں گی۔" کچھ سوچتے ہوئے اس نے نصرت کو چوٹی کس کر باندھنے کا اشارہ کیا تھا۔
"السلام علیکم!"
دفعتاً برآمدے کی فضا میں آفان شاہ کی بھاری وشوخ آواز ابھری۔ سفید شلوار کرتے میں ملبوس وہ اس وقت کافی نکھرا نکھرا کھڑا تھا۔
"آؤں صدقو۔" (میں صدقے) نصرت کی نظر جوں ہی آفاق سائیں پر پڑی تھی، شرما کر دوپٹے کا کونا اپنے منہ میں دبا لیا۔
"وعلیکم السلام۔" دریکتا نے سلام کا جواب کافی لٹھ مار انداز میں دیا تھا اور پھر اپنے کمرے میں جانے کے ارادے سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔
"ایسی بے رخی؟ خیریت ہے نا نصرت! کہیں دشمنوں کی طبیعت ناساز تو نہیں۔" آفان نے بظاہر نصرت کو ہی مخاطب کیا تھا لیکن چوٹ اس پر کی تھی۔
وہ اس شخص کو نظر انداز کرتی اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی تھی۔
"سائیں لگتا ہے درے بی بی خفا ہیں آپ سے؟" نصرت کی مسکراتی آواز اندر آتے زاویار شاہ کی سماعت سے بھی ٹکرائی تھی۔
آفان کی جانب دیکھے بنا نصرت سے رانیہ شاہ کا پوچھتا وہ کچن میں آ گیا تھا۔

☆☆☆

"زیڈ کنگ! وہ دیکھو وہ آ گئی ہے۔" وہ جو رنگ و بو کے اس سیلاب کو چیرتا ہوا کسی کے قتل کا پختہ ارادہ لیے آگے بڑھ رہا تھا۔ حسی کے درمیان میں آ جانے پر اس کو رکنا پڑ گیا تھا۔
"نومی! وہ کھڑی ہے، وہ دیکھو اسے...... کیا قیامت کا حسن پایا ہے، بڑی شرمیلی ہے۔" احسن نے کسی طرف اشارہ کیا تھا۔
زاویار شاہ کی آنکھیں اس کے اشارے پر جس طرف کو اٹھی تھیں، پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ اس مرتبہ احسن کا شکار کوئی اور نہیں خود زاویار شاہ کے گھر کی لڑکی صفا خیام تھی۔
وہ کسی اور کے نہیں اسی کی بہن کے حسن کے قصیدے اس کے سامنے پڑھے جا رہا تھا۔ کچھ دیر قبل جس سنڈریلا کا انتظار وہ خود بڑی بے چینی سے کر رہا تھا۔ وہ اس کی اپنی بہن صفا نکلے گی، یہ تو مر کر بھی نہیں سوچا تھا اس نے۔
تو کیا اس پنک فیری کا کہا سچ ہو گیا تھا، اس قیامت کی بھیڑ میں زاویار خیام کی ملاقات اپنی ماں جائی کے ساتھ آج ہو گئی تھی۔
دوسروں کی بہنوں کو پیار کے نام پر بے وقوف بنانے والے زیڈ کنگ کو اتنی جلدی اپنے اعمال نامہ کھلنے پر چکر سا آ گیا تھا۔
"صفا!" دوسرے ہی پل وہ دونوں ہاتھوں کی مٹھیاں بھینچ کر چیخ اٹھا تھا۔
زاویار کے منہ سے برآمد ہونے والی اس اچانک چنگھاڑ پر کلب میں موت کا سا سناٹا چھا گیا تھا اور اس کے ساتھ ہی زیڈ کنگ کے دونوں دوستوں کی ساکت آنکھیں شاکڈ انداز میں سنڈریلا پر ٹھہر گئی تھیں۔

www.urdusoftbooks.com
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

"آئی ول شوٹ یو۔" دانت پیس کر وہ غرایا تھا اور پھر دوسرے ہی پل کلب سے باہر نکلتی صفا کے پیچھے لپکا تھا۔

"شٹ، یہ کیا ہو گیا؟" حسی کے منہ سے یہ جملہ آہ کی مانند ادا ہوا تھا پھر نومی کی طرح اس کی گردن بھی اپنے گریبان سے جا لگی تھی۔ جبکہ پاس کھڑی رومی سوچ رہی تھی۔

" سنڈریلا زاویار شاہ کی بہن نکلے گی' یہ تو کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔"

☆☆☆

"کیا بات ہے دریکتا! طبیعت ٹھیک ہے۔ تم رات کھانے پر بھی باہر نہ آئیں۔"

رات کو وہ سونے کی تیاری کر رہی تھی جب یوسف ادا اس کے کمرے میں چلے آئے۔

ادا کو دیکھ کر وہ فوراً اٹھ بیٹھی تھی۔

"بھوک نہیں تھی ادا! ورنہ طبیعت تو بالکل ٹھیک ہے۔" وہ مسکرائی تو اس کے سر پر بوسہ دیتے یوسف شاہ پاس ہی بیٹھ گئے۔

"ادا سائیں کل ڈرائیور سے کہہ دیجیے گا' وہ مجھے شہر چھوڑ آئے۔"

"ارے چھٹیاں ختم ہو گئیں کیا تمہاری؟" وہ حیران ہوئے۔

"جی ادا۔"

"ٹھیک ہے پھر گاڑی تیار کروا دوں گا کل۔" ادا اسے آرام کرنے کا کہہ کر کمرے سے نکل گئے تھے۔

ان کے کمرے سے جانے کے بعد وہ واپس بستر پر آ کر لیٹ گئی تھی لیکن آنکھوں میں چھائی سوچ کی پرچھائیوں نے گہری نیند کی وادیوں میں اترنے نہ دیا۔

☆☆☆

ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ دریکتا کی بات سچ نکل جانے پر وہ اس کا شکریہ ادا کرتی، الٹا گھر پہنچ کر اپنی جان بچانے کی خاطر صفا نے سارا الزام اس وقت گہری نیند سوئی دریکتا پر ڈال دیا تھا۔

"مما! میں کیا کرتی' دریکتا نے ہی مجھے فورس کیا تھا اس سے ملنے کو، آپ خود ہی سوچو ایسی حرکت پہلے تو کبھی مجھ سے سرزد نہیں ہوئی۔ بلیوی' یہ سب اس دریکتا کی وجہ سے ہوا ہے۔"

اور زاویار جو آج اس کا دماغ درست کرنے آیا تھا، دروازے پر ہی صفا کی بات سن کر دریکتا کے لیے نفرت کا طوفان دل میں چھپائے' وہاں سے پلٹ گیا تھا۔

☆☆☆

جانے وہ رات کا کون سا پہر تھا جب شدید پیاس لگنے کی وجہ سے اس کی آنکھ کھل گئی تھی۔ سائیڈ ٹیبل پر پڑا جگ اٹھا کر دیکھا تو وہ خالی پڑا اس کا منہ چڑا رہا تھا۔ ایک ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے اس نے اٹھ کر کچن کا رخ کیا تھا۔ بادامی کڑھائی والی گرین شال اچھی طرح سے اپنے گرد لپیٹ کر وہ باہر نکل آئی تھی۔

موسم سرما کے اوائل دن تھے۔ فضا میں خنکی رچی ہوئی تھی۔

برآمدے میں قدم رکھتے ہی اک سرد ہوا کا جھونکا اس کے خوب صورت چہرے سے آ ٹکرایا تھا۔ وہ دھیرے سے مسکراتی ہوئی کچن کی جانب بڑھی تھی، اس وقت پورا برآمدہ اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔

جب ہی وہاں پہلے سے موجود دو نفوس کو وہ دیکھ نہ پائی تھی لیکن اس نسوانی آواز نے اس کے پاؤں تلے زمین ضرور کھینچ لی تھی۔

"سائیں ہم غریب لوگ ہیں۔ اتنی اوقات نہیں ہے اور ویسے بھی جوتی کو کبھی بھی اپنے سر پر نہیں بٹھایا جاتا۔" نصرت کی آواز میں درد تھا۔

"بس آپ جاؤ' ہمیں تنگ نہ کرو۔" وہ سسکی تھی اور جواباً جو سرگوشی ابھری تھی اس کو باوجود کوشش کے دریکتا پہچان نہ پائی تھی۔ وہ ایک ہی جملہ تھا "تم پگلی ہو" مگر وہ کچھ اس قدر بوجھل آواز میں ادا کیا گیا تھا کہ دریکتا شناخت کے مرحلے میں داخل نہ ہو پائی تھی۔

"کون...... کون ہے؟" وہ بے ساختہ کہتی

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

آگے بڑھی تھی مگر جب تک برآمدے کا فانوس روشن کیا۔ نصرت وہاں اکیلی رہ گئی تھی۔ روشنی میں دریکتا کو اس وقت نصرت کا سامنا قیامت لگ رہا تھا، جو آنکھوں سے بہتے آنسوؤں کو اپنے دوپٹے سے پونچھتی اس کے کچھ بھی پوچھنے سے قبل وہاں سے بھاگ گئی تھی۔

''اُف میرے خدایا!'' وہیں کھڑے کھڑے درے نے اپنا سر تھام لیا تھا۔

''زاویار خیام! تم کس درجہ گرو گے میری نظروں میں؟'' اس نے نفرت کے ساتھ لب بھینچتے خودکلامی کی تھی۔

☆☆☆

''اپنا خیال رکھنا، یونیورسٹی جانے سے پہلے کوئی گرم سوئٹر یا شال وغیرہ ضرور لے لینا...... اور یہ اخروٹ کا حلوہ بنایا تھا میں نے زاوی کے لیے کل۔ تمہارا حصہ بیگ میں رکھ رہی ہوں، دھیان سے نکال لینا، او کے۔'' بھابھی اس کے کپڑوں کی پیکنگ کرتے ہوئے مسلسل ہدایتیں دے رہی تھیں۔

دریکتا مسلسل غائب دماغی کے عالم میں کھڑکی کے پاس کھڑی محض ''ہوں ہاں'' کرتی رہی تھی۔ زاویار شاہ کے ذکر پر اس کا حلق تک کڑوا ہو گیا تھا۔

'' بدکردار انسان اتنی محبتوں کے قابل تو نہیں ہوتے؟'' زہریلی سوچ اس کے ذہن میں مچلی تھی لیکن دوسرے ہی پل دریکتا نے سر جھٹکا تھا اور بھابھی کو خدا حافظ کہہ کر یوسف ادا کے ساتھ باہر آ گئی۔

ادا کے اشارے پر ملازم غیور نے سلور ٹوڈی کا دروازہ اس کے لیے وا کر دیا تھا۔ کار کا ماڈل دیکھ کر درے کو حیرت کا جھٹکا لگا تھا۔ ادا سائیں اسے زاویار شاہ کی گاڑی میں کیوں بٹھا رہے تھے۔

''اندر بیٹھو بابا!'' ادا سائیں کے اشارہ کرنے پر وہ مرے مرے قدم اٹھاتی خاموشی سے پچھلی سیٹ پر جا بیٹھی تھی۔

''زاویار شہر واپس جا رہا ہے، تمہیں راستے میں ہاسٹل چھوڑتا جائے گا۔'' یوسف شاہ کھڑکی پر جھکتے ہوئے بولے تھے۔ وہ کچھ بھی کہنے کے بجائے اپنی ہتھیلیاں رگڑنے لگی تھی لیکن اس وقت دریکتا کو یک گونا سکون حاصل ہوا تھا، جب زاویار کے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھنے کے بعد آفان شاہ نے اگلی سیٹ سنبھال لی تھی۔

ایک تحفظ بھرا احساس اس کے رگ و پے میں سرائیت کر گیا تھا جبکہ لبوں پر شریر مسکراہٹ کا عکس لیے آفان نے سائیڈ مرر اس کے کھلے چہرے پر فٹ کر دیا تھا۔ دریکتا فوراً چہرہ موڑ کر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی تھی۔

☆☆☆

سلور ٹوڈی گاؤں کی کچی آبادی سے نکل کر اب سیاہ تارکول کی سڑک پر بھاگنے میں مصروف تھی۔ دفعتاً ڈیش بورڈ پر پڑا اس کا قیمتی موبائل تھرتھرانے لگا، نمبر احد شاہ کا تھا۔ کچھ سوچ کر زاویار نے کال ریسیو کر لی تھی۔

''ہم......واپس آ رہا ہوں۔''

''اوکم آن چاچو! اب میری جدائی میں تو کم از کم آپ کی بیگم کو ٹمپریچر نے نہیں گھیرا ہوگا۔'' آفان شاہ کے چہرے پر زاویار کے اس طنزیہ جملے نے مسکراہٹ دوڑا دی تھی جبکہ پچھلی سیٹ پر براجمان دریکتا کے دلکش چہرے پر ناگواری کے تاثرات بے حد نمایاں تھے۔

اتنے کہ بیک ویو مرر میں سے پیچھے سے آتی دو بائیکوں کو مسلسل اپنی نگاہوں کی گرفت میں لیتا زاویار بھی لحہ بھر کو ضرور ٹھٹکا تھا۔

''لو تم خود بات کرو اپنی ماں کے ساتھ۔'' لب بھینچتے احد شاہ نے ہاتھ میں موجود سیل تانیہ شاہ کی جانب بڑھا دیا۔

''نو سوری، مجھے کسی لیڈی سے بات نہیں کرنی اس وقت۔'' وہ کال کاٹنے لگا تھا۔

''ہیلو زاوی!'' دوسری جانب موجود تانیہ شاہ کے لہجے میں بے قراری تھی۔

www.urdusoftbooks.com

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

وہ خاموش رہا تو مجبوراً انہیں ہی مزید بولنا پڑا۔
"کیسے ہو میری جان۔"
"مرا نہیں ہوں، زندہ ہوں۔" جواباً انداز میں بے نیازی تھی۔
"او مائی سو کالڈ مدر!" جانے دوسری جانب سے کیا کہا گیا تھا، وہ اپنی گردن کو نفی میں حرکت دیتے ہوئے ہنسا۔
"اوں ہوں، اس پیار کا یقین اب اس عمر میں کہاں سے آئے گا مجھے۔ اگر اکلوتے بیٹے سے اتنی ہی محبت تھی تو دوسری مرتبہ نکاح کیا ہی نہ ہوتا۔" سخت طنز کا پتھر کھینچ کر وہ سیل فون ڈیش بورڈ پر اچھال چکا تھا۔
"تو تم ایک کریکٹر لیس شخص ہونے کے ساتھ ساتھ ایک انتہائی نافرمان قسم کے بیٹے بھی ہو زاویار شاہ؟ مجھے تمہاری بدقسمتی پر افسوس نہیں ہو رہا بلکہ ہنسی آرہی ہے۔" ایک استہزائیہ نگاہ اس نے زاویار پر ضرور ڈالی تھی۔
اور وہ جو اپنے تعاقب میں آتی ان دو بائیک کد کب سے تاکنے میں مصروف تھا، خود پر اٹھی اس کی نظروں کا نوٹس لیے بغیر اپنے کام میں ہی مصروف رہا۔
"یہ کیا کر رہے ہو؟" اچانک جھک کر اس کو ڈیش بورڈ کھولتے دیکھ کر آفان چونکا۔ جواباً کچھ بھی کہنے کے بجائے زاویار نے سرعت سے کوئی سیاہ چیز ڈیش بورڈ سے نکالی تھی اور اپنی پینٹ کے پاکٹ میں ٹھونس لی۔
"کیا بات ہے یار! تم کچھ پریشان دکھائی دے رہے ہو؟" آفان شاہ کے سوال پر دریے نے کچھ گھبرا کر ان دونوں کی طرف دیکھا تھا۔
"اوں ہوں۔" زاویار مسکرایا۔ "کچھ نہیں یار! تم میوزک کو انجوائے کرو۔" اس نے ہاتھ بڑھا کر ڈی وی ڈی پلیئر آن کر دیا۔

میری نظروں میں تیرے سپنے
تیرے سپنوں میں تیری ناراضی
مجھے لگتا ہے باتیں دل کی
ہوتی لفظوں کی دھوکے بازی

"واہ یار! اس نے تو میرے دل کی بات کہہ دی۔" آفان شاہ بہ آواز بلند بولا۔
دریکتا نے اپنے دانت پیسے۔ دفعتاً پیچھے سے آتی بائیکوں نے اسپیڈ پکڑی تھی اور زاویار شاہ کے شک پر مہر ثبت کرتے وہ ان کی کار کا راستہ روک چکی تھی۔
"شٹ۔" بروقت ایکسی لیٹر پر پاؤں مار کر اگر اس نے بریک نہ لگائے ہوتے تو یقیناً ان دونوں موٹر سائیکل سواروں کے ساتھ ساتھ سلور ٹو ڈی میں موجود وہ تینوں نفوس بھی ضرور اللہ کو پیارے ہو چکے ہوتے۔
"اے! کوئی ہوشیاری نہیں، فوراً گاڑی سے نیچے اترو۔" پہلا موٹر سائیکل سوار گاڑی کور کرتے دیکھ کر پھرتی سے حرکت میں آیا۔
اور قبل اس کے کہ زاویار یا آفان میں سے کوئی کچھ سمجھ پاتا اس نے بجلی کی تیزی سے پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولا اور دریکتا کو کھینچ کر کار سے باہر نکالنے کے بعد ہاتھ میں موجود پسٹل اس کے اوپر تان لی تھی۔
"آفان بچائیں...... پلیز ہیلپ می۔" دریکتا کی بدحواس چیخ سن کر آفان کے ساتھ ساتھ زاویار نے بھی پلٹ کر دیکھا تھا اور اس کے ساتھ ہی دونوں کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا سانس نیچے رہ گیا۔
اس سے پہلے کہ آفان شاہ کا دماغ اس تمام صورت حال پر غور کرنے کے قابل ہوتا اس کی حیران آنکھوں نے اپنی طرف کا دروازہ دھکیل کر زاویار خیام کو گاڑی سے باہر نکلتے ہوئے دیکھا تھا۔

کون ہوتا ہے برے وقت میں کسی کا ناصر
جن پر ہو تکیہ وہی پتے ہوا دیتے ہیں

"اے کتے کے پلے! لڑکی کو چھوڑ ورنہ چھ کی چھ گولیاں ٹھونک دوں گا، گولی اندر جان باہر......" جینز کی پاکٹ سے چھوٹا سا ڈیجیٹل پسٹل نکالتے ہوئے زاویار نے اس آدمی کو مخاطب کیا تھا جو دریکتا

www.urdusoftbooks.com

پر پستول تانے کھڑا تھا۔ درے زاویار کی بات تک نہ سن پائی تھی۔ اس کی ساکت نگاہیں تو ڈیش بورڈ پر دونوں ہاتھ دھرے فرنٹ سیٹ پر کسی بُت کی طرح جے اس شخص پر جم گئی تھیں جو کھڑکی سے باہر کا تماشا ساکت نظروں سے ملاحظہ فرما رہا تھا۔

''او تو...... تو ہے اس کا ہیرو؟'' دوسری بائیک سے اتر کر اس طرف آتا پہلے بائیک سوار کا ساتھی ذو معنی انداز میں ہنسا تھا۔

''بکو نہیں...... یہ لو گاڑی کی چابی اور لڑکی کو شرافت کے ساتھ چھوڑ دو۔'' خود سے نگاہ چرائی دریکتا کو ایک نظر دیکھنے کے بعد اس نے بائیں ہاتھ میں پکڑی اپنی قیمتی کار کی چابی گویا اس شخص کے منہ پر دے ماری تھی۔

آفان نے دیکھا کہ کار کی چابی اس بندے کے سینے سے ٹکرا کر پکی سڑک پر جا گری تھی۔ اس کا معاملہ فہم دماغ تیزی کے ساتھ دوڑنے لگا تھا۔ اب یہی وہ وقت تھا جب انگلیاں کٹوا کر شہیدوں میں اپنا نام لکھوایا جا سکتا تھا۔

اس نے عجلت میں ٹوڈی کا دروازہ کھولا اور باہر نکل آیا۔

''واجد یہ دیکھ ادھر...... دوسرا پیس بھی ہے۔''

وہ شخص جو دریکتا کو اپنی حراست میں لیے کھڑا تھا، آفان شاہ کی سمت اشارہ کر کے مسکرایا۔

''اسے چھوڑ و یار! مجھے تو یہ کڑی زیادہ سوہنی لگی ہے۔''

''کیا گاڑی سے بھی زیادہ؟''

''قسم رب کی، گاڑی تو اس کے آگے کچھ بھی نہیں۔'' وہ خباثت کے ساتھ اپنے ساتھی کو آنکھ مارتے ہنسا تھا۔

آفان نے دیکھا دریکتا کے چہرے پر اس شخص کی بات سننے کے بعد ہوائیاں اڑنے لگی تھیں، وہ شاکڈ کھڑی اس کو تک رہی تھی۔ وہ بے بسی سے زاویار کی جانب دیکھ کر رہ گیا تھا۔ لمحوں کی بات تھی زاویار کے ہاتھ میں موجود پسٹل کے فائر سے واجد نامی لڑکے کے ہاتھ میں تھما ریوالور دور جا گرا تھا اور اس سے پہلے کہ آفان شاہ دوڑ کر وہ ریوالور اٹھا لیتا دوسرے بائیک سوار نے اپنی جیب سے چھوٹا سا چاقو نکال کر زاویار کی جانب اچھالا تھا اور اس میں کچھ شک نہیں تھا کہ وہ بلا کا نشانہ باز تھا۔ چاقو اڑتا ہوا ٹھیک زاویار کے دائیں ہاتھ کے انگوٹھے میں جا گھسا تھا۔

''مائی بیڈ لک۔'' پسٹل زاویار کے ہاتھ سے نکل کر دور جا گری تھی۔ اس کے ہاتھ سے پستول کو گرتا دیکھ کر آفان شاہ گاڑی کے پیچھے جا چھپا تھا۔ اس نے وہیں چھپے چھپے پہلے بائیک سوار کی آواز سنی۔

''جلدی آ قاسم۔'' اور اس کے بعد ایک اور فائر کی آواز آفان شاہ کے خیال کے مطابق یہ گولی زاویار کے سینے پر واجد نامی لڑکے نے چلائی تھی۔ جبکہ وہ نہیں جانتا تھا کہ اپنے ہاتھ سے بہتے خون اور درد پر قابو پانے کے بعد زاویار اپنی پسٹل واپس اپنے قبضے میں لے چکا تھا اور یہ آخری گولی بھی اسی کے ڈیجیٹل پسٹل سے برآمد ہوئی تھی جو اس دوسرے بائیک سوار کی ٹانگ پر اس وقت لگی تھی جب وہ اپنی بائیک اسٹارٹ کرنے والا تھا جبکہ دریکتا کو اس کا ساتھی اپنی بائیک پر بٹھا کر کب کا اپنی موٹر سائیکل اسٹارٹ کر چکا تھا۔

''آفان فالو می۔'' اس زخمی شخص کو سڑک پر گرتا دیکھ کر زاویار نے فوراً آگے بڑھ کر موٹر سائیکل اپنی تحویل میں لے لی تھی اور ساتھ میں آفان کو پکارا تھا مگر لگتا تھا جیسے آفان شاہ کی ٹانگ پر بھی اس وقت کوئی گولی لگی تھی، اس میں اٹھنے تک کی ہمت نہیں تھی۔

سوچنے کا وقت زاویار کے پاس بالکل نہیں تھا، عجلت میں اس نے کک ماری تھی اور بائیک کو اس واجد نامی لڑکے کے تعاقب میں دوڑانے لگا۔

کافی دیر گزر جانے کے بعد جب کسی کے کراہنے کے علاوہ سڑک پر مزید کوئی آواز نہ ابھری تو گاڑی کے پیچھے چھپا آفان بھی اپنے کپڑے جھاڑتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ پھر اس زخمی بندے کے قریب گری کار کی چابی اٹھائی اور خاموشی سے کوٹھ شاہ

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

گاؤں کا رخ کیا۔

☆☆☆

"بڑا دم خم ہے تیرے یار میں، دیکھو تو ہمارے پیچھے آ رہا ہے وہ۔"

دریکتا کے مردہ وجود میں اس واجد نامی شخص کی بات سننے کے بعد مانو زندگی کی لہر دوڑ گئی تھی۔

"تو آفان شاہ آپ نے آخر اپنی محبت کا ثبوت دے ہی دیا۔" آنکھوں کی نمی نے اس کا چہرہ بھگو ڈالا تھا۔

"دیکھتا ہوں کتنی جرأت والے ہو ہیرو؟" چیخ کر واجد بولا تھا پھر اچانک ٹرن لیا اور بائیک جنگل میں لے گیا۔ "آ جا تجھے جنگل کی سیر کرواؤں۔" وہ ہنسا۔

"سالے (گالی)......" زاویار کا خون کھول رہا تھا۔ اس وقت اس کے تعاقب میں موڑ کاٹتے جتنی گالیاں اسے یاد تھیں سب کی سب واجد کو دے ڈالی تھیں۔ کچھ دور جا کر اس نے واجد کو جالیا، زاویار شاہ نے اپنا پستول نکال کر اس کی موٹر سائیکل کا نشانہ لیا اور اس کی بائیک ایک جھٹکے سے لڑکھڑا کر گری، واجد اور دریکتا بھی گر پڑے۔

زاویار نے جلدی سے جا کر دریکتا کو اٹھا کر اپنی موٹر سائیکل پر بٹھایا اور کک مار کر موٹر سائیکل اسٹارٹ کی۔ اس دوران واجد نے اٹھ کر ان کا نشانہ لیا، گولی زاویار شاہ کا کندھا چھوتی ہوئی نکل گئی۔ واجد نے کئی فائر کیے ان کا پیچھا بھی کیا لیکن اندھیرے کا فائدہ اٹھا کر وہ آگے نکل آئے چونکہ جنگل گھنا تھا اور اونچے نیچے راستوں پر چلنے کی وجہ سے بائیک کئی مرتبہ سلپ ہوتے ہوتے بچی تھی۔

ایک بار تو موٹر سائیکل اتنی اوپر کو اچھلی تھی کہ اگر دریکتا نے زاویار کا بازو مضبوطی سے نہ تھاما ہوتا تو ضرور وہ گر جاتی۔

دس پندرہ منٹ گزر جانے کے بعد اس کے شانے پر گیلے سیال کا احساس دریکتا کی انگلیوں کو بھگو چکا تھا۔

"خ...... خون......" اندھیرے میں اندازہ لگاتی وہ خوف سے چیخ اٹھی۔

"او شٹ اپ......" زاویار نے گردن موڑ کر ایک زوردار تھپڑ اس کے منہ پر دے مارا تھا۔ خون میں تر انگلیوں والا ہاتھ اب وہ اپنے گال پر رکھے سسکنے لگی۔ اس کی سسکیوں پر وہ مزید مشتعل ہوا۔

"اسٹاپ کرائنگ...... زیادہ ایکٹنگ کی ضرورت نہیں ہے ورنہ اس خبیث کی طرح تمہیں بھی اسی جنگل میں کہیں گرا کر چلا جاؤں گا میں۔" اب کی مرتبہ وہ اس درجہ قوت کے ساتھ چلایا تھا کہ مارے خوف کے وہ سہم کر ایک دم خاموش ہو گئی۔ آدھے گھنٹے کی مسافت پر وہ ہی ہوا تھا جس کا زاویار کو ڈر تھا' بائیک کا پیٹرول ختم ہو چکا تھا۔

"بیڈ لک...... بیڈ لک...... آج کا دن ہے ہی خراب......" ایک کے بعد کئی ککز اس نے بائیک کی باڈی پر دے ماری تھیں۔ پھر دریکتا کو ساتھ لے کر وہ پیدل چلنے لگا تھا۔

گھپ اندھیرے میں ناہموار راستوں پر چلتے ہوئے وہ دونوں کتنی ہی بار گرتے گرتے بچے تھے۔

وہ اب اتنا کٹھور بھی نہ تھا کہ اندھیرے میں ساتھ چلتی اس لڑکی کو گرنے سے بچانے کی خاطر اس کا ہاتھ بھی نہیں تھام سکتا تھا مگر مسئلہ یہ تھا کہ دریکتا شاہ کا نام کبھی بھی زاویار خیام کی گڈ بک میں شامل نہیں رہا تھا۔

اور منافقت اس شخص کا وتیرہ نہ تھی، سو وہ یوں ہی لب بھینچے خاموشی کے ساتھ آگے آگے چلتا رہا تھا یہاں تک کہ وہ بارہا گرتے گرتے بچی تھی۔ گھور اندھیرے میں اس کی پشت کو گھورنے کی سعی کرتی اس لڑکی کی غزال آنکھیں، آنسوؤں سے چھلک اٹھی تھیں۔

دن میں پریوں کی کوئی کہانی نہ سن
جنگلوں میں مسافر بھٹک جائیں گے
دشمنی کا سفر اک قدم دو قدم......
تم بھی تھک جاؤ گے ہم بھی تھک جائیں گے

☆☆☆

www.urdusoftbooks.com
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

''کیا ہوا آفان! یہ کیا حال بنایا ہے؟'' یوسف شاہ سناٹے میں گھرے کھڑے آفان شاہ کو تکے جا رہے تھے۔ گرد سے اٹا ہوا لباس چہرے پر جا بجا مٹی کے نشان، مسلا ہوا گریبان اور پھولی ہوئی سانسیں......

''ادا سائیں...... ادا سائیں وہ راستے میں ڈاکو دریکتا کو اٹھا کر لے گئے......''

''درے کو اٹھا کر لے گئے؟''

آفان کا جملہ کسی بم کی طرح یوسف شاہ کی سماعت پر پھٹا تھا۔ وہ گر ہی پڑتے اگر تخت کا کونا نہ تھام لیا ہوتا۔

آفان کہانی گھڑ چکا تھا۔

''ڈاکو دریکتا کو اٹھا کر لے گئے اور ساتھ میں زاویار کو بھی...... کیونکہ وہ ان لوگوں کے ساتھ بحث میں الجھ پڑا تھا۔ مجھے رسیوں میں باندھا اور گاڑی کے پاس پھینک گئے لیکن ادا سائیں! ایک بات سمجھ میں نہیں آتی کہ......وہ لوگ کار اپنے ساتھ لے جانے کے بجائے دریکتا کو کیوں ساتھ لے گئے؟''

آخری الفاظ ادا کرتے کچھ تھا، آفان شاہ کے لہجے میں جس کو محسوس کرتے ہوئے یوسف کے ساتھ ساتھ رانیہ شاہ بھی چونک گئی تھیں۔

رات گہری ہونے تک حویلی کا سناٹا بھی مزید گمبھیر ہوتا گیا تھا۔ شہر سے احد شاہ اور تانیہ شاہ بھی گاؤں آ چکے تھے۔ پھپھو بھی گوٹھ شاہ گاؤں پہنچ چکی تھیں اور اس وقت مسلسل بیٹھی وہ آنسو بہائے جا رہی تھیں۔ آنسو تو یوسف بھی بہا رہے تھے مگر ان کے آنسو دل پر گر رہے تھے۔

آج کی رات، یہ پل پل پگھلتی رات ان کی بہن کے مقدر میں سیاہ صبح کو تحریر کرنے میں مصروف تھی۔ معصوم بہن کی ذات پر سوالیہ نشان کھڑا ہونے جا رہا تھا۔ ایک بھائی کی روح کس طرح بین نہ کرتی۔

☆☆☆

''کیا مصیبت ہے، سیل بھی گاڑی میں بھول کر آ گیا۔ اگر اس وقت موبائل ہی پاس ہوتا تو کسی یار دوست سے رابطہ کر کے یہاں پر بلا لیتا۔'' گھپ اندھیرے میں جنگل سے نکلنا ناممکن نظر آ رہا تھا، وہ محض سوچ کر رہ گیا۔

''تمہارے پاس موبائل فون ہے؟'' اچانک کچھ خیال آنے پر وہ اس کی جانب مڑا۔

''نہ...... نہیں، سیل ہینڈ بیگ میں تھا۔'' وہ ہکلائی۔

''تمہارا ہینڈ بیگ کہاں ہے؟''

''وہ تو گاڑی میں ہی ہے۔''

''اور تم میرے سر پر سوار ہو۔'' وہ بڑبڑایا۔

اور یہ بڑبڑاہٹ اس قدر بلند ضرور تھی کہ دریکتا نے بہ آسانی سن لی تھی۔ عجیب سی شرمندگی کے احساس تلے گھر کر وہ اپنے ہونٹ کاٹنے پر مجبور ہو گئی تھی۔

''آؤچ......'' دوسرے ہی لمحے اس کی چیخ اندھیرے میں گونج اٹھی تھی۔ راہ میں پڑے کسی نوکیلے پتھر سے پاؤں ٹکرانے کے نتیجے میں وہ لڑکھڑائی تھی اور پھر دوسرے ہی پل گھٹنوں کے بل پتھریلی زمین پر جا گری تھی۔

''اب کیا ہوا؟'' پھاڑ کھانے والے انداز میں استفسار کرتا وہ اس کے پاس بیٹھ چکا تھا۔

''چو...... چوٹ لگ گئی۔''

''واللہ...... یہ نخرے دریکتا شاہ؟'' اس کی بات پر وہ استہزائیہ انداز میں ہنس ہی پڑا۔

''ادھر اس خبیث کا خنجر میرے شانے کو کاٹ کر گزر گیا، پھر بھی جنگل کی خاک چھانتا خوار ہوتا پھر رہا ہوں......اور ذرا سی چوٹ کیا لگ گئی تم نے تو لگتا ہے مرنے کا ارادہ کر لیا۔''

اس شخص کی زبان کے آگے یقیناً کوئی خندق تھی۔ دریکتا کو وہاں بیٹھے بیٹھے تانیہ شاہ کے ساتھ بے حد ہمدردی محسوس ہوئی تھی۔

''دکھاؤ ذرا کون سا بم پھٹا ہے تمہارے پیروں میں؟''

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

جیب میں ہاتھ ڈال کر اس نے لائٹر نکال کر جلایا۔ آگ کے ننھے سے شعلے نے لمحہ بھر کے لیے جنگل کے اس حصے میں پھیلے اندھیرے کو نگلنے کی ناکام سی کوشش ۔ کی۔ بھیگی آنکھیں آنسوؤں سے سج کر ستاروں کی مانند دمک رہی تھیں۔ چاندی پیشانی نوکیلے پتھر سے ٹکرانے کے باعث زخمی ہو چکی تھی، پیشانی سے رستا خون کنپٹی پر لکیر بنا گیا تھا۔

''اتنی زیادہ بھی چوٹ نہیں لگی اٹھ جاؤ اب۔''

وہ اس کے آنسوؤں کا نوٹس لیے بغیر اک سرسری نگاہ دریکتا کے گھٹنوں اور پیروں سے رستے خون پر ڈالنے کے بعد آرام سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

''جانے کیا وقت ہوا ہوگا اس وقت؟'' پاؤں سے اٹھتی درد کی ٹیسوں پر بہ مشکل قابو پانے کی کوشش میں وہ اس کے ساتھ چلتی بڑبڑائی تو زاویار نے لائٹر جلا کر کلائی پر بندھی گھڑی پر نگاہ ڈالی۔

''رات کے ساڑھے تین بجے ہیں۔'' اطلاع دیتے ہوئے انداز لٹھ مار سا تھا۔

جبکہ وقت بن کر اس کے پاؤں کے نیچے سے زمین کھسک گئی تھی۔ پوری رات راستہ ڈھونڈنے میں گزر گئی تھی۔ صبح ہونے میں کچھ ہی دیر باقی ہوگی جب وہ دونوں ذرا دیر کے لیے ایک پیڑ کے نیچے ستانے بیٹھے تھے۔ وہیں جانے کیسے دریکتا کی آنکھ لگ گئی۔

سچ ہی کہتے ہیں' نیند تو کانٹوں کے بستر پر بھی آجاتی ہے۔

☆☆☆

آج کی تاریخ کا سورج یوسف شاہ کی حویلی میں بے حد سوگوار روپ لیے ابھرا تھا۔ کل کی تمام رات حویلی کے مکینوں نے ٹہل کر تو کبھی اپنے رب کے حضور گڑگڑا کر دعائیں مانگتے گزار دی تھی۔

تانیہ بیگم کی الگ جان پر بنی تھی، وہ زاویار کی وجہ سے بے حد فکر مند ہو رہی تھیں، رات سے رو رو کر انہوں نے اپنی آنکھیں سجالی تھیں۔ احد شاہ اچانک بی پی شوٹ کر جانے کی وجہ سے رات کو آرام کرنے اپنے کمرے میں گئے تھے مگر صبح ہوتے ہی طبیعت کچھ سنبھلی تو پھر سے برآمدے میں آبیٹھے۔ آفان شاہ جب سے رات کو حویلی آیا تھا اپنے کمرے میں بند تھا۔ صبح کا سورج طلوع ہوتے صائمہ شاہ دریکتا کا نام لے لے کر بین کرنا شروع ہو چکی تھیں۔

ایک یوسف شاہ ہی تھے جو رات سے خاموش کسی بت کی طرح ساکت انداز میں ایزی چیئر پر ٹکے اپنی موت کی گھڑیاں گن رہے تھے۔

☆☆☆

''اگر خواب خرگوش کے مزے لوٹ چکی ہیں تو اب اٹھ جائیے میڈم!''

سورج کی چلچلاتی شعاعوں کے ساتھ ساتھ نوکیلا لہجہ سماعت سے ٹکرایا تو دریکتا نے آنکھیں پٹ سے کھول دیں۔

صبح ہو چکی تھی۔ بھاری بوجھ اس کی روح پر آگرا تھا۔ جنگل کے دیو جیسا قد رکھنے والے پیڑوں سے جھانکتا نومبر کا سورج اس کے سر پر کھڑا چمک رہا تھا۔ گرے جینز پینٹ اور سفید شرٹ میں ملبوس زاویار شاہ دائیں ہاتھ پر رومال باندھے کچھ ہی فاصلے پر کھڑا تھا۔

رات کو اس خبیث کا چلایا خنجر اس کے شانے کو زخمی کر چکا تھا۔ شانے سے بہنے والے لہو نے سفید قمیص کی آستین اور گریبان کو سرخ کر ڈالا تھا، بکھرے بال' گرد سے اٹا لباس، رت جگے سے سجی آنکھیں۔

''زاویار خیام جیسے لوگ بھی کسی کے محافظ ہو سکتے ہیں؟'' دریکتا شاہ کے ذہن میں ابھرنے والا سوال بڑا عجیب سا تھا۔

رات کے اندھیرے میں جس راستے کی تلاش ان دونوں کو ناممکن لگ رہی تھی، دن کے اجالے میں جیسے وہ دو گام پر ہی تو موجود تھا۔ کچی سڑک کو سامنے پا کر زاویار شاہ کے چہرے پر ابھرنے والے سکون کے آثار بہت نمایاں تھے۔ کچھ ہی آگے جا کر راستے میں وہ قدیم کنویں کے طرز کا بنا ٹیوب ویل نظر آیا تو

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

وہ رک کر پانی پینے لگا۔ ٹیوب ویل کھیتوں کے پاس دھرتی کے اندر کچھ گہرائی میں واقع تھا۔
دریکتا نے کن انکھیوں سے اس کی جانب دیکھا تھا۔ دائیں ہاتھ پر کل چوٹ لگی تھی، ہاتھ پر اس وقت رومال بندھا تھا۔ ظاہر ہے اس وقت ایک ہی ہاتھ کو استعمال میں لایا جاسکتا تھا۔
پیاس کی شدت پانی کو سامنے پا کر مزید بڑھ گئی تھی۔ دریکتا نے محسوس کیا زاویار شاہ کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ کس طرح خود کو سیراب کرے۔
مگر ایک ہی ہاتھ کی مدد سے وہ جھک کر جب تک پانی کو ہاتھ میں بھرنے کے بعد ہونٹوں کے پاس لانے کی کوشش کرتا۔ جمع شدہ تمام پانی پیاس بجھانے سے قبل ہی قطرہ قطرہ کر کے انگلیوں کی خلا سے بہہ جاتا۔
وہ دونوں ہی رات سے بھوکے پیاسے تھے، پیاس کی شدت سے خود اس وقت دریکتا کے حلق میں کانٹے اُگ رہے تھے۔ زاویار کا تو خون بھی بہت بہہ چکا تھا، وہ ہمدردی تھی کہ جانے کیا تھا، دھیرے سے چلتی وہ اس کنویں نما ٹیوب ویل کے قریب آ کر گھٹنوں کے بل نیچے بیٹھ چکی تھی۔
پھر جھک کر اپنی دونوں ہتھیلیوں میں پانی بھرا اور زاویار خیام کے چہرے کے آگے کر دیا۔ وہ جو خود کو سیراب کرنے کی سعی میں مگن تھا اپنی نظروں کے سامنے پھیلی ہتھیلیوں میں جمع شدہ آبِ حیات کو دیکھ کر ٹھٹک سا گیا تھا۔ مگر پھر دوسرے ہی پل زاویار نے نگاہ چُرالی تھی، جمع شدہ پانی انگلیوں کی خلا سے بہہ جانے کے بعد درے نے جھک کر ہتھیلیاں پھر سے بھر لی تھیں اور پھر اس مرتبہ بھی خاموشی سے آبِ حیات کو اس کے آگے کر دیا۔ لب باہم بھینچتا مگر اس مرتبہ وہ باقاعدہ سر اٹھا کر اس کی آنکھوں میں جھانکنے پر مجبور ہو گیا تھا۔ غزالی آنکھوں میں سوائے سنجیدگی بھرے سناٹے کے اور کوئی تاثر نظر نہ آیا۔
تھا ستم گر کا احسان' اٹھاتے کیونکر
اسی تشنہ لبی میں مرجاتے پیاس بجھاتے کیونکر؟

کچھ بھی کہے بنا گردن موڑ کر دوسری جانب واقع کھیتوں کو تکتا وہ اپنی جگہ سے یکلخت اٹھ کھڑا ہوا تھا۔
"پانی پی لیجیے زاویار خیام!" اسے آگے کی طرف قدم بڑھاتے دیکھ کر تیسری بار ہتھیلیوں میں پانی بھر کر اس کو پکارا تھا۔
دریکتا کی پکار پر وہ رک ضرور گیا تھا مگر گردن موڑ کر اس کی جانب دیکھنے کی زحمت گوارا نہیں کی تھی۔
"مجھے پیاس نہیں ہے۔" سپاٹ لہجے میں جواب دینے کے بعد وہ رکا نہیں بلکہ سامنے کی طرف دیکھ کر چلنے لگا۔ وہ اس شخص کی پشت کو تکتی رہ گئی تھی پھر سر جھٹک کر اس کے پیچھے ہولی۔
ادھر اُدھر نگاہیں دوڑاتا وہ اس وقت شدت سے کسی سواری کا منتظر تھا۔ کچھ فاصلے پر ہی ایک چنگ چی دھول اڑاتا اس طرف آتا دکھائی دیا۔ چنگ چی پر نظر پڑتے ہی کچھ خیال آنے پر وہ اس کی سمت مڑا۔
"سنو، میں ادھر رک جاتا ہوں، تم پانی پی لو۔" زاویار نے کچھ فاصلے پر بنے اس کنویں نما ٹیوب ویل کی جانب اشارہ کیا۔
"سوری، مجھے پیاس نہیں ہے۔" وہ بنا اس کی جانب دیکھے بولی۔
ناگواری کی ایک شدید لہر نے زاویار شاہ کے وجیہہ چہرے کا احاطہ کر لیا تھا۔ ایک جھٹکے سے اس کی طرف سے اپنی پشت موڑتا وہ سامنے سے آتے چنگ چی کو رکنے کا اشارہ کرنے لگا تھا۔ جبکہ دریکتا شاہ کی نظریں اس کے ہاتھ پر بندھے سفید رومال پر ٹھہری گئی تھیں، جس کا رنگ کب کا سرخ ہو چلا تھا۔

☆☆☆

"رانیہ شاہ تو کیا میری بہن واقعی مرگئی، لیکن میں کیسے یقین کر لوں اس کی میت تو ابھی گھر پہنچی ہی نہیں۔" یوسف شاہ کی اس بات پر رانیہ شاہ کے ساتھ ساتھ تانیہ بیگم بھی دہل کر رہ گئی تھیں۔
"خدانخواستہ یہ کیسی باتیں کر رہے ہو یوسف

www.urdusoftbooks.com
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

تم، سنبھالو خود کو۔" احد شاہ نے اٹھ کر ان کے کندھے پر اپنا ہاتھ رکھتے ہوئے تسلی دینے کی کوشش کی تھی اور قبل اس کے کہ یوسف شاہ اپنا ضبط کھو کر احد چاچو کے سینے سے لگ کر رو پڑتے۔

قیامت کی مسافت کاٹ کر اس کی بہن دریکتا شاہ، شاہوں کی حویلی کی چوکھٹ پر قدم رکھ چکی تھی۔

ہم اہل روشنی جو ہوئے
جل رہے ہیں کہ دیپ ہی جو ہوئے
کیوں زمانے کا تذکرہ نہ ٹھہریں ہم
ہم شناسائے زندگی جو ہوئے

"رانیہ بھابھی! وہ دیکھیے درے بی بی آگئیں۔" قریب ہی کھڑی نصرت کی نظر سب سے پہلے اس پر پڑی تھی۔ اس کے ساتھ ہی برآمدے میں موجود تمام نفوس نے ایک ساتھ صحن کے داخلی دروازے کی جانب دیکھا تھا جہاں اپنے شکستہ وجود کے ساتھ وہ لڑکی کھڑی تھی جس کی چمکتی پیشانی پر گزری رات نے سیاہی تحریر کر ڈالی تھی۔ اس پر نگاہ پڑتے ہی یوسف شاہ کے لب کپکپا اٹھے تھے۔ درد کی لہر اندر کہیں اٹھی تھی اور دھواں آنکھوں کے آگے تن گیا تھا۔ دھندلائی ہوئی آنکھیں بہن کے شکست خوردہ وجود پر جم گئیں۔

سر پر پڑی گرد سے اٹی بادامی چادر جس کا کونا اس وقت صحن کے فرش پر چھو رہا تھا، چہرے پر جا بجا مٹی کے نشانات' پیشانی پر لگا گھاؤ' کنپٹی پر سرخ لکیر بنا چکا تھا۔ چہرے کے آگے جھولتی لٹوں سے جھانکتی غزالی آنکھیں جو رو رو کے سوج چکی تھیں اور دائیں گال پر خون سے تر بتر انگلیوں کا نشان ثبت تھا جو اب سوکھنے کے بعد کچھ اور نمایاں ہو رہا تھا۔

یوسف شاہ نے ضبط کے کڑے مراحل سے گزرتے ہوئے سب سے آخر میں اس کے قدموں کی جانب نگاہ کی۔ جہاں ایک اور مسافت کی داستان رقم تھی، پاؤں کی انگلیوں اور انگوٹھے سے رستا خون' جنگل کے ناہموار راستوں کا پتا دے رہا تھا، اس کے پیروں میں موجود چپل ٹوٹنے کے قریب تھی۔

"درے......" یوسف شاہ کے لبوں سے اس کا نام ٹوٹ کر ادا ہوا تھا۔ دوسرے ہی پل وہ دوڑتی ہوئی ادا سائیں کے سینے میں جا سمائی تھی۔

"تمہارا نصیب ہی میری بہن ایسا تھا بھلا میں کیا کرتا۔" اس کو اپنے ساتھ لگائے ادا سائیں کہہ اٹھے تھے جبکہ صائمہ شاہ کی معنی خیز نگاہیں برآمدے میں درے کے پیچھے داخل ہوتے زاویار شاہ پر ٹھہر گئی تھیں۔ جس کے جوتے کی نوک پر جمی گرد جنگل کی مسافتوں کی خاک چھاننے کی گواہی دے رہی تھی۔

بائیں شانے پر لگی چوٹ کی وجہ سے بہنے والا خون سفید شرٹ کی آستین اور گریبان کو سرخ کر چکا تھا۔ گھنے بال بکھر کر فراخ پیشانی پر آ گرے تھے۔ پلکوں سے لپٹی دھول اور رت جگوں سے سجی ہیزل براؤن آنکھوں کے ساتھ وہ اس وقت بہت تھکا تھکا دکھائی دے رہا تھا۔

زاویار کا ارادہ آفان سے اپنی گاڑی کی چابی لینے کے بعد فوراً شہر جانے کا تھا مگر اس پر نظر پڑتے ہی تانیہ بیگم اور احد شاہ ایک ساتھ اس کی طرف بڑھے تھے۔

"زاوی میری جان......" تانیہ بیگم اس سے لپٹ کر رونے لگیں۔ اس کے چہرے پر پھیلی بے زاری میں کچھ مزید اضافہ ہوا تھا۔ وہ اس قدر تھکا ہوا تھا کہ اس وقت سوائے ایک پرسکون نیند کی خواہش کے اس کو کسی چیز کی طلب نہ تھی۔ اوپر سے مما کے اس جذباتی صورت حال پیدا کرنے پر زاویار کو مزید کوفت نے گھیر لیا تھا۔

"بی ہیو یور سیلف۔" اس نے دانت پیسے۔

"زندہ واپس آ گیا ناں...... سو یہ ڈراما کسی اور وقت کے لیے۔" دبے دبے انداز میں غراتے ہوئے اس نے کافی سرد مہری کے ساتھ تانیہ بیگم کے ہچکولے کھاتے وجود کو پرے دھکیلا تھا۔

"یہ چوٹ کیسے لگ گئی زاویر؟" اس کی بدتمیزی کو نظر انداز کرتے احد شاہ بازو کے زخم کی

www.urdusoftbooks.com

جانب اشارہ کرتے استفسار کرنے لگے اور پھر وہیں کھڑے کھڑے انہوں نے ڈاکٹر کو کال ملائی تھی۔

"پھپھو۔" ادا سائیں سے الگ ہوتے ہی اس کی نظر صائمہ شاہ پر پڑی تھی، دریے نے بے تابی سے آگے بڑھنا چاہا تھا مگر پھپھو کی نظروں میں پنہاں سرد مہری بھانپتے، اس کے قدم ٹھہر گئے تھے۔

"رانیہ تم اسے اپنے کمرے میں لے جاؤ۔" یوسف شاہ نے دریکتا کو رانیہ کے ساتھ اپنے کمرے میں جانے کا اشارہ کیا اور خود زاویار کی جانب بڑھ گئے تھے۔

"تھینک یو سوچ یار! تمہارا یہ احسان تو میں زندگی بھر نہیں بھلا سکتا۔" ادا سائیں نے زاویار کو اپنے ساتھ بھینچ لیا تھا۔

کچھ کہنے کی کوشش میں اس نے اپنے لبوں کو حرکت دینی چاہی تھی مگر پھر اگلے ہی لمحے سر جھٹکتے ہوئے بڑی خاموشی کے ساتھ اپنا دایاں بازو یوسف شاہ کے گرد پھیلا دیا۔ اس بات سے قطعی بے خبر کہ کچھ فاصلے پر کھڑی صائمہ شاہ کی ذومعنی نظریں اس کے ہاتھ پر بندھے سرخ رومال سے ہوتی ہوئی رانیہ شاہ کی سنگت میں اپنے کمرے کی طرف جاتی دریکتا شاہ کے گال پر ثبت ان پانچوں انگلیوں کے سرخ نشان پر جا کر ٹھہر گئی تھیں۔ شک کا کیڑا دماغ میں کلبلایا تو اس عورت کی آنکھوں سے شعلے نکلنے لگے۔

صائمہ شاہ ایک جھٹکے کے ساتھ آفان شاہ کے کمرے کی سمت مڑ گئی تھیں۔

☆☆☆

ہر شخص کو بن مانگی مرادیں نہیں ملتیں
ہر شخص مقدر کا سکندر نہیں ہوتا

قسمت کی ستم ظرفی پر وہ جتنا ماتم کرتی کم تھا، اپنے کمرے میں آتے ہی دریکتا شاہ کا ضبط جواب دے چکا تھا۔

وہ رانیہ شاہ کے گلے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی تھی۔ بھابھی کو اسے سنبھالنا مشکل لگ رہا تھا۔

مجبوراً اسے زبردستی کھانا کھلا کر انہوں نے اسے نیند کی گولی دے کر سلا دیا تھا اور جب تک دریکتا کو ہینڈل کرنے کے بعد وہ اس کے کمرے سے باہر نکلی تھیں ——— پھپھو آفان کو اپنے ساتھ لے کر حویلی سے کب کی جا چکی تھیں۔

رانیہ شاہ کو نصرت کی زبانی صائمہ شاہ کے جانے کی اطلاع سن کر کوئی خاص حیرت نہیں ہوئی تھی۔ وہ جانتی تھیں کہ پھپھو کو آج کی تاریخ میں یہ قدم ضرور اٹھانا تھا۔

"او کے! اور زاوی کہاں ہے؟" ایک ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے انہوں نے نصرت سے بھائی کے بارے میں استفسار کیا تھا۔

"جی بھابھی! زاویار سائیں بھی۔ واپس شہر جا رہے تھے لیکن پھر وڈیرے بھاؤ (یوسف شاہ) نے روک لیا۔"

"اوہو، وہ اس وقت کہاں ہے؟" رانیہ کو نصرت کے تفصیلی جواب پر تاؤ آتے رہ گیا۔

"جی بھابھی، وہ اب مہمانوں والے کمرے میں ہیں اور جی ڈاکٹر آیا ہوا ہے زاویار سائیں کی مرہم پٹی کرنے۔"

"ٹھیک ہے تم فریزر سے چکن نکال کر صاف کر لو وہ جب تک میں ہنی کو فیڈ کروا لوں پھر زاویار کے لیے سوپ بناؤں گی۔"

"جی بہتر۔" نصرت سر ہلاتی کچن میں گھس گئی تھی۔ رانیہ شاہ کچھ سوچتی اپنے کمرے میں آ گئیں۔

☆☆☆

کمرے میں قدم رکھتے ہوئے پہلی نگاہ ہی سامنے بیڈ پر چت لیٹے یوسف شاہ پر گئی تھی۔ آنکھوں پر بازو دھرے لیٹے وہ یقیناً سوچوں سے جنگ میں مصروف تھے۔

رانیہ نے حیرت سے چہرہ موڑ کر کب سے ——— بے بی کاٹ کے اندر روتے ہنی کی جانب دیکھا تھا جس کے رونے کی پروا کیے بغیر یوسف گویا کانوں میں روئی ٹھونسے پڑے ہوئے تھے۔

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

ہنی کو بے بی کاٹ سے اٹھا کر وہ بیڈ پر آ گئی تھیں پھر سائیڈ ٹیبل پر پڑا فیڈر اٹھا کر بیٹے کے منہ میں دیتے ہوئے کن انکھیوں سے مجازی خدا کی طرف دیکھا تھا۔ یوسف شاہ کی بھیگی کنپٹیوں پر نظر جاتے ہی ہنی کی پیٹھ تھپکتا رانیہ شاہ کا نازک ہاتھ ساعت بھر کو ساکت ہو کے رہ گیا۔

''یوسف......'' رانیہ نے شاکی لہجے میں انہیں پکارا لیکن وہ اپنی جگہ سے ہلے تک نہیں تھے۔

''اس طرح رونے سے مسئلہ حل نہیں ہو جائے گا۔''

''تو پھر تم ہی بتاؤ رانیہ! مسئلہ پھر کس طرح حل ہوگا؟'' آنکھوں سے بازو ہٹائے بغیر استفسار کیا گیا تھا۔

''ہمیں دریکتا کے موضوع پر پھپھو کے ساتھ کھل کر بات کرنا ہوگی۔''

''ہاں پھپھو!'' ان کا مشورہ سن کر وہ تلخی سے ہنس دیے۔ ''آ رہی ہیں شام میں پھپھو......وہ کہہ گئی تھیں تانیہ چچی سے کہ آفان سے مشورہ کرنے کے بعد وہ شام کو جواب دینے آئیں گی۔''

''یہ تو پھر اور بھی اچھا ہوا، بھلا اس میں پریشان ہونے والی کیا بات ہے؟'' انہوں نے نا سمجھنے والے انداز میں شوہر کی طرف دیکھ کر پوچھا تھا۔

''بے وقوف ہو تم، وہ شام میں انکار کرنے آئیں گی۔ میری بہن کا ہاتھ مانگنے نہیں اور پھر اس کے بعد درے اسی حویلی کی چوکھٹ پر بیٹھی بوڑھی ہو جائے گی کیونکہ اس کے جوڑ کا اور کوئی لڑکا خاندان میں نہیں اور تم جانتی ہو کہ ہم لوگ برادری سے باہر لڑکیوں کا رشتہ نہیں کرتے۔'' آخری بات کہتے ہوئے گوٹھ شاہ گاؤں کے وڈیرے کا لہجہ سفاک تھا۔

رانیہ شاہ ٹکر ٹکر یوسف شاہ کا چہرہ تکنے لگی تھیں۔

☆☆☆

وہ ڈرائنگ روم سے آتے شور کی عجیب سی آوازیں تھیں جنہوں نے اس کو گہری نیند سے بے دار کر دیا تھا۔ چند ثانیوں تک تو کمرے میں چھائے گھپ اندھیرے کو گھورتے ہوئے وہ یوں ہی بستر پر پڑا رہا پھر آہستہ آہستہ ذہن کچھ سوچنے کے قابل ہوا تو اس کو یاد آنے لگا کہ کس طرح کل شام سے وہ جنگل میں خوار ہوتا رہا تھا۔ پھر صبح کو حویلی پہنچا، احد چاچو نے اس کے لیے ڈاکٹر کو بلایا۔ ڈاکٹر نے آ کر مرہم پٹی کر دی تھی اس کے بعد وہ واپس شہر جانا چاہتا تھا مگر پھر یوسف ادا سائیں کے اصرار پر اسے رکنا پڑا تھا۔ ڈاکٹر کی تجویز کردہ دوائیں نیم گرم دودھ کے ساتھ یوسف ادا نے اس کو دی تھیں اور اس کے بعد گہری نیند نے اس کو آ لیا تھا۔

''اور اب یہ شور......یہ شور کیسا تھا؟''

کسی مرد کی آواز تھی اور کسی عورت کے تیز تیز چیخنے کی آوازیں اور کبھی کبھار نسوانی سسکیاں ان دو آوازوں کے درمیان ابھرتیں اور پھر مدھم ہو جاتیں۔

ان عجیب سی آوازوں کو شناخت کرنے کی کوشش کرتا، وہ بیڈ پر اٹھ کر بیٹھا پھر اندازے سے ہاتھ بڑھایا اور سائیڈ ٹیبل پر سجا لیمپ آن کر دیا۔ کمرے میں رقص کرتا اندھیرا روشنی سے ہار کر بھاگ کھڑا ہوا۔

''اٹھ گئے تم۔'' ابھی وہ اٹھ کر واش روم جانے کا قصد کر رہا تھا جب کمرے کا دروازہ کھول کر رانیہ آپی نے اندر جھانکا۔

''کیا ہوا؟'' بہن کی روئی روئی آنکھیں دیکھ کر وہ بری طرح سے چونک پڑا تھا۔

''خیریت تو ہے؟ اور یہ باہر شور کیسا ہے؟'' پیشانی پر گرے بالوں کو مضبوط ہاتھ کی انگلیوں کی مدد سے پیچھے کی سمت دھکیلتے ہوئے اس نے پوچھا تھا۔

''کچھ نہیں، پھپھو آئی ہوئی ہیں۔'' رانیہ نے آہستگی سے جواب دیا۔

''آئی ہیں مطلب؟ وہ تو صبح یہیں تھیں۔'' پیروں میں سلیپر اڑستے زاویار کا انداز سرسری تھا۔

''تمہیں نہیں معلوم، وہ صبح دریکتا اور تمہارے آنے کے فوراً بعد اپنے گاؤں چلی گئی تھیں۔''

''تو پھر اب واپس کیوں آ گئیں؟ ہونے والی بہو کے بچ جانے کی خوشی میں لڈو بانٹنے؟'' وہ

www.urdusoftbooks.com
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

مسکراہٹ دباتا شریر انداز میں بولا تھا۔
"نہیں لڈو بانٹنے نہیں' وہ فیصلہ سنانے آئی ہیں۔" آپی کا انداز سپاٹ تھا۔
"فیصلہ...... کیسا فیصلہ؟" واش روم کی طرف بڑھتے اس کے قدم لحہ بھر کو ٹھہر سے گئے تھے۔
"آفان کا فیصلہ، وہ دریکتا کے ساتھ اب شادی نہیں کرسکتا۔"
"کیوں؟" زاویار کے لبوں پر ابھرنے والی مسکراہٹ بڑی استہزائیہ تھی۔
"وجہ تم جانتے ہو۔" رانیہ شاہ نے اس مرتبہ اس کے سوال کا جواب دیتے ہوئے ہیزل براؤن آنکھوں میں جھانکنا ضروری خیال کیا۔
"اوہ ہاں، یاد آیا۔" اس نے کندھے اچکائے۔
"کل کی پوری رات وہ لڑکی ڈاکوؤں میں گزار کر آئی ہے شاید اس لیے۔" اس کے انداز میں بلا کا یقین چھپا تھا۔
"نہیں۔" رانیہ شاہ نے اپنی گردن نفی میں ہلائی تھی اور اگلے ہی پل ایک زوردار طمانچہ اس کے گویا منہ پر پڑا تھا۔
"نہیں زاویار خیام! کل کی پوری رات وہ لڑکی تمہارے ساتھ گزار کر آئی ہے اس لیے۔"
"واٹ ربش......؟" بہن کے منہ سے اس قدر سخت بات سننے کی شاید وہ توقع نہیں رکھتا تھا۔ سو اس کا خوب رو چہرہ لمحوں میں خفت کی سرخی سمیٹ لایا تھا۔
"ویل' یو کین چینج......" رانیہ آپی نے نگاہیں چراتے ہوئے فوراً بات بدلی۔
"میں نے تمہارے لیے چکن کارن سوپ بنایا تھا، فریش ہو جاؤ ابھی بھجواتی ہوں۔" اس کو وہیں کھڑا چھوڑ کر وہ کمرے سے باہر نکل گئی تھیں۔

☆☆☆

"پھپھو میرا یقین کریں جیسا آپ سمجھ رہی ہیں ایسا بالکل نہیں ہے۔" شاہ گاؤں کی حویلی کا ڈرائنگ روم اس وقت کمرۂ عدالت بنا ہوا تھا اور صائمہ شاہ نامی اس خاتون کی جرح کمال مہارت کے ساتھ جاری تھی۔
سیاہ نیٹ کے دوپٹے کے ہالے میں دریکتا شاہ کا آنسوؤں میں بھیگا چہرہ چودھویں کے چاند کی مانند دمک رہا تھا۔ سچ ہی کہا گیا ہے حسن سوگوار ہو کر مزید دو آتشہ ہو جایا کرتا ہے۔ آنسو لٹاتی وہ غزالی آنکھیں گلابیاں سمیٹ کر کچھ اور قیامت ڈھاتی محسوس ہوتی تھیں۔ پلکوں پر چمکتے آنسو کہکشاؤں کو مات دیتے نظر آتے تھے۔ تھیچ پیشانی پر ابھرے زخم کی جگہ سنی پلاسٹ نے لے لی تھی، گلابی لب کاٹتی' اپنی سسکیاں روکتی وہ سیدھی آفان شاہ کے دل میں اتر رہی تھی۔
لیکن آج کی محفل میں اس شخص کو حسن کا تماشا منظور تھا، شاید حسن کو رسوا کرنے کے بعد اپنانے کا ارادہ رکھتا تھا وہ...... یہ ہی اس کی شرط تھی۔
دریکتا کا اداس حسن ماحول پر عجیب سی سوگواری طاری کیے دے رہا تھا۔ کچھ ہی فاصلے پر احد شاہ اور ثانیہ بیگم سر جھکائے بیٹھے تھے۔ یوسف شاہ' صائمہ پھپھو کے قدموں کے پاس بیٹھے انہیں کب سے سمجھانے کی کوشش میں مصروف تھے۔
فقط ایک شخص وہاں ایسا تھا، جو بے تاثر چہرہ لیے کسی پتھر کے بت کی طرح ساکت بیٹھا' باقی سب کے چہروں کو باری باری تکنے میں مصروف تھا اور وہ تھا آفان شاہ۔ اس کے لیے گویا یہ پورا تماشا کسی سیریل کے دلچسپ سین کی طرح تھا۔
جبکہ اپنی یادداشت کھنگالنے کے باوجود بھی دریکتا کو اپنا وہ کبیرہ گناہ یاد نہیں آ رہا تھا، جس کی آج اس کو اتنی بڑی سزا مل رہی تھی۔
زاویار شاہ کے نام کا بھاری پتھر کسی الزام کی صورت میں اس کے سر پر آ پڑا تھا، وہ شخص جس کا نام کبھی بھی اس کی گڈ بک میں شامل نہ رہا تھا۔ آج جب بار بار اس کے نام کے ساتھ لیا جانے لگا تو اس اذیت کو سہنا نادریکتا کے لیے ممکن نہیں رہا تھا۔ وہ

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

مسلسل آنسو بہانے میں مصروف تھی جب پھپھو کی طنزیہ آواز سماعت میں گونجی۔

''ٹھیک ہے یوسف! میں مان لیتی ہوں جیسا میں سوچ رہی ہوں ویسا نہیں ہے...... مگر پھر بھی صرف یہ دریکتا سے پوچھ کر بتا دو کہ اگر ان ڈاکوؤں نے کچھ ہی دیر بعد انہیں چھوڑ دیا تھا تو پھر یہ دونوں پوری رات جنگل میں کیا کرتے رہے؟''

''چھوڑیں پھپھو! اس سے کیا سوال کر رہی ہیں۔ مجھ سے پوچھیے ناں، میں بتا دیتا ہوں۔'' یہ آواز بہت اچانک دریکتا کی پشت پر ابھری تھی اور آج سے قبل یہ آواز اس کو اتنی بری کبھی نہ لگی تھی جتنی کہ اس وقت محسوس ہوئی۔

''دراصل پھپھو......'' وہ چہکا۔ ''ہم لوگ جنگل میں رات بھر پکنک مناتے رہے تھے۔'' زاویار کی بات پر دریکتا نے اپنی آنکھیں اتنی شدت سے بھینچ لی تھیں کہ آنسوؤں کی لڑیاں اناری رخساروں پر آ گئی تھیں جبکہ اس کی اس بات پر یوسف شاہ ٹپٹا کر رہ گئے تھے۔ سب کی نظریں ایک ساتھ ڈرائنگ روم کے داخلی دروازے کی سمت اٹھی تھیں۔ جہاں سفید کاٹن کے کلف شدہ سوٹ میں ملبوس وہ صبح کی نسبت کافی نکھرا نکھرا کھڑا مسکرا رہا تھا۔ دائیں ہاتھ پر بندھے سرخ رومال کی جگہ اس وقت سفید پٹی بندھی تھی۔

''یہ ادھر کہاں؟'' زاویار شاہ پر نظر پڑتے ہی آفان شاہ اپنی نشست پر پہلو بدل کر رہ گیا تھا کیونکہ اس کے خیال کے مطابق تو زاویار کو صبح ہی شہر کے لیے روانہ ہو جانا چاہیے تھا۔

آفان شاہ کی اس بے اختیارانہ حرکت کا نوٹس لیتے ہوئے ایک کاٹ دار مسکراہٹ زاویار کے لبوں پر نمودار ہوئی تھی جبکہ اس کو اپنے سامنے پا کر صائمہ شاہ کے تو مانو تن بدن میں آگ لگ گئی تھی۔

''اے لڑکے! ذرا تمیز سے۔'' صائمہ پھپھو کے لہجے میں نفرت حد سے سوا تھی۔

''تمیز کے چیپٹر کو مت چھیڑیں پھپھو! یہ بتائیں، اپنے سوال کا جواب سن کر مزا آیا؟'' ڈرائنگ روم کے وسط کے بیچوں بیچ کھڑے زاویار شاہ نے سگریٹ سلگاتے ہوئے بھنویں اچکائیں۔ تانیہ شاہ ایک دم گھبرا کر احد صاحب کی طرف دیکھنے لگیں۔

''زاویار! بی ہیو یور سیلف۔'' احد صاحب نے اسے ٹوکا۔

''اوں ہوں...... چاچو بات کرنے دیں نا۔ کب سے سوال کر کر کے یہ یوسف ادا کا سر کھائے جا رہی ہیں، ان کی تسلی میں کروا دیتا ہوں۔''

''اپنی بکواس بند کرو لڑکے۔'' حسب توقع صائمہ پھپھو بھڑک اٹھی تھیں۔

''تسلی تو میں تمہاری کر کے جاؤں گی اور تم تانیہ! یہ تربیت کی ہے تم نے اپنے بیٹے کی۔'' وہ اب بھاوج کی جانب مڑی تھیں۔

''زاوی پلیز۔'' تانیہ شاہ دوڑ کر اس کے پاس آئی تھیں۔ رانیہ نے دیکھا' یوسف شاہ اس سارے تماشے میں کسی بت کی طرح سر جھکائے بیٹھے تھے۔

''تربیت کی بات خوب کہی آپ نے۔'' زاویار نے مسکراہٹ کو بہ مشکل لبوں پر آنے سے روکا تھا۔

''ذرا پوچھیے تو اپنے سپوت سے...... کل جب وہ ڈاکو اس کی فیانسی کو اٹھا کر اپنے ساتھ لے جا رہے تھے تو یہ چوہوں کی طرح میری گاڑی کے پیچھے چھپا کیا ٹائروں میں سے ہوا نکال رہا تھا، بزدل نہ ہو تو...... اور آج آپ آ گئیں ادھر، سوال جواب کرنے۔ اگر ایسی ہی سلجھی ہوئی تربیت اپنے اس نورِ نظر کی کی ہوتی تو ضرور میرے بجائے آج اس کی زبانی جنگل کی پکنک والا واقعہ سن رہی ہوتیں آپ۔''

''زاویار شاہ۔'' اس نے آفان کی طرف پتھر پھینکا تھا، کیسے ممکن تھا کہ وہ بلبلا کر اپنی جگہ سے نہ اٹھ کھڑا ہوتا۔

''اتنا ہی خیال ہے زاویار خیام تمہیں میری فیانسی کا تو تم ہی کر لو نا پھر اس کے ساتھ نکاح۔'' آفان کے لہجے میں چیلنج تھا۔

www.urdusoftbooks.com
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

وہ ساکت نگاہوں سے آفان شاہ کا چہرہ تکنے لگا اور جانے کتنی دیر تک وہ یوں ہی کھڑا رہتا اگر ڈرائنگ روم کی فضاؤں میں پھیلے سناٹے کو دریکتا شاہ کی آواز نے نہ توڑا ہوتا۔

وہ کسی زخمی شیرنی کی طرح چلتی اس تک آئی تھی اور پھر بڑے ہی سپاٹ انداز میں زاویار کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے گویا ہوئی۔

''اتنا تماشا بڑھانے کا فائدہ مسٹر زاویار خیام! برائے کرم میری زندگی کا فیصلہ عزت کے ساتھ ہو جانے دیجیے۔'' ہرنی جیسی آنکھوں میں کرب کا تلاطم لیے اپنی بات مکمل کرنے کے بعد وہ وہاں رکی نہیں تھی بلکہ سرعت سے ڈرائنگ روم کے دروازے کی طرف بڑھ گئی تھی۔

لیکن پھر دوسرے ہی پل اس کو رک جانا پڑا تھا کیونکہ صور ہی ایسا پھونکا تھا زاویار شاہ نے اس کی سماعت میں۔

''ٹھیک ہے آفان شاہ! اگر یہ ہی تمہاری خواہش ہے تو ایسا ہی سہی...... میں ابھی اور اسی وقت دریکتا شاہ کے ساتھ نکاح کرنے کو تیار ہوں، مگر ایک شرط ہے...... تم اور پھپھو مٹھائی کھا کر جانا۔ چاچو آپ نکاح کا بندوبست کریں، میں تیار ہوں۔'' اس نے پلٹ کر حیران کھڑے احد شاہ کو مخاطب کیا تھا اور اس کے ساتھ ہی آفان شاہ کے تمام ارمانوں پر اوس آ پڑی تھی۔ وہ جو خوب تماشا لگانے کے بعد دریکتا شاہ کو بیاہ کر لے جانے کا ارادہ رکھتا تھا، بازی کے یوں اچانک پلٹ جانے پر بت ہی بن گیا تھا۔

''یوسف ادا! آئم رئیلی سوری۔'' زاویار نے ساکت بیٹھے بہنوئی سے معذرت کی تھی، پھر اپنے سیل پر مختلف نمبرز ڈائل کرتا وہ دریکتا شاہ کے پیچھے ہی ڈرائنگ روم سے باہر نکل گیا تھا۔ تانیہ بیگم نے ناگواری سے سر جھٹکا، انہیں زاویار کا فیصلہ قطعی نہیں بھایا تھا۔

جبکہ رانیہ آپی بھیگی آنکھوں کے سنگ مسکرا دی تھیں۔

''اٹھیے اماں چلیں، ہمیں اب یہاں مزید ایک پل نہیں رکنا۔'' ہوش میں آتے ہی آفان نے ماں کو مخاطب کیا تھا۔

پھر دوسرے ہی لمحے سامنے پڑی کرسی کو ٹھوکر مارتا وہ حویلی کی حدوں سے نکلتا چلا گیا تھا۔ صائمہ شاہ بھی بھیگی بلی کی طرح بیٹے کے پیچھے ہو لی تھیں۔

☆☆☆

کچھ ہی دیر میں نکاح کا انتظام کر لیا گیا تھا۔ زاویار کے چند دوست جو اس حادثے کی خبر سن کر اس کی مزاج پرسی کرنے کا ارادے سے گاؤں آ رہے تھے۔ یہاں پہنچے تو دوست کے نکاح میں شرکت کرنے کا موقع مل گیا۔ دریکتا کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کس طرح اس نکاح کو روکے۔ زاویار خیام کے ساتھ اس کا کوئی جوڑ نہیں بنتا تھا، یہ بات وہ اچھی طرح سے جانتی تھی مگر مشکل یہ تھی کہ وہ کس طرح رانیہ بھابھی کے سامنے ان کے بھائی کے ساتھ نکاح پر انکار کر دیتی جبکہ بھابھی کی محبتوں کی تو وہ ہمیشہ سے مقروض رہی تھی۔

اور سب سے بڑی بات اس تمام عرصے میں در نے یوسف ادا سائیں کو پہلی مرتبہ یوں مسکراتے ہوئے دیکھا۔ ابھی کچھ دیر قبل ہی تو وہ اس کے پاس آئے تھے۔

''دریکتا! دیکھا تم نے، میرا رب کتنا کریم ہے۔ وہ اگر ایک راستہ بند کرتا ہے تو ہزاروں در کھول دیتا ہے، اللہ سائیں کے اس احسان کو کبھی مت بھولنا میری بہن۔ اس رشتے کی ہمیشہ دل سے قدر کرنا۔ میری دعا ہے تم سدا سلامت رہو۔''

اور تب ادا سائیں کی خوشی کے لیے اس نے اپنا سر جھکا لیا تھا۔ نکاح نامے پر دستخط کرتے ہوئے اس نے اپنے تمام آنسو بہا ڈالے تھے۔

بعد میں جب دستخط کروانے کی خاطر وہی نکاح نامہ زاویار شاہ کے سامنے کھولا گیا تو اس پر ثبت آنسوؤں کے نشانات دیکھ کر وہ اپنے لب بھینچ کر رہ گیا تھا۔

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

وقت کرتا ہے پرورش برسوں
حادثہ ایک دم نہیں ہوتا

☆☆☆

تانیہ بیگم نے اپنی ناپسندیدگی کا اظہار پہلے ہی روز کر دیا تھا۔

"مجھے زاویار کے اس اچانک فیصلے کی وجہ سمجھ میں نہیں آئی، لیکن اتنا کہوں گی اس نے تمہارا انتخاب کر کے میرا دل ضرور توڑ دیا ہے۔ اس کی بیوی کے لیے میں نے کیا کیا خواب نہیں سجائے تھے۔"

"آئم رئیلی سوری آنٹی! میری وجہ سے آپ کو ہرٹ ہونا پڑا، میں بہت شرمندہ ہوں۔" اپنے آنسوؤں کو پلکوں پر روکتے ہوئے اس نے کہا اور پھر وہاں سے ہٹ گئی تھی۔

ماں نے دن میں اظہار کیا تھا اور بیٹے نے رات میں اسے اس کی اپنی اوقات یاد دلا دی تھی۔

زاویار خیام کے بیڈروم میں اسے صفا چھوڑ کر گئی تھی۔ سفید اور نیلے رنگ کے فرنیچر اور پردوں سے سجا یہ پرتعیش کمرہ اس شخص کی خواب گاہ کہلاتا تھا جس کی زندگی میں شامل ہونے کا تصور اس نے کبھی خواب میں بھی نہیں کیا تھا۔

دریکتا گرنے کے انداز میں کاؤچ پر بیٹھ کر سسکنے لگی تھی۔

وہ خود فراموشی کے عالم میں گھری جانے کب تک بیٹھی یوں ہی آنسو بہاتی رہتی۔ اگر جو واش روم کا دروازہ اچانک نہ کھلا ہوتا۔ وہ جو شاور لینے کے بعد اپنی دھن میں باتھ گاؤن زیب تن کیے باہر نکلا تھا۔ پنک اینڈ وائٹ امتزاج کے سادہ سے کاٹن کے سوٹ میں ملبوس اس لڑکی کو اس وقت اپنے کمرے میں پا کر ٹھٹک سا گیا مگر پھر اگلے ہی لمحے سنبھل کر وہ آگے بڑھ چکا تھا۔ شاید اس کو یاد آ چکا تھا کہ آج سے چار روز قبل وہ دریکتا شاہ کے ساتھ نکاح کر چکا ہے۔ درِ ے نے کن اکھیوں سے دیکھا، وہ الماری کھولے اپنے لیے شب خوابی کے لباس کا انتخاب کر رہا تھا۔

"میں...... وہ مجھے یہاں پر صفا چھوڑ کر گئی تھی۔" درِ ے نے صفائی دی کیونکہ واش روم سے باہر نکلتے وقت خود پر نظر پڑتے ہی وہ زاویار کا ٹھٹکنا محسوس کر چکی تھی۔

گاؤن منتخب کر کے اچانک وہ اس کی سمت مڑا، پھر ایک ترش نگاہ دریکتا کی گھنیری و بھیگی پلکوں پر ڈالنے کے بعد گویا ہوا۔

"ریلیکس...... اٹس ناٹ آ بگ ایشو، تمہارے ساتھ نکاح کر کے خیام ہاؤس میں لایا ہوں تو ظاہر ہے میرے ہی بیڈروم میں رہو گی تم۔" انداز میں بلا کی بے پروائی تھی، وہ بس اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔

"ایک بات یاد رکھنا دریکتا شاہ! تمہارا نام میری گڈ بک میں کبھی شامل نہیں رہا ہے۔ پھر بھی اتفاق دیکھو تم اس وقت میری زندگی میں شامل ہو چکی ہو۔ تمہارے ساتھ نکاح شاید قسمت میں لکھا تھا، ویل میں اس رشتے کو نبھانے کی بھرپور کوشش کروں گا، بس تم ایک بات کا خیال رکھنا مجھے اپنی پرسنل لائف میں کسی کی بھی دخل اندازی پسند نہیں ہے۔ سو بی کیئر فل۔" سپاٹ سے لہجے میں اپنا موقف اس تک پہنچانے کے بعد وہ ڈریسنگ روم میں گھس گیا تھا۔ جبکہ بھڑ بھڑ جلتے وجود کے ساتھ وہ وہیں کھڑی رہ گئی تھی۔

وہ تو اپنی بات کہہ کر چل دیا تھا مگر اس کا حساب ابھی باقی تھا، پورے دس منٹ بعد لباس تبدیل کر کے وہ واپس کمرے میں آیا اور اس کو ابھی تک پہلے والی پوزیشن میں کھڑا پایا تو ٹھہر گیا۔

"اینی پرابلم؟"

"جی مجھے کچھ کہنا ہے۔" وہ اپنا اعتماد بحال کر چکی تھی۔

ہوں؟" بیڈ کراؤن کے ساتھ ٹیک لگاتے ہوئے ایک عدد سگریٹ سلگانے کے بعد وہ اس کی طرف متوجہ ہوا تھا۔

"بات یہ ہے مسٹر زاویار شاہ کہ......" سر

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

جھکائے اپنی انگلیاں مسلتی وہ گویا ہوئی تھی۔

"کہ......؟" سگریٹ کا کش لیتے ہوئے دھوئیں کا مرغولہ فضا میں تحلیل کرتا زاویار اس کے تمہید باندھنے کے انداز پر استہزائیہ مسکرایا تھا۔

اس کی مسکراہٹ کو دیکھتی دریکتا بل کھا کر رہ گئی تھی اور پھر یہ ہی وجہ تھی کہ بنا رکے اس نے اپنی بات مکمل کر دی تھی۔

"کہ فقط اتنا ہی کہ میری گڈ بک میں بھی کبھی آپ جیسی شخصیت کا نام شامل نہیں رہا، مگر جیسے آپ نے کہا یہ نکاح ہم دونوں کے مقدر میں لکھا تھا شاید...... ویل میں بھی اس رشتے کو آپ ہی کی طرح نبھانے کی بھرپور کوشش کروں گی۔ مگر میری آپ سے ایک ریکویسٹ ہے اور وہ یہ کہ ہمارے رشتے میں موجود سرد مہری کا اندازہ ادا سائیں اور رانیہ بھابھی کو کبھی نہیں ہونا چاہیے۔" اپنی بات مکمل کرنے کے فوراً بعد وہ ڈریسنگ روم کی جانب بڑھ گئی تھی کیوں کہ صفا نے اس کے کپڑوں کا بیگ ڈریسنگ روم میں ہی رکھوایا تھا۔

"کریزی چلی۔"

دریکتا کے وہاں سے دفع ہونے کے بعد وہ بڑبڑایا پھر ہاتھ میں موجود سگریٹ کو ایش ٹرے میں مسل کر بتی بند کی اور بیڈ پر لیٹ گیا۔

آدھے گھنٹے بعد فریش ہو کر وہ کمرے میں واپس آئی تو اندھیرے نے آگے بڑھ کر استقبال کیا تھا۔ اس کا ارادہ صوفے پر لیٹنے کا تھا مگر زیرو لائٹ بلب کی روشنی میں بیڈ پر درمیان میں سجے تکیے پر نظر پڑی تو اس نے سکھ کا سانس لیا اور چپکے سے دوسری جانب آ کر لیٹ گئی تھی۔ زاویار شاہ کب کا نیند کی وادیوں میں اتر چکا تھا۔ اس کا اندازہ اس شخص کی ایک دوجے کے ساتھ جڑی پلکوں کو دیکھ کر ہوتا تھا۔

دریکتا نے بھی خاموشی سے اپنی پلکیں موند لی تھیں، لیکن یہ اور بات تھی کہ رات بھر رت جگوں کا رقص آنکھوں کے اس پار جاری رہا تھا۔

کوئی گماں بھی نہیں، درمیان گماں ہے یہ ہی
اس گماں کو بچا لوں کہ درمیان ہے یہ ہی

☆☆☆

"دری بیٹا! پھر آپ نے آگے کیا سوچا ہے؟" خیام ہاؤس کے تمام افراد اس وقت رات کے کھانے کی میز کے گرد موجود تھے جب احمد شاہ نے اچانک اس کو مخاطب کر لیا تھا۔ سوئے اتفاق کہ آج زاویار بھی رات کے کھانے پر موجود تھا۔ ورنہ اس کے معمولات میں رات کو اکثر دیر سے گھر لوٹنا شامل تھا۔

"جی چاچو کس بارے میں؟" سوالیہ انداز میں درے نے ایک نظر تانیہ بیگم پر ڈالنے کے بعد احمد صاحب سے پوچھا تھا۔

"کم آن بیٹا! میں آپ کی اسٹڈیز کے متعلق پوچھ رہا ہوں۔" وہ مسکرائے۔

"جی چاچو! دراصل میں نے مائگریشن کے لیے ٹرائی کیا تھا اور کل مائگریشن لیٹر مل چکا ہے۔"

"ویری گڈ، تو پھر کراچی ہی کی کسی یونیورسٹی کو جوائن کر لیں۔ فارغ بیٹھنے سے کچھ نہ کچھ کرتے رہنا بہتر ہے۔"

"تمہارا کیا خیال ہے زاویار؟" احمد چاچو نے کانٹے کی مدد سے پاستا کھاتے زاویار کو مخاطب کیا جس کی پوری توجہ اس وقت کھانے کی طرف تھی۔

"ہوں...... جیسا اس کو بہتر لگے، ایز ہر وش مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔" بنا دریکتا یا کسی اور کی سمت دیکھے پاستا کو انجوائے کرتا وہ یوں بولا تھا گویا اس وقت پاستا کھانے کے علاوہ کوئی اور کام اس کے لیے ضروری نہ ہو۔

"بیٹر آئیڈیا...... پاپا! دریکتا کو میری یونیورسٹی میں ایڈمیشن لینا چاہیے۔" بھائی کی بات سن کر صفا شاہ چہکی تھی۔

جبکہ درے نے محسوس کیا تھا کہ زاویار شاہ کے لاتعلق انداز کا نوٹس لیتے ہوئے تانی بیگم کے لبوں کی تراش میں ایک بے حد ہی پرسکون مسکراہٹ چمکی تھی۔

نہ چاہتے ہوئے بھی سبکی کے گہرے احساس

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

نے اس کو گھیر لیا تھا۔ کھانے سے اچانک دریکتا کا دل اچاٹ ہو گیا تھا۔

☆☆☆

ہے کچھ عجب معاملہ درپیش
عقل کو آگہی سے خطرہ ہے
میں کہوں کس طرح یہ بات اس سے
تجھ کو جانم مجھ ہی سے خطرہ ہے

اس کا یونیورسٹی میں ایڈمیشن ہو چکا تھا اور کل سے اسے جوائن کرنا تھا۔ یہ بات گھر میں سب کے علم میں تھی ایک سوائے زاویار شاہ کے۔ اس کے پاس تو شاید دو پل کی فرصت بھی نہ تھی کہ رک کر دریکتا کی بات سن لیتا۔

صبح دس بجے اٹھ کر وہ آفس چلا جاتا تھا، رات کو اکثر اس وقت گھر میں داخل ہوتا جب دریکتا نیند کی وادیوں کی سیر کرنے میں مصروف ہو چکی ہوتی۔

آفس کے بعد زاویار کی وہ ہی مصروفیات تھیں جو شادی سے پہلے ہوا کرتی تھیں۔

شام ڈھلے کلب جانا' پارٹیز اٹینڈ کرنا، سب کچھ ایک ساتھ چلتا رہتا تھا۔ دریکتا نے بھی پلٹ کر اس کے کسی بھی معاملے میں دخل دینے کی کوشش نہیں کی تھی۔ وہ دونوں اجنبیوں کی طرح ایک چھت کے نیچے گویا مجبوری میں رہ رہے تھے۔ حد تو یہ تھی کہ اس نے بھی روایتی بیویوں کی طرح خدمت کر کے زاویار کا دل جیتنے تک کی کوشش نہیں کی تھی حالانکہ شادی کے اوائل دنوں میں تانیہ شاہ کو لگا تھا کہ شاید وہ لڑکی ایسا کر کے اپنی قسمت ضرور آزمائے۔

پر وہ کہاں جانتی تھیں کہ اول تو دوسری جانب چانس نہیں تھا اور پھر دریکتا شاہ کا دل بھی ان کے بیٹے کی جانب کب مائل تھا بھلا؟ در تو ایک ہی مرتبہ کوشش کر کے وہ پچھتائی تھی کہ کانوں کا ہاتھ لگا کر بیٹھ گئی۔

ہوا کچھ یوں کہ اس روز وہ اتفاق سے جلد گھر آ گیا تھا، وہ بھی اس وقت جاگ رہی تھی اور اس وقت بیڈ پر لیٹی پروین شاکر کی "انکار" کو پڑھ رہی تھی۔ جب کمرے کا دروازہ کھلا اور تھکا تھکا سا وہ کمرے میں اندر داخل ہوا تھا۔

"السلام علیکم!"

ریڈ کلر کے اسٹائلش لانگ شرٹ اینڈ بلیک جینز میں دوپٹے کو شانوں کے گرد لپیٹے وہ لٹھ مار انداز میں ہی سہی اس پر سلامتی بھیج چکی تھی۔ جواباً گردن کو خفیف سی حرکت دیتا وہ ڈریسنگ ٹیبل کے آگے جا کھڑا ہوا تھا۔

"کھانا لاؤں آپ کے لیے؟"

گھڑی اتارنے کے بعد وہ اب ٹائی سے پن نکال رہا تھا۔ جب "انکار" کو تکیے کے نیچے چھپاتی وہ بستر سے اٹھتے ہوئے کھانے کا پوچھ بیٹھی۔

"آر یو فائن؟" دوسرے ہی پل وہ پورا کا پورا اس کی جانب گھوم چکا تھا۔

"جی......" وہ بڑبڑا گئی۔

"مجھے تو نہیں لگ رہا۔" اپنی گردن میں بچی ٹائی کی ناٹ کو ڈھیلا کرتے وہ طنزیہ انداز میں مسکرایا تھا۔

"اگر واقعی تمہاری طبیعت ٹھیک ہے تو پھر یہ ڈراما کرنے کی کیا ضرورت ہے؟"

"کسی سے کھانے کا پوچھنا آپ کو ڈراما لگتا ہے؟" جانے کیوں وہ چپ نہ رہ سکی تھی۔

"نہیں۔" خود کو گرہ کی قید سے آزاد کرتا وہ نفی میں گردن ہلاتے ہنستا تھا۔

"مگر اس طرح فکر مندی ظاہر کرنے والے سین کری ایٹ کرنا مجھے ڈراما لگتے ہیں اور میرا مشورہ مانو تو تانیہ بیگم کی کمپنی میں ذرا کم ہی رہا کرو تم۔ اگر ان سے اداکاری سیکھ لی تو پھر میں تو گیا۔" بائیں ہاتھ کی دو انگلیوں کو آپس میں جوڑ کر فرضی پسٹل بنایا پھر بڑے ہی اسٹائل کے ساتھ دونوں انگلیوں کو اپنی کنپٹیوں پر مارتے ہوئے اس نے دماغ کا فیوز اڑا کر دکھا دیا۔

اور وہ بس اس کا چہرہ تکتی رہ گئی تھی۔ جبکہ کوٹ کو بیڈ پر اچھالتا وہ وہاں سے ہٹ گیا تھا اور آج پھر دریکتا شاہ کو اس مشکل پسند کا سامنا تھا۔ یونیورسٹی کا

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

کل پہلا دن تھا اور رانیہ بھابھی کی ہدایت کے مطابق زاویار کو اطلاع دینا ضروری تھا۔

☆☆☆

میں نہ ٹھہروں نہ جان تُو ٹھہرے
کون لمحوں کے روبرو ٹھہرے

وائٹ ٹائٹ پر پرپل کلر کی اے لائن شرٹ پہنے دوپٹا گود میں ڈالے وہ اس کے انتظار میں ادھر اُدھر ٹہل رہی تھی۔ جب وہ "جون" کا شعر گنگناتا بے حد اچھے موڈ کے ساتھ بیڈروم میں داخل ہوا۔

"جون؟"

اس وقت زاویار کے منہ سے اپنے فیورٹ شاعر کا شعر سن کر وہ حیران ہوتی قریب آئی تھی۔

"نہیں زاویار خیام!" رک کر اس کی آنکھوں میں جھانک کر اطلاع دیتا وہ بیڈ پر جا بیٹھا تھا۔

وہ جھینپ کر مسکرائی۔ "میرا مطلب ہے جون کا شعر تھا۔"

"تو میں نے کب کہا کہ ناچیز کا تھا۔" جھک کر بوٹ کے تسمے کھولتا بنا اس کی جانب دیکھے وہ بولا تھا۔

مگر وہ جانے آج کون سی دھن میں تھی کہ جیسے اس کی بات ہی نہ سنی تھی اور ایک بے خودی کی کیفیت میں اسی غزل کا دوسرا شعر اس کے سامنے خود پڑھ دیا۔

کج ادا تھی بہت امید مگر
ہم بھی "جون" ایک حیلہ جو ٹھہرے

وہ خاموش ہوئی تو زاویار کے لب ہلے۔

اک توجہ عجب ہے سمتوں میں
کہ نہ بولوں تو گفتگو ٹھہرے

"واؤ اٹس گریٹ لائنیں۔"

جواب میں زاویار کے شعر پڑھنے پر اس کو مزا ہی تو آ گیا تھا۔ مسکراتے ہوئے چہرہ اوپر کو اٹھایا اور اس کی سمت دیکھنے لگی وہ بھی ادھر ہی متوجہ تھا۔ نظروں کے تصادم پر فوراً نگاہ کا زاویہ بدل گیا۔

جوتوں کی قید سے پاؤں وہ آزاد کر چکا تھا، سو فوراً بیڈ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ جبکہ وہ کھوئے کھوئے انداز میں ابھی تک وہیں کھڑی اس شخص کی چوڑی پشت کو تک رہی تھی، جو اب وارڈ روب کھولے کھڑا تھا۔

"آپ کو پتا ہے جون ایلیا از مائی فیورٹ پوئٹ۔ ان کے تقریباً سارے شعری مجموعے، شاید گمان یعنی، میرے پاس موجود ہیں۔" یہ شاعری کا موضوع نکلنے کا اثر تھا جو اس وقت باقی سب باتیں بھلائے وہ اس سے مخاطب تھی۔

مگر اس پل سکی کو ایک شدید لہر اس کے اندر تک اتر گئی تھی، جب اپنے لیے کسی سلیپنگ گاؤن کا انتخاب کرنے کے بعد زاویار خیام نے پلٹ کر ایک بے حد سپاٹ نگاہ اس کے مسکراتے ہوئے چہرے پر ڈالی تھی اور پھر بنا کچھ کہے وہ ڈریسنگ روم کی طرف بڑھ گیا تھا۔

باغِ جاں سے ملا نہ کوئی ثمر
جون ہم تو لہو لہو ٹھہرے

دریکتا نے گھنیری پلکوں کو جھپک کر آنسو روکنے کی سعی کرتے خود کو بے ساختہ ملامت کی تھی۔

☆☆☆

اس نے خود کو مصروفیات میں گم کر دیا تھا، صبح یونیورسٹی جاتی شام کو کبھی لان کے پودوں کی کاٹ چھانٹ کر دی تو کبھی کوئی اچھی سی کتاب لے کر ٹیرس پر آ کر بیٹھ جاتی پھر ان ہی دنوں رانیہ بھابھی کے فون پر مشورہ دینے پر اس نے احد چاچو سے اجازت لے کر کوکنگ اینڈ فلاور میکنگ کا کورس کرنے کا ارادہ کر لیا۔ دوپہر میں یونیورسٹی سے آ کر کچھ دیر آرام کرنے کے بعد وہ سینٹر چلی جایا کرتی تھی۔

تانیہ بیگم ایک سوشل ورکر تھیں۔ ان کی دن بھر کی اپنی مصروفیات تھیں۔ صفا کمپیوٹر میں ڈپلومہ کر رہی تھی، سو اس کی شام بھی کمپیوٹر سینٹر میں گزر جاتی تھی۔ زاویار شاہ نے اپنی ایک الگ دنیا بسا رکھی تھی، سب سے الگ، کبھی موڈ ہوا تو بہن یا چاچو سے بات کر لی ورنہ اپنی ذات میں مگن۔

اس دن بھی وہ سینٹر جانے کے ارادے سے شام کو تیار ہو کے نیچے آئی تھی۔

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

جب تانیہ شاہ کو لاؤنج میں صوفہ پر نڈھال انداز میں نیم دراز دیکھ کر چونک سی گئی۔

"کیا بات ہے آنٹی! آپ کی طبیعت ٹھیک ہے؟" ان کے قریب جا کر دریکتا نے پوچھا تھا۔

"ہاں...... وہ......" وہ پھیکے سے انداز میں مسکرائی تھیں۔ "بس ذرا یوں ہی سر میں تھوڑا سا درد ہو رہا تھا۔"

"میں سر دبا دوں آپ کا؟" اس نے بے اختیار آفر کی تھی۔

"بھئی رہنے دو تم...... اور جاؤ اپنے سینٹر۔ ابھی دوائی لے لیتی ہوں ٹھیک ہو جائے گا۔" انہوں نے ہاتھ اٹھا کر اس کو منع کرنا چاہا تھا۔

"کوئی بات نہیں آنٹی! سینٹر میں کل چلی جاؤں گی اور دوائی سے واقعی درد ٹھیک ہو جائے گا مگر پھر واپس آ جائے گا۔ لیکن دیکھیے گا آپ دریکتا شاہ کے سر دبانے سے یہ ایسا جائے گا کہ پھر کبھی ادھر کا رخ نہیں کرے گا۔" شریر لہجے کہتے میں وہ صوفے کے پیچھے آ کھڑی ہوئی تھی۔

تانیہ بیگم نے کچھ کہنے کے لیے لب وا کیے تھے پھر کچھ سوچ کر آنکھیں موند لیں کہ دری کی نرم نرم ہتھیلیوں کا لمس اپنی پیشانی پر محسوس کرتے ہوئے انہیں بے پناہ سکون کا احساس ہوا تھا۔

☆☆☆

"کیا کہہ رہی ہیں بھابھی آپ واقعی؟"

رانیہ بھابھی کی بات سن کر اس کو یقین ہی نہیں آیا تھا۔ "میں کہہ رہی ہوں دریکتا کہ پھپھو کی طبیعت خراب تھی سو اسی لیے مجھے اور یوسف کو وہاں جانا پڑا تھا۔ ان کی عیادت کے غرض سے۔"

کیا ہو گیا ہے بھابھی ادا سائیں کو...... اپنی بہن کے ساتھ ہونے والی ناانصافی اور اپنی بے عزتی کو بھول چکے ہیں کیا وہ جو پھر ان لوگوں کے ساتھ رابطہ جوڑنے بیٹھ گئے ہیں؟" دُرے کا اشتعال کے مارے برا حال ہو رہا تھا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ کسی طرح ادا سائیں کو آفان شاہ کی پرچھائی سے بھی دور لے جاتی۔

"کیا کہوں دریکتا میری تو خود سمجھ میں نہیں آ رہا...... میں نے انہیں سمجھانے کی کوشش کی تو الٹا کہنے لگے۔ "شکر ہے میں تو پھپھو کی علالت کے غرض سے ان لوگوں کی جانب جا رہا ہوں۔ زاویار تو آفان کو اپنے ساتھ لیے گھومتا پھر رہا ہے۔"

واٹ......؟

کوئی بم تھا جو اس بار بھابھی نے سیدھا اس کے سر پر دے مارا تھا۔

"نہیں ایسا نہیں ہو سکتا...... ادا سائیں کو ضرور کوئی غلط فہمی ہوئی ہو گی۔" بے خودی میں گھری وہ سر نفی میں ہلانے لگی تھی۔ جبکہ بھابھی دوسری جانب کہہ رہی تھیں۔

"یوسف بتا رہے تھے آفان نے پہل کی ہے زاویار کو منانے کی اور وہ آفان کو معاف کر چکا ہے۔" بھابھی کی آخری بات پر وہ چکرا ہی تو گئی تھی۔

فون بند کرنے کے بعد اس وقت اس نے اس کو یوسف ادا کی غلط فہمی قرار دیا تھا۔ اور نہیں جانتی تھی کہ بہت جلد اس کی اپنی غلط فہمی دور ہونے والی ہے۔

☆☆☆

"دریکتا بیٹا آپ پلیز زاوی کے لیے کھانا گرم کر لا دیں گی" وہ اس وقت صفا کے ساتھ لاؤنج میں بیٹھی آئی فون پر مارکیٹ میں نئے آئے ملبوسات کا جائزہ لینے میں مگن تھی جب اپنے نئے پراجیکٹ کے سلسلے میں آفس سے ابھی لوٹے زاویار کے ساتھ بات چیت کرتے احد چاچو اس سے اچانک بولے تھے۔

"جی بہتر......" مرے مرے لہجے میں جواب دیتی وہ اٹھ کر کچن میں آ گئی تھی۔

"گڈ نائٹ بابا" صفا نے ہاتھ میں پکڑا آئی فون بند کیا اور بھائی کو شب بخیر کہہ کر کے اپنے کمرے کی طرف چل دی۔

آج مایا کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی سو وہ اپنے

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

کوارٹر میں کب آرام کرنے جا چکی تھی۔
یہ ہی وجہ تھی کہ احد صاحب نے زاویار کے لیے کھانا گرم کر کے لانے کو دریکتا سے کہا تھا۔
لیکن وہ تو کچن میں ایسی گھسی کہ باہر نکلنے کا نام نہ لیا یہاں تک کہ احد چاچو بھی اٹھ کر اپنے بیڈروم میں جا چکے تھے۔
وہ جو آفس سے آج سیدھا گھر آ گیا تھا۔ اس وقت شدید بھوک میں مبتلا کئی بار سر اٹھا کر کچن کے دروازے کی جانب دیکھ چکا تھا۔
"یہ کھانا گرم کرنے گئی ہے یا کسی بکرے کے پائے تیار کرنے؟"
آدھا گھنٹہ گزر جانے کے باوجود بھی جب دریکتا نے کچن سے جھانک کر نہ دیکھا تو بالآخر اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوا اور دوسرے ہی لمحے وہ اٹھ کر کچن میں جا گھسا تھا۔
"ارے آپ؟؟" اندر داخل ہوئے زاویار پر نگاہ پڑتے ہی کوکنگ رینج کے پاس کھڑی وہ ہاتھ میں پکڑی لال گاجر کو دانتوں کی مدد سے کترتے ہوئے بڑی بے نیازی کے ساتھ مسکرائی تھی۔
اور اب وہ ایسا نادان بچہ بھی نہ تھا کہ اس قدر دل جلانے والی مسکراہٹ کا مطلب نہ سمجھ پاتا۔
نظریں دوڑانے پر برنر کے قریب آگ تو کیا کوئی چنگاری بھی اسے دکھائی نہ دی تھی۔
مائیکرو ویو اوون پر ایک نظر ڈالنے کے بعد زاویار نے دوسری کھا جانے والی نگاہ اس پر ڈالی تھی۔
اور جب بولا تو لہجے سے چنگاریاں اٹھ رہی تھیں۔
"یہ کیرٹ کھا کر او ور اسمارٹ بننے کی فضول کوشش کر رہی ہو دریکتا شاہ تم...... کیونکہ عقل گاجر میں نہیں کھانے والے کے دماغ میں ہوتی ہے۔"
"بجا فرمایا زاویار صاحب آپ نے...... مگر ہر گاجر کھانے والا بندہ عقل بھی خرگوش جیسی رکھتا ہو یہ ضروری نہیں ہوتا۔" مسکرا کر اس کی آنکھوں میں جھانکتی وہ اسے سلگا ہی تو گئی۔
"یو...... ! چاچو نے کھانا گرم کرنے کے لیے تمہارے بھوت سے کہا تھا۔" آگے بڑھ کر اس کا چہرہ اپنی جانب موڑتے ہوئے وہ غرایا۔
"اگر بھوت سے کہتے چاچو تو وہ ضرور کھانا گرم کر کے لا دیتا...... لیکن میں تو...... میں تو آپ سے ڈرتی ہوں ناں؟" دریکتا کی ایکٹنگ کمال کی تھی۔
"کیوں' کھانا گرم کر کے لانے پر کیا میں تمہیں کھا جاتا؟" زاویار نے دانت کچکچائے۔
"نہیں......" دریکتا نے آنکھیں پٹپٹائیں۔" پر آپ خفا تو ہوتے ناں......"
"میں خفا......؟"
در نے محسوس کیا کہ زاویار نے اس مرتبہ دانستہ اپنے الفاظ کا گلا گھونٹا تھا۔
"ہاں آپ ہی تو اس روز کہہ رہے تھے کہ سین ڈراما، ایکٹنگ وغیرہ وغیرہ...... لفظ لفظ کو چبا کر ادا کرتی وہ اسے حیران کر چکی تھی۔
"مائی گڈنیس......" وہ اب سمجھا تھا کہ کب کا بدلہ وہ آج نکال رہی تھی۔
"کیا کہتے ہیں پھر کرلوں ڈراما......؟"
جھٹکے سے اس کا بازو چھوڑ کر وہ کچن سے باہر نکلنے لگا تھا جب اپنی مسکراہٹ کو دباتے ہوئے وہ پیچھے سے بولی تھی۔
"آئی مین گرم کردوں کھانا۔"
زاویار کے پلٹ کر دیکھنے پر اس کی گڑبڑانے کی اداکاری بھرپور تھی۔
"جہنم میں جاؤ تم...... اور وہاں جا کر یہ تمام کھانا ادھر دوزخیوں میں بانٹ دینا۔"
پیر پٹختا وہ کچن سے واک آؤٹ کر چکا تھا۔
"کمال کرتے ہیں زاویار خیام......!!"
اس کے وہاں سے جانے کے بعد وہ ڈھیرے سے ہنس دی تھی۔
"بھلا آپ سے بڑھ کر بھی کوئی اور جہنمی ہوگا...... سو کیا یاد کریں گے! آپ آج کا سارا کھانا

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

صرف ایک جہنمی کے لیے۔"
دریکتا نے آگے بڑھ کر مائیکرو یو کا سوئچ آن کر دیا تھا۔
کیونکہ کھانا تو وہ اوون کے اندر پہلے ہی رکھ چکی تھی۔

☆☆☆

کچھ ہی دیر بعد کھانے کی ٹرے اٹھائے وہ اوپر کمرے میں داخل ہوئی تھی۔
کپڑے تبدیل کیے بنا وہ جوتوں سمیت آنکھوں پر ہاتھ دھرے بستر پر چت لیٹا نظر آیا تھا۔
شریری مسکان لبوں کی تراش میں چھپائے وہ آگے بڑھتی گئی تھی اور پھر چپکے سے کھانے کی ٹرے کو بیڈ پر اس کے بالکل پاس رکھ دیا۔
چند ساعتیں گزر جانے کے باوجود جب زاویار نے آنکھوں پر دھرا بازو نہ ہٹایا تو دریکتا نے کچھ سوچ کر سالن نکالنے والا چمچ چینی کی پلیٹ پر کچھ اس انداز سے مارا تھا گویا ڈونگے سے سالن پلیٹ میں نکالا جا رہا ہو۔ اور ابھی وہ سالن کے شوربے میں روٹی کا نوالہ ڈبو کر زاویار کے منہ میں ڈال دے گی۔ مگر حیرت کی بات تھی کہ وہ چینی کے برتنوں میں خوامخواہ کی کھنک پیدا کرتی دوسرے ہی پل خاموشی سے صوفے پر جا کر بیٹھ گئی تھی۔ پھر قریب رکھا اپنا سیل فون اٹھایا اور فیس بک پر لاگ آن ہو گئی۔ وہ جو لاشعوری طور پر برتنوں کے درمیان پیدا ہونے والی کھنک سن کر چوکنا ہوا لیٹا تھا۔
بہت دیر گزر جانے کے باوجود جب کوئی آواز دوبارہ اس کے قریب نہ ابھری تو دھیرے سے آنکھوں پر سے بازو ہٹایا اور لیٹے لیٹے ہی قریب پڑی کھانے کی ٹرے کی جانب دیکھا۔
اس کے ساتھ ہی زاویار خیام کا چہرہ جل اٹھا تھا۔
ہر وقت دوسروں کو ایکٹنگ، ایکٹنگ، کا طعنہ دینے والے بندے کو آج پتا چلا تھا کہ درحقیقت رئیل ایکٹنگ (اصل اداکاری) ہوتی کیا ہے۔

"چہ خوب! شیر کے گلے میں گھنٹی باندھنے چلی ہو دریکتا شاہ...... یاد رکھنا چوہے بلی کے اس کھیل میں تم کو تھکا دوں گا۔"
اپنی بے تحاشا سرخ پڑتی آنکھیں اٹھا کر اس نے بیڈ کی دوسرے جانب رکھے صوفے پر بیٹھی دریکتا کو خاصی سرد مہری سے گھورا تھا۔
جبکہ جواباً وہ اپنے لبوں کی مسکراہٹ کو گہرا ہونے سے نہ روک پائی تھی۔
"آپ کو ایسا لگتا ہے۔"
اس سے نظریں ملاتی وہ ہنسی تھی۔ حالانکہ میں نے سن رکھا ہے کہ گھنٹی ہمیشہ بلی کے گلے میں ہی باندھی جاتی ہے۔"
"ہوں! بالکل ٹھیک سن رکھا تم نے گھنٹی نہ صرف بلی کے گلے میں باندھی جاتی بلکہ بندھی بھی بلی کے گلے میں اچھی لگتی ہے۔"
کچھ سوچتا وہ مسکراتا ہوا اٹھ بیٹھا تھا
"ادھر آؤ......!"
"میں......؟ سیل فون کی اسکرین پر سے نگاہ ہٹاتے دریکتا نے اپنی جانب اشارہ کیا تھا۔
"ہاں تم...... ادھر آؤ......" اس مرتبہ زاویار نے انگلی کے اشارے سے اسے پاس بلایا۔
"جی؟" کچھ حیران سی وہ اٹھ کر بیڈ کے قریب آ کھڑی ہوئی تھی۔
"سالن نکالو"
ڈونگے کے اوپر سے ڈھکن ہٹاتے ہوئے زاویار کا لہجہ حکمیہ تھا۔ اور یہ ہی وہ وقت تھا جب کب سے دریکتا کے لبوں پر کھیلتی مسکراہٹ لمحوں میں اڑن چھو ہوئی تھی۔
"جی وہ...... میں؟" وہ جیسے منمنائی تھی۔
کیا تم...... اٹھاؤ چمچ اور اور سالن ڈالو پلیٹ میں۔"
کچھ تھا اس شخص کے لہجے میں۔ کہ وہ اندر تک سہم گئی تھی مرتا کیا نہ کرتا کے مصداق مجبوراً چمچ اٹھایا اور پلیٹ میں سالن نکالنے لگی۔

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

"ویری گڈ...... روٹی کا نوالہ توڑ ڈاسے شوربے میں ڈبوؤ......" ہدایت دیتے وہ اچانک رکا تھا۔اور جب دریکتا نے نوالہ توڑ کر شوربے میں ڈبو لیا تب اس کی نظروں نے دیکھا تھا کہ زاویار شاہ کیسے کھل کر مسکرایا تھا۔بلیک پینٹ و بلیک شرٹ میں ملوں ٹائی گلے میں سجائے اس لمحے مسکراتا ہوا وہ شخص دریکتا کو زہر سے بھی زیادہ برا لگا تھا۔

"نائس جاب۔" اس سے پہلے کہ وہ کچھ سمجھتی وہ مسکراتا ہوا جھکا اور دھیرے سے اس کے ہاتھ کو کلائی سے تھام کر اپنے لبوں کے قریب لے آیا۔ درّے کی پوری جان دفعتاً اپنی کلائی میں سمٹ آئی تھی وہ چونکی تب جب اس کی انگلیوں میں دبے نوالے کو وہ اپنے منہ میں ڈالنے کے بعد دھیرے سے ہنس دیا تھا۔

"آئی تھنک کہ تم کو یہ بات اب سمجھ میں آ چکی ہوگی کہ گھنٹی صرف اور صرف بلی کے گلے میں ہی بندھی اچھی لگتی ہے۔کیوں؟" اس کی بھوری سلگتی آنکھوں میں جھانک کر کہتا زاویار خیام بڑے اسٹائل کے ساتھ مسکرایا تھا۔پھر دھیرے سے در کے کان میں پڑی سونے کی بالی کو چھوتے ہوئے سرگوشی کی تھی۔

"جان پیٹ تو ایک ہی نوالے سے بھر گیا۔ سو آپ کو مزید زحمت کیا دینی۔" دریکتا شاہ کے خوب صورت لب نفرت سے بھینچ گئے۔اس نے سرعت سے اپنا چہرہ دوسری جانب موڑ لیا تھا۔جبکہ اس کے چہرے کے بگڑتے زاویے دیکھ کر ایک کاٹ دار مسکراہٹ زاویار کے چہرے پر بکھر گئی۔

"ڈارلنگ! کیا خیال ہے؟" آج تھوڑی سی کمپنی ہمیں ملے گی۔" مزید تپانے کی خاطر اس نے طنز کا آخری تیر چلایا تو وہ کھانے کے برتن اٹھائے بغیر ہی تن فن کرتی کمرے سے باہر نکل گئی تھی۔اور زاویار کی نگاہیں صوفے پر رکھے اس کے سیل کی اسکرین پر ٹھہر گئی تھیں۔جہاں یوسف اداسائیں کالنگ جگمگا رہا تھا۔

نہیں معلوم کیا سازش ہے دل کی
کہ خود ہی مات کھائی جا رہی ہے

اس کی خوش فہمی یوں دور ہوگی اس نے سوچا تک نہیں تھا۔اس روز وہ جوں ہی سینٹر سے لوٹی آفان شاہ کو نہ صرف ضیاء ہاؤس کے ڈرائنگ روم میں بیٹھا پایا بلکہ زاویار شاہ اور تانیہ بیگم اس کے ساتھ بیٹھے اس کو کمپنی دینے میں مصروف تھے۔دریکتا کے قدم دروازے کے چوکھٹ پر ہی جم چکے تھے۔اس نے بس ایک شاکی نگاہ آفان شاہ کے ساتھ بیٹھے زاویار شاہ پر ڈالی تھی اور جھٹکے سے وہاں سے پلٹ آئی۔اس بات سے بے خبر کہ آفان شاہ کی بے تاب نگاہوں نے دور تک اس کا تعاقب کیا تھا۔

☆☆☆

"تو تم زاویار شاہ! مجھے اذیت دینے کی خاطر اس حد تک پہنچ جاؤ گے میں نے کبھی سوچا تک نہیں تھا۔اپنے کمرے تک پہنچتے پہنچتے اس کا ضبط ٹوٹ چکا تھا۔جھر جھر آنسو بھوری ندی کا بند توڑ گئے۔

"اس شخص نے کس قدر تذلیل کی تھی میری تم بھول گئے زاویار لیکن میں کبھی نہیں بھلا سکتی اس اہانت کو ......اس اذیت کو......اپنے کردار پر اچھالے جانے والی اس کیچڑ کو......کبھی نہیں......کچھ نہیں......"

دریکتا نے رو رو کر اپنی آنکھیں سُجا لی تھیں۔یہاں تک کہ رات کے کھانے پر بھی جب مایا اس سے کھانے کا پوچھنے آئی تھی تب اس نے بنا تاخیر کے انکار کر ڈالا تھا۔

"جاؤ کہہ دو مایا تم اپنے زاویار صاحب سے کہ مجھے بھوک نہیں ہے۔"

"جی لیکن......زاویار صاحب نے نہیں تانیہ میم نے آپ کو بلانے کے لیے کہا تھا۔" سادہ سے الفاظ میں ہی سہی مایا اس کو اس کی اوقات دکھانے کے بعد وہاں سے جا چکی تھی۔

"زاویار خیام آئی ہیٹ یو' آئی رئیلی ہیٹ یو۔" نفرت سے کہتے ہوئے اس نے اپنا آنسوؤں سے

www.urdusoftbooks.com
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

بھیگا چہرہ تکیہ میں چھپا لیا تھا۔

☆☆☆

''دریکتا میم نے کہا انہیں بھوک نہیں ہے۔'' تانیہ بیگم کے کہنے پر مایا جو در سے کھانے کا پوچھنے گئی تھی' واپس آ کر اس کے انکار کو سب کے سامنے دہرا دیا تھا۔ احد شاہ نے کن اکھیوں سے زاویار کی سمت دیکھا تھا۔ جس کا پلیٹ میں موجود چاولوں کے ساتھ کھیلتا چمچے والا ہاتھ مایا کی بات سن کر لمحہ بھر کو ٹھہر سا گیا تھا۔

''او کے تم آفان صاحب کے لیے فریج سے اسپرائٹ لا دو۔'' دوسرے ہی پل چاچو کی نگاہیں اپنے چہرے پر مرکوز پا کر زاویار اچانک مایا سے مخاطب ہوا تھا۔ جبکہ دریکتا کے انکار کو سن کر آفان شاہ زیر لب مسکرا دیا۔

''اس کا مطلب تمہارے دل میں میری جگہ ابھی تک موجود ہے دریکتا بی بی۔ جب ہی تو میری ''خیام ہاؤس'' میں آمد نے تم کو اس قدر ڈسٹرب کر دیا ہے۔ ورنہ اس وقت تمہیں زاویار خیام کے پہلو میں ہونا چاہیے تھا۔'' اک استہزائیہ نگاہ زاویار کے برابر پڑی خالی کرسی پر ڈالتے ہوئے وہ سوچ رہا تھا۔ جب تانیہ شاہ اچانک اپنی جگہ چھوڑ کر اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔

''اب آپ کہاں چلیں؟'' احد شاہ نے بھنویں اچکائیں۔

''میں ذرا دریکتا کو دیکھ لوں، کہیں طبیعت خراب نہ ہو اس کی۔''

''بھئی واہ......!'' احد چاچو نے اپنی حیرت کو چھپانے کی کوشش ہرگز نہیں کی تھی۔

''کیا ہو گیا احد......وہ بچی خود بھی تو سب کا خیال رکھتی ہے۔'' وہ ہنس کر جواب دیتی اٹھ گئی تھیں۔

☆☆☆

''کون؟'' دستک کی آواز سن کے اس استفسار کیا تھا۔

''میں ہوں۔'' تانیہ شاہ نے باہر سے جواب دیا۔

''آنٹی آپ؟'' تانیہ بیگم کو اپنے کمرے میں داخل ہوتا دیکھ کر اس نے سرعت سے اٹھ کر اپنے آنسو پونچھے تھے۔

''بیٹھیے آنٹی پلیز!'' خود کو سنبھال کر وہ صوفے کی جانب اشارہ کرتی ہوئی تانیہ بیگم کو خاصی مضمحل و کنفیوز دکھائی دی تھی۔

''کیا بات ہے دریکتا! آپ نیچے کھانا کھانے نہیں آئیں۔ طبیعت تو ٹھیک ہے آپ کی؟'' بغور اس کا چہرہ تکتے ہوئے انہوں نے پوچھا تھا۔

''جی آنٹی۔ بس یوں ہی بھوک نہیں تھی۔'' وہ منمنائی تھی۔

''بھوک نہیں تھی یا آفان شاہ کا سامنا کرنے کی ہمت نہیں تھی؟'' تانیہ شاہ کا جملہ بہت اچانک تھا۔ در نے حیرت سے گھنیری پلکیں اٹھائیں۔

''مجھے افسوس ہے دریکتا شاہ! جو شخص کبھی آپ کی اس قدر تذلیل کر چکا ہے۔ آپ آج اسی کو بے وجہ اہمیت دے کر خوش ہونے کا موقع کس طرح دے سکتی ہیں؟''

''آنٹی۔'' اس کے آنسو اس مرتبہ پلکوں کا بند توڑ کر نازک گالوں پر پھسل آئے تھے۔

''ڈونٹ سلی پریٹی گرل۔ تم نے دیکھا نہیں ہے نیچے آ کر زاوی کا چہرہ کس قدر اترا ہوا ہے۔''

''ان کا تو آپ نام نہ لیں۔ اس شخص کو گھر میں......''

''اس شخص کو اپنے گھر میں ہرانے کے لیے بلایا ہے زاویار نے'' تانیہ شاہ نے اس کی بات درمیان سے کاٹ کر جملہ جوڑا تھا۔

''جی......'' در ساکت سی ان کی صورت دیکھنے لگی۔

''ہاں! آئی میری بات کچھ سمجھ میں۔'' وہ مسکرائی تھیں۔

''زاوی میرا بیٹا ہے اور اس کو مجھ سے زیادہ

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

بھلا کون جان سکتا ہے۔وہ کہیں نا کہیں اپنے دل میں یہ خیال کیے بیٹھا ہے کہ تم ابھی تک شاید آفان شاہ کو چاہتی ہو۔''

''نہیں' یہ غلط ہے۔'' وہ تڑپ اٹھی۔ ''میں سخت نفرت کرتی ہوں آفان شاہ سے۔وہ ایک بزدل مرد ہے۔''

''یہ اگر سچ ہے دریکتا۔تو پھر نیچے آؤ اور آکر زاویار خیام کو بتاؤ کہ ایک عورت اپنے ٹوٹے دل کا خلا پُر کرنے کی خاطر کچھ بھی کرسکتی ہے مگر کسی بزدل مرد سے محبت جیسی خطا ہرگز نہیں کرسکتی۔''

''آنٹی۔'' تانیہ بیگم اپنی بات مکمل کرنے کے بعد کمرے کے دروازے کی جانب بڑھ چکی تھیں۔ جب اس نے پیچھے سے پکار لیا۔

''کہو؟'' وہ رک گئیں۔

''شکریہ۔'' دریکتا بھیگی پلکوں کے ساتھ مسکرائی تھی۔وہ پلٹ کر اس تک آگئیں۔

''دریکتا تم جانتی ہو۔جب زاوی نکاح کرکے تم کو خیام ہاؤس میں لایا تھا۔تب میں سمجھی تھی تم اس کو مجھ سے چھین لوگی حالانکہ وہ اس سے قبل بھی میرا کب تھا۔ مگر پھر بہت جلد مجھ پر یہ حقیقت کھل چکی تھی کہ وہ تمہارا ابھی نہیں ہے۔کاش دریکتا وہ تمہارا ہوتا تو شاید میں تمہارے ذریعے اس تک پہنچ پاتی۔'' یہ سب دریکتا سے کہہ چکنے کے بعد وہ مزید وہاں نہیں رکی تھیں۔

☆☆☆

زاویار اور آفان کھانے کے بعد لاؤنج میں آبیٹھے تھے۔

''میں نے سنا ہے تم لوگوں نے صفا کا رشتہ طے کردیا ہے؟'' آفان نے اچانک اپنے سیل پر واٹس ایپ کھولے بیٹھے زاویار کو مخاطب کیا۔

''ہاں وہ چاچو کے دوست کا بیٹا ہے ارباز شاہ نام ہے ایک ملٹی نیشنل کمپنی میں جاب کرتا ہے۔''

''اچھی بات ہے۔'' تمام تفصیل سننے کے بعد آفان نے مسکراتے ہوئے خوشی کا اظہار کیا تھا۔ٹھیک اس وقت وہاں ابھی ابھی آکر بیٹھی تانیہ شاہ کی نگاہیں سیڑھیوں سے نیچے آتی دریکتا پر آکر ٹھہر گئی تھیں۔جبکہ وائٹ کلر کے دیدہ زیب سوٹ میں بالوں کو پھیلائے۔وہ آفان شاہ کے ہوش اڑا لے گئی تھی۔وہ تو بس اس کو تکتا رہ گیا تھا۔یہاں تک کہ اس کی محویت کو ساتھ بیٹھے زاویار خیام نے بھی نوٹ کرلیا تھا۔سیڑھیوں پر نظر جاتے ہی وہ ٹھہر سا گیا۔

''السلام علیکم۔'' ان لوگوں کے قریب پہنچ کر دریکتا نے بڑے ہی پُراعتماد انداز میں سلام جھاڑ دیا۔

''وعلیکم السلام۔''

سلام کا جواب تانیہ شاہ اور احد شاہ کے علاوہ کسی نے نہیں دیا تھا۔ البتہ اپنے حواسوں پر قابو پاتے آفان نے فوراً اس کا حال پوچھ لیا تھا۔

''کیسی ہو دریکتا تم......؟'' اور یہ وقت تھا جب زاویار کی نگاہیں دریکتا کے چہرے پر آٹھہری تھیں۔

''اوہ آپ؟ آئی ایم فائن۔'' رسمی مسکراہٹ کے ساتھ آفان کو جواب دیتے وہ یوں چونکی تھی گویا اس کی وہاں موجودگی سے اب تک بے خبر ہو۔

''کیا بات ہے' آج آپ آفس سے آنے کے بعد یہیں آکر بیٹھ گئے ہیں۔ ذرا دیر کو بھی اوپر آکر ریسٹ نہیں کیا اور نہ ہی چینج کیا؟'' وہ اچانک زاویار سے مخاطب ہوئی تھی۔اور وہ جو خاصی سنجیدہ نظروں سے بیٹھا اس کا جائزہ لے رہا تھا۔اس بات پر بس اس کو تکتے رہنے پر اکتفا کیے رکھا جبکہ دریکتا کا زاویار سے بے تکلفانہ انداز میں بات کرنا آفان شاہ کو حیران کرگیا۔اس کے چہرے پر ایک رنگ آکر گزر گیا۔

''دریکتا تم نے رات کا کھانا نہیں کھایا تو زاوی نے ٹھیک سے نہیں کھایا۔ایسا کرو کھانا گرم کرکے میز پر لگاؤ...... پھر دونوں ساتھ مل کر کھالینا۔'' ڈرامے میں مزید رنگ تانیہ شاہ کی انٹری نے بھر دیا تھا۔

''ایک ایکسکیوز می...... میں اب سوؤں گا۔''

آفان یکدم اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔

''ماما! آفان صاحب کو گیسٹ روم کا راستہ دکھا دو۔'' دریکتا نے تابوت میں آخری کیل ٹھونک دی تھی۔ ماما کو آرڈر دے کر احد شاہ اپنی مسکراہٹ چھپانے کی

www.urdusoftbooks.com
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

خاطر ٹی وی اسکرین کو تکنے لگے تھے۔ جبکہ زاویار شاہ اس سین پر دنگ بیٹھا دونوں ساس بہو کی جانب یوں گھور رہا تھا گویا ان دونوں کا دماغ چل چکا ہو۔

"اوسم پرفامنس ڈیئر۔" تانیہ بیگم نے دریکتا کو سیل پر واٹس ایپ کیا تھا۔ جس کو پڑھ کہ وہ ہنس دی تھی۔ آفان شاہ کے وہاں سے جانے کے بعد وہ خود کچن میں جانے کے بجائے سیڑھیوں کی جانب مڑ گئی تھی۔ اور زاویار کی نگاہیں اس کی پشت پر جمی رہ گئیں۔

ہم کنارے سے سمندر کو دیکھتے ہیں۔
محبت استخارہ کر رہی ہے۔

☆☆☆

ایک سندھی نغمہ گنگناتا وہ جس وقت کمرے میں داخل ہوا تھا۔

دریکتا کسی جلے پیر کی بلی کی طرح پورے کمرے میں چکر کاٹتی پھر رہی تھی۔ اس کو تو اتنا بھی ہوش نہیں تھا کہ دروازے سے اندر داخل ہوتے زاویار کو دیکھ کر ہی رک جاتی۔ اپنی جھونک میں وہ جوں ہی پلٹی سیدھی اس کے سینے سے جا ٹکرائی۔

"سنبھل کر...... کہیں گر ہی نہ جاؤ۔" اسے کہنیوں سے تھام کر گرنے سے سہارا دیتا وہ مسکرایا تھا۔

"اتنی جان لگا کر نیچے اداکاری کی ہے۔ نازک وجود میں اب مزید دم کہاں رہا ہوگا؟" تاک کر طنز کرتا وہ اسے سلگا ہی تو گیا۔

"پورا دن ایک ہی زاویے پر بیٹھ کر گزار آئے ہیں۔ دم تو اس وقت یقیناً آپ میں بھی کب بچا ہوگا۔"

"آں ہاں ڈارلنگ! میرے دم کی بات نہ کرو۔ چاہوں تو ایک منٹ میں دماغ درست کر کے رکھ دوں۔" دفعتاً اسے خود سے قریب کر کے وہ دبے لہجے میں غرایا تھا۔ اس کے انداز پر ایک زہر بجھی مسکراہٹ دریکتا کے چہرے پر آ کر گزر گئی تھی۔

"اس طرح کیا مسکرا رہی ہو۔" بھوری آنکھوں میں جھانک کر وہ چہکا۔

"سوچ رہی ہوں دوسروں کا دماغ درست کرنے والوں کے خود کے دماغ کون درست کرے؟" اپنی مسکراہٹ کو بمشکل لبوں پر روکتی وہ چوٹ کر چکی تھی۔

"چلو آج کی رات آپ کو موقع دیتے ہیں۔ کوشش کر کے دیکھ لیجیے۔ کیا پتا آپ کے کرم سے اس ناچیز کے دماغ کی خرابی دور ہو جائے۔" معنی خیز لہجے میں بلا کی حدت سمیٹے وہ در کے شانوں پہ آ گرے بالوں کو اپنے دائیں ہاتھ پر لپیٹتا بڑی معصومیت کے ساتھ مسکرایا تو اسے لینے کے دینے پڑ گئے۔

مائی گاڈ! دریکتا کہ ذہن میں یکدم جھماکا سا ہوا جانے یہ شخص اس کی بات کو کس انداز میں لے جا کر سوچ رہا تھا۔

"پلیز! زاویار شاہ ختم کر دیں اس تماشے کو۔"

"ہک! حسرت ان غنچوں پر جو بن کھلے مرجھا گئے۔" وہ مارے تاسف کے ایک لمبی سانس کھینچ کر رہ گیا۔ مگر پھر جب گویا ہوا تو لہجے میں غضب کی سرد مہری تھی۔

"تو تم ختم کر دیتیں ناں دریکتا بی بی اس تماشے کو۔"

"کیا؟" وہ ہکلائی۔

"ہاں۔ نیچے جب آئی تھیں آفان سے کہہ دیتیں "گیٹ آؤٹ" وہ تم سے کہے گیا۔" "میں چوں بھی نہ کرتا۔ کہا کیوں نہیں ـــ تم نے۔" اپنے دونوں ہاتھوں کے مضبوط شکنجے میں دریکتا کا نازک چہرہ جکڑے استفسار کرتا وہ اسے حیران کر گیا تھا۔

"میں ...... لیکن میں...... کیسے۔" زاویار کی بات پر آنکھوں کی گہری ہوتی نمی کے ساتھ سوال کیا تھا اس نے۔

"ہاں تم...... تم کو یہ حق دیا تھا میں نے آج...... آفان کو اپنے گھر بلا کر ایک طرح سے موقع دیا تھا میں نے تمہیں...... تم بے عزت کر کے نکال سکتی تھیں اس شخص کو اپنے گھر سے لیکن تم نے کیا کیا دریکتا شاہ؟ تم نے آفان کو دیکھا اداسی کو اپنے چہرے پر طاری کیا۔ اور پھر اوپر آ کر ماتم کرنے لگیں۔ لیکن میں پوچھتا ہوں

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

کس چیز کا۔" ہاں کس چیز کا؟" اس کی آنکھوں میں ہنوز جھانکتا وہ چبھتے انداز میں مسکرایا تھا۔ "آفان شاہ کی آمد کا۔ یا پھر میرے ساتھ اپنی قسمت کے پھوٹ جانے کا؟" یہ سوال اس سے کرنے کے بعد وہ چند ثانیوں تک اپنی بے تاب نگاہیں دریکتا کے چہرے پر گاڑے کھڑا رہا تھا' مگر جب اس کے لبوں کی چپ نہ ٹوٹی تو زاویار نے اس کے نازک وجود کو ایک طرف دھکیلا اور پھر خود ٹیرس پر آ گیا۔

باوفا ایک دوسرے سے یہاں
ہر نفس بے وفائی کرتے ہیں
حالت وصل میں بھی ہم دونوں
لمحہ لمحہ جدائی کرتے ہیں

ٹیرس پر آ کر اس نے سگریٹ سلگائی تھی۔ اور پھر لمبے لمبے کش لیتے ہوئے اندر کی گھٹن کو کم کرنے لگا۔

☆☆☆

اس وقت اس کو چکر آ رہے تھے۔ وہ جو صبح ناشتہ کر کے گھر سے نکلی تھی تو سینٹر جانے کی افراتفری میں گھر آنے پر لنچ نہیں کیا بعد میں سینٹر سے جب واپسی ہوئی اور آفان شاہ کو خیام ہاؤس کے ڈرائنگ روم میں بیٹھا پایا تھا۔ تب بھلا کھانا کھانے کی طلب خاک رہ جاتی۔ یوں آج کے دن میں دو وقت کا کھانا وہ گول کر چکی تھی مگر اس وقت باوجود غصے کے دریکتا کے پیٹ میں چوہے دوڑنا شروع ہو چکے تھے۔ کیوں نہ اس بے وقت کی بھوک کو چائے کے ایک کپ کے ساتھ چند کوکیز لے کر بھگا لیا جائے دریکتا نے سوچا اور پھر چائے بنانے کے ارادے سے نیچے کچن میں آ گئی تھی۔

دردیوں بے حساب لگتا ہے
مسکرانا عذاب لگتا ہے
جس میں اڑتے تھے قہقہے اپنے
اب وہ ماحول خواب لگتا ہے

الیکٹرانک کیٹل میں چائے کا پانی ابلنے کے لیے رکھنے کے بعد وہ اس وقت کچن کین دیوار میں نصب کیبنٹ کھولے اندر موجود مختلف کوکیز اور بسکٹس کے جار کا جائزہ لینے میں مصروف تھی تب اچانک اپنی پشت پر ابھرتی اس آواز کو سن کر اس نے بے اختیار اپنے لب بھینچ لیے تھے۔

پھر ذرا رخ موڑ کر دروازے کی سمت دیکھا تھا۔

"حیران نہ ہو' یہ شاعری تمہاری جدائی نے سکھادی ہے۔" وہ مسکراتا ہوا کچن کے اندر داخل ہو رہا تھا۔ کھلے دروازے سے کمرے میں واپس قدم رکھتے ہی زاویار کو حیرت کا بھرپور جھٹکا لگا تھا۔

"ویئر از شی؟" کمرے میں اس وقت دُر کی غیر موجودگی اس کو ورطہ حیرت میں ڈال چکی تھی۔

واش روم اور ڈریسنگ روم کا باری باری جائزہ لینے کے باوجود جب وہ کہیں دکھائی نہ دی تو دوسرے ہی پل وہ اپنی کنپٹیوں میں دوڑتے خون کی گردش کو کنٹرول کرنے کی کوشش' مٹھیاں بھینچے کمرے میں سے باہر نکل آیا تھا۔

دستکیں جس کے در پہ دیتا ہوں
یوں بھی وہ مجھ کو ٹال دیتا ہے
اپنے دامن کی نفرتیں چن کر
میری جھولی میں ڈال دیتا ہے

ساکت کھڑی دریکتا شاہ کی حیران آنکھوں میں تکتا اس کے چہرے پر بکھری نفرت کو محسوس کر کے وہ جیسے کرب سے مسکرایا تھا۔

"خود کو سزائیں کیوں دیتی ہوں دریکتا شاہ! مان لو تم ابھی تک محبت مجھ ہی سے کرتی ہو۔"

"مان لو تم ابھی تک محبت مجھ ہی سے کرتی ہو۔" آفان شاہ کے لبوں سے ادا ہونے والی اس سرگوشی نے جیسے در کے قریب اس وقت کوئی دھماکا کر دیا تھا۔

اسے اپنی نگاہوں کے آگے ہفت اقلیم گھومتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ کیونکہ اس جملے کو اس سرگوشی کو اس نے پہلے بھی کہیں سنا تھا۔ لیکن آواز کی شناخت آج ہوئی تھی۔

اس رات جب اچانک نیند سے بے دار ہونے پر پیاس کی شدت نے اس کے حلق میں

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

کانٹے اگا دیے تھے۔ تب پانی کی طلب اس کو حویلی کے برآمدے تک لائی تھی۔

اور اندھیرے میں کھڑے دو نفوس کے درمیان ابھرنے والی اس مردانہ و بھاری سرگوشی کو سن کر دریکتا شاہ کو پہلا خیال زاویار شاہ کا ہی آیا تھا۔

وہ شخص اپنے خاندانی وقار کو بھلائے اس قدر گھٹیا حرکت پر اتر آیا تھا کہ رات کے اندھیرے میں ان کی حویلی کی نوعمر ملازمہ کو بہکانے کی کوشش کرنے میں مصروف تھا۔

لیکن پھر جب دریکتا نے آگے بڑھ کر آواز دی تھی تب وہ سر پہ پاؤں رکھ کر بھاگا تھا۔

میں نے سوچ بھی کیسے لیا وہ شخص زاویار خیام ہی ہوگا حالاں کہ آفان شاہ بھی تو اس رات حویلی میں ٹھہرا تھا۔ وہیں کھڑے کھڑے اسے اپنی سوچ پر گہری ندامت کا احساس ہونے لگا۔

نصرت کے حوالے سے یہ ہی تو وہ شک تھا جس کی وجہ سے زاویار خیام کو ایک کمزور کردار کا انسان سمجھتی آرہی تھی اور وہ اصلی گناہگار آفان شاہ نکلا تھا۔

''دریکتا! ادھر دیکھو، میری بات سنو؟'' اس کی دلی کیفیت سے یکسر انجان آفان اچانک آگے بڑھا اور اسے شانوں سے تھام کر اس کا رخ اپنی سمت موڑنا چاہا۔

تب اس شخص کی اس حرکت پر وہ اپنے حواسوں پر اختیار کھو بیٹھی۔ دوسرے ہی پل اس کا ہاتھ اٹھا اور آفان شاہ کے گال پر نشان چھوڑ گیا۔

'' اپنی حدمت بھولو آفان شاہ۔'' زوردار طمانچہ اس کے منہ پر مارنے کے بعد وہ غرائی تھی۔

اس بات سے بے خبر کہ لان میں کھلنے والی کچن کی کھڑکی کے پاس کھڑا وہ شخص جو اس کی خاموشی پر اب تک اپنا دل لہولہان کر چکا تھا۔

آفان کے چہرے پر پڑنے والے تھپڑ کی آواز سماعت فرمانے کے بعد دیوار کے ساتھ لگ گیا۔

''اپنی حدنہ بھولوں؟ یہ —— یہ تم مجھ سے کہہ رہی ہو دریکتا؟''

''ہاں یہ میں تم ہی سے کہہ رہی ہوں۔ میں مسز دریکتا زاویار تمہیں وارن کر رہی ہوں آفان شاہ! دوبارہ آگ سے مت کھیلنا۔ کیونکہ —— میری اس روح، میرے اس وجود کو زاویار خیام کے علاوہ کوئی اور چھوئے میں یہ برداشت نہیں کر سکتی۔''

''لگتا ہے شادی کے بعد فلمیں بہت دیکھنے لگی ہو۔ تم ''کم آن یار۔'' وہ اس کی بات پر استہزائیہ ہنسا تھا۔

''اسٹاپ۔ یہ ہنسنے کا ناٹک مت کرو آفان شاہ۔''

آفان کے مذاق کے جواب میں در کا لہجہ خاصا سپاٹ تھا۔

کم آن یکتا۔'' آفان شاہ عاجز ہوا۔

''یوشٹ اپ اینڈ آؤٹ رائٹ ناؤ۔'' اس نے انگلی دروازے کی جانب اشارہ کیا۔

''اس سے پہلے کہ میں شور مچا کر خیام ہاؤس کے تمام افراد کو یہاں پر اکٹھا کرلوں اور زاویار خیام آکر تمہاری درگت بنادیں۔ گیٹ آؤٹ فرام مائی ہاؤس۔''

یہ کسی کا بخشا ہوا اعتماد ہی تھا جو وہ اس وقت شیرنی بنی ہوئی تھی۔

جبکہ اس شیرنی کی چنگھاڑ پر کھڑکی کے پاس کھڑے وجود نے لان میں پھیلی چاندنی کا پہلی بار جائزہ لیتے ہوئے پیکٹ سے سگریٹ نکال کر سلگائی تھی۔

''تم ...... تم بدل گئی ہو دریکتا! ورنہ تم تو مجھ سے محبت ......'' آفان کا لہجہ لرزا۔

''محبت ......؟ محبت کا نام نہ لو تم آفان۔'' وہ چیختی تھی۔ ''اور ہاں یاد رکھنا، تم کوئی بھی عورت کبھی کسی بزدل مرد کو نہیں چاہ سکتی۔ محبت تو مجھے صرف اور صرف زاویار خیام سے ہے۔''

''ہا...... ہا......!'' اس کی بات پر آفان کا قہقہہ بڑا طنزیہ تھا۔

''زاویار خیام جو ہر روز ایک نئی لڑکی کو اپنے

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

پہلو میں لیے پھرتا ہے؟"
انگلیوں کے درمیان دبے سگریٹ کو زاویار نے یکلخت دو حصوں میں توڑا تھا اور ہری گھاس پر اچھال دیا۔ وہ نہیں جان پایا تھا کہ کیوں؟ مگر آفان کے طنزیہ قہقہے نے اس کو گم صم سا کر دیا تھا۔
سماعت اب دریکتا کے جواب کی شدت سے منتظر تھی۔
"ہاں! ہر روز ایک نئی لڑکی کو اپنے پہلو میں سجائے پھرنے والا زاویار خیام مگر وہ میری نظر میں آفان شاہ سے کئی ہزار درجہ بہتر ہے۔"
اندر سے آتی آواز کا فسوں تھا کہ لان میں پھیلی چاندنی کا اثر' وہاں کھڑے وجود کو اپنے اندر روشنی پھیلتی محسوس ہوئی تھی۔
کیونکہ زاویار جو بھی کرتا ہے پوری دنیا کو دکھا کر سب کے سامنے کرتا ہے۔ رات کے اندھیرے میں نصرت جیسی کسی معصوم لڑکی کی بے بسی کا تماشا نہیں بناتا۔"
"دریکتا شاہ!" آفان کے لیے جملہ غیر متوقع تھا وہ چیخ کر رہ گیا۔
"دیکھ لوں گا میں تمہیں...... اور تمہارے اس زاویار کو بھی۔" دھمکی دینے کے بعد وہ وہاں سے واک آؤٹ کر گیا تھا۔
دریکتا گرم گرم چائے کپ میں ڈال رہی تھی جب آفان کی کار اسٹارٹ ہونے کی آواز اس تک آئی تھی۔
"خس کم جہاں پاک!"
وہ ٹرے اٹھائے ہوئے اوپر آ گئی تھی۔

☆☆☆

"دو کے بجائے چائے بنائی ایک کپ' افسوس ان سے بڑھ کر بھی کوئی کام چور ہوگا۔"
دو کے بجائے ٹرے میں چائے کا فقط ایک ہی کپ اٹھائے جب کمرے میں وہ داخل ہوئی تھی۔ بیڈ کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھے زاویار نے وصی شاہ کے شعر کی ٹانگ اچانک توڑی۔
دریکتا نے ایک بے حد ہلکی نگاہ اس پر ڈالی تھی۔
"کیونکہ ابھی کچھ دیر قبل تو وہ اس کو پھاڑ کھانے کو دور کھانے کو دوڑ رہا تھا اور اب یہ "شاعری"؟
"آپ تو کافی نہیں پیتے۔" نروٹھے پن سے جواب دیتی ٹرے اٹھائے وہ بیڈ کی دوسری طرف آ گئی تھی۔
"ہوں...... وہ کڑوی — کافی نہیں پیتا مگر چائے تو پیتا ہوں۔" ریموٹ اٹھا کر ٹی وی آن کرتے وہ بولا تھا۔
"اچھا؟ مگر یہ چائے بھی کافی کی طرح ہی کڑوی ہے کیونکہ میں نے بنائی ہے۔"
چڑانے والی مسکراہٹ کے سنگ اس کی بات کا جواب دینے کے بعد وہ بھاپ اڑاتا چائے کا مگ اٹھا کر ہونٹوں سے لگا چکی تھی۔ لیکن اگلے ہی پل دریکتا شاہ کو ساکت ہو جانا پڑا تھا۔ جب مگ اچانک اس کے ہاتھوں سے اچک کر زاویار نے ٹھیک اس جگہ اپنے لب رکھ دیے تھے جہاں سے در نے گھونٹ لیا تھا۔
"او نہوں۔" گھونٹ بھرنے کے بعد وہ اس کو آنکھوں میں جھانک کر مسکرایا تھا۔
"پہلے کڑوی ہوگی مگر اب تو......" گہرے لہجے میں کہی بات کو وہ دانستہ ادھورا چھوڑ چکا تھا۔
در کا حلق تک کڑوا ہو گیا۔ اس سے قبل کہ وہ بیڈ سے اٹھ کھڑی ہوتی۔ زاویار اس کی نازک کلائی کو اپنی گرفت میں لے چکا تھا۔
"آج کچھ مانگوں تو کیا مجھے تم سے ملے گا؟"
سرگوشی نے دریکتا کے اوسان خطا کر ڈالے تھے اور اس سے پہلے کہ وہ جواب میں کچھ بول پاتی۔ زاویار شاہ دفعتاً جھکا تھا اور موٹی انگلیوں سے چاکلیٹ بسکٹ کو اپنے منہ میں اچک لیا۔
اور وہ سانس روکے بیٹھی رہ گئی تھی۔
"ریلیکس!" سر اٹھائے ہوئے وہ اس کی سمت دیکھ کر ہنسا "بس یہ ہی کوکیز تو مانگی تھیں تم سے۔ اور تم پریشان ہو گئیں...... ویسے قسم لے لو تمہارے ہاتھ

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

سے کھاتا ہوں جب ہی پیٹ بھرتا ہے۔“
جبکہ بھوری آنکھوں کی نمی کو اس شخص سے چھپانے کی خاطر وہ بستر سے ٹرے اٹھا کر خوامخواہ صوفہ پر پٹخ چکی تھی اور وہ مزے سے کپ میں سے گرم گرم چائے کے گھونٹ لیتا جانے آج کس موڈ میں تھا جو مسلسل مسکراتے ہوئے گنگنائے جارہا تھا۔

لے چلا جان میری، روٹھ کر جانا تیرا
ایسی چائے بنانے سے تو بہتر تھا نہ بنا کر لانا تیرا

اور اس شخص کی اس اداکاری پر درکا دل چاہا تھا آج آگے بڑھ کر وہ اس کا گلا ہی دبادے۔

☆☆☆

آج اتوار تھا اور صفا کا ارادہ آج شاپنگ کرنے کا تھا سو اس نے دریکتا کو بھی اپنے ساتھ لے لیا اور مما سے اجازت لے کر ڈرائیور کے ساتھ مارکیٹ آگئی۔ یہ شہر کا سب سے مہنگا ترین مال تھا۔ جس میں اس وقت وہ دونوں موجود تھیں۔ کچھ جوڑے دریکتا کو بھی خریدنے تھے۔ صفا کے ساتھ مل کر اس نے اپنی شاپنگ مکمل کی تھی۔
”مجھے کچھ جیولری لینی ہے۔“ لباس خریدنے کے بعد وہ دکان سے نکل رہی تھیں جب صفا نے در سے کہا تھا۔
”او کے چلو۔“
وہ دونوں ایک ساتھ چلتیں جیولری شاپ کی جانب آگئی تھیں۔ ”تم بھی کچھ دیکھ لو۔“ اپنی پسند کی جیولری کا جائزہ لیتے صفا نے اس کو آفر دی تھی۔
”نو تھینکس“ وہ معذرت کرتی مسکرادی۔
”آئسکریم کھاؤ گی ڈیئر بھابی۔“ ادائیگی کے بعد مال کے گیٹ کی جانب بڑھتے صفا نے استفسار کیا۔
”اگر تم اپنے پیسوں سے کھلاؤ گی تو ضرور کھاؤں گی۔“ دریکتا شرارت سے ــــ بولی تو صفا ہنستی ہوئی کچھ ہی فاصلے پر بنے آئسکریم بار کی جانب آگئی تھی۔

اس کے جانے کے بعد در یونہی ــــ مختلف دکانوں پر نظریں دوڑانے لگی تھی۔
جب ایک ڈزائنر شاپ پر نظر جاتے ہی وہ ساکت رہ گئی تھی بلیک کیپری پر ریڈ ٹاپ لیے' اونچی ہیل پہنے' وہ سنہری رنگت والی لڑکی جس خوبرو مرد کے شانے پر اپنا ہاتھ دھرے سیلز گرل سے مخاطب تھی۔
وہ کوئی اور نہیں زاویار خیام ہی تھا۔ اس کا مجازی خدا' اس کا ہم سفر اس شخص کو کسی غیر لڑکی کے ساتھ دیکھ کر جانے کیوں اس وقت پورے شاپنگ مال کی روشنیاں دریکتا کو مدھم پڑتی محسوس ہوئی تھیں۔
آنکھوں میں در آنے والی دھند اتنی اچانک تھی کہ اسے پتا ہی نہ چلا سکا کہ کب آنسو پھسل کر گالوں پر آرکے تھے۔

میں یوں سنبھل گئی کہ تیری بے وفائیوں نے
بے اعتباریوں سے شناسا کیا مجھے
وہ اپنی ایک ذات میں کل کائنات تھا
دنیا کے ہر فریب سے ملوادیا مجھے

گرین کلر کے اسٹائلش سے رائل سلک کے سوٹ میں ملبوس دوپٹے کو اسکارف کے انداز میں سر پر لپیٹے دونوں ہاتھوں میں مختلف اشیاء کے شاپنگ بیگز تھامے وہ اس وقت بھوری آنکھوں سے بہتے آنسوؤں کا طلسم آس پاس سے گزرتے لوگوں کو اپنی جانب متوجہ کیے جاتا تھا۔
”زاوی! وہ دیکھو۔ شی از ویری پریٹی ناں؟“ ڈھیروں شاپنگ کرنے کے بعد رومی نے اچانک زاویار کو اس طرف متوجہ کیا تھا۔ جہاں ایک بے حد ہی خوبصورت لڑکی کھڑی تھی۔
”کم آن تم سے زیادہ تو خوب صورت نہیں ہوگی۔“ بے پناہ خوشگوار لہجے میں کہتے زاویار نے گردن موڑ کر اک ترچھی نگاہ گلاس وال کے اس پار کھڑے وجود پر ڈالی تھی۔
اس شخص کا گردن موڑ کر یوں اپنی جانب متوجہ

www.urdusoftbooks.com

ہونا درِ یکتا کو اپنی غلطی کے احساس سے دوچار کر گیا تھا۔
فوراً سے پیشتر اس نے رخ موڑ لیا اور ہاتھ کی پشت سے اپنے آنسو پونچھنے لگی تھی۔ جب صفا دونوں ہاتھوں میں آئس کریم کے کون اٹھائے اس کے پاس آ گئی۔
''ارے کیا ہوا۔ تم روئی ہو؟'' آئسکریم اس کی سمت بڑھاتے صفا نے تعجب سے اس کی بھیگی پلکوں کی جانب اشارہ کیا تھا۔
''نہیں تو۔'' خود پر ضبط کرتے ہوئے درِ یکتا نے مصنوعی مسکراہٹ ہونٹوں پر سجالی۔
''واؤ......ذرا ادھر دیکھو بھائی۔''
سامنے والی دکان سے باہر نکلتے زاویار پر صفا شاہ کی نظر اچانک پڑی تھی۔
''ہائے بھائی۔'' وہ دور ہی سے چیخی۔
اس سے قبل کہ وہ صفا کا ہاتھ تھام کر مال سے باہر نکل آتی صفا زاویار کو متوجہ کر چکی تھی۔
''صفا کی بچی میں جا رہی ہوں۔'' اس کی اس بچکانہ حرکت پر درِ یکتا تلملاتی ہوئی دروازے کی جانب بڑھی تھی۔
کیا ہو گیا بھئی۔ ذرا ٹھہرو بھی۔'' صفا نے اس کے ارادے کو ناکام بناتے ہوئے سختی سے در کا ہاتھ تھام لیا تھا۔
''ہائے۔'' اس اثناء میں وہ دونوں مسکراتے ہوئے ان لوگوں کے قریب پہنچ چکے تھے۔
''تم لوگ یہاں؟'' قریب آنے پر زاویار صفا سے مخاطب ہوا۔
''بس بھائی ہم لوگ شاپنگ کرنے آئے تھے۔''
''تو ہو گئی شاپنگ۔'' اس بار سوال بہن سے کرتے اس کی نگاہیں درِ یکتا شاہ کی بھیگی پلکوں تک جا کر پلٹ آئی تھیں۔
''تم نے بتایا نہیں زاوی۔ اس پریٹی گرل کو تم جانتے ہو؟''
رومی جو دلچسپی کے ساتھ درِ یکتا کو تکنے میں مصروف تھی۔ ہنستے ہوئے زاویار کی کلاس لے ڈالی۔
''تمہارے اس سوال کے دو جواب ہو سکتے ہیں ایک تو یہ کہ میں واقعی اس لڑکی کو نہیں جانتا مگر جاننا چاہتا ہوں۔ یا پھر یہ کہ شی از پریٹی کسی نے آج سے پہلے بتایا ہی نہیں۔'' بات کے اختتام پر وہ قصداً در کی آنکھوں میں دیکھ کر مسکرایا تھا۔
اور اس کی اس اداکاری پر تو مانو درِ یکتا کو آگ لگ گئی تھی۔ مگر کمال مہارت کے ساتھ اس نے اپنے تاثرات چھپانے کی خاطر ہاتھ میں پکڑی کون منہ سے لگا لی تھی۔
''ہاہا زاوی یو آر ویری ناٹی۔''
اس کے انداز پر رومی کھل کی ہنسی تھی۔
''کیا خیال ہے گرلز اسی بات پر تم لوگوں کو ایک زبردست ساڈنر نہ کروا دوں۔'' سوال صفا اور رومی سے کرتے ہوئے اس نے اچانک ہاتھ بڑھایا اور آئسکریم کی کون درِ یکتا کے ہاتھوں سے اچک لی تھی۔
وہ اس شخص کی حرکت پر بل کھا کر رہ گئی تھی۔
''اونہوں۔ اتنی کڑوی آئسکریم۔'' کافی فلیور کبھی بھی اس کا پسندیدہ نہیں رہا تھا سو ایک بائیٹ لینے کے بعد ہی اس نے برا سا منہ بنایا۔
پھر کون در کے ہاتھوں میں واپس تھماتے ہوئے سرگوشی کی تھی۔
''ایسی کڑوی چیزیں منہ سے لگاتی ہو جب ہی تو کبھی کوئی میٹھی بات نہیں کی۔'' یہ شکوہ اس وقت اس سے کرتے زاویار خیام کے لہجے کی گھمبیرتا سننے سے تعلق رکھتی تھی۔
پاس کھڑی رومی اور صفا اس قدر رومانٹک شکوے پر اپنی بے ساختہ امڈتی مسکراہٹوں کو چھپانے کی خاطر چہروں کا رخ دوسری جانب موڑ چکی تھیں۔
اور اس تذلیل پر درِ یکتا کا دل چاہا تھا کہ وہ ابھی وہاں سے بھاگ جائے پھر اس ارادے سے اس نے ایک جھٹکے سے پلٹ کر اپنے قدم بیرونی دروازے کی سمت بڑھا دیے۔

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

مگر اگلے ہی لمحے اسے ساکت ہو کر رک جانا پڑا تھا۔ شاکڈ سی نگاہوں سے پلٹ کر دیکھا تو اپنی نازک کلائی کو زاویار شاہ کے مضبوط ہاتھ کی گرفت میں پایا۔

"تھینکس صفا، اور یہ لو میرا والٹ، میری جانب سے تم دونوں بڑھیا سا ڈنر کر لینا۔ جب تک میں تمہاری بھابھی کو کچھ میٹھے بول بولنا سکھا لاتا ہوں۔"

بلیک جینز کی پاکٹ سے اپنا والٹ نکال کر صفا کی جانب اچھالا اور پھر در کا ہاتھ تھامے وہ مال سے نکلتا چلا گیا تھا۔

"جیو میرے بھائی ہزاروں سال۔"

صفا پیچھے سے اپنے پلان کی کامیابی پر ہنس ہی تو پڑی تھی۔ کیونکہ زاویار بھائی کی کال پر ہی تو وہ آج اپنے ساتھ دریکتا کو مارکیٹ لائی تھی۔

☆☆☆

"مسٹر زاویار خیام واٹس رانگ ود یو؟ کیوں تماشا کری ایٹ کر رہے ہیں آپ؟" شاپنگ مال کے اندر تو وہ روبی کی وجہ سے ضبط کر رہی تھی۔ مگر اب باہر آتے ہی اپنے ہاتھ کو اس کی گرفت سے آزاد کرانے کی کوشش میں پھٹ پڑی۔

"یو آر...... اوگلی یو دریکتا شاہ۔" مال سے باہر آ کر اس نے دریکتا کو اپنی کار کی فرنٹ سیٹ پر دھکیلا تھا پھر خود ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی تھی۔

"میں...... ہاؤ فنی......" وہ استہزائیہ ہنس پڑی تھی۔

"ہاں تم......" اس کے استہزائیہ انداز کا نوٹس لیے بنا وہ گاڑی کو پارکنگ لاٹ سے باہر لاتے ہوئے مسکرایا تھا۔

"روڈ بھی تم...... رانگ بھی تم...... ہر پرابلم تم ہی تو ہو میری۔"

"صاحب! یہ زیادتی ہے۔" دریکتا کی رگ رگ میں لہو کی جگہ آگ دوڑنے لگی تھی۔ اس کی بات سن کر۔

"جو لوگ دوسرے کے لیے پرابلم کری ایٹ کرتے پھر رہے ہوں ان کو یہ الزام تراشیاں کچھ زیب نہیں دیتیں۔"

"اور آپ کو زیب دیتی ہے یہ ستم گری؟"

کراچی کی روشنیاں لٹاتی سڑک شاہراہ فیصل پر موڑ کاٹتے زاویار نے اچانک انگلی کی مدد سے اس کی نازک ٹھوڑی کو اونچا کرتے استفسار کیا۔

ساعت بھر کو دریکتا شاہ کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا تھا۔ مگر پھر دوسرے ہی پل وہ اس کا ہاتھ پرے جھٹکتی نگاہ چرا گئی تھی۔

پھر جب بولی تو لہجے سے چنگاریاں اٹھ رہی تھیں۔

"چہ خوب...... ستم گری ہمیں زیب نہیں دیتی حالانکہ یہ کام تو آپ کا ہے۔"

"ہک ہاہ! اجی ہمارے کام کی تو آپ بات ہی نہ کریں۔" ونڈ اسکرین پر سے نگاہ ہٹا کر دریکتا کی جانب دیکھتے ہوئے اس نے اک لمبی آہ کھینچی تھی۔

"جب سے آپ کے رانگ میں پھنسے ہیں ہم تو کسی کام وام کے نہیں رہے۔ بات کے اختتام پر وہ بے ساختہ آنکھ مار گیا تھا۔

وہ ٹپٹا کر کھڑکی سے باہر جھانکنے لگی جبکہ اس کی اس ادا پر وہ اپنے لبوں کی مسکراہٹ کو گہرا ہونے سے نہ روک پایا تھا۔

"میں کچھ نہیں جانتی...... مجھے آپ کے ساتھ نہیں جانا...... بس میں، مجھے یہیں اتار دیں۔" نروٹھے پن سے فرمائش کی گئی تھی اور اس فرمائش پر دوسری جانب کی بیچارگی کمال کی تھی۔

"یہ غضب نہ کریں۔ آپ کو یہیں اتار دیں تو گھر جا کر ہم کیا کریں......" کچھ تھا اس شخص کے انداز میں ایسا کہ وہ بے اختیار چہرہ موڑ کر اس کی صورت تکنے پر مجبور ہو گئی۔ "آئی سویئر......" نگاہ کے تصادم پر زاویار ایسی ادا کے ساتھ مسکرا دیا کہ وہ اپنے لب کاٹ کر رہ گئی تھی۔

"حیرت ہے! کل تک جس ہستی کی موجودگی اپنے کمرے میں گراں تھی آپ کو۔ آج اس ہستی کے بغیر اپنا ہی گھر سونا سونا لگنے لگا۔" وہ ہر گز خاموشی

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

اختیار نہ کر سکی۔ ویسے بھی آج فیصلے کا دن تھا شاید۔

"ٹھیک کہا تم نے، کل تک تمہاری موجودگی میرے لیے گراں تھی۔ مگر اب لازم ٹھہری۔ کیونکہ آج زاویار شاہ اپنا دل ہار چکا تم پر......" ہونٹوں میں دبے سگریٹ کو لائٹر کا شعلہ دکھاتے اس کا لہجہ سنجیدہ تھا۔

"نائس جوک۔" وہ چہکی تھی۔

"آج کیا وہ کڑوی سی آئسکریم کون کھا کر اپنا دل ہار بیٹھے زاویار شاہ آپ۔ اگر ایسا ہے تو اطلاعاً عرض یہ ہے کہ وہ میں نے نہیں اس آئسکریم بار والے نے بنائی تھی۔"

"اوں ہوں! چھوٹے سے دماغ پر بوجھ مت ڈالو ڈارلنگ۔" وہ نفی میں گردن ہلاتے مسکرایا۔

"اگر میں کہوں کہ اس روز آفان کے ساتھ ہونے والی تمہاری گفتگو سننے کے بعد یہ حادثہ وقوع پذیر ہوا تو......تم ضرور سوچو گی اس سے قبل ضرور میں تم پر شک کرتا رہا ہوں۔ سو اس قصے پر دھول ڈال دیتے ہیں۔"

وہ جو اپنے دونوں ہاتھ گود میں رکھے بیٹھی اس کو سن رہی تھی۔ آفان شاہ کے ذکر پر چونک کر زاویار کو دیکھا تھا۔ لیکن وہ اس کی طرف متوجہ نہیں تھا۔ ونڈ اسکرین پر نگاہیں جمائے۔ خود پر دریکتا کی نظروں کو محسوس کر لینے کے باوجود وہ رکا نہیں تھا بلکہ اپنی بات کو جاری رکھتے ہوئے کہتا چلا گیا۔

"اور اگر تم کو بتادوں...... اس رات جب ہم دونوں کے درمیان بلی کے گلے میں گھنٹی باندھنے والی بات پر بحث ہوئی تھی اور پھر بعد میں تم خفا ہو کے روم سے چلی گئی تھیں۔ تم دریکتا شاہ اس رات اپنا سیل میرے کمرے میں بھول گئیں تھیں۔ تم جانتی ہو میں نے چھیڑا تھا اس رات تمہارے آئی فون کو اور میں اپنے اس عمل پر بالکل بھی نادم نہیں ہوں۔"

دریکتا کو اپنی جانب تکتا پا کر وہ دوسرا سگریٹ سلگانے لگا۔

"اس وقت تم سیل فون کے ذریعے فیس بک پر سائن اپ تھیں دریکتا...... اور میں تمہارا نک نیم پڑھ

کر بت بن گیا تھا۔

"پنک فیری تمہیں شاید علم بھی نہ ہو پنک فیری کو کب سے جانتا ہوں میں......"

وہ سانس روکے زاویار کو سننے میں مصروف تھی آج تو وہ شخص اس کو حیران کرنے پر تلا تھا۔

"شاید تب سے جب صفا نے نیا نیا کالج جانا شروع کیا تھا اور ان ہی دنوں اس سے وہ فضول حرکت سرزد ہوئی تھی۔"

دریکتا جانتی تھی اس کا شارہ کلب والی بات کی طرف تھا۔ "تب سے پنک فیری کے ساتھ میرا غائبانہ تعارف رہا ہے۔ وہ لڑکی جانے کیوں اپنے تیکھے لیکچرز کی وجہ سے میرے حافظے میں محفوظ رہ گئی تھی۔

اور تم دریکتا شاہ! جن دنوں صفا نے وہ گھٹیا حرکت کی تھی۔ تم بھی تو ان دنوں خیام ہاؤس میں ہی موجود تھیں۔ اور میرا شک رہ رہ کر تم پر جاتا تھا کہ تم نے صفا کو بہکایا ہوگا۔ کیونکہ میں نے مما سے صفا کو کہتے سنا تھا کہ "مما میں نہیں جانا چاہتی تھی مگر دریکتا نے کہا تھا کہ ایک مرتبہ اس سے مل لو۔" اور صفا کے کہے یہ الفاظ ہمیشہ تمہیں میری گڈ بک میں آنے سے روکتے رہے۔

مگر پھر پنک فیری تم ہی ہو، یہ جاننے پر میں نے سوچا جو لڑکی جیسے شیطان کو بے حیائی سے بچنے کا لیکچر دیتی ہے، وہ صفا شاہ کو اندھی گلی کا راستہ نہیں دکھا سکتی۔"

"شکر ہے......آپ کو یقین تو آیا میری بے گناہی پر۔"

زاویار کے خاموش ہوتے ہی اس کے آنسو پلکوں کا بند توڑ کر بہہ نکلے تھے۔

"ہوں!" انگلیوں کے درمیان دبے سگریٹ کو کھڑکی سے باہر اچھالنے کے بعد وہ اس کی طرف مڑا تھا۔ "یقین آگیا تھا مگر یہ دل پھر بھی نہیں ہارا تھا۔ وہ تو آج مال میں اس پنک فیری کو اپنے لیے آنسو بہاتے دیکھ کر دغا دے گیا۔"

گہرے لہجے میں کیے جانے والے اس اقرار کو سن کر پنک فیری کی بھیگی و گہری پلکیں گلابی

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

رخساروں پر آجھکی تھیں۔

ٹھیک اس وقت زاد یار کی کار خیام ہاؤس کے پورچ وے میں جا کے رک چکی تھی۔

"ہے پنک فیری سن!"

کار کے رکتے ہی وہ اپنی طرف کا دروازہ کھول کر اترنے لگی تھی۔ جب پیچھے سے آتی اس زندگی سے بھرپور پکار پر اس کو رکنا پڑا تھا۔

"آج میرا برتھ ڈے ہے اور میں اس رات کو تمہارے سنگ سلیبریٹ کرنے کی خواہش رکھتا ہوں۔ اگر میرے لیے تمہارے دل میں ذرا سی گنجائش ہو تو گزری تمام باتوں کو بھلا کر پلیز تم تیار ہو جانا۔ مجھے اس وقت دو گھنٹوں کے لیے کسی آفیشل کام کے سلسلے میں کہیں جانا پڑ رہا ہے۔ اگر ان دو گھنٹوں کے دوران تم تیار ہو کر میرا انتظار کرو گی تو میں سمجھوں گا تمہیں بھی مجھ سے محبت ہے۔ اگر نہیں تو پھر میرے سیل پر "NO" کا میسج سینڈ کر دینا۔ میں تمہارے بن کہے ہی سمجھ جاؤں گا۔"

اپنی بات مکمل کرنے کے بعد وہ گاڑی اڑا لے گیا تھا۔

تو کیا گزر گیا گریز و انکار کا موسم؟
تیرے لب کیا کھلے، کھل گیا اظہار کا موسم

☆☆☆

اورنج کلر کی اسٹائلش میکسی میں گرے لینس آنکھوں میں لگائے، ہلکے سے میک اپ اور نازک جیولری میں نظر لگ جانے کی حد تک خوب صورت لگ رہی تھی۔

نازک پیروں میں اورنج ہی کلر کے اسٹرپس والی ہائی ہیل پہنے۔ گھنے بالوں کا آبشار پشت پر بکھرائے۔ کانوں میں سونے کی ننھی سی جھمکیاں ڈالنے کے بعد وہ ڈریس کے ہم رنگ دوپٹے کو اپنے کندھے پر پن سے لگانے میں مصروف تھی۔

جب اس کے سیل پر میسج بپ ہوئی۔ اور اس کے ساتھ ہی پورچ میں کار رکنے کی آواز آئی تھی۔

وہ اس شخص کے لیے آج پہلی بار سجی تھی۔ سو

الف لیلہ
ہزار داستانیں

دلچسپ اور خوبصورت داستانیں جنہیں پڑھ کر بچے ہیری پوٹر کو بھول جائیں گے، ایسی داستانیں جنہیں بڑے بھی پڑھ کر لطف اندوز ہونگے

کتاب بذریعہ رجسٹری منگوائیں
-/300 روپے کا ڈسکاؤنٹ حاصل کریں
فی کتاب -/1200 روپے
ڈسکاؤنٹ -/300 روپے
آج ہی -/950 روپے
منی آڈر ارسال فرمائیں

بذریعہ ڈاک منگوانے کے لئے
مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37 اردو بازار، کراچی۔ فون: 32216361

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

دل کی عجیب سی حالت تھی۔ گہری سیاہ پلکیں بار حیا سے بارہا جھک جاتیں۔

''اگر ان دو گھنٹوں کے دوران تم تیار ہو کر میرا انتظار کرو گی تو میں سمجھوں گا تمہیں بھی مجھ سے محبت ہے۔''

زاویار کی سرگوشی سماعت میں گونجی تو وہ درپن سے نگاہ چرائی شرما کر پلٹی اور بنا میسج پڑھے ۔۔ اپنا سیل اٹھا کر نیچے آ گئی۔

''مایا..... مما کو بتا دیا۔ میں زاویار کے ساتھ ڈنر پر جا رہی ہوں۔'' کچن کے دروازے پر رک کر دریکتا نے مایا کو پیغام دیا تھا۔

پھر ہاتھ میں تھامے سیل کی اسکرین کو روشن کیا اور میسج پڑھتی لاؤنج کے بیرونی دروازے بڑھی۔

''ایم ویٹنگ، زاویار خیام ہیئر''

میسج پڑھ کر اس کی دھڑکنوں میں طوفان سا مچ اٹھا تھا۔ مخروطی و نازک انگلیاں بے ساختہ سیل کی اسکرین پر حرکت کرنے لگی تھیں۔

ٹیکسٹ ٹائپ کرنے کے باوجود دریکتا نے سینڈ کا بٹن اس وقت پش کیا تھا جب وہ خیام ہاؤس کے پورچ میں قدم رکھ چکی تھی۔

☆☆☆

براؤن جینز اینڈ وائٹ شرٹ میں ملبوس اپنے گھنے بالوں کو ہیر جیل کی مدد سے پیچھے کی جانب جمائے ۔ وہ اپنی گاڑی کے ساتھ ٹیک لگائے کھڑا بے تابی سے اس کا منتظر تھا۔

دفعتاً اس کے موبائل پر میسج ٹون بجی تھی۔

آئم کمنگ

دریکتا شاہ ہیئر۔''

اسکرین پر نظریں جمائے ٹھہرے زاویار خیام کے لبوں پر مسکراہٹ کھل اٹھی تھی۔

آئم ویٹ..... آئم ویٹ مائی سوئیٹ ہارٹ..... کم سون.....''اس بار ٹیکسٹ لکھنے کے بجائے وہ زیر لب مسکرایا تھا۔

ٹھیک اس وقت قدموں کی آہٹ پورچ دے پر ابھری تھی۔ زاویار شاہ نے پلٹ کر دیکھا تو دیکھتا ہی رہ گیا۔

اورینج کلر کی میکسی میں اپنے لمبے بالوں کو پشت پر اور گرے لینز آنکھوں میں لگائے دونوں کانوں میں چھوٹی چھوٹی جھمکیاں پہنے۔ وہ سیدھی اس کے دل میں اتر رہی تھی۔

زاویار نے کن اکھیوں سے اس کی سونی کلائیوں کا جائزہ لیا تھا۔ بس ایک چوڑیوں ہی کی تو کمی رہ گئی تھی اس کے سنگھار میں اور یہ اتفاق ایسا تھا کہ وہ مسکرا کر رہ گیا تھا۔

دریکتا جو اس کی وارفتہ نگاہوں کے حصار میں کنفیوز سی کھڑی تھی' زاویار کو مسکراتا دیکھ کر پلکیں جھکا کر خود بھی مسکرا دی۔

اس بات سے بے خبر کہ اس کی یوں پلکیں جھکا لینے والی ادا نے سامنے کھڑے شخص کے دل پر کیسی قیامت ڈھا دی تھی۔

'' بمشکل خود کو سنبھالا وہ آگے بڑھا تھا اور دریکتا کے لیے دروازہ کھلا۔ وہ دھیرے سے چل کر گاڑی میں آ کر بیٹھ گئی تھی۔

خیام ہاؤس کے پورچ سے نکل کر گاڑی کو روڈ پر لانے تک ان دونوں کے درمیان خاموشی حائل رہی تھی۔

''مجھے آنے میں زیادہ دیر تو نہیں ہوئی؟''

کار میں چھائے سناٹے کو اچانک زوایار کے ذومعنی استفسار نے توڑا تھا۔

''آپ کو کیا لگتا ہے؟'' سوال گہرا تھا جواب بھی ویسا ہی آ گیا۔ وہ دریکتا کی حاضر جوابی پر نثار ہی تو ہو گیا۔ مسکراتے ونڈ اسکرین سے نگاہ ہٹائی اور اس کی گہری جھیل سی آنکھوں میں جھانکا۔

''آئی تھنک! دیر ہو گئی ہے مگر اتنی بھی نہیں..... اور ویسے بھی میرے خیال میں جس راہی کی منزل آپ کے جیسی خوب صورت ہوا' اسے تو دیر ہونے پر بھی پیار آتا ہے۔''

در کے چہرے کے آگے جھولتی ریشمی لٹ کو پیار

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

سے چھوتے وہ مسکرایا تو دریکتا شاہ کی پلکیں لرز اٹھیں۔
''اس کا مطلب تو یہ ہی ہوا ناں ...... کہ دیر پر پیار آتا ہے۔ منزل پر نہیں؟'' شریر مسکراہٹ کو اپنے ہونٹوں پر روکتی وہ پوچھ گئی تھی۔

ہا...... ہا! زاویار کا دلکش قہقہہ گاڑی کے اندر گونج گیا تھا۔ اس نے دریکتا کی بات کا جواب دینے کے بجائے اگلے ہی پل کار میں موجود سی ڈی پلیئر آن کر دیا تھا۔

مٹھی مٹھی بول......
رس کانوں وچ گھول......
بجنے دے تاشے ڈھول......
من دے نیناں تو کھول......

گلوکار کی تان پر فرنٹ سیٹ پر اس کے برابر بیٹھی وہ پنک فیری بڑے ہی چھوٹے موٹے انداز میں مسکرا دی تھی۔ کن اکھیوں کے ساتھ اس کے چہرے پر رقص کرتی مسکراہٹ کا نوٹس لیتے زاویار نے ہاتھ بڑھایا اور ڈیش بورڈ پر رکھا گفٹ کا پیکٹ اٹھا لیا تھا۔
جو ابھی آتے ہوئے وہ راستے میں خرید کر لایا تھا۔
''اِٹس فار یو'' (یہ تمہارے لیے)
''یہ کیا ہے؟'' سوالیہ انداز میں پیکٹ کی جانب اشارہ کیا تھا در نے۔
کار کو ایک سائیڈ پر لے جا کر زاویار روک چکا تھا۔
پھر وہ خود ہی پیکٹ کھولنے لگا۔
''واؤ۔'' ریپر ہٹتے ہی دریکتا کی آنکھیں چمکیں۔ کلر فل چوڑیوں کے کانچ کے دو سیٹ پیکٹ کے اندر جگمگا رہے تھے۔
''آپ کو کیسے پتا چلا مجھے کانچ کی چوڑیاں پسند ہیں؟ وہ چہکی۔
''تمہاری یہ سونی کلائیاں دیکھ کر۔'' ہنس کر جواب دیتے زاویار خیام نے اس کی دونوں کلائیاں تھام لی تھیں۔

پھر کانچ کی چوڑیوں کے وہ دونوں سیٹ باری باری اس کی نازک کلائیوں میں چڑھا دیے۔
''بس یہ ہی ایک کمی تو تھی میری بجنی کے سنگھار میں۔'' چوڑیاں اسے پہنانے کے بعد وہ دھیرے سے سرگوشی کر گیا۔
''تھینک یو۔'' جھکی پلکوں کے ساتھ اس کا شکریہ ادا کرتی وہ دل کے تار چھیڑ دینے کی حد تک پیاری لگ رہی تھی۔
''بٹ آئی لو یو۔''
اس کے تھینکس کو نظر انداز کرتے زاویار نے دفعتاً اپنے لب چوڑیوں سے بجی کلائی پر رکھ دیے تھے۔ دریکی جان اپنی کلائی میں سمٹ آئی تھی۔
''گھر چلیں۔''
کچھ اور نہ سوجھا تو اچانک یہ عجیب سی فرمائش کر ڈالی۔ اور اس مرتبہ اس کے مجازی خدا کی جانب سے قہقہہ آیا تھا کہ سنہرے رخساروں پر گلال بکھر کر رہ گیا۔
زاویار شاہ نے اس کے حکم پر گاڑی اسٹارٹ ضرور کر دی تھی مگر گھر جانے کے لیے نہیں بلکہ دور دریا جانے کے ارادے سے۔ وہ اپنی سالگرہ کا کیک ساحل کنارے پر کاٹنے کا ارادہ رکھتا تھا۔
اور اس بار تو اس کی محبت بھی ساتھ تھی۔ یقیناً سمندر کی فضاؤں کا حسن دوچند ہونے والا تھا۔
اپنی کلائی میں بجی کانچ کی چوڑیوں کے ساتھ کھیلتی اس پنک فیری نے سنا تھا۔
کار اسٹارٹ کر کے اس کا سجنا گلوکار کے ساتھ خود بھی گنگنا رہا تھا۔
''آسوہنڑی تینوں میں چاندی کی چوڑی پہناواں۔''
چاندی کی چوڑی اس کی کلائی میں وہ چڑھا چکا تھا جو تمام عمر اس کے ہاتھوں میں رہنے والی تھی بنا اپنی چمک کھوئے۔

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

عفت سحر طاہر

تیز برستی بارش اور ساعتوں میں کسی کے تیز چبھتے جملے، یہ خواب اس کی زندگی کا سب سے ڈراؤنا خواب تھا جو اسے یہ یاد دلاتا تھا کہ اس نے کسی سے ان سب کی بربادی کا وعدہ کیا تھا۔

آفندی ہاؤس میں اصول پسند آغا جان اپنے دو بیٹوں مبین آفندی اور سہیل آفندی ان کی بیویوں اور بیٹیوں کے ساتھ رہتے ہیں۔ انہیں اپنا پوتا نہ ہونے کا بہت دکھ ہے پوتیاں ان کی اس بات سے بہت چڑتی ہیں۔

وقار آفندی کو ایک گانے والی زرنگار سے محبت ہو جاتی ہے۔ وقار آفندی زرنگار کو نکاح کی آفر دیتا ہے تو وہ غائب ہو جاتی ہے۔

طلال اور مہر ماہ یونیورسٹی میں ایک ساتھ پڑھتے ہیں اور ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں۔ طلال کے گھر والے مہر ماہ کا رشتہ لے کر آتے ہیں جو قبول کر لیا جاتا ہے۔

مبین آفندی، آغا جان سے بات کرتے ہیں کہ فاران آفندی کو معاف کر دیا جائے اور اسے اس کے بیٹے اور بیوی کے ساتھ آفندی ہاؤس بلا لیا جائے۔ فاران آفندی کو چھوٹے بھائی وقار آفندی کی حمایت اور آغا خان کی مخالفت کی وجہ سے گھر بدر کر دیا گیا تھا۔ پوتے کی خاطر آغا جان مان جاتے ہیں۔ تائی جان، مبین آفندی کی بیوی اس بات پر بہت ناراض ہوتی ہیں۔ فاران آفندی پاکستان جانے کا فیصلہ کر لیتے ہیں، ان کی بیوی ثمرہ اور بیٹا موحد بہت ناراض ہوتے ہیں۔

وقار آفندی آخر کار زرنگاہ کو تلاش کر لیتا ہے۔ اور اسے یقین دلاتا ہے کہ وہ اسے باعزت طریقے سے اپنے نکاح میں لینا چاہتا ہے اور اپنے خاندان میں متعارف کرائے گا۔

موبائل کی بیٹری ڈاؤن ہو جانے کی وجہ سے مہر ماہ کا رابطہ نمیر سے ٹوٹ جاتا ہے اور وہ وقار آفندی اور زرنگار آفندی کی محبت اور آفندیز کی بے حسی کے بارے میں سوچتی رہ جاتی ہے۔

وہ موحد کے آفس میں رابطہ کر کے اس سے ملنے کا کہتی ہے وہ گھر آ کر بات کرنے کا کہتا ہے۔ وہ اس کے آفس پہنچ کر اس کے سامنے نمیر کی داستان سن کر اس سے ہمدردی محسوس کرنے کا کہتی ہے۔ موحد کہتا ہے کہ اس کی پوری کہانی سن کر فیصلہ کرنا کہ وہ کس چیز کا حق دار ہے۔ سزا یا معافی۔

ملاحہ نئے ڈرائیور کو دیکھ کر پریشان ہو جاتی ہے۔ اور کبیر کے لیے اس کے دل میں شکایت پیدا ہو جاتی ہے۔

کبیر اسے کالج سے واپسی پر لینے آتا ہے اور اپنے گھر لے جا کر اسے اپنی ماں بہنوں سے ملوتا ہے۔ نمیر فون پر مہر ماہ کو اپنی ادھوری کہانی سناتا ہے۔ آغا جان مہر ماہ سے بات کرتے ہیں۔ اور نمیر سے نکاح قائم رکھنے پر اسے سخت سست سناتے ہیں۔ وہ نمیر کی حمایت کرتی ہے تو وہ اس سے ناراض ہو جاتے ہیں۔ مہر ماہ فون پر نمیر سے کہتی ہے کہ وہ اس سے ملنا چاہتی ہے۔ وہ ہامی بھر لیتا ہے۔ ملاحہ، موحد سے مدد مانگتی ہے۔ وہ اس کے لیے کوئی رشتہ لاتا ہے۔ ملاحہ ناراض ہو جاتی ہے۔

مہر ماہ، نمیر آفندی سے ملنے کبیر کے ساتھ جاتی ہے اور اسے باہر انتظار کرنے کا کہہ کر ریسٹورنٹ کے اندر چلی جاتی ہے پہلے سے بک کی ہوئی ٹیبل پر اس کا انتظار کرتی ہے۔ کہ اچانک ایک آواز پر چونک جاتی ہے۔

زرنگار کی کہانی جان کر مہر ماہ آفندی ہاؤس والوں کی بے حسی اور تکبر پر دنگ رہ جاتی ہے۔ وہ موحد کو بلا کر اس سے بات کرتی ہے۔

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

موحد ملاحہ کے لیے رشتہ لانے کی بات کرتا ہے۔ تو ملاحہ بہت افسردہ ہوتی ہے۔ وہ کبیر کو چاہتی ہے۔ موحد اسے بتاتا ہے کہ کبیر گھر چھوڑ گیا ہے اور اس نے آفس سے اپنی پراپرٹی کے کاغذات بھی چرا لیے ہیں۔

نمیر آفندی مہر ماہ کو راستے میں ملتا ہے۔ وہ اسے جھڑک کر آگے بڑھ جاتی ہے۔

موحد ملاحہ کے لیے جو رشتہ لاتا ہے۔ ان کی شان و شوکت دیکھ کر سائرہ چچی کے سینے پر سانپ لوٹنے لگتے ہیں۔ جبکہ ملاحہ شدید پریشان ہے۔

تزئین کی زبانی حقیقت جان کر طلال مہر ماہ کو دوبارہ رشتہ جوڑنے پر مجبور کرتا ہے۔ مگر وہ اپنا اور موحد کا رشتہ جتا کر اس سے سختی سے پیش آتی ہے۔ نمیر کی مہر ماہ سے ملاقات ہوتی ہے وہ مہر ماہ کو آزاد کرنے کے بجائے اس سے اظہار محبت کرتا ہے۔ موحد بھی مہر ماہ سے شادی کا خواہاں ہے مگر اسے دونوں ناپسند ہیں۔ کبیر، آغا جی کی عیادت کرنے آتا ہے تو صدیقہ بیگم اسے خوب ذلیل کرتی ہیں۔ نمیر کو پیسہ دینے پر گھر کے سارے مرد غصے میں ہوتے ہیں مگر موحد کی باتوں میں آ کر جائیداد کی خاطر ملاحہ اور کبیر کا رشتہ کرنے پر تیار ہو جاتے ہیں۔

مبین آفندی کا منصوبہ ہوتا ہے کہ نمیر سے دولت واپس لے کر کبیر کو راستے سے ہٹا دیں گے' اسی لیے وہ ملاحہ کے نکاح پر راضی ہو جاتے ہیں۔ مگر یہ بات آغا جان سے چھپالی جاتی ہے۔ بعد میں موحد کو بھی کاروبار سے بے دخل کرنے کا منصوبہ تھا۔ مگر موحد ان کی ساری چالیں ناکام بنا دیتا ہے۔ ملاحہ رخصت ہو کر کبیر کے ساتھ چلی جاتی ہے۔

مہر ماہ پر اپنے باپ کی ذہنیت آشکار ہوتی ہے۔ ثمرہ اور موحد کی خواہش مہر ماہ کو اپنانے کی ہے مگر مہر ماہ موحد کو قطعیت سے انکار کر کے نمیر کے سامنے آنے پر فیصلہ سنانے کا عندیہ دیتی ہے۔

پچیسویں قسط

"گھر میں ہمارے آئی دلہن، سکھی پھول برساؤ"

ہنسی مذاق قہقہے...... اور مدھم سروں میں بجتا یہ سریلا گانا۔ کبیر کے گھر میں خوشیوں کی پریاں اتری ہوئی تھیں اور ملاحہ کا دل آج بہت عرصے کے بعد انوکھی ترنگ میں دھڑک رہا تھا۔

"میرا بھائی شہزادہ ہے بھابی! بہت خوب صورت دل کا مالک۔" کبیر کی بڑی بہن زرمینے نم آنکھوں کے ساتھ ہونٹوں پر مسکراہٹ لیے کہہ رہی تھی۔ پلوشہ مسکرا کر آگے آئی اور شوخ لہجے میں ملاحہ کو چھیڑتے ہوئے بولی۔

"تم بھابی کو جس دل کی خوب صورتی کے بارے میں بتا رہی ہو، یہ وہاں کی بے تاج ملکہ ہیں۔ ان سے زیادہ کون واقف ہوگا اس دل کے ہر کونے سے۔" ملاحہ کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اسی وقت کوئی اس کے بالکل ساتھ آ کر صوفے میں دھنس گیا۔

"آہاں...... ہم بھی تو سنیں، یہ کس کے راز سر عام کھولے جا رہے ہیں۔" کبیر کی مسکراتی آواز نے ملاحہ کا وجود سنسنا دیا۔

"اررر...... ارے رے...... اٹھیں یہاں سے۔" پلوشہ تیزی سے آگے بڑھی۔ "ایسے کیسے بیٹھ گئے ہیں آ کر۔"

کبیر نے ایک ابرو اچکا کر اسے دیکھا۔

"ایسے کیسے کا کیا مطلب ہوا؟ بھئی لیگل ہیں اب"۔ ملاحہ کو سن کر ہنسی آئی۔

"لیگل ویگل آج کے دن نہیں چلے گا بھائی! نیگ دینا ہوگا بھابی کے پاس بیٹھنے کے لیے۔" زرمینے بھی چھوٹی بہن کی حمایت میں شوخی سے بولی۔

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

"اوہو... پھر سے نیگ... چار بار پہلے بھی ہزاروں نکلوا چکی ہو نیگ کے نام پر" وہ کراہا۔
مگر ہونٹوں کے کناروں سے پھوٹتا تبسم اور نگاہوں سے چھلکتا خمار گواہ تھا کہ کبیر خان آج کے روز اپنی عروس پر سے کائنات بھی وار سکتا تھا اگر اس کے بس میں ہوتا تو۔
"اب ادھر سے بھی نکلواؤ نا۔" وہ ملاحہ کے ہاتھ میں دبے کلچ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے شرارت سے بولا۔
"ان کے پرس میں جب ڈالو گے تب نکلیں گے نا بھائی! ابھی تو آپ ہی نکالیں گے۔"
"اچھا ٹھہرو۔ میں ذرا اپنی دلہن سے پوچھ لوں" وہ معصوم بنا ملاحہ کی طرف جھکا۔
رخصتی کے وقت اس کے زرتار دوپٹے پر زرمینے نے ٹشو کا لال دوپٹہ ڈال دیا تھا جو گھونگھٹ کی صورت اب بھی ملاحہ کے چہرے پر ٹھوڑی تک کھنچا ہوا تھا۔
"خبردار...... جو ذرا سی بھی شکل دیکھی بھابی کی۔ گھونگھٹ کھولنے کا بھی نیگ دینا ہوتا ہے۔" زرمینے نے جس طرح کبیر کو پکڑ کر پیچھے کرتے ہوئے کہا، وہ بے اختیار ہنستا چلا گیا۔
"ڈونٹ ٹیل می...... یعنی کہ تم تو تم رہیں۔ تمہاری بھابی بھی نیگ لے گی اب۔ نیگ نہ ہوا محصول ٹیکس ہو گیا۔"
یونہی ہنستے ہوئے وہ اٹھ گیا۔ ملاحہ کو بھی اس کی بہنوں کی معصومانہ باتوں پر ہنسی آرہی تھی۔ زرمینے شادی شدہ اور دو بچوں کی ماں بھی مگر اس کے انداز کی معصومیت ابھی تک برقرار تھی۔
"ہاں تو اور کیا۔ اتنی پیاری بھابی تو کسی کی بھی نہیں۔" پلوشہ نے پیار سے اترا کر کہا۔
"اچھا.. تو یہ بات ہے مگر مجھے کیسے پتا چلے گا کہ یہ واقعی اتنی حسین لگ رہی ہیں۔" کبیر کا مسکراتا انداز ستانے والا تھا۔ ملاحہ کے دل کی دھڑکن بے ترتیب سی ہوئی۔
"آہاہ.... ایسے ہی تو دیوانے ہوئے نہیں پھر رہے تھے میرے بھائی۔ اسی شکل کو یاد کر کے نیگ نکال دو ورنہ پلوشے کا کوئی ارادہ نہیں بھابی کو کمرے میں لے کر جانے کا۔"
زرمینے اسے چھیڑتے ہوئے بولی تو کبیر نے فی الفور جیب سے والٹ نکال کر پلوشہ کے ہاتھ میں تھما دیا۔
"یاہو.... " وہ اچھل پڑی۔ " کیا نذرانہ دیا ہے بھابی کا۔"
"یہ اس پہلے والی شکل کا دیا ہے۔" وہ مسکرا کر بولا تو ملاحہ کا دل سبک رفتار ہوا۔
"آج دیکھو گے تو گمان ہو گا کہ جانے کس پری کو بیاہ لائے ہو پرستان سے۔"
اس وقت زرمینے نے تیقن سے کہا تھا۔ اور اب جب وہ عروس جان اس کے سامنے تھی تو واقعی وہ دنگ سا تھا۔ خوب صورت تو پہلے بھی تھی مگر دلہناپے کا جو روپ اس پر ٹوٹ کر برسا تھا وہ نگاہ باندھ لینے والا تھا۔ یقیناً من چاہا ساتھ پانے کا اطمینان اس روپ کو نکھارنے کا باعث بنا تھا۔
"ماشاء اللہ...... " وہ بے اختیار بولا تو ملاحہ کو ٹوٹ کر حیا آئی۔ وہی ملاحہ تھی وہی کبیر خان تھا مگر رشتے کی تبدیلی نگاہ کو اٹھنے سے روکتی تھی۔
"ملاحہ کبیر خان! اللہ نے تمہیں میرا نصیب بنا کر تا عمر مجھ پر سجدۂ شکر واجب کر دیا ہے۔" وہ بوجھل لہجے میں کہتا خوب صورت سے کنگن اس کے ہاتھ میں ڈال رہا تھا۔ ملاحہ نے خفیف سی پلکیں اٹھا کر اس خوب رو شخص کو دیکھا جس کی شان آج شہزادوں جیسی تھی۔
"اور مجھ پر بھی...." نقرئی گھنٹیوں جیسی آواز کبیر کی سماعت سے ٹکرائی تو اس نے بے اختیار مسکرا کر ملاحہ کو

www.urdusoftbooks.com
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

دیکھا۔

"رئیلی ....؟" شرارت سے بھنویں اچکا کر پوچھا تو اس نے جھینپ کر ماتھا گھٹنوں پر ٹکا دیا۔ کبیر کے ہلکے سے قہقہے نے زندگی گلزار ہو جانے کا عندیہ دیا تھا۔ ملاحہ آفندی آج ملاحہ کبیر خان بن کر اپنی تکمیل پر نازاں تھی۔

☆☆☆

تائی جان کا سکتہ تھا کہ ٹوٹنے میں ہی نہ آتا تھا۔ وہ موحد اور ثمرہ کو بے نقط سنانے کے بعد کل سے جا کر کمرے میں بند ہو گئی تھیں۔ مبین آفندی کا بھی یہی حال تھا گویا کسی کو شکل دکھانے لائق نہ رہ گئے ہوں۔ مہر و فجر کی نماز اور قرآن پڑھ کر فارغ ہوئی تو ملائکہ کی کال آ گئی۔ اللہ جانے وہ بھی وہاں بے خوابی کا شکار تھی۔ مہر و فون پر بڑی بہن کو وضاحتیں دے دے کر تنگ آ گئی تو تنک کر کہہ ہی دیا۔

"آفندیز کون سا ڈائریکٹ آسمان سے اترے ہیں آپی! عام سے جذبات رکھنے والے انسان ہی ہیں۔ نمیر آفندی تو پکا خاندانی تھا ہمارا اعم زاد' اسے بھی قبول لینے سے انکار پھر اس پر اعتراض کیوں؟ ایک کبیر خاندان میں شامل ہو گیا تو کون سی شان کم ہو گئی ہماری۔ بلکہ آپ تو خوش ہوں کہ آپ کی بہن کے دل کی دنیا اجڑنے سے بچ گئی۔ وہ دل سے ہنسا کرے گی۔"

اور ملائکہ نے دل کے کسی کونے میں اس کی بات کو سچ سمجھ کر تائید کرتے ہوئے بھی فی الحال خفا ہو کر فون بند کر دیا۔ برسوں سے لگے زنگ ایک ہی بار میں تو نہیں اتر جایا کرتے نا۔

مہر ماہ نے گہری سانس بھری اور ذرا کمر سیدھی کرنے کے خیال سے لیٹ گئی۔ تھکی ہوئی تھی تو آنکھ لگ گئی۔ دوبارہ جاگی تو گھڑی کی سوئیاں ساڑھے نو بجا رہی تھیں۔ وہ الماری سے کپڑے نکال کر واش روم میں گھس گئی۔ فریش ہو کر باہر آئی، جلدی سے بال سنوارے اور ایک نظر قرآن پڑھتی زرنگار پر ڈال کر کمرے سے باہر نکل آئی۔

اس کا رخ تائی جان کے پورشن کی طرف تھا خیال یہی تھا کہ ان کی بھی تھوڑی سی برین واشنگ کر دے۔ کل ملاحہ رخصت ہوئی تھی اور آج کا دن چھوڑ کر کل کے لیے کبیر خان کی طرف سے آفندیز کو مرغزار کے بہترین لان میں ولیمہ کا دعوت نامہ دیا گیا تھا۔ آج کا دن شاید ان سب کو سنبھلنے کا موقع دینے کے لیے خالی چھوڑا گیا تھا۔

"عام سا دن ہوتا اور ملاحہ کی شادی امی کی پسند سے ہوتی تو اس وقت میں جوش و خروش سے اپنی بہن کے لیے ناشتا لے کر جاتی۔ بعض اوقات یہ چھوٹی چھوٹی خواہشات کتنا بڑا دکھ لگتی ہیں۔" وہ آزردہ سی تھی۔ نہ جانے حالات کیا رخ اختیار کرنے والے تھے۔

"اوہو......سوئی ہوئی قوم......" دفعتاً موحد نے اس کے سامنے آ کر اس کی آنکھوں کے آگے چٹکی بجائی تو وہ چونکی بلکہ خاصی ناگواری سے اسے دیکھا جو بلیو جینز اور وائٹ ٹی شرٹ میں فریش سا اس نکھری صبح کا حصہ لگ رہا تھا۔

"کیا تکلیف ہے۔ تم نے ہر نیک کام کے وقت کالی بلی کی طرح میرا راستہ ضرور کاٹنا ہوتا ہے۔" وہ بے زاری سے بولی تو موحد نے ایک نظر اپنی سفید براق شرٹ پر ڈالی اور تاسف سے سر ہلایا۔

"اگر دن کے دس بجے جاگ ہی گئی تھیں تو چار چھینٹے پانی کے منہ پر مار لینے سے نہ صرف آنکھیں کھل جاتیں بلکہ شکل بھی خاصی بہتر ہو جاتی۔"

اس کے مشورے نے مہرو کو تپایا اوپر سے اس کے الفاظ۔

"تو جا کر منہ پر آٹھ دس بار چھینٹے مارنے والی لے آؤ نا......کافی حسن ہوگا اس کے چہرے پر" وہ اس سے اس جملے کی توقع نہیں کر رہا تھا قہقہہ لگا کر ہنس دیا۔

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

"ہٹو آگے سے۔ فضول شکل دکھادی صبح صبح۔"

"وہ تو تم پہلے ہی شیشہ دیکھ کر آئی ہو۔ مجھ غریب پر تو الزام مت دھرو۔" وہ بہت فارغ تھا شاید جم کر راستے میں کھڑا تھا۔ یہاں سے ایک موڑ مڑتی تو تائی جان کا لاؤنج آجاتا مگر وہ راستے سے ہٹے تو نا۔

"کیا مسئلہ ہے تمہارے ساتھ؟" سینے پر بازو لپیٹتے ہوئے مہرو نے تلخی سے پوچھا تو اس نے مدافعانہ دونوں ہاتھ اٹھا کر گویا سیز فائر کیا۔

"ذرا سا کام ہے جو صرف تم ہی کر سکتی ہو اور بس۔ اس کے بعد تم فری ہو جہاں مرضی دندناتی۔۔۔ مطلب کہ آتی جاتی پھرو۔" اس کی تیز نظروں سے متاثر ہو کر وہ فوراً الفاظ بدل گیا۔

"اللہ نے ہاتھ پاؤں دیے ہیں، ہٹے کٹے ہو جا کر کرو اپنے کام۔"

"تم چلو تو...... تم سے متعلقہ ہی کام ہے۔" وہ اس کا ہاتھ تھام کر اسے کچن تک لے آیا۔

"کیا بدتمیزی ہے یہ......" وہ تپ اٹھی۔

"اس سے پہلے کہ تمہاری والدہ ماجدہ جاگ جائیں یہ سب سمیٹو اور چلو طلحہ اور کبیر کا ناشتا لے کر جانا ہے۔"

وہ اس کے روّیے کو نظر انداز کرتے ہوئے مسکرا کر بولا اور کاؤنٹر پر بکھرے شاپرز کی طرف اشارہ کیا تو وہ جہاں کی تہاں رہ گئی۔ پھر اگلے لمحے پیروں میں کھڑے رہنے کی سکت نہ پائی تو اسٹول پر بیٹھ گئی۔ دل بھر آیا تو نمی آنکھوں کے کونوں تک پھیلی۔

"اوہیلو...... آرام کرنے کو نہیں لایا ہوں تمہیں یار! یہ سب ایسے ہی لے جانا ہے یا برتنوں میں نکالنا ہے یہ بتاؤ۔ پھر بس نکل چلتے ہیں، کبیر کو کال کر دی ہے میں نے۔ وہ انتظار کرے گا سسرالی ناشتے کا۔"

"تم اچھی طرح جانتے ہو کہ مجھے تم سے شدید نفرت ہے۔ پھر ہر اچھی بات تم ہی سے کیوں ملتی ہے مجھے" وہ بے اختیار ہو گئی تھی آنسو بنا شعوری کوشش کے بہہ نکلے تو وہ لمحہ بھر کو ساکت رہ گیا۔

"اچھا یہ فضول کی ڈائیلاگ بازی کے لیے کوئی اور ٹائم رکھ لو۔ ساری زندگی پڑی ہے اس نفرت کو نبھاتی رہنا۔ لیکن ابھی جو کہہ رہا ہوں وہ کرو۔" وہ مرد تھا اگلے ہی پل خود کو سنبھال کر اسے نارمل انداز میں ہلکا سا جھاڑ کر بولا۔ تو وہ خفا خفا سی بوجھل دل کے ساتھ اٹھ گئی۔ حلوہ پوری، روغنی نان چنے، پائے۔

"افف...... یہ اتنا ہیوی ناشتا۔ ملی تو چکھے گی بھی نہیں۔" وہ شاپروں میں جھانکنے کے بعد مایوسی سے بولی۔

"ساری زندگی اتنا ہیوی ناشتا نہ کرنے والے اس سسرالی یا میکے کے ناشتے سے پوری طرح لطف اندوز ہوتے ہیں جو انہیں شادی جیسا پاپڑ بیلنے کے بعد نصیب ہوتا ہے۔" وہ ناصحانہ بولا تو مہر ماہ چڑ گئی۔

"ساری عمر تم پردیس میں گزار کر آئے ہو۔ تمہیں کیا پتا۔"

"مسلمانوں میں ہی رہا ہوں الحمدللہ اور سب کی روایات ایک سی ہیں، ملک ہو یا بیرون ملک۔" وہ مسکرایا۔ سر جھٹکتے ہوئے جب مہرو نے طے کر لیا کہ ایسے شاپرز ہی لے جائیں اور کبیر کے گھر جا کر برتنوں میں ناشتا چن دیا جائے تبھی سر درد سے بے حال چائے کی طلب میں بے چین تائی جان کچن میں داخل ہوئیں۔ تو وہاں موحد و مہر ماہ کی موجودگی اور گرما گرم ناشتے کی خوشبو نے پل بھر میں انہیں سارا ماحول سمجھا دیا۔

''یہ تو بے شرم انسان ہے ہی، تم کس رشتے سے اس کی بے ہودگی کا ساتھ دے رہی ہو۔'' وہ چیخ کر سخت لہجے میں بولیں۔ مہر ماہ نے ایک سلگتی نظر ماں کے ناراض چہرے پر ڈالی۔ مگر بہت رسان سے بولی۔

''وہی رشتہ جو آپ لوگوں نے بنایا تھا اس کے اور میرے بیچ۔''

''یہ جان کر بھی کہ اس رشتے کی خاک اہمیت نہیں ہے۔'' وہ بھڑکیں مگر یہ جان نہیں پائیں کہ ان کے الفاظ

www.urdusoftbooks.com
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

نے ان کی بیٹی کا دل چیر کر وہاں اذیت ہی اذیت بھر دی تھی۔ کاؤنٹر کی ماربل ٹاپ پر بیٹھے موحد نے لب بھینچے۔

"جب آپ نے یہ جانتے بوجھتے ہوئے بھی یہ رشتہ طے کر دیا تو پھر میرے اس رشتے کو ماننے کی اتنی تکلیف کیوں امی؟" مہر ماہ کا دھاڑیں مار کر رونے کو دل کیا مگر تحمل سے پوچھا۔ تائی جان نے ماتھا پیٹ لیا۔

"غلطی ہو گئی جو اس بہروپیے پر اعتبار کر کے تمہیں کنویں سے بچاتے بچاتے کھائی میں دھکیل دیا اور آج اس نے ہمارے خاندان کو ایک اور بٹہ لگا دیا۔"

"ملاحہ پوری عزت سے رخصت ہوئی ہے امی! رات کے اندھیرے میں نہیں۔ اور اللہ کا شکر ہے بہت اچھے خاندان اور چاہت والے لوگوں میں گئی ہے۔"

"بکواس بند کرو۔ اور خبردار جو یہ ڈرامہ بازی مزید چلائی۔" انہوں نے نخوت سے ناشتے کی طرف اشارہ کیا۔

"نہ ناشتا نہ ولیمہ۔ اب سے ہمارا ہر رشتہ ختم سمجھو۔ کل تو خاندان کے لوگوں کی وجہ سے مار کھا گئے تھے ہم" انہوں نے ہاتھ جھاڑے۔ موحد کاؤنٹر سے اترا اور ہاتھوں میں شاپر سنبھالتے ہوئے مہر کو بھی مدد کا اشارہ کیا۔

"بہت بہتر۔ آپ کا ہر رشتہ ختم سہی ہمارا تو نیا رشتہ بنا ہے کبیر کے ساتھ اور رہی بات خاندان والوں کی تو کل سب کبیر کی طرف انوائیٹڈ ہیں تائی جان وہ بھی پورے پروٹوکول کے ساتھ۔ ماں باپ نہ سہی خاندان کے لوگوں کی دعائیں تو ہوں گی ان دونوں کے ساتھ۔" وہ چیلنجنگ مسکراہٹ کے ساتھ تائی جان کو اس صدی کا سب سے کمینہ انسان لگا۔

مہر ماہ خاموشی سے شاپر ہاتھ میں لیے موحد کے ساتھ نکل گئی ادھر کلیجہ پیٹنے کو تائی جان تنہا رہ گئیں پھر خیال آیا کہ سر درد سے پھٹ رہا ہے پہلے چائے بنا کر پی لیں تو باقی کا ماتم بعد میں بھی منایا جا سکتا ہے۔

کمرے میں آئیں تو چھوٹی ٹرے میں چائے کے دو کپ تھے۔ مبین آفندی واش روم سے نکل کر تولیے سے ستا ہوا چہرہ تھپتھپا رہے تھے۔ کل کا دن اور رات دونوں ہی میاں بیوی پر بہت بھاری گزری تھی۔

"کیا ہوا ہے؟" بیوی کا غیر معمولی سرخ ہوتا چہرہ اور تیز تنفس انہیں ٹھٹکا گیا۔

"میں کہتی ہوں مبین صاحب! بربادی کے اس سفر کو یہیں روک لیں۔ خاندان والے تو کل سے ہی گھر واپس جا کر کیا کیا باتیں نہ بنا رہے ہوں گے۔ اب بچی کچی عزت بھی جائے گی۔" ان کی آواز مارے دکھ سے بھرا گئی۔ مبین صاحب نے تولیہ بستر پر پھینکا اور ان کے پاس آ بیٹھے۔ چہرے پر پریشانی پھیل گئی۔

"ہوا کیا ہے اب؟" تائی جان نے موحد اور مہر ماہ کے ناشتا لے جانے والی بات بتائی تو ان کی پیشانی پر شکن ہو گئی۔

"اور وہ جو آپ کہہ رہے تھے کہ ولیمے کا بائیکاٹ کریں گے، اس پلان پر بھی نظر ثانی کر لیں اس کمینے نے سارے خاندان کو انوائیٹ کر رکھا ہے ولیمے پر۔" صدیقہ بیگم روہانسی ہو گئیں تو وہ دم بخود سے ان کو دیکھنے لگے۔

"اب خود ہی سوچ لیں کہ اگر سارا خاندان وہاں ہوا ماسوائے لڑکی کے والدین کے تو کیسی کیسی باتیں نہ نکلیں گی۔"

"تمہیں موحد نے بتایا ہے یہ سب؟"

"اور کون ہے ہماری بربادی کا ذمہ دار۔" وہ چڑ کر چائے پینے لگیں۔

"ساری دنیا بیٹیوں کی شادی کر کے پرسکون ہو جاتی ہے یہاں داماد ہی نچائے دے رہے ہیں ہمیں۔" بیچ بیچ میں انہیں یاد آتا تو وہ کلس کر بولے بنا نہ رہتی تھیں۔ جبکہ مبین آفندی خاموشی سے چائے کے گھونٹ بھرتے

www.urdusoftbooks.com

ہوئے نہ جانے کیا سوچ رہے تھے۔

☆☆☆

"کیا کوئی صبح اتنی حسین بھی ہوسکتی ہے؟" ملاحہ نے تنگ آ کر بے سدھ سوئے کبیر کو جگایا تو نیند بھری آنکھوں سے اسے دیکھتے ہوئے وہ مسکرا دیا۔ ملاحہ جھینپ کر اپنا ہاتھ چھڑاتی پیچھے ہٹی۔ وہ فدا ہونے والی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"دوبار دروازہ بج چکا ہے۔ اب میں باہر جارہی ہوں، مجھے تو شرمندگی ہورہی ہے۔ دس بج رہے ہیں۔" خود پر سے اس کی توجہ ہٹانے کو کہا تو وہ وقت جان کر گویا اچھل کر اٹھا۔

"اُفف...... بیوی! اتنی دیر سے کیوں جگایا؟ میرا سالا اور سالی ناشتا لے کر آنے والے تھے آج۔" ملاحہ کو ہنسی آئی۔ وہ افراتفری میں جوتے گھسیٹتا واش روم میں گھس گیا۔ بستر کی چادر درست کر کے الماری میں سے کبیر کے کپڑے نکال کر بستر پر رکھے اور خود سلیقے سے سر پر دوپٹہ اوڑھتی کمرے سے نکل آئی۔ پلوشہ اور زرمینے گھر صاف ستھرا کیے اب چائے کے کپ پر خوش گپیوں میں مصروف تھیں۔ اٹھ کر اس سے لپٹ کر ملیں اسی وقت مہرو اور موحد بھی آ گئے۔ ملاحہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیلی اور آنکھوں میں نمی۔ موحد نے صحیح معنوں میں بھائی ہونے کا حق ادا کر دیا تھا۔

"خان صاحب کدھر ہیں؟" موحد نے ملاحہ کا سر پیار سے تھپتھپا کر مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"وہ بس چینج کر کے آ ہی رہے ہیں۔"

وہ مہرو سے لپٹ گئی۔ نئی نئی سوندھی سی محسوس ہوتی ملاحہ نے مہر ماہ کے دل میں اطمینان اتار دیا۔ تھوڑی دیر میں فریش سا کبیر خان ان کے بیچ موجود تھا۔ بے تکلفی سے موحد سے گلے ملتا مہر ماہ کا حال پوچھتا وہ پہلے والے کم گو کبیر خان سے بہت الگ نظر آ رہا تھا۔ پلوشہ اور زرمینے نے منٹوں میں ناشتے کی ٹیبل سجا دی۔ زرمینے کا شوہر ارباب گل اور دونوں بچے بھی موجود تھے۔ بے حد دوستانہ اور پرسکون ماحول میں گہری سانس بھرتے ہوئے مہر ماہ نے نظر بھر کر کبیر کی بات سنتے موحد کی طرف دیکھا۔ خوب رو سا یہ شخص ان کی زندگیوں کو کس طرح ایک نیا رخ دے گیا تھا۔ گھر والوں کے حالات کی طرف دیکھتی تو وہ اپنے رویے میں ظالم لگتا لیکن اگر اس کا مجموعی تاثر دیکھتی تو وہ تمام آفندیز سے الگ لگتا۔ خیال کرنے والا نرم خو۔ بے حد حساس۔

بات کرتے کرتے موحد نے اچانک ہی نگاہ اس کی طرف موڑی تو اسے منہمک انداز میں اپنا جائزہ لیتے پا کر بے اختیار مسکرا دیا۔ مہرو ہڑبڑا کر اپنی پلیٹ پر جھکی اور دل ہی دل میں اس بے وقت جائزے پر خود کو لعن طعن کی۔

بہت خوب صورت وقت گزار کر وہ دونوں واپس لوٹے تو مہر ماہ بہت خوش تھی۔ ملاحہ نے اپنی زندگی کے لیے بہترین ساتھی چنا تھا۔ گاڑی ڈرائیو کرتے موحد نے مسکرا کر مہر ماہ کی طرف دیکھا۔

"خوش ہو؟"

"بہت خوش ہوں کم از کم میری بہن نے تو اپنی محبت پالی۔" مہر ماہ کہنا کچھ اور چاہتی تھی مگر یہ الفاظ جیسے پھسل کر اس کی زبان سے نکلے، موحد کی مسکراہٹ سمٹی، اسی وقت مہر ماہ کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اسے یقیناً ایسے دل دکھانے والے الفاظ نہیں کہنے چاہئیں تھے۔

اس کے ساتھ ہی مہر ماہ نے بات بدل ڈالی۔

"مجھے تو آغا جان کی فکر کھائے جارہی ہے جب ان کو کبیر اور ملاحہ کی شادی کے بارے میں پتا چلے گا تو ان کا

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

کیا ری ایکشن ہوگا۔"
"اب تک سب اچھا ہی ہوا ہے، آگے بھی ان شاء اللہ اچھا ہی ہوگا۔" وہ مطمئن تھا۔
"اور کل ولیمہ فنکشن کا کیا بنے گا اگر امی ابو نہ آئے تو؟" مہر ماہ نے خدشہ ظاہر کیا تو موحد نے لاپروائی سے شانے جھٹکے۔
" کسی کے ہونے نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا جو کام ہونا ہو وہ ہو ہی جایا کرتا ہے" اس کے انداز پر مہر ماہ جل کر رہ گئی۔
" تمہیں تو کسی بھی بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔" موحد بے اختیار مسکرا دیا اور ایک نظر اس کے تپے ہوئے چہرے پر ڈالی۔
" نہیں خیر..... فرق تو بہت پڑتا ہے مگر شاید مجھے عادت ہوگئی ہے ایسے جینے کی۔"
" ہاں بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے سب کی نیند اڑا کر خود پرسکون نیند سونے کی۔" مہرو نے طنز کیا تو وہ مسکراہٹ چھپا کر گویا بے یقینی سے بولا۔
" رئیلی؟ کیا واقعی میں نے تمہاری نیندیں اڑا دی ہیں؟"
" شٹ اپ..... میں دوسروں کی بات کر رہی ہوں۔" مہرو نے بے رخی سے کہا تو وہ مسکراہٹ دباتے ہوئے اسے دیکھ کر معصومیت سے بولا۔
" اچھا اچھا تو تم دوسروں کی بات کر رہی ہو واقعی تم تو میری اپنی ہونا۔" اس کی بات سن کر مہرو بدکی۔
" فضول باتیں بند کرو اور سامنے دیکھ کر گاڑی چلاؤ۔" اس نے ناگواری سے کہا۔
" عورتوں کو خوش کرنا دنیا کا سب سے مشکل ترین کام ہے۔" موحد نے خود کلامی کرتے ہوئے گہری سانس بھری اور سامنے دیکھنے لگا۔
" اس کے اس قدر ڈھٹائی سے عورتیں کہنے پر مہر ماہ پہلو بدل کر رہ گئی مگر کوئی اعتراض کر کے وہ اسے مزید بولنے کا موقع نہیں دینا چاہتی تھی۔ وہ بھی اس کے بعد کچھ نہ بولا، باقی کا سفر دونوں نے اپنی اپنی جگہ خاموشی سے طے کیا۔

☆☆☆

" مجھے تو یہ سمجھ میں نہیں آرہا کہ یہ بدنامی آخر کب تک ہمارے ساتھ رہے گی جس بات کو ہم اپنے گھر کی دیواروں کے کانوں سے بھی بچائے ہوئے تھے اس کا تماشا کل سارے خاندان نے دیکھ لیا ہے۔" سہیل آفندی سخت ناگواری سے کہہ رہے تھے سائرہ چچی، صدیقہ تائی اور مبین آفندی خاموشی سے سن رہے تھے۔
" آپ بھی کمال کرتے ہیں، بچیوں کی ضد نہ مانی جائے تو وہ غلط راستہ اختیار کر لیتی ہیں۔ شکر کریں کہ ملاحہ عزت سے اپنے گھر کی ہوگئی۔"
سائرہ چچی نے سب کے چہروں پر طائرانہ نظر ڈالتے ہوئے مدبرانہ انداز میں کہا۔ گویا کچھ بھی نہ کہا، کہہ بھی گئیں۔ تائی جان ان کے طنزیہ انداز کو سمجھتے ہوئے پہلو بدل کر رہ گئیں مگر وقت ایسا تھا کہ کچھ بول نہیں سکتی تھیں۔
" میری تو یہ سمجھ میں نہیں آرہا کہ آغا جان کو کیا بتائیں گے کہ ملاحہ کہاں گئی۔ اپنی بیٹی کے سسرال تک سے چھپاتا پھر رہا ہوں اس خبر کو۔" سہیل آفندی کی چبھتی نگاہیں اور تمسخرانہ انداز مبین آفندی کی پیشانی چمکا گیا۔
" مجھے کیا معلوم تھا کہ بات رخصتی تک جا پہنچے گی اور اس وقت تو تم بھی نکاح والی تجویز کے حق میں تھے۔"
انہوں نے سہیل آفندی کو یاد دلایا۔

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

"نکاح سنت ہے بھائی صاحب اور رخصتی فرض تھا جو آپ نے بخیر و خوبی ماشاءاللہ اپنے ہاتھوں سے ادا کیا ہے۔اس میں پچھتانے والی کیا بات ہے بھلا۔"

ثمرہ نے اندر آتے ہوئے نرمی سے کہا تو سب کی نظریں ان کی طرف اٹھ گئیں۔تائی جان کا تو بس نہیں چلتا تھا کہ اس عورت کو اس کے بیٹے سمیت کہیں دریا برد کر آتیں۔

"کسی کو منہ دکھانے لائق نہیں چھوڑا ہمیں تم لوگوں نے۔اور بات کرتی ہو حقوق و فرائض کی۔" وہ جلبلا کر بولیں۔تو ثمرہ نے تاسف سے انہیں دیکھا جو ماں تو بن گئی تھیں مگر ایک ماں کی ذمہ داریاں نبھانی نہ آئی تھیں انہیں۔

"اولاد کی من مرضی کا فیصلہ اگر درست ہو تو اس پر سر جھکا دینے سے والدین کی عزت بڑھتی ہے اور ذہنی سکون بھی قائم رہتا ہے بھابی! ضروری نہیں کہ ہر بار بچے غلط ہی فیصلہ کریں۔"

"بس کردیں بھابی! ان میٹھی باتوں سے رجھا کر آپ ماں بیٹے نے ہماری برسوں کی عزت اور کمائی دونوں کو داؤ پر لگا دیا ہے۔حد ہوتی ہے ڈھٹائی کی بھی۔خاندان بھر نے دیکھ لیا ہے کہ راتوں رات ملاحہ کو گھر کے ڈرائیور کے ساتھ رخصت کر دیا گیا ہے۔کیا کیا قیافے نہیں لگائے ہوں گے سب نے۔" سہیل برہمی سے بولے تو ثمرہ نے گہری نظر سے انہیں دیکھا۔پھر صدیقہ بھابی کو مخاطب کر کے اونچی آواز میں بولیں۔

"اللہ کا شکر ادا کریں بھابی کہ اس نے آپ کی بیٹی کا نصیب اتنا بلند لکھا ہے کہ بیاہ کر لے جانے والا اس کو پلکوں پر بٹھائے گا اور رہی بات لوگوں کی تو ان کے پاس ایک دو دن ہی قیافے لگانے کا ٹائم ہوتا ہے بس ان کی فکر مت کریں۔کل اپنی بیٹی کی مسکراہٹ پر غور کیجیے گا۔ویسی مسکراہٹ ہر کسی کی بیٹی کا نصیب نہیں ہوا کرتی۔"

وہ سنجیدگی سے کہتی ایک غلط نگاہ سائرہ چچی پر ڈالتی چلی گئیں تو وہ دانت پیس کر پہلو بدلتی رہ گئیں۔وہ ثمرہ کا طنز اچھی طرح سمجھتی تھیں اور تائی جان بھی ثمرہ کی تقریر سے متاثر ہو ہی جاتیں اگر کبیر ان کا ڈرائیور نہ رہا ہوتا اور آفندیز کے دماغوں میں حسب و نسب کا کیڑا ہر وقت کلبلاتا نہ رہتا تو۔ابھی تو انہوں نے دل ہی دل میں ثمرہ پر لعنت ہی بھیجی تھی۔

"جو بھی ہو جائے ولیمے پر تو جانا ہی پڑے گا۔ورنہ سارے خاندان کو مزید باتیں کرنے کا موقع ملے گا۔جو ہونا تھا وہ تو ہو ہی چکا، اب اسے اچھے سے وی اینڈ کرنا چاہیے تاکہ کسی کے ہاتھ کوئی سرا نہ لگے حالات و واقعات کا۔" مبین آفندی بہت دقتوں سے خود کو کچھ بولنے پر آمادہ کر پائے تھے۔تائی جان نے اثبات میں سر ہلایا۔

"اور اب وقت آ گیا ہے کہ اس موحد آفندی کی بساط بھی لپیٹ دی جائے۔" سہیل نے سرد مہری سے کہا تو مبین صاحب نے معنی خیز انداز میں ان کی طرف دیکھا۔

"آغا جان سے پاور آف اٹارنی لے لی جائے تو موحد آفندی یہاں سے بے دخل ہی سمجھو اس نے ہمیں جتنا ذلیل کرنا تھا کر لیا۔"

"اور وہ جو اس نے وعدہ کیا تھا کہ وہ مہرو کو نمیر سے طلاق دلوائے گا اس کا کیا؟" تائی جان کو اپنی بربادی کی شروعات کا قصہ یاد آیا۔

"وہ سب بکواس تھی اس کی۔اب جبکہ وہ سارا روپیہ اکاؤنٹس میں واپس ڈال چکا ہے تو نمیر کا ہے کو اس کی بات مانے گا؟" سہیل آفندی نے ہاتھ ہلا کر گویا مکھی اڑائی اور ساتھ ہی تائی جان کا دل بھی مٹھی میں جکڑا گیا۔

"فکر مت کرو، کچھ نہ کچھ کر لیں گے۔کچھ دے دلا کر معاملہ ختم کر لیں گے نمیر کے ساتھ۔ابھی تو فی الحال اس خبیث کو دفعان کرنا ہے اپنی زندگی سے۔تگنی کا ناچ نچا رکھا ہے الو کے پٹھے نے۔نہ جانے کون سی دشمنی نکال

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

رہا ہے ہم سے۔" مبین صاحب نے تسلی دی تو سہیل قدرے الجھ کر بولے۔

"فاران کی جھلک تو آتی ہی نہیں اس میں۔ غور کریں بھائی صاحب ساری کی ساری ضد اور من مانی کی عادت جیسے وقار سے مستعار لی ہے کم بخت نے۔ وہ بھی ایسا ہی خودسر تھا" تائی جان ان کے گہرے تجزیے پر سر دھن کر رہ گئیں۔

☆☆☆

"ملی بہت خوش ہے امی! اتنی خوش جتنی کہ میں رہنا چاہتی تھی مگر رہ نہ پائی۔" مہرو نے ان کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھام کر کہنا شروع کیا تو وہ چاہ کر بھی اس کا ہاتھ جھٹک نہ پائیں۔ اس کے لفظوں کے چناؤ نے ایک ماں کے دل کو باندھ لیا تھا۔

" کبیر کا ڈرائیور ہونا نہیں ایک اچھا انسان ہونا اہم ہے امی! آپ کا داماد آپ کی بیٹی کو زندگی کی ہر خوشی دے، اس سے بڑھ کر ایک ماں کے لیے تسلی کیا ہو سکتی ہے۔"

''لفاظی مت کرو میرے ساتھ مہرو! زندگی بھر کی کالک مل دی ہے اس لڑکی نے ہمارے چہروں پر۔ گھر کے لوگ ہی باتیں بنا رہے ہیں، باہر والوں کی تو بات ہی کیا ہوگی''

انہوں نے اپنا ہاتھ چھڑا کر سرد مہری سے کہا۔

" سائرہ چچی کی باتوں میں مت آئیں۔ ایک اونچے خاندان میں زبردستی اپنی بیٹی دے کر انہوں نے کون سا سکھ پالیا ہے امی! سکون تب ملتا ہے جب بیٹی اپنے گھر میں خوش ہو۔ سونے کے نوالوں کے ساتھ گالیاں اور کوسنے سننا۔ یہ کہاں کا عیش و آرام ہوا؟"

''میرا سر مت کھاؤ مہرو! اور جاؤ جا کر اسی سنپولیے کا ساتھ دو جو ہماری جڑوں میں زہر بھر رہا ہے'' انہوں نے تپ کر کہا۔

" سنپولیا وہ نہیں ہے امی! ہماری سوچیں ہی زہر آلود ہیں حقیقت میں۔" مہرو تلخ ہوئی۔ مگر تائی جان مزید کچھ سننے پر آمادہ نہیں تھیں تو اس نے انہیں سمجھانا عبث جانا اور مایوس ہو کر ان کے کمرے سے نکل آئی۔

☆☆☆

''کبیر واپس آیا یا نہیں؟'' موحد رات کو انہیں اخبار میں سے چیدہ چیدہ خبریں پڑھ کر سنا رہا تھا جب ایک دم سے آغا جان نے پوچھ لیا تو وہ گڑبڑا سا گیا۔

" جی...... ملاقات ہوئی تھی اس سے۔"

" کس قدر بدلحاظ اور احسان فراموش نکلا بدبخت۔ رقم ہاتھ میں آتے ہی ساری وفاداری بھول گیا۔"

آغا جان شاید دکھ کو غصے میں سمو رہے تھے۔'' موحد سمجھ کر مسکرا دیا۔ اخبار لپیٹ کر ایک طرف رکھا۔

"وہ تو آیا تھا آپ سے ملنے۔ آپ کی عیادت کرنے مگر حسب و نسب نے اسے آپ کی دہلیز پار نہیں کرنے دی۔"

"ہوں......" انہوں نے ہنکارا بھرا اور ذرا سا گھور کر موحد کو دیکھا۔

"باتیں بہت تیکھے وار کرتے ہو تم۔"

"میرا خیال ہے، اسے میں اپنی تعریف ہی سمجھوں۔" وہ بے ساختہ مسکرا دیا۔

"اس کم بخت نے جرأت بھی تو بہت بڑی کی تھی۔ سامنے آتا تو قتل کر دیتا اسے میں۔" وہ تنفر سے بولے۔

" کم آن آغا جان! آپ کے دوست کا پوتا ہے وہ۔ حسب و نسب میں کم تو ہرگز نہیں تھا۔ بس حالات سے

www.urdusoftbooks.com

مار کھا گیا تھا۔ اب تو اللہ کے کرم سے وہ بہترین زندگی گزار رہا ہے ڈرائیوری کا لیبل بھی اتر چکا۔" موحد نے ہلکے پھلکے انداز میں کہا تو انہیں غصہ آیا۔

"وہ بھی تمہاری بے وقوفی کی وجہ سے۔ ورنہ اس کی تمام عمر ہماری غلامی میں کٹتی۔" ان کی سوچ پر موحد سر پر ہاتھ پھیر کر رہ گیا۔

"اور نمیر والے قصے کا کیا ہوا؟"

"آغا جان! وہ قصہ ختم کرنا تو آپ کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ اسے گھر بلائیں۔ پوتا کہہ کر گلے لگائیں اور مہرو کو اس کے ساتھ رخصت کر دیں۔ ویری سمپل۔" اس نے مسکرا کر کہتے ہوئے چٹکی بجائی تو آغا جان کا چہرہ لال ہو گیا۔

"بکواس مت کرو موحد! واجب القتل ہے وہ شخص جس نے میری پوتی کی ہنستی بستی زندگی کو بربادی کی راہ پر ڈال دیا ہے۔"

"تو اب میں کیا کر سکتا ہوں پھر۔ گن لوڈ کر دوں آپ کو؟" وہ خفا ہوا۔

"تم اس سے فوری طور پر مہرو کو نجات دلاؤ۔ میں بہت دھوم دھام کے ساتھ تمہاری اور مہرو کی شادی کرنا چاہتا ہوں۔" آغا جان کی آفر بہت پر کشش تھی مگر موحد کو یاد آ گیا۔

"آپ کی ہٹلر پوتی کی زندگی کی داستان میں میرا کہیں بھی نام نہیں ہے آغا جان! ایسا سوچیے گا بھی مت۔" وہ مسکرایا۔

"تم وہ کرو جو میں نے کہا ہے، باقی کی ذمہ داری مجھ پر چھوڑ دو۔" وہ اب پھر سے موحد کے والہ وشیدا ہو چکے تھے۔ وہ اپنی تمام تر بدتمیزیوں اور دھوکے بازیوں کے باوجود پھر سے ان کا لاڈلا پوتا تھا جس میں انہیں اپنے دونوں بیٹوں کی جھلک نظر آتی تھی۔ جس کا سینے سے لگنا ان کے تمام زخموں کو مندمل کر دیتا تھا۔

"مگر میری بھی ایک خواہش ہے آغا جان! کہ اب کبیر کو اس کا وہ مقام دیا جائے جس کا وہ حق دار ہے۔" وہ سنجیدہ ہوا تو آغا جان نے گہری نظروں سے اس کو دیکھا۔

"کیا تم وہی کہنا چاہتے ہو جو میں سمجھ رہا ہوں؟" موحد نے ان کی نظروں میں نظریں گاڑیں۔

"ذات پات۔ حسب و نسب...... سب ختم آغا جان! اب اس کے پاس پیسہ ہے۔ گھر ہے، گاڑی ہے۔ دنوں میں لوگ بھول بھال گئے ہیں کہ وہ کبھی ڈرائیور تھا۔ اب تو شاید اس نے خود گاڑی چلانے کے لیے ڈرائیور رکھ لیا ہو۔ جو لوگ آپ کے بہت قریب رہے ہوں، وفادار رہے ہوں۔ ان کو دور نہیں جانے دینا چاہیے آغا جان! ورنہ انسان کمزور پڑ جاتا ہے۔"

اس نے ان سے ان ہی کے انداز میں بات کی تو وہ کچھ دیر اس کی بات پر غور کرنے کے بعد بولے۔

"واہ...... بہت ماہر ہوتے جا رہے ہو حساب کتاب میں۔"

"آپ کے اور آپ کے بیٹوں کے زیر سایہ بہت کچھ سیکھنے کو مل رہا ہے آغا جان!" وہ عاجزی سے کہتا ان کو اپنے دل کے بہت قریب محسوس ہوا تھا۔

☆☆☆

میری زندگی کے مالک
میرے دل پہ ہاتھ رکھ دے

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

تیرے آنے کی خوشی میں
میرا دم نکل نہ جائے
تیرا حوصلہ بڑھے گا
دامن تو تھام لے گا
رکھ دوں جو ہاتھ دل پر
تیرا دم نکل نہ جائے......

فاختئی اور انگوری رنگ کی لمبی کامدانی میکسی میں ملبوس ملاحہ کا ولیمے کی تقریب میں الگ ہی روپ تھا۔ بات بے بات مسکراتے لب اور رخساروں پر کھلتا گلال......وہ مجسم کبیر خان کی محبت دکھائی دے رہی تھی۔ ریسیپشن پر وہ دونوں ساتھ کھڑے مہمانوں کو ریسیو کر رہے تھے۔ سب سے پہلے آنے والے مہمان موحد اور مہر ماہ تھے۔ گرے ڈنر سوٹ میں موحد آفندی اگر غضب ڈھا رہا تھا تو گرے میرون کمبی نیشن میں کامدانی شارٹ فراک اور کیولاٹ میں ملبوس ہاتھ میں میرون کلچ تھامے مہر کی چھب بھی نرالی تھی وہ چاروں اکٹھے اسٹیج پر آئے۔

"بہت پیاری لگ رہی ہو ملی!" مہرو نے اسے پیار کیا۔

"اور تم بھی آپی! موحد بھائی کے ساتھ پرفیکٹ میچ۔" وہ جذب سے کہہ کر مسکرائی تو مہرو نے اسے گھورا۔ جبکہ کبیر کے ساتھ بات کرتے موحد نے ملاحہ کی بات اچھی طرح سن کر ایک قدم پیچھے ہٹ کر اپنے "پرفیکٹ میچ" کو دیکھا جواباً مہر ماہ نے اسے "کیا ہے؟" والی نظروں سے دیکھا تو وہ بے اختیار مسکرا کر سابقہ پوزیشن میں واپس چلا گیا۔

آفندیز دیگر مہمانوں کے آنے سے پہلے ہی آن پہنچے۔

"خاندان والوں کے آنے سے پہلے آپ لوگ پہنچیں گے تو آپ کا خاندانی وقار بھی برقرار رہے گا امی!"

مہرو انہیں آتے ہوئے ایک بار پھر جھنجھوڑ کر آئی تھی۔ اور شاید اسی خوف کی وجہ سے وہ لوگ جلد چلے آئے۔ ثمرہ بہت پیار سے ملاحہ اور کبیر سے ملیں۔ سلامی دی جبکہ تائی جان کا انداز روکھا پھیکا ہی تھا۔ سلامی سب ہی نے مارے بندھے دی۔ اسی اثنا میں مہمان آنا شروع ہو گئے تو سب کے لیے ایک خوش گوار ماحول کی ایکٹنگ کرنا بہت ضروری ہو گیا۔ رشتہ داروں سے باتوں کے دوران تائی جان کی نظر بھٹک کر اسٹیج کی طرف جاتی تو ملاحہ اور کبیر کی خوب صورت جوڑی ہر بار ان کی نگاہ کو ٹھٹکا دیتی۔ مگر دل پر لگی مہریں بہت پکی تھیں ہر بار "ہونہہ" کہہ کر منہ موڑ لیتیں۔

"بھئی صدیقہ! تم تو خوب صورت دامادوں میں بازی لے گئی ہو۔ لوگ شادیوں میں دلہنوں کو دیکھتے ہیں اور ہم تمہارے دامادوں کو دیکھ دیکھ کر ماشاءاللہ کہہ رہے ہیں۔" ان کی رشتے کی بے تکلف جٹھانی رشک سے کہہ رہی تھیں۔ دل صاف ہوتا تو وہ مسکرا کر اس تعریف کو وصول کرتیں مگر دماغ میں خناس بھرا تھا سو الٹے کا خلوص بھی طنز لگا۔ جبراً مسکرائیں جیسے کسی نے کنپٹی پر بندوق تان رکھی ہو۔ آغا جان کی خرابیٔ طبع کے جھوٹے سچے قصے سناتی وہ اپنی عزت بحال رکھنے کے لیے ہلکان ہو رہی تھیں۔

"میں آج امی کی طرف چلی جاؤں؟" ملاحہ نے کھانے کے دوران کسی کی توجہ نہ پا کر کبیر سے اجازت لینا چاہی تو وہ کراہا۔

"اتنی مشکل سے تو اس طرف آئی ہو اب پھر امی کی طرف۔"

ملاحہ کو ہنسی آ گئی۔ طے پایا کہ وہ کسی روز اکٹھے آفندی ہاؤس جائیں گے۔ فی الحال مکلاوے کی اس رسم کو

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

رہنے ہی دیا جائے کیونکہ کسی کا بھی موڈ سیدھا نہیں لگ رہا تھا۔ فوٹو گرافر بھی سب کو مسکرانے کا کہہ کہہ کر تھک گیا۔ اور پھر جلد ہی بہانا بنا کر سب اٹھ گئے۔

"کال آئی ہے، آغا جان کی طبیعت خراب ہے۔"

جن رشتہ داروں نے آغا جان کی عیادت کا سوچا، ان سے فی الحال معذرت کر لی گئی۔

"دل کے مریض ہیں۔ ڈاکٹرز نے رش لگانے سے منع کر رکھا ہے۔" تائی جان کے اس دبنگ جملے کے بعد کس کی مجال تھی کہ آفندی ہاؤس کا رخ بھی کرتا۔ اب دل میں سب جو بھی سوچیں ان کی بلا سے۔

☆☆☆

''طلال......!'' آج بہت عرصے کے بعد تزئین انسانوں والے موڈ میں لوٹی اور اسے پکارا۔ ورنہ جب سے طلال کا اس روز مہرو کی طرف دوبارہ رجحان دیکھا تھا، وہ اس سے کھنچ سی گئی تھی۔

اور طلال...... اس کے دل کی تو وہ جانے یا اس کا اللہ۔ اسے تو جیسے چپ ہی لگ گئی تھی۔

"کیا محبت دوبارہ نہیں ہو سکتی؟" تزئین کا لہجہ بھیگا ہوا تھا مگر طلال کو جھٹکا اس کے لہجے کے بجائے اس کے سوال نے لگایا۔ وہ آنکھیں کھول کر اسے دیکھنے لگا۔ ہر وقت نک سک سے تیار رہنے والی تزئین کب اس ملگجے روپ میں آئی۔ طلال نے کبھی غور ہی نہیں کیا تھا۔

''جنہیں محبت نہ ملے اگر وہی قابل ہمدردی ہوا کرتے ہیں تو کیا میں تمہاری ہمدردی کے لائق بھی نہیں ہوں طلال! مجھے بھی تو تم سے محبت نہیں ملی'' اس کی آواز رندھ گئی۔ طلال تھکی نظروں سے اسے دیکھے گیا۔

"خالی دل کسی کو محبت کیا دے گا۔"

"مگر اس خالی دل کو کسی اور کی محبت سے بھرا تو جا سکتا ہے نا۔" وہ پرامید تھی گزرے وقت نے اسے احساس دلا دیا تھا کہ وہ دونوں ایک دوسرے کی مخالف سمت بھاگ کر محض زندگی کو ضائع کر رہے تھے۔ جو مل گیا اس کی قدر نہیں تھی اور جو کبھی نہ ملنے والا تھا اس کے پیچھے بے سود بھاگ رہے تھے۔ طلال نے قدرے توقف کے بعد تکیے پر اپنا بازو دراز کیا تو وہ نم آنکھوں کے ساتھ مسکرا کر اس کے پہلو میں آ گئی اور سر اس کے بازو پر رکھ لیا۔

"اب میں نے سوچ لیا ہے کہ تم سے کبھی بھی لڑائی نہیں کروں گی تا کہ جو میرا ہے، وہ میرا ہی رہے۔" وہ لاڈ سے بولی تو طلال کے ہونٹوں پر پھیکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"آئم سوری......"

تزئین نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔

''میری بھی بہت سی غلطیاں ہیں طلال! میں بھی بہت شرمندہ ہوں۔ مگر تم جانتے ہو کہ میں نے ہمیشہ تم ہی سے محبت کی ہے۔''

وہ اسے مان دے رہی تھی اور یہ بات طلال سے زیادہ اور کون جانتا تھا سو نرمی سے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتا رہا۔ مہرو کی یاد ایک بے وفا کی بے وفائی کی کسک کی صورت شاید اس دل میں ہمیشہ رہ جانے والی تھی۔ طلال نے آنکھیں موند لیں۔

☆☆☆

ہزار راہیں مڑ کے دیکھیں
کہیں سے کوئی صدا نہ آئی
بڑی وفا سے نبھائی تم نے

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

ہماری تھوڑی سی بے وفائی
ہزار راہیں مڑ کے دیکھیں......!!
جہاں سے تم موڑ مڑ گئے تھے
یہ موڑ اب بھی وہیں پڑے ہیں
ہم اپنے پیروں میں جانے کتنے
بھنور لپیٹے ہوئے کھڑے ہیں
ہزار راہیں مڑ کے دیکھیں......!!
کہیں کسی روز یوں بھی ہوتا
ہماری حالت تمہاری ہوتی
جو رات ہم نے گزاری مر کے
وہ رات تم نے گزاری ہوتی
ہزار راہیں مڑ کے دیکھیں......!!
تمہیں یہ ضد تھی کہ ہم بلاتے
ہمیں یہ امید وہ پکاریں
ہے نام ہونٹوں پہ اب بھی، لیکن
آواز میں پڑ گئیں دراڑیں
ہزار راہیں مڑ کے دیکھیں......!!

آج بہت دنوں کے بعد جب وہ سونے کے لیے لیٹی تو نمیر آفندی کے نمبر سے کال آئی۔ ایک نظر سوئی ہوئی زرنگار پر ڈال کر اس نے رنگ ٹون بند کر دی۔ مگر نمیر آفندی کا نام مسلسل اسکرین پر جگمگا رہا تھا۔ مہر ماہ ساکت نظروں سے اس نام کو دیکھتی رہی۔ بے آواز فون مسلسل تھرتھرا رہا تھا۔ اس نے بے تاثر چہرے کے ساتھ کال اٹینڈ کر کے موبائل کان سے لگا لیا۔

"کیسی ہو؟" دوسری طرف کا لہجہ آج سنجیدہ تھا نہ شوخی نہ شرارت۔

"کس لیے فون کیا ہے، وہ بتاؤ؟" وہ رکھائی سے بولی

"نام تو تمہارا مہر ماہ ہے مگر بہت بے مہر ہو تم" وہ بے اختیار ہی شکوہ کر بیٹھا۔

مہر ماہ نے لب بھینچے پھر تلخی سے بولی۔

"اور میں زندگی کی بے مہری کا شکوہ کس سے کروں؟"

"تمہیں تو زندگی اب خود نوازنے کے لیے کھڑی ہے مگر تم مغرور ہو، اسے لفٹ ہی نہیں کراتیں۔ مجھے تو خود سمجھ میں نہیں آتا کہ......

یہ جو اتنا مجھے ستاتی ہو
اتنے نخرے کہاں سے لاتی ہو

اب وہ یقیناً شرارت سے مسکرا رہا تھا۔ مہر ماہ کا تن بدن جیسے جل اٹھا، اس کی زندگی کو جلتے الاؤ میں دھکیل کر وہ خوش تھا۔ مسکرا رہا تھا۔

"تم خوش ہو سکتے ہو۔ مسکرا سکتے ہو کیونکہ تمہیں زندگی نے کانٹوں پر نہیں گھسیٹا۔"

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

"واہ......خوب......اور یہ کہہ کیسے رہی ہو، وہ جو خود چودہ سالوں تک ننگے پاؤں کانٹوں پر چلتا رہا ہے۔"
"تو بدلہ لے لیا نا ان چودہ سالوں کا مجھ سے۔" وہ تلخ ہوئی۔
"میں نمیر وقار آفندی! آغا جان سے ملنا چاہتا ہوں اب وقت تم بتاؤ کہ کب؟" وہ اٹل لہجے میں بولا تو مہر ماہ ساکت رہ گئی۔
"آغا جان کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔" کافی دیر کے بعد وہ بولنے کے قابل ہوئی
"تو میں کیا کروں مجھے تو ان سے بدلہ لینا ہے نا۔" وہ رکھائی سے بولا۔
"بدلہ تو تم نے لے ہی لیا اب اور کیا تماشا کرنا چاہتے ہو؟" مہرو نے تیز لہجے میں پوچھا۔
"اس سارے کھیل کو انجام تک پہنچانا چاہتا ہوں۔" وہ مطمئن تھا۔ اس کے انداز پر مہر ماہ چیخ کر رہ گئی۔
"وہ انجام میں تمہیں بتا دیتی ہوں۔" اس کا تنفس تیز تر ہوا۔ "جس طرح دنیا سے چھپ کر تم نے یہ نکاح کیا تھا، اسی طرح مجھے آزاد بھی کر دو تم نے کہا تھا نا کہ تم اپنے کیے پر پشیمان ہو اور اس کا ازالہ کرنا چاہتے ہو تو سب سے بہترین ازالہ یہی ہے۔"
اس کے بے مہر الفاظ نے نمیر کو کئی لمحوں تک خاموش کروا دیا۔
"میں آغا جان کے سامنے آ کر تمہارے ساتھ اپنے رشتے کا اعتراف کرنا چاہتا ہوں۔"
"تم جو بھی کرو، وہ تمہارا دردِ سر ہے، میں وہی کروں گی جو میرا دل چاہے گا" مہر ماہ نے قطعی انداز میں کہا۔
"تم مجھ سے وعدہ کر چکے ہو۔"
"مگر میں نے تم سے کہا تھا کہ میں نے غلطی کی جو تمہیں محبت کے بجائے نفرت اور بدلے کے لیے چنا۔ انسان ہوں نا۔ اکثر بہت قریب کی چیزیں صاف دکھائی نہیں دیتیں۔" وہ بوجھل انداز میں بولا۔
"جب اپنی حیثیت میں سامنے آؤ گے، تب میرا بھی فیصلہ دیکھ لینا جس طرح تم نے سنگ دل ہو کر میری زندگی کا فیصلہ کیا تھا، اسی طرح میں بھی کروں گی۔"
مہر ماہ اس کی بات کاٹ کر بولی تو وہ چپ رہ گیا۔
"تم نے کہا تھا کہ میں اس داستان میں قابلِ ہمدردی ہوا تو تم میرا ساتھ دو گی تو کیا تم ازراہِ ہمدردی باقی کی زندگی میرے ساتھ نہیں گزار سکتیں؟" کمال معصومیت تھی، غصے میں ہونے کے باوجود مہر ماہ اش اش کر اٹھی۔
"ہاں، آدھی زندگی تو میری تم ویسے ہی برباد کر چکے ہو۔ باقی میں خود تم سے ہمدردی کر کے برباد کر لوں نمیر آفندی! مرد بنو مرد اور اپنا بدلہ پورا کرو۔" مہر ماہ نے تلخی سے کہتے ہوئے جیسے اسے طیش دلانے کی کوشش کی۔
"بدلہ ہی تو لے رہا تھا۔ درمیان میں یہ کمبخت دل پتا نہیں کہاں سے آ گیا۔ اب تم خود ہی بتاؤ کہ انسان اپنے دل پر کیسے پاؤں رکھ سکتا ہے؟" وہ کراہا۔
"ویسے ہی جیسے میں نے طلال سے شادی نہ ہونے پر رکھا تھا۔" مہر ماہ نے برجستہ کہا تو دوسری طرف وہ گویا تڑپ ہی گیا۔ لیٹے سے اٹھ بیٹھا۔
"تم اب بھی اس خبیث شخص کو یاد کرتی ہو؟"
"یادوں کا کیا ہے۔ تم بھی تو تمام گلی سڑی، بدبودار یادوں کو سینے سے لگائے ہوئے بدلے کی راہ پر چل رہے ہو"
"تم گواہ ہو مہرو! میں آفندیز کی طرح سنگدل نہیں بن سکا اور تاریخ گواہ ہے کہ بڑے سے بڑے طرم خان کو کسی نہ کسی عورت کے سامنے ہی گھٹنے ٹیکنے پڑے ہیں۔" وہ سنجیدہ بات کرتے کرتے ایک دم پٹڑی سے اترا۔

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

"فضول باتیں مت کرو، جب سامنے آؤ گے تو میرا فیصلہ بھی سن لینا اگر آغا جان نے تمہیں زندہ چھوڑا تو......"

"تم تو ان کی منت کر سکتی ہو کہ مجھے تمہارے لیے چھوڑ دیا جائے۔" دوسری طرف کمال کا اعتماد تھا۔ "اتنے ہینڈسم شوہر کے تو لڑکیاں خواب دیکھا کرتی ہیں۔"

"دیکھتی ہوں گی جنہیں ملتا نہ ہو گا۔ مجھے تو ایسے ہی زبردستی کا مل گیا۔" وہ رکھائی سے بولی تو نمیر ہنس دیا۔

"چلو ٹھیک ہے مسز! پھر ملاقات ہو گی آغا جان کے سامنے، تب تم خوب تیر آزمانا ہم جگر آزمائیں گے مگر یہ یاد رکھنا، تمہیں مخالف کیمپ میں دیکھ کر دل بہت دکھے گا میرا۔"

"واہ...... دوسروں کے دل دکھانے والوں کو اپنے دل کے دکھنے کا کتنا خیال ہے۔"

"خیال تو اب تمہارا خود سے بھی زیادہ ہے مہر! اور یہ بات تم اچھی طرح جانتی ہو مگر مانتیں نہیں میں ساری زندگی تمہاری دی ہوئی سزا بھگتنے کو تیار ہوں۔"

مہر ماہ نے مصنوعی جمائی لی۔

"ٹھیک ہے جب تم آغا جان کے سامنے آنے کی ہمت جمع کرو گے، باقی کا فیصلہ وہیں ہو گا تب تم دیکھنا سخت سے سخت سزا دوں گی۔" مہر ماہ نے طنز سے کہہ کر کال ڈراپ کر دی۔

نمیر نے گہری سانس بھرتے ہوئے موبائل کو دیکھا اور اسے بستر پر ڈال دیا اور چت لیٹ کر چھت پر چلتے پنکھے کو دیکھنے لگا۔

اس نے کبھی زندگی میں نہیں سوچا تھا کہ آفندیز میں سے کوئی لڑکی اس طرح اسے شکست دے جائے گی اور شکست بھی ایسی کہ جسے پانے کے بعد وہ مطمئن تھا۔ شاداں و فرحاں تھا، اپنی کیفیت پر وہ اتنی بار حیران ہو چکا تھا کہ اب تو حیرانی بھی نہیں ہوتی تھی۔

اس نے آنکھیں موند کر سونے کی کوشش کی تو اسے خیال آیا کہ کافی عرصے سے اسے بچپن کا وہ تنگ کرنے والا خواب دکھائی نہ دیا تھا۔ اس کے دل کو دھکا سا لگا، ایک دم آنکھیں کھول دیں۔

تو کیا محض ایک لڑکی کے لیے؟

ایک سوچ اس کی انا کو تازیانہ بن کر لگی۔

مگر اس لڑکی کا چہرہ چشم تصور میں جگمگایا تو وہ بے اختیار آہستہ سے مسکرا دیا اور داہنی سائیڈ پر کروٹ لے کر آنکھیں موندتے ہوئے طمانیت سے بڑبڑایا۔

"ہاں......بس ایک بہت خاص لڑکی کے لیے۔"

"ملاحہ کہاں ہے ذرا اسے بھیجو میرے پاس پورا ایک ہفتہ ہو گیا، وہ لڑکی ایک بار بھی میری خیریت پوچھنے نہیں آئی۔"

تائی جان چائے لے کر آغا جان کے کمرے میں گئیں تو آگے ان کا انداز غیر معمولی تھا۔ تائی جان کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں جکڑ لیا۔

"جی......وہ......اس کی طبیعت ذرا ٹھیک نہیں تھی۔" وہ گڑبڑا کر رہ گئیں۔

"میری طبیعت سے زیادہ تو خراب نہیں ہو گی اس کی طبیعت" انہوں نے کرختگی سے کہا تو تائی جان نے تھوک نگلا۔

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

"جی آغا جان! ابھی تو وہ ایک دوست کی طرف گئی ہے۔ آتی ہے تو میں اسے بھیجتی ہوں آپ کے پاس" ان سے ڈھنگ کا بہانا بھی نہ بنایا گیا۔

"ابھی تو اس کی طبیعت خراب تھی اور ابھی وہ دوست کے گھر جا پہنچی۔ واہ بہت خوب! وہ آتی ہے تو اسے فوراً میرے کمرے میں بھیجو۔

" سرد مہری سے انہوں نے بات ختم کرنے والے انداز میں حکم دیا تو وہ گرتی پڑتی اپنے کمرے میں آئیں آفس کال کر کے مبین صاحب کو ساری بات بتائی تو وہ بھی پریشان ہو گئے۔

"ملاحہ کو بلوالو تھوڑی دیر کے لیے۔" آخری حل یہی سوجھا جو انا پر پیر رکھنے کے مترادف تھا مگر اس کے سوا اور کوئی چارہ نہ تھا۔ تائی جان کو رونا آنے لگا۔ مگر نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن کے مصداق انہیں یہ کام بھی کرنا پڑا۔ اگلے ایک گھنٹے میں ہنستی مسکراتی بے حد فریش سی ملاحہ اور کبیر وہاں موجود تھے۔ تائی جان کی تیوری پر بل پڑے۔ مگر مہر و کچھ اس قدر ان کی آؤ بھگت میں مصروف تھی کہ ان کی پیشانی کے بل شاید کسی نے گنے ہی نہیں۔

"تم اکیلی ملنے جاؤ گی آغا جان سے۔" انہوں نے کھنکھار کر اپنی موجودگی کا احساس دلانے کی خاطر رکھائی سے کہا۔

"نہیں امی! کبیر میرے ساتھ جائیں گے۔" وہ مسکرا کر رسان سے بولی۔ تو ان پر جیسے کسی نے کھولتا پانی ڈال دیا۔

"فضول باتیں مت کرو ملاحہ! کیوں ان کی جان لینا چاہتی ہو۔" انہوں نے دبے لہجے میں کہا تو ملاحہ کو برا لگا۔

"تو پھر مجھے بلانے کی ضرورت ہی کیا تھی اگر اتنے ہی اعتراضات ہیں آپ کو۔"

"ڈونٹ وری ملاحہ! تم مل لو ان سے۔" کبیر نے نرمی سے کہا مگر ملاحہ کا موڈ ٹھیک نہ ہوا۔

"اوہو...... بڑے بڑے لوگ آئے ہوئے ہیں آج تو۔" موحد مسکراتا ہوا آیا تو کبیر سے معانقہ کیا ملاحہ کے سر پر ہاتھ رکھا۔ تائی جان نے نفرت سے اسے دیکھا۔ یہی شخص اس گھر کا شیرازہ بکھیرنے کا باعث تھا۔

"آغا جان سے ملے نہیں تم لوگ؟" وہ پوچھ رہا تھا۔

"این اوسی ملے تو نا۔" ملاحہ نے سر جھٹکا۔ کچھ سوچ کر موحد اٹھ کھڑا ہوا۔

"میں دیکھ کر آتا ہوں، آغا جان جاگ رہے ہوئے تو بلا لوں گا تمہیں۔"

فرزین محبت بھرے انداز میں بجی سنوری ملاحہ کا ہاتھ تھامے بیٹھی تھی۔ اس کے پاس اپنی دوست سے کرنے کے لیے ڈھیر ساری باتیں تھیں۔

سائرہ چچی تو بس نظروں ہی نظروں میں ملاحہ کے کپڑے اور جیولری کا جائزہ لے رہی تھیں کبیر کے لیے کسی کے پاس لفٹ نہ تھی۔

"یہ لیں جی...... میں نے سوچا کہ اسپیشل مہمانوں سے ملوانے کے لیے آغا جان ہی کو لے آیا جائے۔" آغا جان کو وہیل چیئر پر بٹھائے موحد خوش دلی سے کہتا لاؤنج میں داخل ہوا تو اندر قیامت خیز خاموشی چھا گئی۔

کبیر اور ملاحہ کو ایک ہی صوفے پر بے تکلفی سے بیٹھے دیکھ کر آغا جان کے تاثرات یک لخت بدلے۔ ملاحہ سر پر دوپٹہ اوڑھتی ہڑبڑا کر اپنی جگہ سے اٹھی۔ کبیر بھی اس کی تقلید میں اٹھ کھڑا ہوا۔ آغا جان دنگ سے ساری صورت حال کو دیکھ رہے تھے اور تائی جان کا رنگ لٹھے کی مانند سفید پڑ گیا تھا۔ ایک واحد موحد آفندی تھا جس کے ہونٹوں پر پرسکون سی مسکراہٹ تھی۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

ایمل رضا

ٹوٹکے

سرخ رنگ...... اور ایسا خوفناک چوکھا رنگ جس نے ساجدہ کے خون کو منجمد کر کے رکھ دیا۔ سخت ابھار...... اور ابھار کے اندر کا خالی پن...... ساجدہ کا دل ہول کر رہ گیا۔

''بوا...... یہ دیکھنا ذرا...... کیسا عجیب سا دانہ نکل آیا ہے فاریہ کے......''

بوا...... تین منزلہ گھر کی تینوں منزلوں پر بسنے والوں کے گندے میلے کپڑوں کی گٹھری کو کمر پر لادے، لاٹھی ٹیکتی، تقریباً کبڑی دروازے کی طرف بڑھ رہی تھی۔ جب بڑے کی بیوی ساجدہ نے اسے مخاطب کر کے روکا تھا۔ گٹھڑی کو کمر سے اتار کر نیچے پٹخا اور واپس صحن میں بچھے تخت تک آ گئی تھی۔

ساجدہ اپنی بیٹی فاریہ کی سوکھے آملہ ملے سرسوں کے تیل سے مالش کر رہی تھی جب اس نے اس کی گردن پر ایک عجیب و غریب سا دانہ دیکھا۔ اس دانے کو وہ پہلے بھی کئی بار دیکھ چکی تھی مگر زیادہ توجہ نہ دی تھی۔ لیکن آج اسے وہ دانہ پہلے سے کچھ پھیلا ہوا محسوس ہوا تھا۔ اسی لیے اس نے تشویش زدہ سے لہجے میں بوا کو بلایا تھا۔

''دیکھنا ذرا یہ بوا......'' ساجدہ نے گردن سے قمیص پیچھے کرتے ہوئے فاریہ کی گردن بوا کو دکھائی اور ویسے تو بوا کی نظر اب اتنی ٹھیک نہ رہی تھی کہ ہاتھ میں پکڑی روٹی ہی دیکھ سکتی لیکن اس دانے کو وہ لمحہ پورا بھی نہ ہوا تھا کہ پہچان گئی۔ عمر رسیدہ ہونے کے باعث کمر کا جو کُب تھا وہ ایک جھٹکے سے سیدھا ہوا، بجھی راکھ کی سی آنکھوں میں روشنی سی کوندی اور چہرے پر نامانوس جذبات کی کمینگی ناچنے لگی۔

''کیا ہے یہ بوا......؟'' بوا کی حرکات و سکنات میں بروقت تبدیلی کے باعث ساجدہ پریشان ہوئی۔ اسے اندازہ ہوا کہ یہ جو بھی ہے اچھا نہیں ہے اور بوا اسے تاڑ چکی ہے۔

''مرض حصفہ......'' جھٹکے کھاتی، بیٹھی ہوئی آواز بڑے ہی ہموار راستوں پر ہوتی ہوئی پھیلی تھی اور پھر گونجتی ہوئی سالوں پرے حکیم کی بیگم سے جا ملی تھی۔

☆☆☆

سرخ رنگ...... اور ایسا خوفناک چوکھا رنگ جس نے ماں کے خون کو منجمد کر دیا۔ سخت ابھار...... اور ابھار کے اندر کا خالی پن...... نہ جانے کیوں ماں کا دل ہول کر رہ گیا۔

''بھرجائی...... یہ دیکھنا ذرا...... کیسا عجیب سا دانہ نکل آیا ہے زبیدہ کی گردن پر......'' ماں نے دیورانی کو مخاطب کیا۔ اس کے لہجے سے انجانی،

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

وسوسوں بھری تشویش عیاں تھی۔ ب ایک دانہ ہی تو تھا۔ گردن کی بائیں طرف ہے وہ کافی دنوں سے نظر انداز کر رہی تھی۔ لیکن ں دانے کے پاس ایک اور دانہ بھی نکل آیا تھا اور پہ والا اپنے وجود سے دوگنا ہو چکا تھا۔ زبیدہ مدھانی کے پاس بیٹھی مکھن رڑک رہی تھی جب ماں کی نظر اس کی گردن پر پڑی تھی اور وہ تیزی سے اس کے پاس آکر اس کی جانچ کرنے لگی تھی۔

دیورانی درانتی کو پیر کے انگوٹھے میں پھنسائے ساگ کتر رہی تھی۔ جٹھانی کا فکر مند لہجہ سن کر ساگ درانتی چھوڑ، جھٹ سے اس کے پاس پہنچی۔

''کیا ہوا......؟''

''یہ دیکھو تو ذرا...... پہلے ایک تھا۔ اب دو ہیں اور دانہ بھی دیکھو کتنا عجیب سا ہے۔''

''ہاں دانہ تو عجیب سا ہی ہے اور...... اور جسم بھی کالا کالا ہو رہا ہے بھرجائی!'' دونوں نے ایک دوجے کی طرف دیکھا۔ ہونی ہونے سے پہلے ہوا کو اپنی بو سونگھا دیتی ہے۔ اس وقت دونوں نے وہی بو سونگھ لی تھی۔ زبیدہ بھی مدھانی ۔ کر مکھن نکالنا بھول چکی تھی۔

''ٹھہرو...... میں حکیم کی بیگم کو بلا کر لاتی ہوں۔ وہ شاید کچھ بتا دے۔'' لمحے کی دیر کیے بنا دیورانی باہر کی طرف لپکی۔

''سنو......'' ماں نے آواز دی، دیورانی مڑی۔

''رازداری سے جانا...... لڑکی ذات کا معاملہ ہے۔''

''فکر کیوں کرتی ہو بھرجائی! میں سمجھ سکتی ہوں۔''

''کیا ہے اماں؟'' زبیدہ نے اس گفتگو میں پہلی بار پوچھا تھا۔

''کچھ نہیں بیٹی۔''

''کچھ نہیں تو پھر تم اتنی پریشان کیوں ہو گئی ہو؟''

''کچھ چیزوں کا علاج جڑ سے نہ کیا جائے تو پھر وہ دیکھتے ہی دیکھتے گھنا جنگل بن جاتی ہیں اور پھر اس جنگل میں انسان گم ہو جاتا ہے میری جان......'' ماں نے اپنے طور پر زبیدہ کو مطمئن کرنے کی کوشش کی لیکن خود نہ ہو سکی۔

تھوڑی دیر میں دیورانی کے پیچھے پیچھے حکیم کی بیگم گھر میں داخل ہوئی، زبیدہ کو کمرے میں لے جا کر پردے گرائے، لالٹین جلائی، لباس الگ کیا اور سارا جسم دیکھنا شروع کر دیا۔

''اماں! یہ کیا ہو رہا ہے؟'' زبیدہ گھبرا گئی۔ وہ جوان تھی ابھی ایسے تجربوں سے نہیں گزری تھی اور ابھی تھی ہی کتنی عمر کی...... محض سولہ سال کی، ابھی تو اس نے زمانے کے صرف اچھے رنگوں کو ہی محسوس کیا تھا۔ یہ تک نہیں جان پائی تھی کہ زندگی کے ساتھ ساتھ موت بھی ہوتی ہے، خوشی کے ساتھ ساتھ دُکھ بھی اور صحت کے ساتھ ساتھ بیماری بھی۔

''کچھ نہیں بیٹی!'' حکیم کی بیگم نے دلاسا دیا اور پھر ماں کی طرف دیکھا۔ یہ دیکھنا ایسے تھا کہ اب اس کی زندگی سے خیر بس اڑنے ہی والی ہے۔ کوئی خبیث جادوگر بس ملی پھونک مار چکا تھا۔

''کیا ہے بیگم......؟'' ماں نے سہم کر پوچھا۔

بیگم کی آنکھیں اداسی سے چھلکنے کو بے تاب ہو گئیں۔ وہ ماں کو ایسے دیکھ رہی تھی جیسے سوچ رہی ہو کہ بری خبر سنائے کہ نہ سنائے۔ ماں نے بیگم کی پُر سوچ آنکھوں کو دیکھتے ہوئے جیسے جلتے ہوئے اگر کے کھیتوں کی بو سونگھ لی۔ اب کچھ نہ بھی بتایا جاتا تو وہ جان چکی تھی کہ خبر اچھی نہیں ہے۔

''مرضِ حصفہ......'' حکیم کی بیگم نے کہا۔ اندھیرے اور خاموش کمرے میں مرض کے نام کی آواز گونجی۔ جلتی لالٹین بھی پھڑ پھڑا کر بجھ گئی۔ باقی تینوں نے نام سنا اور ماں چکرا کر فرش پر ڈھے گئی۔

''ہائے میرے اللہ......'' ماں نے سینے پر دو ہتڑ مارنے شروع کر دیے اور رونا شروع کر دیا۔ حکیم کی بیگم بھی نیچے ہی بیٹھ گئی۔

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

"جاہل عورتوں کی طرح سینہ کوبی مت کر جنتے، ابھی آغاز ہی ہے۔ اللہ سے دعا کر، سب ٹھیک ہو جائے گا۔ میں گھر جا کر آج ہی حکیم صاحب سے بات کروں گی۔ وہ یقیناً اس کا کوئی حل نکال دیں گے۔" بیگم نے دلاسا دیا لیکن ماں کا رونا کم نہ ہوا۔

"اس طرح کرے گی تو اپنی بیٹی کو ہمت کیسے دے گی۔ میں نے کہا ناں کہ میں آج ہی حکیم صاحب سے بات کرتی ہوں۔"

"میں تمہارے پاؤں پڑتی ہوں بیگم! میری قبر کی ڈھول مت اڑانا۔ اس بات کو اپنے گھر میں ہی دفن کر دینا، ابھی تو مہینہ بھی نہیں ہوا زبیدہ کی نسبت ٹھہرے، تم تو جانتی ہو......"

"زبیدہ میری بھی بیٹی ہے۔ فکر نہ کر، اس بات کو کوئی نہیں جان سکے گا۔ حکیم صاحب عشاء کے بعد گھر آتے ہیں۔ تم ایسا کرنا عشاء کے بعد آ جانا، اندھیرے، کسی کو پتا نہیں چلے گا۔"

اور جنتے نے ایسا ہی کیا...... اندھیرا جو اس کے دل میں بھر گیا تھا وہ اس سے بچتی بچتی حکیم کے گھر پہنچی...... عشاء ہو جانے کا انتظار اس نے ایسے کیا تھا جیسے لوگ اپنی فصل پکنے کا بھی نہیں کرتے۔ اس دوران وہ بار بار زبیدہ کو دلاسا دیتی رہی تھی۔ سمجھ رہی تھی کہ بیٹی کچھ نہ سمجھتے ہوئے بھی تشویش میں مبتلا ہو گئی ہے جبکہ دلاسے کی ضرورت زبیدہ سے زیادہ ماں کو تھی۔

"بیگم نے مجھے سب بتا دیا ہے۔ گھبراؤ نہیں، میں کل پہلے سے اس کی ہی دوائی بناؤں گا۔" حکیم صاحب نے جڑی بوٹیوں کے مرتبان دیکھتے ہوئے کہا۔ جیسے وہ زبیدہ کے لیے دوائی بنانے کا آغاز ابھی سے کر چکے ہوں۔

"یہ کب تک ٹھیک ہو جائے گی حکیم صاحب! عید کے چاند تو اس کی شادی ہے۔" ماں نے کہا۔ حکیم صاحب نے پلٹ کر فکروں میں جکڑی ماں کو دیکھا اور زبیدہ کو، جس کا سارا رنگ اس ایک لفظ "مرض حصفہ" نے اڑا کر رکھ دیا تھا۔ جس کے نہ تو وہ معنی جانتی تھی اور نہ ہی نوعیت...... اور زندگی خود کو سکھنے کے موقعے ایسے ہی تو دیتی ہے۔ انہونی کی شکل میں...... زبیدہ کو تو ابھی وقت نے بتانا تھا کہ اسے کون سا مرض لاحق ہوا ہے۔

"فی الحال شادی کو آگے کر دو...... اسے جانے میں دیر لگے گی۔" حکیم صاحب جھوٹ بھی بولتے تو وقت نے اسے ضائع کر دینا تھا۔ ماں کا گھبرایا ہوا چہرہ وہ بات سن کر بت ہو گیا۔ جو اس کے فرشتے اسے پہلے ہی بتا چکے تھے۔

"کتنی دیر......" آواز جیسے دوسری دنیا سے آئی تھی۔ دوسری تباہ ہو چکی دنیا ہے۔

"کم از کم ایک سال۔"

ماں نہیں جانتی تھی کہ یہ ایک سال ایک زندگی بن جائے گا۔ ورنہ وہ شاید اسی وقت حکیم صاحب کو دوائی کے بجائے زہر بنانے کا کہہ دیتی...... اس سب سے اچھا تو یہ تھا کہ زبیدہ مر ہی جاتی...... اس کے جیتے جی......

اگلے دن حکیم صاحب نے انہیں دوائی دے دی۔

"اللہ کا نام لے کر زبیدہ کو پلا۔ اللہ نے چاہا تو آرام ملے گا۔" شک زدہ فقرہ...... اللہ نے نہ چاہا تو؟ ماں نے صرف اللہ کا نام لینے کو کم جانا اور تقریباً سارا قرآن پڑھ کر پھونک کر زبیدہ کو دوائی پلائی۔

"تو مت گھبرا میری بچی! جب تک میں ہوں تجھے کچھ نہیں ہونے دوں گی۔" ماں کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ کم عقل ماں کہاں جانتی تھی کہ جب کچھ ہونا ہوتا ہے تو ایک ماں کیا، قبیلوں کے قبیلے بھی اکٹھے ہو جائیں تو کچھ نہیں کر سکتے۔

دوائی تینوں وقت پلائی جانے لگی۔ ماں دوائی کا وقت اس طرح یاد رکھتی جیسے لوگ فرض نماز کا بھی یاد نہیں رکھتے۔ تینوں وقت کی دوائی کے باوجود مرض بھی تینوں وقت ہی بڑھتا گیا۔ دانے دو سے تین اور پھر دیکھتے ہی

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

دیکھتے تیرہ ہو گئے۔ تعداد میں تو بڑھے ہی بڑھے حجم میں بھی بڑھ گئے۔ زبیدہ کی گردن پر ماس کے چھوٹے آبلے سے بن گئے اور یہ آبلے اتنے سخت تھے کہ نہ پھٹتے تھے نہ چلتے تھے اور نہ ہی کٹتے تھے۔

اور یہ تو ابھی "مرضِ حصفہ" کا صرف آغاز تھا۔

☆☆☆

"مرضِ حصفہ کیا ہوتا ہے بوا؟" ساجدہ پریشانی سے بولی۔

دُور کہیں ایک طلبل سا بج اٹھا تھا۔ بیماری اور انسان کی جنگ چھڑ جانے کا۔ جس میں جیت بیماری کی نظر آ رہی تھی۔ بوا کی آنکھیں دُور پار کے سالوں کو کھوجنے لگیں۔ اداسی نے ان آنکھوں میں ڈیرے ڈال دیے تھے اور ایسے ڈالے تھے کہ اب یہ اداسی قبر میں جا کر ہی ختم ہونے والی تھی۔

"آبلے بن جائیں گے پورے جسم پر۔" بوا ایسے بولی جیسے کالا جادو کر کے کسی کی جان لینے کی غرض سے خونی پتلے میں سوئیاں گھونپ رہی ہو۔

ساجدہ سہم کر پرے ہوئی۔ سرکی تیل سے مالش کرواتی فاریہ نے پلٹ کر ماں کو اور بوا کو دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں نمی تیرنے لگی تھی۔

"دانوں کے موٹے موٹے آبلے، سخت...... جو چھری سے بھی کاٹے جا سکیں گے اور نہ ہی آگ سے جلائے جا سکیں گے۔ شیطان کے ارادوں کی طرح ضدّی دانے...... جن کا حساب کتاب روزِ محشر ہی ہو سکے گا۔ اس دنیا میں تو نہیں، چاہے کچھ بھی کر لو، ابھی ایک دانہ نکلا ہے۔ کل دو ہو جائیں گے۔ پھر تھوڑے ہی عرصے میں تم انہیں گن بھی نہ سکو گی۔ پورا جسم بھر جائے گا ان دانوں سے۔" بوا پٹاری کے سارے سانپ باہر نکالنے لگی۔ ایک شیش ناگ کیا کم تھا جس کا نام "مرضِ حصفہ" تھا۔ جس نے اسے بھی ڈسا ہوا تھا۔

"خدا نہ کرے بوا! کیسی باتیں کرتی ہو۔ کچھ تو کم بولو، میری بچی کی شادی ہے اگلے مہینے۔"

"شادی......" بوا نے ہنکارا بھرا۔ "میری بھی تو تھی......" بوا نے کہا اور پھر اس غار میں واپس جا پہنچی جہاں سے پل بھر کو باہر نکلی تھی۔ گندے کپڑوں کا بھاری گٹھر پھر سے کمر پر لادا اور رکے رکے چلتے ہوئے یہ کہتی گھر سے باہر جانے لگی۔

"میری بھی تو شادی تھی۔ میری بھی تو تھی۔ عید کے چاند......"

☆☆☆

عید کے دو چاند گزر چکے تھے۔ حکیم صاحب نے تو زیادہ سے زیادہ ایک سال کا کہا تھا۔ اب وہ ایک سال بھی کم کیوں لگنے لگا تھا۔ ماں زبیدہ کو ایسے چھپائے پھرتی جیسے مرغی چوزوں کو اپنے پروں تلے چھپائی پھرتی ہے۔ کسی شادی بیاہ میں جانا تو درکنار زبیدہ کا تو گھر سے باہر نکلنا بھی بند ہو چکا تھا۔ ماں دروازے پر دو دو جندرے ڈالے رکھتی کہ کوئی اچانک اندر نہ آ جائے اور ایک اپنے آپ ہی کھل نہ جائے۔

عید تہوار پر ماں اسے گھر سے کہیں بہت دور بھیج دیتی، سہیلی وغیرہ آ بھی جاتیں تو ماں کے پاس ہزاروں بہانے تھے انہیں ٹالنے کے لیے...... تھوڑے عرصے بعد ماں نے یہ مشہور کر دیا کہ زبیدہ ماسی کے گھر جا چکی ہے۔ گھر کی دیواریں اس نے اونچی کروا دیں کہ اس کا جھوٹ پکڑا نہ جا سکے...... کوئی ایک رشتے دار آ جاتا تو اسے زبیدہ کے کسی اور رشتے دار کے گھر ہونے کا بتایا جاتا۔ دوسرا آ جاتا تو کسی اور کا نام لے دیا جاتا...... بھرجائی کے خاندان سے بھی کوئی آ جاتا تو کسی کو خبر ہی نہ ہونے پاتی کہ اس گھر میں ایک لڑکی بھی موجود ہے۔ جو ان کے وہاں رہتے ہوئے کبھی اسٹور روم، کبھی اناج کے کمرے اور کبھی پیٹی میں بند کر دی جاتی ہے۔

گھر میں کوئی بچہ نہ تھا جو گھر کی بات باہر کرتا۔ جو بڑے تھے وہ بچے بن چکے تھے۔ یہ ایسی بیماری تھی جسے وہ خود سے بھی چھپا کر رکھ رہی تھی۔ ماں زبیدہ کو شیشہ بھی نہیں دیکھنے دیتی تھی۔ وہ نہاتی تو اس کے سر پر کھڑی رہتی، اسے پانی میں بھی اپنا عکس نہ دیکھنے دیتی، زبیدہ ابھی سے اتنی بدصورت نظر آنے

www.urdusoftbooks.com

لگی تھی۔ خود کو دیکھ لیتی، بیماری کی پریشانی لے لیتی تو نجانے کیا حال کرتی خود کا۔

''کیوں اتنا ہلکان ہوتی ہو، بھرجائی! جس کو پتا چلنا ہے چلنے دو۔''

''لڑکی ذات کا معاملہ ہے۔ یہ ویسے نہیں اچھلتا جیسا ہوتا ہے۔ میں اس کے مرنے کا دکھ تو برداشت کر سکتی ہوں لیکن اس کی نسبت ٹوٹنے کا نہیں۔ میں نہیں چاہتی بات اس کے سسرال تک پہنچے، حکیم صاحب نے اس رجب علاج ہو جانے کی نوید سنائی ہے۔ بس اس کے بعد سب ٹھیک ہو جائے گا...... پھر عید کے چاند اس کی شادی کر دوں گی۔''

رجب کے چاند حکیم صاحب نے ان کے آگے ہاتھ جوڑ دیے۔

''مجھ سے اس کا علاج نہیں ہو رہا۔ میں نے لاکھ جتن کر دیکھے۔ دوائی بدل بدل کر بھی دیکھ لی...... میری زندگی بھر کی حکمت آج تمام ہوئی۔''

حکیم صاحب اپنے ہی دکھ سے چور بولے۔

''ایسا نہ کہیں حکیم صاحب! اللہ کے بعد میرے پاس صرف آپ کا ہی آسرا ہے۔ میں نے شادی آگے کروادی ہے آپ جتنا وقت لے سکتے ہیں لے لیں۔ بس میری بچی کا علاج کر دیں۔''

''کچھ امراض کے لیے طرح طرح کی دواؤں کی نہیں ہر طرح کی دعا کی ضرورت ہوتی ہے۔''

''دعا تو میں روز کر رہی ہوں حکیم صاحب! ہر ہر طریقے سے، رو کر، گڑگڑا کر، صدق دل سے، مکمل اعتقاد رکھ کر......''

''ایک اور حکیم ہے بہاولپور کے گاؤں میں، وہاں لے جا زبیدہ کو شاید وہ کچھ حل کر سکے زبیدہ کا۔''

منہ اندھیرے کی بیماری تھی۔ منہ اندھیرے ماں اسے لے کر گھر سے باہر نکلی، بہاولپور میں گاؤں بڑی ماسی کا گھر تھا۔ اسے جا کر ساری بات بتائی۔

''تو فکر نہ کر، دوائی کے ساتھ ساتھ میں گھریلو ٹوٹکے بھی کروں گی۔''

اگلے روز حکیم اور ماسی دونوں شروع ہو گئے۔

حکیم صاحب نے طرح طرح کی جڑی بوٹیوں کو پیسنا شروع کر دیا اور ماسی نے تیلوں کے نسخے گھڑنا......

ادھر ہاون دستہ چلتا رہتا۔ ادھر چولہوں پر ہزاروں طرح کے تیل پکتے رہتے۔ چھ ماہ اسی طرح بیت گئے۔ ہاون دستے کا پیندہ ٹوٹ گیا۔ تیل جل کر خاک ہو گئے۔

خاندان بھر کو تشویش ہونے لگی کہ زبیدہ کہاں گئی۔ ایک جیتا جاگتا انسان آخر ہے کہاں؟ نہ وہ ماسی کے گھر ہے نہ تایا، چچا، ماموں کے گھر، نہ ماں کے پروں تلے تو وہ آخر کس زمین تلے ہے؟

''سب ٹھیک ہو جائے گا۔ بڑے حکیم صاحب نے کہا ہے کہ انہوں نے پہاڑوں سے ایک بوٹی منگوائی ہے۔ اس سے سب ٹھیک ہو جائے گا۔ پھر سب بھول جائیں گے کہ زبیدہ اتنی دیر کہاں رہی۔''

لیکن سب کیسے بھولتے، ماں ہی بھولی بیٹھی تھی کہ جھوٹ ایک وقت تو چل جاتا ہے۔ لیکن جھوٹ کو اپنا لو تو انسان خود ہی جھوٹا ہو جاتا ہے۔ ماں بھی جھوٹی ہو چکی تھی۔

ایک دن زبیدہ کی ہونے والی ساس گھر میں آ دھمکی......اور وہی ساس ماں کے چہرے کی سلوٹوں کو تاڑ گئی۔ جو اتنی گہری ہو چکی تھیں کہ ان میں ایک نہیں کئی راز دفن لگتے تھے۔ مرہٹہ صفت گھرانے کی ملکانی جو یہ تک جان جاتی تھی کہ آج اس کی ملازمہ نے چاول بناتے وقت کتنی بار اور کتنی مقدار میں چکھے ہیں وہ ماں کو کیسے نہ جان پاتی، اس نے زبیدہ کی جوتی چارپائی کے نیچے پڑی دیکھ لی تھی لیکن اس روز چپ چاپ چلی گئی۔ سب رشتے داروں سے پتا کر لیا۔ زبیدہ کہیں نہیں تھی۔ سارے خاندان کو رفتہ رفتہ تشویش ہونے لگی تھی۔ جتنے منہ اتنی باتیں۔

سکینہ کو دیکھے عرصہ ہوا تھا۔ ماں جس کے گھر ہونے کا بہانہ بناتی اگلی کسی ملاقات میں وہ بھی صاف مکر جاتا۔ باتیں تشویش سے شروع ہو کر کردار پر جانے لگی تھیں اور تب زبیدہ پہلی بار تڑپ اٹھی۔ سات گز کی چادر اس نے غصے سے دور پھینک دی۔

www.urdusoftbooks.com

''مجھے نہیں اوڑھنی یہ......''

''کیوں وقت سے پہلے مجھے مار رہی ہے زبیدہ! چادر اوڑھ لے۔ منہ چھپا لے۔''

''میں تجھے کیا ماروں گی اماں! ایک مرا ہوا انسان بھی کیا کسی کو مار سکتا ہے۔''

''یہ چھالے نہیں ہیں۔ تیری تقدیر ہے۔ جیسے بابوں کے تعویذ کھل جائیں تو لکھا ہوا سب مٹ جاتا ہے اسی طرح یہ سب کے سامنے آ گئے تو سب ختم ہو جائے گا۔ سیاہ ہو جائے گا۔''

''میں خود سیاہ ہو چکی ہوں۔ تقدیر کے سیاہ ہونے کا کیا ماتم کروں۔''

''بس تھوڑے دن اور صبر کر لے، ایک دو جے پنڈ جا رہے ہیں ہم......وہاں ایک بہت کرامت والے حکیم رہتے ہیں۔''

''میں تھک چکی ہوں اماں! اکیلے کمرے میں میں عمر قید کاٹ رہی ہوں۔ مجھے تازہ ہوا لینے دے۔ چاہے اس تازہ ہوا میں میرا دم نکل جائے۔ چار دیواری میں بند کر کے تو میرا مزار بنا رہی ہے۔ میرے مرنے کا تو انتظار کر، مجھے ہمدردی چاہیے اب......سب کی ہمدردی......''

''ہمدردی؟ سب کی یا شہزادے کی؟''

''اس کی ہی سمجھ لے۔''

''تجھے ہمدردی نہیں پیار چاہیے اس کا۔''

''کیا برائی ہے اس میں۔'' زبیدہ چلائی۔ ''وہ میرا ہونے والا شوہر ہے۔''

ماں نے اپنا سر پیٹ لیا۔

''پاگلے! جس چہرے کو دیکھ کر اس نے تیرا ہاتھ مانگا تھا اب اس چہرے کو دیکھے گا تو پیروں تلے کی زمین بھی کھینچ لے گا۔''

''وہ میرا ہاتھ تھام لے گا۔ تو مجھے ایک بار اس کو بتانے تو دے۔''

''اپنی محبت پر اتنا اندھا اعتماد مت کر زبیدہ! وقت ایک جیسا نہ رہے تو محبت بھی ایک جیسی نہیں رہتی، حالات بدل جائیں تو محبت بھی بدل جاتی ہے۔''

''اتنی کمزور نہیں ہے اس کی محبت۔''

''بس ایک مہینہ اور صبر کر لے، یہ چادر اوڑھ لے پھر جو تو چاہے، جیسی تیری مرضی۔''

زبیدہ نے پھر سے چادر اوڑھ لی۔ نئے گاؤں جانے کو قافلہ تیار ہوا۔ جہاں ہر طرف صحرا تھا۔ کہیں ایک چھوٹا سا نخلستان بھی تو نہیں تھا۔

اسی پنڈ میں دور کی تایا زاد خالہ کے گھر کے قریب ایک بارات آئی تھی۔ خالہ اور اماں گھر سے باہر تھیں۔ اس بارات کے ساتھ اس کا منگیتر شہزاد بھی آیا تھا۔ جو زبیدہ کے وہاں ہونے کا پتہ کر کے گھر بھی آ گیا۔ زبیدہ چولہے کے پاس بیٹھی روٹی بنا رہی تھی۔ جب شہزاد نے شرارت سے اسے ڈرایا۔

وہ ڈری، لمبی چادر کھسکی اور جتنا وہ ڈری تھی شہزاد اس کی شکل دیکھ کر اس سے کہیں زیادہ ڈر گیا۔

ماس کے سخت آبلے اس کے چہرے پر جا بجا پھیلے تھے۔ جو چولہے کی تمازت سے زیادہ سرخ اور زیادہ بھیانک نظر آ رہے تھے۔ زبیدہ ایسے گھبرائی جیسے اس سے بے وفائی کرتے ہوئے پکڑی گئی ہو یا جیسے اس کے کردار کے حوالے سے منسوب ساری باتیں سچ ہو گئی ہوں۔ شہزاد ایک لمحے اسے دیکھتا رہا۔ اس نے کوئی بات نہ کی، کوئی دلاسہ نہ دیا، کوئی سہارا نہ بنا، نہ ہمدردی کی اور نہ ہی پرانا پیار جتایا، دونوں کے درمیان چولہا جل رہا تھا۔

اب اگر اس کا راز سامنے آ ہی گیا تھا تو آزمائش کا وقت بھی دونوں کے درمیان تھا۔ جس کا شعلہ چولہے کی آنچ سے بھی زیادہ لو سے بھڑک رہا تھا۔

زبیدہ شہزاد کی نظروں میں دیکھے گئی اور وہ اس کے پیروں تلے کی زمین کو، جیسے سوچ رہا ہو کہ اسے کھینچے یا نہیں۔

بالآخر شعلے کی لو بجھ گئی۔ شہزاد الٹے قدموں واپس چلا گیا۔

اب زبیدہ کو کسی سے منہ چھپانے کی ضرورت نہیں تھی۔ خاندان بھر کو پتا چل چکا تھا کہ زبیدہ کو مرض حصفہ لاحق ہے اور یہ کہ زبیدہ اور شہزاد کے دونوں

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

رشتے ختم ہو چکے ہیں۔ منگنی والا بھی اور محبت والا بھی۔

اماں نے ٹھیک کہا تھا کہ وقت بدل جائے تو محبت بھی بدل جاتی ہے۔ جس چہرے کو دیکھ کر اس نے اس کا ہاتھ مانگا تھا اسی چہرے کو پھر سے دیکھ کر اس کے پیروں تلے کی زمین کھینچ لی تھی۔

☆☆☆

وہ جو کپڑے لے کر جاتی تھی اور مہینہ مہینہ آنے کا نام ہی نہیں لیتی تھی۔ آج ایک ہفتے بعد ہی ان کے کپڑے دھو کر واپس لے آئی تھی۔

"فاریہ کہاں ہے؟" اس نے آتے ہی خلاف عادت پیسوں کے بجائے۔ فاریہ کے بارے میں پوچھا۔ ایک طرح سے مرضِ حصفہ کے بارے میں۔

"وہ اوپر بھابھی کے ساتھ ہے۔ مرض ایک ہفتے میں ہی بہت بڑھ گیا ہے بوا...... ! دانے پورے چہرے پر پھیل گئے ہیں۔ لڑکی کمرے سے باہر نہیں نکل رہی، تم جا کر کوئی دلاسا دو اسے۔"

بوا اوپر چلی گئی۔ لڑکی ماں کے ساتھ گھٹ کر رو رہی تھی۔ ماں اس سے کہیں زیادہ رو رہی تھی۔ بوا باہر ہی کھڑی ہو گئی۔

"مت رو میری جان...... میں کچھ کرتی ہوں۔ کچھ نہیں ہو گا تجھے۔ میں مر کر بھی تجھے کچھ نہیں ہونے دوں گی۔ تیری شادی اُسی تاریخ پر ہو گی۔"

بوا دہلیز پر بیٹھ گئی یا شاید ڈھے گئی۔

☆☆☆

"نہ روز زبیدہ! نہیں تو تیرے آنسو میری جان لے لیں گے۔ مت رو اس شہزاد کو۔ میں تیرے لیے ایسا رشتہ تلاش کروں گی کہ دنیا حیران رہ جائے گی اور وہ شہزاد بھی۔" ماں اسے اپنے سینے میں چھپائے دلاسا دے رہی تھی۔ ممتا کی ماری نادان ماں، بیٹی کو جھوٹی امید دے رہی تھی۔

"تو میرے لیے محبت تلاش کر دے گی؟" روتی زبیدہ نے سر اٹھا کر پوچھا۔

بت ماں چکنا چور ہو گئی۔

"ایسا شوہر ضرور تلاش کر دوں گی جو تجھ سے بے پناہ محبت کرے۔ تیرا رنگ و روپ پہلے جیسا کر دوں گی میں...... مت رو اس شہزاد کو...... مت ہلکان ہو......"

شہزاد سے رشتہ نہیں ٹوٹا تھا جیسے اس کی سانسوں کی تسبیح ٹوٹ گئی تھی۔ جس کے ایک ایک دانے پر وہ محبت کا کلمہ پڑھتی تھی۔ اسے بیماری کی پریشانی آج تک نہیں ہوئی تھی جتنی اس کی ماں کو تھی۔ لیکن جس روز شہزاد کی انگوٹھی واپس آئی اور اس کے ہاتھ کی انگوٹھی واپس مانگی گئی اس روز اسے اندازہ ہوا تھا کہ وہ کسی موذی مرض کا شکار ہو گئی ہے۔ اس کے لیے سب ختم ہو گیا تھا۔ اب دوائی پینے کا کوئی فائدہ نہیں تھا، اس نے سب پرے پھینک دیا تھا۔ سارے مرتبان، سارے تیل، سب مرہم۔

"کیا میرا چہرہ کسی طرح میری بیٹی کو نہیں لگ سکتا حکیم صاحب! اور اس کا چہرہ مجھے، کہتے ہیں نا کہ بیمار کی چارپائی کے گرد سات پھیرے لے لو تو اس کی بیماری خود کو لگ جاتی ہے اور وہ ٹھیک ہو جاتا ہے۔ کیسے لیتے ہیں وہ سات پھیرے حکیم صاحب! [illegible] طریقہ [illegible] ان کا، میں تو سات ہزار بار لے چکی ہوں [illegible] پھر بھی زبیدہ کی بیماری مجھے نہیں لگ [illegible] آ [illegible] کر روتی رہتی۔

[illegible] بوڑھے حکیم نے [illegible] روتی ما[illegible] دیکھا تو اپنی زندگی بھر کی حکمت کو ختم جانا، کیا فا[illegible] ایسی حکمت کا، جو وہ ایک ماں کو سکون نہ دے سکے۔ اس کے آنسو نہ روک سکے۔

"ایک بوٹی ہے تو سہی، قصے کہانیوں میں اس کا ذکر ملتا ہے۔ پتا نہیں جھوٹ ہے کہ سچ لیکن آزمانے میں حرج ہی کیا ہے۔"

"کون سی بوٹی حکیم صاحب؟"

"پریم بوٹی......"

"پریم بوٹی...... وہ تو نہر کنارے جگہ جگہ اُگی ہوئی ہے۔ سفید پھولوں والی۔"

"وہ والی نہیں...... جس پریم بوٹی کی کونپلوں پر

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

''ہما'' اپنا سایہ کر کے گزرے۔ بال ہما کے سائے والی پریم بوٹی، کہیں سے مجھے وہ لا دے۔ میں تیری دھی کا علاج کردوں گا۔''

''وہ بوٹی کہاں سے ملتی ہے حکیم صاحب! دوزخ سے بھی ملتی ہوگی تو میں وہاں بھی چلی جاؤں گی، سچی بالکل نہ گھبراؤں گی۔''

''وہ بوٹی کسی بازار میں نہیں ملتی ہے۔ تقدیر میں لکھی ہو تو مل جاتی ہے۔'' حکیم صاحب آسمان کو کھوجتے ہوئے بولے۔

''تو پھر اب جس نے میری تقدیر لکھی ہے۔ اسی سے مانگتی ہوں۔'' ماں گھر آ گئی اور چارپائی پر ایسے گری جیسے مدتوں کی تھکن کے بعد اب ابدی اور گہری نیند سو جانا چاہتی ہو۔

اب ماں کے لب پر ایک ہی کلمہ تھا۔ بال ہما کے سائے والی پریم بوٹی...... بال ہما کے سائے والی پریم بوٹی...... یہ آخری علاج تھا اس کی نظر میں اور اس بوٹی کے لیے وہ کہاں کہاں نہیں گئی۔ اس نے کہاں کہاں جا کے جان نہیں ماری...... وہ گھر کو بھول گئی۔ شوہر کو بھول گئی۔ کوکھ سے جنم دینے والی ماں۔ یہ اولاد کو کوکھ سے نکال کر بھی نکال کیوں نہیں دیتی؟

بال ہما کے سائے والی سفید پریم بوٹی نہ ملی اور زبیدہ کے بالوں میں سفیدی اتر آئی۔

''میں تیرے لیے ایسا رشتہ ڈھونڈوں گی کہ سارا خاندان حیران رہ جائے گا۔'' ہر وقت یہی کہنے والی ماں نے چپ کا روزہ رکھ لیا۔ اپنے مرنے تک کبھی نہ افطار کرنے کے لیے۔

واقعی اس نے یہ کام کر دکھایا۔ زبیدہ کے لیے ایک ایسا رشتہ ڈھونڈ لیا کہ سارا خاندان حیران رہ گیا۔

''حبیب......'' اس کی عمر ساٹھ سال تھی۔ پانچ بچے تھے۔ دھوبی کا کام کرتا تھا۔ بڑے دو بچوں کو بیاہ چکا تھا اور اب ایک عدد بیوی چاہتا تھا۔ رخصتی کے بعد جو پہلی خبر زبیدہ تک پہنچی وہ یہ تھی کہ پتا نہیں گھر کی دہلیز اس نے پہلے پار کی یا اس کی ماں کی جان فرشتے نے پہلے قبض کی...... دنیا سے تو دونوں کا ناتا کب کا ٹوٹ چکا تھا۔ ماں کا اب جسمانی بھی ٹوٹ گیا۔

☆☆☆

''بوا کیا علاج ہے اس کا...... کچھ بولو بوا...... میری بیٹی رو رو کر پاگل ہو رہی ہے اور مجھے مار رہی ہے۔''

''بال ہما کے سائے والی پریم بوٹی......'' بوا دہلیز پر بیٹھے بیٹھے بڑبڑائی...... ساجدہ کچھ نہ سمجھی۔

''کہاں سے ملے گی وہ...... پیسے لے جاؤ...... لا دو مجھے......'' ساجدہ نے بوا کے ہاتھوں کو دبایا۔

''وہ پیسوں سے نہیں ملتی...... ملنی ہو تو خود ہی جھولی میں گر جاتی ہے۔'' بوا کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ ساجدہ اسے دیوانی سمجھ کر اس کے پاس سے اٹھ گئی۔

اور پھر ویسا ہی ہوا جیسا کہ بوا سوچتی تھی۔ فاریہ کے جسم کے دانے آہستہ آہستہ بڑھنے لگے۔ گردن سے چہرے اور پھر پورے جسم پر پھیلنے لگے۔ موٹے موٹے دانے...... ماں کے سخت بلبلے...... جنہیں دیکھ کر بوا کو ایک کمینی سی تسکین ہوتی...... تو وہ اکیلی نہیں تھی اب...... کوئی اور بھی اس کے ساتھ آ ملا تھا۔ جس کی زندگی بالکل اس کی زندگی جیسے ہونے والی تھی۔ مرضِ حصفہ ایک قلم سے دو زندگیوں کی تقدیر لکھنے لگا تھا۔ بوا کے چہرے پر مسرت کھلی رہتی، کپڑے لے جاتے، لے کر آتے وہ گنگناتی رہتی۔

دانے سارے جسم پر پھیل گئے تو فاریہ اور فاریہ کی ماں دن رات رونے لگیں۔ پھر ایک دن بوا گھر آئی تو اسے پتہ چلا کہ ساجدہ فاریہ کو لے کر کسی دور کے رشتے دار کے گھر چلی گئی ہے۔ بوا سن کر مسکرائی۔

''جو مرضی کر لو، جہاں مرضی چلی جاؤ، ہوگا وہی جو میرے ساتھ ہوا۔'' وہ مسکراتی رہتی۔ گنگناتی رہتی۔

دیوارنیوں سے کبھی کبھی فاریہ کے بارے میں پوچھ لیتی۔

''علاج ہو رہا ہے اس کا......'' وہ جواب برائے سوال کہتیں۔

''اور شادی......؟؟'' بوا کے اندر کہیں جوار

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

بھاٹا سا اٹھتا۔

"علاج کے بعد شادی بھی ہو جائے گی۔"

وہ گندے کپڑوں کو سینے سے لگائے مسکراتی ہوئی گھر سے نکل جاتی......

"کبھی نہیں ہو گی اس کی شادی، کوئی نہیں اپنائے گا اسے۔ جیسے اس نکھٹے دھوبی نے مجھے نہیں اپنایا تھا۔ وہ تو مجھے اپنے سامنے بھی نہیں بیٹھنے دیتا تھا۔ کہتا تھا تیرا چہرے دیکھنے سے من میں کرودھ بھرتا ہے۔ اس کی شادی بھی کہیں نہیں ہو گی۔ منگیتر سے جتنا مرضی چھپالو، اسے ایک دن پتہ چل ہی جائے گا پھر وہ اسے دھتکار دے گا۔ جیسے اس شہزاد نے مجھے دھتکار دیا تھا۔ وقت بدلے تو محبت بھی بدل جاتی ہے۔"

ایک سال اسی طرح بیت گیا تھا۔ فاریہ گھر میں نہ آئی اور نہ ہی ساجدہ...... جب پوچھو ایک ہی جواب ملتا کہ اس کا علاج ہو رہا ہے اور بوا مسکرانے لگتی۔

علاج؟ کیا وہ اس مرض کے سارے علاجوں کو اچھے سے جانتی نہ تھی۔ ماسی، ماموں، چچا، تایا، کے گھر کا علاج، کمرے میں چھپے رہنے، اسٹور، اناج کے گودام اور پیٹی میں بند رہنے والا علاج...... کسی نے بھی تو کوئی فائدہ نہ دیا تھا۔ وہی ہوا تھا جو ہونا تھا۔

پھر سال بھر بعد فاریہ ساجدہ کے ساتھ واپس گھر آ گئی۔ بوا نے اسے دیکھا اور اسے ایک دھچکا سا لگا۔ گندے کپڑوں کی گٹھڑی اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گری جبکہ اس میں کپڑے کچھ ایسے بھی زیادہ نہ تھے کہ وہ اس کا وزن برداشت نہ کر پاتی...... شاید بعض اوقات انسان پر گزری زیست کا بوجھ کچھ ایسے بڑھ جاتا ہے کہ اس سے کوئی اور بوجھ برداشت نہیں ہو پاتا۔

بوا نے دیکھا کہ فاریہ کے چہرے اور گردن کے سارے دانے بہت کم ہو گئے تھے بلکہ بالکل ختم ہونے کے قریب تھے اور فاریہ نکھر کر پھر سے صاف ستھری ہو جانے کے قریب تھی۔ جیسے اسے کبھی یہ بیماری ہوئی ہی نہ ہو......

"مرض حصفہ" کی روگ زدہ بیماری......

وہ تو ہنس رہی تھی، کھیل رہی تھی، کھلکھلا رہی تھی۔ ماں کے ساتھ اپنے جہیز کا سامان خریدنے جاتی تھی۔ گھر آ کر اسے دیکھتی رہتی تھی۔ خوش ہوتی تھی۔ چادریں، برتن، سامان اپنی چچیوں کو دکھاتی تھی۔

بوا جانتی تھی کہ چند ہی دنوں کی بات ہے بچی کی جلد بالکل صاف ہو جائے گی اور اس کی تقدیر بھی......دودھ کی طرح بے داغ اور سفید۔

"پریم بوٹی......" نخوت سے بڑبڑاتی بوا گھر سے باہر نکل گئی اور گٹھڑی وہیں چھوڑ گئی۔ وہ رات بوا نے اپنی گندی کھولی میں جاگتے ہوئے گزاری تھی۔

یہ اتوار کا دن تھا۔ تین منزلہ گھر کے سارے گھر والے ہی گھر سے باہر گئے ہوئے تھے۔ بوا کو پتا تھا کہ آج ساجدہ کے گھر میں کوئی نہ ہو گا۔ فاریہ کا کامیاب علاج ہو جانے کی خوشی میں سب گھر والے باہر سیر کرنے گئے ہوئے تھے۔ بوا گھر کی پچھلی کھڑکی کے راستے چوروں کی طرح گھر میں داخل ہوئی تھی۔ اسے پتا تھا کہ تیسرے نمبر والی دیورانی کی سنگھار میز کے پیچھے والی کھڑکی کا لاک ٹوٹا ہوا ہے۔ ذرا سا دھکا دینے پر کھڑکی کھل گئی، سنگھار میز نیچے زمین پر گرا اور اس کا شیشہ ٹوٹ کر بکھر گیا۔ خاموش کمرے میں شور سا گونجا لیکن بوا کو آج کوئی پروا نہیں تھی۔ اس کے اندر کا شور اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ اسے کچھ اور سنائی ہی نہیں دے سکتا تھا۔

سب سے پہلے وہ اوپر ساجدہ کے کمرے میں گئی۔ اس کی الماریاں کھولیں، دراز کھنگالے، بستر الٹ ڈالے۔ غرض ایک ایک چیز دیکھ لی لیکن اسے کہیں بھی وہ جڑی بوٹی نہ ملی، بال ہما کے سائے والی پریم بوٹی۔

پھر وہ فاریہ کے کمرے میں گئی۔ اس کی ایک ایک چیز ادھیڑ کر رکھ دی۔ حتیٰ کے سرہانے تک پھاڑ ڈالے لیکن اسے وہ وہاں بھی نہ ملی پھر وہ کچن میں گئی اور پھر باری باری گھر کے ایک ایک کمرے میں۔ ہانپتی کانپتی وہ سارا گھر ادھیڑ چکی تھی لیکن نہ تو وہ آج

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

تھکی تھی اور نہ ہی ٹوٹی تھی۔

اور اس سب میں اسے پتا ہی نہ چلا کہ گھر والے واپس آ چکے ہیں۔ دن سے شام ہو چکی ہے۔ بند گھر کا بڑا دروازہ کھل چکا ہے۔ سب ہنستے اور شور کرتے ہوئے اندر داخل ہو رہے ہیں۔ خالی برتن پھر سے واپس رکھے جا رہے ہیں لیکن بوا کے کانوں نے کچھ سنا ہی نہیں۔ سب اپنے اپنے کمروں میں گئے اور پھر چور چور کی چیخیں مار کر واپس نیچے صحن میں اکٹھے ہوئے۔ بوا نے تب بھی کچھ نہ سنا، کوئی آواز اس کے کانوں میں نہ پڑی۔

وہ سب سے چھوٹی دیورانی کا کمرہ روئی کی طرح دھنک رہی تھی جب سب گھر والے ایک ایک کر کے وہاں اکٹھے ہونے لگے۔ بوا لاحاصل کوشش کر کے سٹھیا گئی تھی۔ چیزیں تتر بتر کرتی ہوئی بالکل پاگل لگ رہی تھی اور اب غصّے سے چیزیں پھینکنے لگی تھی۔ سب گھر والے حیرت سے یہ منظر دیکھے گئے۔ چھوٹی نے آگے بڑھ کر بوا کو روکنا چاہا لیکن ساجدہ نے منع کر دیا۔ اس نے بوا کو اس کا کام کرنے دیا۔

بوا ساری درازیں الٹ چکی تھی۔ الماریاں گرا چکی تھی اور بیڈ کا فوم تک پھاڑ چکی تھی۔ سب گھر والے خاموشی سے اسے یہ سب کرنے دے رہے تھے اور کرتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔

تھک ہار کر بوا زمین پر ڈھے گئی۔ یہ اس گھر کا آخری کمرہ تھا۔ دروازے پر اس کی نظر پڑی تو سب کو کھڑے دیکھا۔ لیکن اس کی نظروں میں کوئی چور نہ جاگا۔ کمرے میں ایک بوڑھا وجود تھا اور کمرے کے دروازہ پر پورا مجمع...... دونوں ہی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ ایک دوجے سے کیا سوال کریں۔

''بوا! کیا تلاش کر رہی ہو؟'' بالآخر ساجدہ نے آگے بڑھ کر ہمت کر کے پوچھا۔

''بوٹی کہاں ہے؟'' بوا زور سے چلّائی۔

''کون سی بوٹی؟'' ساجدہ نے حیرانی سے بوا کو دیکھا۔ ''بال ہما کے سائے والی پریم بوٹی!'' بوا کی آنکھوں میں پانی تیر رہا تھا۔ جیسے وہ بوٹی اسے ہر قیمت پر چاہیے اور اس بوٹی کے مل جانے پر اپنی قسمت بھی...... جیسے سب کچھ پھر سے پہلے جیسا ہو جائے گا۔ وہ ٹھیک ہو جائے گی۔ وقت پیچھے چلا جائے گا۔ اس کا رنگ و روپ واپس آ جائے گا اور...... اور شہزاد اس سے منگنی نہیں توڑے گا۔

''کوئی بوٹی نہیں ہے گھر میں بوا! ہوتی تو کیا میں تمہیں نہ دیتی۔'' ساجدہ پیار اور ہمدردی سے بولی۔ ''چھوٹی...... تو لڑکی کا علاج کہاں سے ہو رہا ہے پھر؟''

''ہمیں تو خود نہیں پتا، اس کا منگیتر قاسم کروا رہا ہے اس کا علاج۔ اسلام آباد لے جاتا ہے ہر جمعرات اسے کسی بڑے ہسپتال، وہیں سے ہی ٹھیک ہو کر آئی ہے فاریہ!'' نجمہ نے کہا اور بوا کے لیے بے کراں آسمان سکڑ کر مٹھی میں بند ہو گیا۔ اس کا سانس اکھڑنے لگا۔

''قاسم لے کر جاتا ہے؟'' بوا نے خلا میں گھورتے ہوئے ساجدہ کا فقرہ دہرایا۔

''ہاں، قاسم لے کر جاتا ہے اسے ہسپتال۔''

''قاسم لے کر جاتا ہے اسے ہسپتال......'' بوا بس بڑبڑا رہی تھی اور بار بار اسی بات کو توڑ مروڑ کر بول رہی تھی۔

''تو قاسم لے کر جاتا ہے۔

ہاں بھئی قاسم لے کر جاتا ہے۔

لو جی قاسم لے کر جاتا ہے۔''

پھر اپنے بوڑھے وجود کو تقریباً گھسیٹتے ہوئے وہ اپنی جگہ سے اٹھی، سارے کمروں کی خاک چھاننے کی تھکن اس کی ٹانگوں میں در آئی۔ لاٹھی کو ٹیکتی وہ باہر کی طرف بڑھنے لگی۔

''قاسم لے کر جاتا ہے فاریہ کو ہسپتال...... منگیتر لے کر جاتا ہے ہسپتال...... تو آخر مل ہی گئی نا تمہیں وہ پریم بوٹی...... مجھے نہیں مل سکی...... بس مجھے نہ مل سکی......''

اور اپنی عمر رسیدہ ہڈیوں پر جیسے آج اپنے ہی گندے وجود کا گٹھڑ رکھے وہ لاٹھی ٹیکتی گھر کی دہلیز پار کر گئی۔

☆

www.urdusoftbooks.com
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

فرح نعیم

آسودگی

''نذیراں! کل کس ٹائم آؤ گی؟'' ہانیہ نے فریج سے ٹھنڈے پانی کی بوتل نکالتے ہوئے، کچن میں برتن دھوتی اپنی کام والی سے پوچھا۔

''باجی! اپنے ٹیم پر آؤں گی۔'' نذیراں سادگی سے بولی۔

''ہیں اپنے ٹائم پر؟'' گلاس ہونٹوں تک جاتے جاتے رک گیا۔

''کیا مطلب؟''

''باجی! جیسے روز آتی ہوں ساڑھے نو بجے تک، اسی طرح آؤں گی۔''

''لیکن کل سے تو رمضان شروع ہیں؟'' ہانیہ نے جیسے اسے کوئی انہونی خبر سنائی۔

''جی باجی! میں نے اپنی سب باجیوں سے کہہ دیا ہے کہ میں اپنے ٹیم پر ہی آؤں گی تاکہ میں بھی دوپہر تک فارغ ہو جاؤں۔'' نذیراں جیسے اس کی بات سمجھتے ہوئے بولی۔

''نہ بابا نہ، میں تمہیں اتنی جلدی نہیں بلا سکتی، میں تو اٹھتی ہی گیارہ بجے ہوں۔ سحری کر کے، فجر کی نماز پڑھ کر، کچن سمیٹ کر لیٹتے لیٹتے اتنی دیر تو ہو جاتی ہے۔ میں تو نو، ساڑھے نو بجے نہیں اٹھ سکتی۔ تم میرے پاس ساڑھے گیارہ، بارہ بجے تک آنا۔'' ہانیہ جیسے اسے اپنی مجبوری سنا رہی تھی۔

''بارہ بجے...... باجی مجھے پھر بہت دیر ہو جائے گی۔ آپ کے کپڑے، برتن، صفائی سب ہی کام ہوتے ہیں۔ میں جس باجی کے ہاں گیارہ بجے جاتی ہوں وہیں مجھے ایک ڈیڑھ گھنٹہ لگتا ہے پھر آپ کے گھر...... باجی گرمی بہت ہے، پھر میرا بھی روزہ ہوگا۔ میرے لیے تو بہت مشکل......'' نذیراں پریشانی سے کہہ رہی تھی۔

''دیکھو، اگر تم بارہ بجے تک آسکتی ہو تو ٹھیک ہے ورنہ پھر میں کوئی دوسرا بندوبست کر لوں گی۔'' ہانیہ نے کندھے اچکاتے ہوئے نذیراں کی بات کاٹ کر لاپروائی سے کہا۔

''دوسرا بندوبست کیا؟'' نذیراں جو برتن دھو چکی تھی اور اب کپڑے دھونے کی تیاری کر رہی تھی، چونک سی گئی۔

''یہی کہ دوسری ماسی سے بات کروں جو میرے ٹائم پر آئے۔''

''دوسری ماسی......؟ نہیں باجی! ایسے نہ بولو۔''

''تو جب تم نہیں آسکتیں تو مجھے دوسری ہی دیکھنا پڑے گی۔'' ہانیہ کے اطمینان میں فرق نہ آیا۔

''اچھا باجی! میں کوشش کرتی ہوں، ایک دو دن کام کروا لو پھر میں آپ کے دیے گئے وقت پر آجاؤں گی۔'' نذیراں بے بسی سے بولی تھی پھر وہ خاموشی سے کپڑے دھونے لگی اور ہانیہ اندر کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

ہانیہ کے گھر کا کام چھوڑنے کا مطلب تھا ڈھائی ہزار کی رقم سے ہاتھ دھونا اور اس کے حالات ایسے نہیں تھے کہ وہ اس قسم کی عیاشی کر سکے۔ پہلے ہی قرضہ چڑھا ہوا تھا جب تک دوسرا کام ملتا اس وقت تک مزید قرضہ چڑھ سکتا تھا پھر ہانیہ سے ایک فائدہ یہ تھا کہ وہ تنخواہ ایڈوانس میں بھی دے دیتی تھی۔

اکثر مہینہ ختم ہونے سے پہلے ہی وہ ہانیہ کو اپنی مجبوریاں سناتی تو وہ تھوڑے پس و پیش کے بعد اسے

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

رقم دے دیتی۔

ہانیہ کو بھی اس علاقہ میں آئے ہوئے ابھی صرف سال بھر ہی ہوا تھا۔ پچھلے سال وہ عید کے بعد یہاں شفٹ ہوئی تھی اور اس نئے محلے میں یہ اس کا پہلا رمضان تھا۔ اس کو ہمیشہ سے عادت تھی کہ سحری کر کے جو سوتی تو پھر بارہ بجے ہی اٹھتی۔ اب تو بچوں کی بھی اسکول سے چھٹیاں تھیں تو اور بے فکری تھی ورنہ جب اسکول جاتے تھے تو ان کو اسکول اور میاں کی دفتر روانہ کر کے وہ اطمینان سے لیٹ جاتی۔ ماسیوں کو بھی دیر سے بلاتی اور پھر جلدی جلدی جیسے تیسے کام سمیٹ کر ظہر کی نماز پڑھ کر دوبارہ سے اے سی چلا کر لیٹ جاتی پھر عصر کی اذانوں کے ساتھ ہی اٹھتی۔

بھوک پیاس برداشت کرنا اس کے لیے ایک بڑا کٹھن مرحلہ ہوتا۔ بغیر کھائے اس سے کچھ کام بھی نہ ہوتا تھا لہٰذا مزاج بھی ان دنوں اس کا کچھ چڑچڑا ہی رہتا۔ بچے بھی اس کی عادت سمجھتے تھے لہٰذا الگ تھلگ ہی رہتے، ان کو علم تھا کہ اسے روزہ بہت لگتا ہے لہٰذا روزے میں وہ کئی گھنٹے سو کر — گزارتی اور اس بات پر وہ کچھ معزرد رہتی کیونکہ عید کے بعد جب سہیلیوں اور کزنز کی آپس میں گپ شپ ہوتی اور بات رمضان کی عبادات — کی ہوتی اور لوگ اپنے اپنے مشاغل جب بیان کرتے تو وہ بڑی مطمئن ہوتی کہ اگر اس نے زیادہ عبادت نہیں کی تو بے کار کی خرافات میں بھی نہیں پڑی۔ ٹی وی، نیٹ، چیٹنگ اور میوزک وہ ان سب سے پورے مہینے دور ہی رہی۔

سب حیران ہوتیں کہ بھلا ٹی وی سے کیسے بچا جا سکتا ہے، اس کے بغیر تو زندگی کا کوئی تصور نہیں تو وہ بڑے فخر سے کہتی کہ اس نے تو یہ مہینہ زیادہ تر آرام کر کے، سو کر گزارا ہے۔ نماز ضرور وہ پانچوں وقت پابندی سے پڑھتی، ایک قرآن پاک بھی جیسے تیسے ختم کر لیتی' اس کے علاوہ روزے رمضان کے کیا تقاضے ہیں؟ اس سے وہ عمر کی بتیس بہاریں دیکھ لینے کے باوجود بھی لاعلم ہی تھی۔

☆......//......☆

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

رمضان المبارک کی پُرنور ساعتوں کا آغاز ہو چکا تھا، ہر ایک کام کا معمول بدل چکا تھا۔ کسی کے کام کرنے کے اوقات کم ہو چکے تھے، جیسے دفاتر میں کام کرنے والے مرد و خواتین، لیکن کاروباری حضرات کے اوقات کار معمول سے بڑھ چکے تھے۔ کوئی سو سو کر وقت گزار رہا تھا تو کوئی دن رات اپنی جان عبادت و ریاضت میں لگا رہا تھا اور رمضان کی بابرکت گھڑیوں سے پورا پورا فیض اٹھا رہا تھا یہ سوچ کر کہ نجانے اگلا رمضان نصیب میں ہے یا نہیں۔

☆......//......☆

ثمرہ تفسیر پڑھ رہی تھی جب گیٹ کی گھنٹی بجی، اس نے دروازہ کھولا تو ہانپتی کانپتی پسینے سے شرابور نذیراں اندر آئی اور وہیں بیٹھ گئی۔

''اندر آجاؤ نذیراں، گرمی بہت ہے، پنکھے میں آجاؤ۔'' ثمرہ نے اس کی حالت دیکھتے ہوئے کمرے کا پنکھا کھولتے ہوئے کہا۔

''مہربانی!'' نذیراں اتنا ہی کہہ سکی، تقریباً دس منٹ وہ پنکھے کے نیچے لیٹ ہی گئی تھی۔ اوسان کچھ بحال ہوئے تو وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

''آج خیریت ہے، تمہیں کافی دیر ہوگئی۔ اس وقت تک تو تم فارغ ہو جاتی ہو۔ آج کیا گھر سے دیر سے نکلی تھیں، طبیعت تو ٹھیک ہے نا تمہاری؟''

''ہاں باجی! سب ٹھیک ہے، شکر ہے۔ گھر سے تو اپنے ہی ٹیم (ٹائم) پر نکلی تھی، بس ایک باجی نے دیر سے بلایا ہے تو اب آپ کے ہاں اسی ٹیم پر آؤں گی۔ اب آپ کے کام کو دیر ہو جایا کرے گی۔'' نذیراں کا لہجہ کچھ معذرتی تھی۔

''کوئی مسئلہ نہیں، ویسے یہ کون سی باجی ہے؟'' ثمرہ نے کچھ تجسس سے پوچھا کیونکہ وہ محلے کے بیشتر گھروں کو جانتی تھی۔

''آپ کی گلی میں ہی کونے سے دوسری والی بلڈنگ جو ہے، ابھی سال بھر پہلے ہی یہ نئے یہاں آئے ہیں۔ ہانیہ باجی ہیں، پہلی منزل پر جو رہتی ہیں۔'' نذیراں نے تفصیل سے بتایا۔

''اچھا اچھا، ہانیہ! ہاں اسے تو میں جانتی ہوں۔ رمضان سے پہلے کلاسز کا کہنے دو دفعہ گئی تھی، اتفاق سے دونوں مرتبہ گھر پہ نہ ملی۔ کیا صبح کہیں جاتی ہے جو دیر سے بلایا ہے۔'' اب ثمرہ کو کچھ اچنبھا ہوا۔

''نہیں باجی! بس دیر سے سو کر اٹھتی ہیں، رمضان سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ دیر سے آنا ورنہ کام چھوڑ دو۔ اب کیا کرتی؟ ان کے کام کی وجہ سے مجھے دوسرے گھروں میں بھی دیر ہو جاتی ہے۔'' نذیراں زبان کے ساتھ ساتھ اب ہاتھ بھی چلا رہی تھی۔

''باجی کتنا آٹا گوندھوں؟'' وہ روٹیاں پکانے کے لیے آٹے کے ڈبے میں سے آٹا نکالتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

''اب روٹیاں نہیں پکیں گی؟'' ثمرہ نے کہا۔

''کیا مطلب...... کیا روٹیاں چھڑوا رہی ہیں؟'' وہ چونکی۔

''چھڑوا نہیں رہی بلکہ جب تک رمضان ہے، میں روٹی بازار سے منگوا لوں گی یا خود پکا لوں گی۔ تمہاری پکانے کی چھٹی۔'' ثمرہ ہلکے سے مسکرائی۔

''میں سمجھی نہیں باجی! آپ کہو گی تو میں گھی والی روٹی یا پراٹھے......''

''تم غلط سمجھ رہی ہو، پہلے ہی تم اتنے گھروں میں کام کر کے تھک جاتی ہو پھر گرمی کس قدر ہے، میں تمہارا کام کچھ ہلکا کر رہی ہوں۔ حدیث کا مفہوم بھی یہ ہے کہ اپنے زیردست رہنے والوں پر سے اس مہینے کچھ کام کم کر دو۔ بس اسی حدیث پر عمل کرنے کی کوشش کر رہی ہوں اور تم یہ نہیں سمجھنا کہ تمہاری تنخواہ کم ہو جائے گی، تنخواہ تمہیں پوری ہی ملے گی۔''

''باجی آپ......'' نذیراں سے خوشی کے مارے بولا نہ گیا۔ ''کاش ساری باجیاں آپ جیسی ہو جائیں تو...... آپ کو پتا ہے اب ہر گھر میں پراٹھے پکانے پڑ رہے ہیں، اس کے دھویں سے میرے لیے چولہے کے آگے بیٹھنا دوبھر ہو جاتا ہے

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

لیکن کیا کروں بچوں اور گھر کے لیے سب سہنا پڑتا ہے۔'' وہ بے چارگی سے کہہ رہی تھی ساتھ برتن بھی دھو رہی تھی۔ ثمرہ کچھ سوچتی ہوئی اندر چلی گئی۔

☆......//......☆

ثمرہ نے ایک مستند ادارے سے عالمہ کا کورس کیا ہوا تھا اور وہ اپنے گھر میں قرآن پاک کے ترجمہ اور تفسیر کی کلاسز لیتی تھی۔ رمضان المبارک میں تو وہ بہت مصروف ہو جاتی تھی، پورے محلے اور آس پڑوس کی خواتین کو وہ خاص طور پر ان کلاسز میں شرکت کی دعوت دیتی۔

وہ قرآن و حدیث پر خود بھی عمل کرنے کی کوشش کرتی اور دوسروں کو بھی باعمل مسلمان بنانے کی سعی کرتی۔ پورا رمضان وہ حدیث اور تفسیر قرآن کی ایک ایک گھنٹے کی صبح و دوپہر کلاسز لیتی کہ خواتین اپنی سہولت سے وقت نکال کر آ جائیں۔ وہ یہ ہی کہتی کہ اس مختصر سی زندگی کو میں گزارنا نہیں بلکہ استعمال کرنا چاہتی ہوں۔

☆......//......☆

اگلے ہی دن ثمرہ ہانیہ سے ملنے اور اسے کلاسز میں شرکت کی دعوت دینے پہنچ گئی۔ باتوں باتوں میں ہی اس نے ہانیہ کو رمضان کے ایک ایک لمحے سے مستفید ہونے اور اسے ضائع ہونے سے بچانے کی کئی تدابیر بتائیں۔ اس ماہ کی اہمیت پر اس نے ہلکے پھلکے انداز میں روشنی ڈالی اور اسے بتایا کہ زیادہ سونا بھی ہمیں اس ماہ کی برکات سے محروم کر دیتا ہے، اب ہانیہ نے اس سے کتنا استفادہ کیا یہ تو وہی جانتی تھی لیکن ثمرہ نے اپنے طور پر پوری کوشش کی اور اسے کلاسز میں ضرور آنے کا کہہ کر اٹھ گئی۔

☆......//......☆

ثمرہ کھانا پکا رہی تھی کہ اطلاعی گھنٹی کی آواز پر اس نے دروازہ کھولا، آنے والی نذیراں تھی۔

''ہائیں آج اتنی جلدی۔'' ثمرہ نے گھڑی دیکھی، صبح کے نو بج رہے تھے۔

''بس باجی کیا بتاؤں، دو گھروں میں گئی دونوں ہی باجیوں نے منع کر دیا، ابھی کام نہیں کروانا۔ ایک دوسرے کی دیکھا دیکھی سب ہی نے دیر سے بلانا شروع کر دیا ہے، آپ کروا لو گی اس ٹیم یا نہیں۔''

اس کے لہجے میں نہ جانے ایسا کیا تھا کہ ثمرہ کو اس پر بڑا ترس آیا اور ان خواتین پر غصہ جو اپنے آرام کے لیے اس غریب عورت کو بے آرام کر رہی تھیں۔ جن سے روزے میں اپنے گھر کا ہی کام نہیں ہوتا لیکن اس کا احساس نہیں جو روزہ رکھتے ہوئے اس گرمی میں گھر گھر کام نمٹا رہی ہے۔

''کیوں نہیں کرواؤں گی، تم میرے گھر جس وقت بھی آ جاؤ گی، میں اسی وقت کروا لوں گی۔'' ثمرہ نے مسکرا کر جواب دیا، تب وہ مطمئن انداز میں اندر آ کر کام کرنے لگی۔

''باجی اب تو مجھے گھر جاتے جاتے ڈھائی تین بج جاتے ہیں پھر عصر کے بعد دوبارہ دو گھروں میں روٹیاں پکانے آتی ہوں۔'' وہ کام کرتے کرتے پھر کہہ رہی تھی۔

''عصر کے بعد وہ بھلا کیوں؟''

''تازہ گرم روٹیاں جو چاہئیں۔'' نذیراں جیسے اپنی بے بسی پر ہنسی تھی۔

''اوہ......'' ثمرہ کو بے انتہا دکھ ہوا۔ ''ایک پیسے کے زور پر ہم مجبور کی مجبوری کیسے خرید لیتے ہیں۔'' وہ یہ سوچ کر رہ گئی۔

☆......//......☆

ثمرہ کی کلاسز جاری تھیں۔ وہ آنے والی خواتین کو رمضان کے فضائل اور برکات پر مختصر مگر پر اثر درس دیتی۔ مختلف سورتوں کی تفسیر بیان کرتی اور رمضان میں کام کرنے کے احکام پر زیادہ سے زیادہ زور ڈالتی اور اب تو اس نے اپنے درس میں گھر میں کام کرنے والے ملازموں پر زیادہ فوکس کر لیا تھا کہ کیسے ہم اس ماہ مبارک میں ان کی مدد کر سکتے ہیں۔ مالی بھی اور اخلاقی بھی، اکثر خواتین اس کی ان باتوں سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہتیں لیکن بیشتر اپنی روش پر قائم تھیں، اس کا اندازہ اسے آئندہ دنوں میں ہو گیا

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

تھا۔

☆......//......☆

رمضان کا آخری عشرہ شروع ہو چکا تھا، ہر گھر میں عید کی تیاری کی ہلچل دکھائی دے رہی تھی۔ عید کی تیاری کا آغاز اکثر لوگ آخری عشرے میں ہی کرتے تھے۔ نذیراں نے آج گھر میں آتے ہی ٹھنڈا پانی مانگا تھا۔

''پانی..... نذیراں کیا روزہ نہیں رکھا؟'' ثمرہ نے حیران ہوتے ہوئے پوچھا۔

''بس باجی، کیا کہوں۔ شرم تو آتی ہے لیکن اپنی مجبوری سناؤں گی تو شاید آپ بھی مان لو گی۔'' نذیراں ایک ٹھنڈی سانس بھر کر بولی۔ جواب میں ثمرہ نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

''تین گھروں کی باجیاں اپنی گھر کی صفائیاں، دھلائیاں کروا رہی ہیں۔ عید کی تفصیلی صفائی وہ کروائی ہی آخری عشرے میں ہیں۔ سارے گھر کی جھاڑنا، دروازے کھڑکیاں، پنکھے، بتیاں پوچھنا، ٹائل والی دیواریں صاف کرنا، باتھ روم، کمرے، صحن سب ہی خوب رگڑواتی ہیں۔ کیا یہ سب روزے میں ممکن ہے؟'' وہ کہتے کہتے ثمرہ سے پوچھنے لگی، بے اختیار ہی ثمرہ نے نفی میں گردن ہلائی۔

''تو تم نے رمضان سے پہلے ہی کیوں نہ کی۔''

''باجی میں نے کہا تھا، لیکن انہوں نے کہا کہ جب تک پھر دھول مٹی آجائے گی، عید کی صفائی تو عید سے پہلے ہی کرتے ہیں لہٰذا..... باجی ایسا لگتا ہے کہ میں تو ان کی طرح انسان ہی نہیں، ہزار روپے پکڑا کر سمجھتی ہیں میں مشین بن جاؤں گی۔'' کہتے کہتے نذیراں کی آواز بھرا گئی۔

''اب میرے اندر اتنا دم نہیں کہ روزہ بھی رکھوں اور اتنا کام بھی کروں۔ آپ تو اتوار کو چھٹی دیتی ہو باقی تو کام کی زیادتی کی وجہ سے مجھ غریب کی ایک چھٹی بھی ختم کر دیتی ہیں۔ عید کے ایک ہفتے بعد جا کر میں سکون کا سانس لوں گی۔''

''لیکن یہ آخری عشرہ تو بڑا قیمتی، بڑا ہی فضیلت والا ہے۔ جہنم سے آزادی والا۔''

''ہاں باجی، مجھے آپ نے بتایا تھا لیکن کیا کروں، آپ اپنے آپ کو میری جگہ رکھ کر سوچو تو خود اندازہ ہو جائے گا۔ رات کو لیٹتی ہوں تو میرا جوڑ جوڑ دکھ رہا ہوتا ہے۔ خود ٹی وی دیکھتی ہیں اور مجھے ڈانٹ ڈپٹ کرتی ہیں کہ کام ٹھیک سے نہیں کرتی۔'' وہ آج خوب اپنی بھڑاس نکال رہی تھی۔

''رمضان میں ٹی وی.....!! ایک مہینہ تو ٹی وی کے بغیر گزار لیا کریں۔'' ثمرہ کو بہت افسوس ہوا۔ ثمرہ نے کلاس میں بھی خواتین سے ایک ماہ ٹی وی بند کرنے کی درخواست کی تھی جس پر اکثریت نے کہا تھا کہ ہم خبروں کی وجہ سے ٹی وی دیکھتے ہیں کہ ذرا معلومات رہتی ہیں۔

''باقی گیارہ مہینہ معلومات رکھ کر ہم کون سا معاشرہ میں انقلاب لے آتے ہیں جو ایک ماہ نہ دیکھ کر نقصان ہو جائے گا اور پھر اخبار ہے تو باخبر رہنے کے لیے۔'' ثمرہ نے یہ کہا تو کسی کی طرف سے کوئی جواب نہ آیا۔

''کبھی کبھی تو میں سوچتی ہوں کہ رمضان آیا ہی نہ کرے۔''

''ہائے نذیراں، کیسی باتیں کر رہی ہو، خدا نخواستہ، رمضان تو اللہ کا انعام ہے اپنے بندوں پر، رحمت کا مہینہ۔''

''بس باجی کیا کروں، خدا مجھے معاف کرے، میرے لیے تو یہ، میری طاقت سے بڑھ کر امتحان کا مہینہ بن جاتا ہے۔'' یہ کہہ کر نذیراں اٹھی اور اپنے معمول کے کاموں میں لگ گئی اور ثمرہ نے اللہ سے اس کے لیے معافی اور آسانی کی دعا کی۔

☆......//......☆

عید میں ایک ہفتہ باقی تھا۔ ہانیہ کپڑے استری کر رہی تھی اور نذیراں صفائی کر رہی تھی۔ پہلے کپڑے استری کا کام بھی نذیراں ہی کرتی تھی لیکن

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

اب پچھلے ایک ہفتے سے ہانیہ اس پر سے کام کا بوجھ ہلکا کرنے کا فیصلہ کرتے ہوئے کپڑے خود ہی استری کرنے لگی تھی۔ صرف پینتیس منٹ لگتے تھے اپنے میاں کے اور بچوں کے کپڑے استری کرنے میں۔ ہانیہ کو تو کوئی خاص فرق نہ پڑا تھا لیکن نذیراں کو ضرور فرق پڑا تھا۔ ان پندرہ منٹ میں وہ دوسرا کام نمٹا لیتی۔

ہانیہ نے جب سے ثمرہ کی کلاسز لینی شروع کی تھیں، اس میں مثبت تبدیلیاں پیدا ہونا شروع ہو گئی تھیں، اب اس نے سونا بھی کم کر دیا تھا اور نذیراں کو بھی اس کی سہولت کے مطابق آنے کی اجازت دے دی تھی۔

پہلے جو برتنوں کا ڈھیر نذیراں کا منتظر ہوتا اس میں بھی خاطر خواہ کمی آ گئی تھی۔ کتنے ہی برتن جو بہت معمولی گندے ہوتے اب ہانیہ انہیں ہاتھ کے ہاتھ دھو لیتی۔ نذیراں اس مہربانی پر اسے دل ہی دل میں دعائیں دیتی۔

”نذیراں! کام کر لو تو میری بات سنتی جانا۔“ ہانیہ نے کپڑے دھوتی نذیراں کو آواز لگائی۔

”اچھا جی۔“ کام ختم کر کے نذیراں ہاتھ پونچھتی ہانیہ کے پاس آ کر نیچے بیٹھ گئی تو ہانیہ نے ایک شاپر اس کی طرف بڑھایا۔

”کیا ہے باجی؟“ نذیراں نے اشتیاق سے پوچھا۔

”تمہارے اور بچوں کے کپڑے، عید کے لیے۔“

”ہائے سچ۔“ وہ مسرت سے بولی اور جلدی جلدی شاپر سے کپڑے نکالنے لگی، درمیانے درجے کی قیمت کے بڑے اچھے کپڑے تھے۔ بچوں کے سلے سلائے قمیص شلوار تھے۔

”کیسے ہیں؟“

”بہت اچھے باجی! بہت خوب صورت۔“ خوشی اس کے انگ انگ سے پھوٹ رہی تھی۔

”چھوٹے دونوں کب سے کہہ رہے تھے بازار چلو اور روز میں ان کو ٹال دیتی، جو پیسے ملے تھے باجیوں سے وہ میں نے راشن والے کو دے دیے اتنا ادھار اس کا بھی چڑھا تھا۔ اس دفعہ تو تنخواہ بھی میاں کی دوا دارو پر ہی اٹھ گئی تھی، بڑی مہربانی باجی آپ کی، اللہ آپ کو اور دے۔“ وہ دعائیں دے رہی تھی۔

”ہاں، کل میں اپنی اور بچوں کی عید کی خریداری کے لیے گئی تو تمہارے لیے بھی لے لیے۔ آخر تم بھی میرا اتنا خیال کرتی ہو، میرا اتنا کام کرتی ہو۔“ ہانیہ مسکرائی۔

”ہائے باجی! کیسی باتیں کرتی ہو، آپ کا کام کرتی ہوں تو تنخواہ بھی تو لیتی ہوں۔ یہ تو آپ کا مجھ پر احسان ہے کہ آپ نے مجھ غریب کا اتنا خیال کیا۔ ایک ثمرہ باجی ہیں، اللہ ان کو ہمیشہ سکھی رکھے، بڑا احساس ہے جی ان کو غریبوں کا۔“ وہ تھیلا اٹھاتے ہوئے چل پڑی۔ زبان پر شکر گزاری کے کلمات بدستور جاری تھے۔

یہ رمضان ہانیہ کے لیے بڑا مختلف اور انوکھا ثابت ہوا تھا، اس کو پہلی دفعہ یہ احساس ہوا تھا کہ کیوں اس نے اپنی زندگی کے اتنے قیمتی لمحات بے خبری میں ضائع کر دیے۔ اپنی نیند کو عبادات پر مقدم رکھا۔ پہلی دفعہ وہ شب قدر کی راتوں میں اتنے اہتمام سے تلاوت و نفل پڑھ رہی تھی اور اسے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ یہ انمول گھڑیاں ہیں جس میں رب کائنات اپنی رحمتوں اور برکتوں کی بارش خاص اس پر برسا رہا ہے۔

اس کی تھکن اور چڑچڑا پن کافی حد تک کم ہو گیا تھا۔ رمضان کا اصل مزا تو اس مرتبہ حاصل ہو رہا تھا اور یہ سب ثمرہ کی مہربانی سے ہوا تھا، جس نے اس پر آگاہی کے نئے در وا کیے تھے۔ وہ واقعی ثمرہ کی شکر گزار تھی، جو اس کو اندھیرے سے آہستہ آہستہ روشنی کی طرف لا رہی تھی اور اب نذیراں کی مدد کر کے بھی وہ اپنے اندر ایک نرالی خوشی محسوس کر رہی تھی ورنہ اس سے پہلے تو اس نے گھر میں کام کرنے والی ماسیوں پر کبھی توجہ نہ کی تھی۔ ہانیہ نے آسودگی سے صوفے سے گردن ٹکا کر آنکھیں موند لیں۔ ☆

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

درختوں کے لیے

اے درختو! تمہیں جب کاٹ دیا جائے گا
اور تم سوکھ کے لکڑی میں بدل جاؤ گے
ایسے عالم میں بہت پیش کشیں ہوں گی تمہیں
تم مگر اپنی روایات سے نہ پھرنا ہرگز
شاہ کی کرسی میں ڈھلنے سے کہیں بہتر ہے
کسی فٹ پاتھ کے ہوٹل کا وہ ٹوٹا ہوا تختہ بننا
میلے کپڑوں میں بھی لوگ محبت سے جہاں
بیٹھتے ہیں
کسی بندوق کا دستہ بھی نہیں ہونا تمہیں
چاقو چھریوں کو بھی خدمات نہ اپنی دینا
ایسے دروازے کی چوکھٹ بھی نہ بننا ہرگز
جو محبت بھری دستک پہ کبھی کھل نہ سکے
اے درختو! تمہیں جب کاٹ دیا جائے گا
اور تم سوکھ کے لکڑی میں بدل جاؤ گے
کوئی بے ساکھی بنائے تو سہارا دینا
اور کشتی کے لیے اتنی محبت سے تم آگے بڑھنا
کہ سمندر کی فراخی بھی بہت کم پڑ جائے
اپنے پتوار میرے بازوؤں جیسے رکھنا
جو کسی اور کی طاقت کے سوا زندہ ہیں
میری دنیا کا ابھی واقف الفت ہی نہیں
میرے بازو بھی محبت کے سوا زندہ ہیں

فاضل جمیلی

جدائیاں ہوں تو دل ٹوٹ کر بکھرتے ہیں
نئے پرانے سب ہی ایک سے بکھرتے ہیں

میں سوچتا ہوں کوئی حد نہیں محبت کی
ترے خیال کے جب دائرے بکھرتے ہیں

کریں نہ کوچ پرندے تو کیسے ہم جانیں
ہوائیں چلتی ہیں اور گھونسلے بکھرتے ہیں

ہم ان کو دیکھ چکے اور بکھر چکے کب کے
سو اب ہماری جگہ راستے بکھرتے ہیں

دلوں کی روشنی رستہ ظفر دکھاتی ہے
ستارے اور دیے جس سے بکھرتے ہیں

صابر ظفر

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

کسی کے ساتھ ہمیشہ گزر نہیں ہوتا
تمام عمر کوئی ہم سفر نہیں ہوتا

عجیب خلوص کا رشتہ ہے نامرادی سے
کوئی بھی کام مرا وقت پر نہیں ہوتا

ہر اک قدم پہ نئے غم اٹھاتے ہیں دیوار
اُداسیوں کا سفر تیز تر نہیں ہوتا

زمانہ اس کو مسافر قرار دیتا ہے
وہ شخص جس کے مقدر میں گھر نہیں ہوتا

ہر ایک گام پہ دہلیز درد ہے سرور
جہانِ غم میں کوئی دربدر نہیں ہوتا

سرور عثمانی

بچھڑتے وقت اسے کچھ ملال تو ہوتا
اُجڑ گیا ہے کوئی، یہ خیال تو ہوتا

کسی سبب، کسی نسبت، کسی تعلق سے
نگاہِ یار میں کوئی سوال تو ہوتا

وہ بے وفا تو نہیں پھر بھی بے وفائی میں
جہاں میں کوئی بھی اس کی مثال تو ہوتا

میں پائمال ہوا جس طرح محبت میں
کچھ اس طرح سے کوئی پائمال تو ہوتا

میں اس کی راہ میں آنکھیں بچھا تو دوں لیکن
وہ لوٹ آئے گا، یہ احتمال تو ہوتا

معاملاتِ جنوں کے سوا شبی تم کو
کسی ہنر، کسی فن میں کمال تو ہوتا

شبی فاروقی

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

ادبی گوشہ

اس ماہ کی مسکراہٹ

فیصلہ

ایک مشہور معروف کمپنی کے مالک نے اپنی کمپنی کے ملازم کو خراب حلیے میں دیکھا تو خوب خفا ہوا اور کہنے لگا۔

"تم نے اپنی حالت دیکھی ہے۔ کوٹ کے سارے بٹن غائب ہیں، شرٹ بغیر استری کی ہے۔ بال گندے ہیں اور کپڑوں سے انڈوں کی ہیک آرہی ہے۔ کیا ہماری کمپنی کے ورکر کو یہ حلیہ زیب دیتا ہے۔"

ملازم نے شرمندہ ہوتے ہوئے کہا۔ "میں شرمندہ ہوں جناب!" مالک نے کہا۔ "صرف شرمندگی سے کام نہیں چلے گا۔" مالک کا غصہ کسی طور پر کم نہیں ہو رہا تھا۔ اس نے سوچا کہ اس سلسلے میں فوری قدم اٹھانا ضروری ہے۔ مالک نے کچھ دیر سوچا اور پھر ملازم سے کہا۔

"تم فوراً شادی کرلو اور اگر شادی شدہ ہو تو طلاق کا بندوبست کرلو۔"

فرح خان / کراچی

نیند

ایک خاتون ایک ڈاکٹر کے پاس گئیں اور بولیں

"ڈاکٹر صاحب! مجھے نیند بہت زیادہ آتی ہے۔"

ڈاکٹر صاحب نے کہا۔ "آپ کے پاس کون سا موبائل فون ہے؟" خاتون نے بتایا تو ڈاکٹر نے کہا۔

"آپ اپنے موبائل پر واٹس ایپ، فیس بک انسٹال کرلیں، نیند کا بیڑا غرق ہو جائے گا۔

افسوس

"اگر یہ گھڑی دیوار سے چند منٹ پہلے گرتی تو میرا سر پھٹ جاتا" بیوی نے ہراساں ہو کر شوہر کو بتایا۔

"میں تو پہلے ہی کہتا تھا کہ یہ کم بخت بہت سست ہے۔" شوہر نے جل کر جواب دیا۔

لوڈشیڈنگ کے مارے

تین لڑکوں نے ایک ہی لڑکی کو شادی کا پیغام دیا۔

پہلا: "میں تمہارے لیے اپنی جان دے سکتا ہوں۔"

لڑکی: "وہ تو سب ہی کہتے ہیں۔"

دوسرا: "میں تمہارے لیے چاند تارے توڑ کر لاسکتا ہوں۔"

لڑکی: "پرانا ڈائیلاگ ہے۔"

"تیسرا: "میں تمہیں شادی کے بعد جنریٹر لگوادوں گا۔"

لڑکی خوشی سے بولی: پاگل اتنا چاہتے ہو مجھے۔

معصومیت

"وارڈ نمبر 37 کے مریض کا بایاں بازو فریکچر تھا۔ اس کے بائیں بازو کا آپریشن ہونا تھا۔ تم نے کہیں اس کے دائیں بازو کا تو آپریشن نہیں کردیا ابھی ابھی مجھے وارڈ بوائے نے بتایا ہے کہ اس مریض کے لواحقین ہمارے خلاف ایف آئی آر رجسٹر کروانے پولیس اسٹیشن جاچکے ہیں اب سزا بھگتنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔"

تجربہ کار آرتھوپیڈک سرجن نے گرج کر کہا۔

"یہ سراسر الزام ہے۔ میں نے تو اس مریض کی ٹانگ کا آپریشن کیا تھا۔ نو وارد آرتھوپیڈک سرجن نے معصومیت سے کہا۔

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

احتیاط

''سر! میں آپ کو ایک تکلیف دینے آیا ہوں۔'' کلرک نے اپنے باس کے کیبن میں آکر ایک لفافہ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

''اس میں میرے جمع کیے ہوئے اسّی ہزار روپے ہیں۔ انہیں امانت کے طور پر اپنے پاس رکھ لیں۔''

''کیوں؟ کیا تم کہیں باہر جا رہے ہو'' باس نے پوچھا۔

''جی نہیں سر! میری شادی ہو رہی ہے'' کلرک بولا۔

''کمال ہے۔ تمہاری شادی ہو رہی ہے اور تم اپنی رقم پرائے آدمی کے پاس رکھوا رہے ہو۔''

سر! گھر میں ایک اجنبی عورت آنے والی ہو اور جو دن رات وہیں رہنے والی ہو، ایسے حالات میں نقد رقم میں گھر میں کیسے رکھ سکتا ہوں۔'' کلرک نے کہا۔

تازہ فوبیا

مچھلی والے نے گویا خاتون خانہ کو خوش خبری سنائی۔

''بیگم صاحبہ! آج میں آپ کے لیے زندہ مچھلی لے کر آیا ہوں۔'' اس نے خاتون کو مچھلی دکھائی جو واقعی زندہ تھی اور پھڑک رہی تھی۔

خاتون ناک چڑھا کر بولیں۔ ''ٹھیک ہے زندہ تو ہے مگر یہ بتاؤ کہ تازہ ہے کہ نہیں۔''

صلاحیت

''میرا خیال ہے کہ نوے فیصد لوگوں میں اداکاری کی صلاحیت ہوتی ہے۔'' ایک نئے ہدایت کار نے اخباری نمائندوں کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا۔

''لیکن جناب! آپ کی فلم دیکھ کر لگتا ہے کہ آپ نے بقیہ دس فیصد لوگوں کو ہی فلم میں چانس دیا ہے۔'' ایک رپورٹر نے کہا۔

بس بہت ہو چکی

ایک بوڑھی خاتون ایک وکیل سے ملیں اور اس سے کہا کہ وہ اپنے شوہر سے طلاق لینا چاہتی ہیں۔

وکیل نے حیرت سے کہا۔ ''بڑی بی! آپ کی عمر کیا ہو گی؟''

عورت نے جواب دیا۔ ''اسّی برس۔''

''آپ کے شوہر کی کیا عمر ہے؟''

''ترا اسی برس۔''

''اور آپ کی شادی کو کتنا عرصہ ہوا ہے؟''

''ساٹھ برس۔'' عورت نے جواب دیا۔

''ساٹھ برس تک ایک مرد کے ساتھ زندگی گزار کر آپ اس عمر میں طلاق لینا چاہتی ہیں مگر کیوں؟'' وکیل نے پوچھا۔

''بس بہت ہو چکی، جتنے دن گزارنے تھے اس کے ساتھ میں نے گزار لیے۔''

ہری مرچیں

باپ......: ''میں نے تمہیں صبح فیکٹری بلایا اور تم اب آ رہے ہو، دفع ہو جاؤ۔''

بیٹا......: ڈیڈی وہ کیا ہے کہ......؟''

باپ......: ''میں نے کہا ہے دفع ہو جاؤ اور تم ابھی تک یہیں ہو۔ گیٹ آؤٹ اور ہاں...... اب جا کر اپنی امی کو نہ بتا دینا۔''

جواب

ماں نے گھر سے باہر جاتے ہوئے اپنے دس سالہ بیٹے سے کہا۔ ''جب تک میں گھر سے باہر رہوں، ماچس کو ہاتھ مت لگانا۔''

بیٹے نے جواب دیا۔ ''نہیں امی جی! آپ فکر نہ کریں میرے پاس اپنا لائٹر موجود ہے۔''

سرورق کی شخصیت

ماڈل ...... نساء جبیں، کومل خان

میک اپ ...... روز بیوٹی پارلر

فوٹو گرافی ...... موسیٰ رضا

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

شگفتہ جاہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"ظلم کرنے سے بچو، اس لیے کہ ظلم قیامت والے دن اندھیروں کا باعث ہوگا۔ اور شح (بخل و حرص) سے بچو، اس لیے کہ اسی شح نے تم سے پہلے لوگوں کو ہلاک کیا ہے۔ اس شح نے ہی انہیں اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ آپس میں خون ریزی کریں اور حرام کردہ چیزوں کو انہوں نے حلال سمجھ لیا۔"

(مسلم)

فائدہ:۔

انسان جب مال کا بندہ بن جائے اور اسے دنیا کی ہوس لگ جائے تو اس کے دل سے ہمدردی ختم ہو جاتی ہے اور وہ حصول دولت کے لیے سب کچھ کر گزرتا ہے، حتیٰ کہ بخیل نفس کی تسکین کے لیے خون تک بہانے سے بھی گریز نہیں کرتا بلکہ اس قدر حیوان بن جاتا ہے کہ اپنی خواہشات کو شرعی جواز دینے کے لیے حرام تک کو حلال سمجھ بیٹھتا ہے۔

تین کام،

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

"تین کام ایسے ہیں جن کو کرنے سے ابن آدم کے سارے کام قابو میں آجائیں گے۔

1۔ تم اپنی مصیبت کا کسی سے شکوہ نہ کرو اور اپنی بیماری کسی کو مت بتاؤ۔

2۔ اپنی زبان سے اپنی خوبیاں بیان نہ کرو۔

3۔ اپنے آپ کو مقدس اور پاکیزہ نہ سمجھو۔

نور عبدالسلام۔ نواب شاہ

صالح حکمران،

سیدنا عمر بن عبدالعزیز مسند خلافت پر جلوہ فرما ہوئے تو پہاڑوں کے دامن میں رہنے والے چرواہے نے پوچھا۔

"مسلمانوں پر یہ کون صالح، پاکیزہ خصلت خلیفہ مقرر ہوا ہے؟"

راوی نے پوچھا "یہ بات تم لوگوں کو کیسے معلوم ہوئی؟"

چرواہے نے کہا "جب کوئی نیک اور صالح حکمران مسند نشین ہوتا ہے تو شیر اور بھیڑیے ہمارے جانوروں کو نقصان نہیں پہنچاتے۔"

حاصل مطالعہ،

☆ جو لوگ خود سے ہمکلام رہتے ہیں، وہ کبھی تنہا نہیں ہوتے۔

☆ وہی غلطی تجربہ کہلانے کا مستحق ہے جس سے سبق سیکھا جائے۔

☆ جو ٹل جائے وہ مقدر نہیں اندیشہ ہے۔ جو بدل جائے وہ صرف امکان ہے مقدر نہیں۔ جو نہ بدلے وہ مقدر ہے۔ جو اٹل ہو وہی امر الٰہی ہے، وہی نصیب ہے، ہمارا نصیب۔"

خوشی اور غم،

کسی انسان کے غم کا اندازہ اس کے ظرف سے لگایا جاتا ہے۔ کم ظرف آدمی دوسروں کو خوش دیکھ کر ہی غم زدہ ہو جاتا ہے۔ وہ یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ لوگ خوش رہیں۔ وہ ان کی خوشیوں کو برباد کرنے پر تل جاتا ہے۔ اس کی خوشی یہ ہے کہ لوگ خوش

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

سے محروم ہو جائیں۔ وہ اپنے لیے جنت کو وقف سمجھتا ہے اور دوسروں کو دوزخ سے ڈراتا ہے۔ ایک بخیل انسان نہ خوش رہ سکتا ہے۔ سخی سدا بہار رہتا ہے۔ سخی ضروری نہیں امیر ہی ہو۔ ایک غریب آدمی بھی سخی ہو سکتا ہے۔ اگر وہ دوسروں کے مال کی تمنا چھوڑ دے۔

تین چیزیں،

تین چیزیں تباہ کر دینے والی ہیں۔

☆ تکبر۔ جس نے ابلیس کو اس کے رتبہ سے گرا دیا۔

☆ حرص۔ جس نے آدم کو جنت سے نکال دیا۔

☆ حسد۔ جس نے آدم کے بیٹے کو اپنے بھائی کے قتل پر آمادہ کیا۔

لفظ لفظ روشنی،

- جب تک محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر اعتماد نہ ہو، ہم توحید کی تصدیق نہیں کر سکتے۔
- روح کی گہرائی سے نکلی ہوئی بات روح کی گہرائی تک ضرور جائے گی۔
- تسلیم کے بعد تحقیق گمراہ کر دیتی ہے۔
- توبہ جب منظور ہو جاتی ہے تو یادِ گناہ بھی ختم ہو جاتی ہے۔
- ہم لوگ فرعون کی زندگی چاہتے ہیں اور موسیٰؑ کی عاقبت۔
- لطیف روحیں مجلس میں لطافت پیدا کرتی ہیں اور کثیف روحیں کثافت۔
- اگر کیفیت یا یکسوئی نہ بھی ہو تو بھی نماز ادا کرنی چاہیے۔ نماز فرض ہے کیفیت نہیں۔
- بیدار کر دینے والا غم، غافل کر دینے والی خوشی سے بدرجہا بہتر ہے۔

(واصف علی واصف)

کنول شاہین قیصر۔ تلہ گنگ

بڑھیا کی حیرانی،

بڑھیا کو لوگوں نے بتایا کہ یہی خلیفہ کا مکان ہے تو وہ اِدھر اُدھر دیکھتی ہوئی مکان میں داخل ہو گئی۔

دروازے پر۔۔۔ اسے کسی دربان نے نہ روکا، بلکہ اسے کوئی دربان نظر ہی نہ آیا تو اس نے سوچا کہ شاید کسی نے اس کے ساتھ دلچسپ مذاق کیا ہے۔

گھر بے سروسامان تھا۔ ضرورت کی چیزیں موجود تھیں لیکن شاہانہ ٹھاٹ باٹ کا شائبہ تک نہ تھا۔

بڑھیا نے خاتون خانہ کو دیکھا تو اس کی طرف بڑھی۔

"بیٹی! مجھے تو یہ گھر کچھ اجڑا اجڑا سا لگتا ہے۔"

خاتون خانہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "ماں! یہ گھر اس لیے اجڑا ہوا نظر آتا ہے کہ اس کے ذریعے اجڑے ہوئے گھر بسائے جاتے ہیں۔"

بڑھیا نے خاتون خانہ کے لہجے میں ایک ایسا اطمینان محسوس کیا جو کسی کے ہاں نہیں دیکھا تھا۔

وہ خاتون خانہ سے باتیں کرنے لگی۔ اسے گھر میں اپنائیت کا احساس ہونے لگا۔ جیسے یہ اس کا اپنا گھر ہو۔ جیسے یہ خاتون اس کی اپنی بیٹی ہو۔ وہ بہت کچھ پوچھنا چاہتی تھی۔ لیکن اتنے میں ایک شخص مکان میں داخل ہوا اور صحن میں موجود کنویں سے پانی نکالنے لگا۔

وہ پانی کے ڈول نکالتا جاتا تھا اور خاتون خانہ کو دیکھتا جا رہا تھا۔ بڑھیا کو بڑا غصہ آیا۔ اس نے کہا۔

"بیٹی! تو اُدھر ہٹ جا۔ مجھے یہ مزدور کوئی اچھا آدمی معلوم نہیں ہوتا۔ بار بار تیری جانب دیکھتا ہے۔ یہ ذرا فارغ ہولے تو میں اس کی خبر لیتی ہوں۔"

ایک بار پھر خاتون خانہ کے چہرے پر ایک شگفتہ مسکراہٹ آ گئی۔

"ماں! اخفا نہ ہوں، یہ مسلمانوں کے خلیفہ ہیں۔ یہ اپنا کام خود کرتے ہیں مجھے بہت کم تکلیف دیتے ہیں۔"

بڑھیا حیران رہ گئی۔

"خلیفہ ہیں! امیر المومنین حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ" وہ جیسے اپنے آپ سے کہہ رہی تھی۔

"ہاں، یہ میرے شوہر ہیں۔ خاتون خانہ نے یہ کہتے ہوئے نگاہیں جھکا لیں۔

بڑھیا کی نظریں بھی جھک گئیں۔ اب اس کی نگاہوں میں اس مزدور کے لیے احترام بھی تھا

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

اور پیار بھی ۔

حرف حرف موتی،

• زندگی کا مقصد یہ دیکھنا نہیں کہ دُور دھندلکوں میں کیا نظر آتا ہے بلکہ جو سامنے موجود ہو اُسے سرانجام دینا ہے۔

(ٹامس کارلائل)

• حقائق کا مقابلہ کرو۔ مکر کرنا چھوڑ دو اور پھر اپنے متعلق کچھ سوچو۔

(ڈاکٹر میک کیفری)

• زندگی اتنی تھوڑی ہے کہ اسے چھوٹا بنانا ناممکن ہے۔

(ڈسرائیلی)

• میں نے اپنی پچاس سالہ زندگی کے دوران صرف ایک سبق سیکھا ہے کہ تمہارے اپنے سوا تمہیں کوئی بھی خوشی نہیں پہنچا سکتا۔

(ہیلن کیلر)

• ذہن خود ہی اپنا مقام ہے اور خود ہی بنا سکتا ہے۔ جنت سے جہنم اور جہنم سے جنت۔

(ملٹن)

• اپنے دشمن کے لیے انگیٹھی اتنی گرم نہ کرو مبادا کہ یہ خود تمہیں ہی جلادے۔

(شیکسپیئر)

انیلا طالب ۔ بھرے شریف

غلط کوشش،

ریاست سونگ کے ایک شخص کو خیال گزرا کہ اس کے کھیتوں میں کونپلیں سست رفتاری سے بڑی ہو رہی ہیں، لہٰذا اس نے انہیں کھینچ کھینچ کر لمبا کرنا شروع کر دیا اور شام کو تھکا ہارا واپس آیا۔

"آج میں بہت تھک گیا ہوں۔" اس نے گھر والوں کو بتایا۔

"میں کونپلوں کی مدد کر رہا تھا کہ وہ جلدی جلدی لمبی ہو جائیں۔"

اس کا بیٹا دوڑ کر کھیتوں میں گیا تو دیکھا کہ سارے پودے مر چکے تھے۔

بہت سے لوگ کونپلوں کو بڑھنے میں مدد دینے کے خواہاں ہوتے ہیں لیکن کچھ لوگ اس سلسلے میں کوشش بے سود سمجھتے ہیں اور ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹھے رہتے ہیں۔ حتیٰ کہ جھاڑ جھنکار بھی صاف نہیں کرتے۔ دوسری طرف کچھ لوگ پودوں کو اتنا کھینچتے ہیں کہ جڑیں باہر نکل آتی ہیں۔ ایسی کوشش بلاشبہ کچھ نہ کرنے سے بدرجہا بدتر ثابت ہوتی ہے۔

(چینی حکایت)

اہلیت وصلاحیت،

عمرو بن قیس کہتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس سو غلام تھے اور ہر ایک کی زبان جُدا جُدا تھی۔

آپ ہر غلام سے اس کی زبان میں باتیں کیا کرتے تھے۔ میں جب آپ کو کسی دُنیاوی کام میں مشغول دیکھتا تو سمجھتا تھا کہ یہ شخص ذرا بھی دُنیا سے علیحدہ نہ ہوتا ہو گا اور جب میں آپ کو امر آخرت میں منہمک پاتا تو خیال کرتا تھا کہ یہ کبھی بھی دُنیا کی طرف توجہ نہیں کرتے ہوں گے۔

قطرہ قطرہ قلزم،

زندگی کسی میدان کارزار کا نام نہیں ۔ یہ جلوہ گاہ ہے، حسن کی جلوہ گاہ ۔ یہ ایک بارونق بازار ہے جس میں سے خریدار گزرتا ہے ۔ وہ خریداری کرتا ہے اور اس کا سرمایہ ختم ہو جاتا ہے اور پھر تعجب ہے کہ اس کی خریداری دھری کی دھری رہ جاتی ہے۔ وہ خالی ہاتھ واپس لوٹتا ہے۔ رونق بازار قائم رہتی ہے اور خریدار ختم ہوتے رہتے ہیں۔

اقصیٰ ناصر ۔ کراچی

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

خالدہ جیلانی

کھلتا کسی پہ کیوں مرے دل کا معاملہ

گل مینا خان ——— مانسہرہ

یہ عجیب عشق کے کھیل ہیں، یہاں لذتوں کی کمی نہیں
کبھی میں نے تجھ کو ہنسا دیا، کبھی تو نے مجھ کو رلا دیا

فرحانہ مہناز ——— گوجرہ

دشمنی رسم جہاں ہے، دوستی حرف غلط
آدمی تنہا کھڑا ہے ظالموں کے سامنے

حسینہ علی ——— مانسہرہ

دل نے دنیا نئی بنا ڈالی
اور ہمیں آج تک خبر نہ ہوئی
وہ اسی زندگی پہ مرتے ہیں
جو یہاں چین سے بسر نہ ہوئی

شازیہ گلزار ——— منڈی ٹاؤن بھکر

وہ عجیب شام تھی، آج تک مرے دل میں اس کا ملال ہے
مری طرح جو تری منتظر، ترے راستے میں کھڑی رہی
ہوئی اس سے جب مری بات بھی، شریک درد وہ ذات بھی
تو نجانے کون سی چیز کی، مری زندگی میں کمی رہی

تبسم بشیر حسین ——— ڈنگہ

یہ کیا سفر تھا کہ جب لوگ لوٹ کر آئے
تو بس غبار ندامت ہی دامنوں میں تھا

انسر عباسی ——— میری پور

قربتوں میں بھی جدائی کے زمانے مانگے
دل وہ بے مہر کہ رونے کے بہانے مانگے
اپنا یہ حال کہ لٹ بھی چکے اور ہار بھی چکے
اور محبت وہی انداز پرانے مانگے

عائشہ جہانگیر مرالی ——— کبیر والا

دوست بھی راہ کی دیوار سمجھتے ہیں مجھے
میں سمجھتا تھا میرے یار سمجھتے ہیں مجھے
میں بدلتے ہوئے حالات میں ڈھل جاتا ہوں
دیکھنے والے اداکار سمجھتے ہیں مجھے

ثمرہ، اقرا ——— کراچی

جانے والا یادوں کے دو عکس ادھورے چھوڑ گیا
اک تصویر جدائی کی، اک منظر حیرانی کا
ہانک رہے ہیں، باندھ رہے ہیں کھول رہے ہیں لفظوں کو
اس نے کام ہمیں سونپا ہے فکر کی گلہ بانی کا

اقرا طیب ——— خانو وال

شبنم کے آنسو پھول پر یہ تو وہی قصہ ہوا
آنکھیں مری بھیگی ہوئی چہرہ ترا اترا ہوا
برسات میں دیوار و در کی ساری تحریریں مٹیں
دھویا بہت، مٹتا نہیں تقدیر کا لکھا ہوا

عذرا ناصر، اقصیٰ ناصر ——— گلستان جوہر

فلسفہ عشق میں پیش آئے سوالوں کی طرح
ہم پریشاں ہی رہے اپنے خیالوں کی طرح
ذکر جب ہو گا محبت میں تباہی کا کہیں
یاد ہم آئیں گے دنیا کو حوالوں کی طرح

عفت سعید ——— ٹوبہ ٹیک سنگھ

مجھ کو میرے ہم سفر ایسا سفر در پیش ہے
راستہ کٹ بھی گیا تو فاصلہ رہ جائے گا

فرزانہ مغل ——— واہ کینٹ

کیسی رہیں رونقیں کوئی ذرا بتائے بھی
میرے کمال کے بغیر، اس کے جمال کے سوا

مسرت الطاف احمد ——— کراچی

وہ مکان، وہ گلی، وہ لوگ تو ہیں
کوئی اپنا، وہاں نہیں ہے تو کیا
جو مرے روز و شب کا قصہ ہے
وہ تری داستاں نہیں ہے تو کیا

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

دستک دستک دستک

شاہین رشید

محسن عباس حیدر (ڈی جے ''مذاق رات'')

''کیا حال ہیں محسن؟''

''جی اللہ کا شکر ہے۔''

''مذاق رات ایک بہترین پروگرام ہے ...... کتنا عرصہ ہو گیا اس پروگرام کو کرتے ہوئے؟''

''مجھے لگا کہ اس پروگرام کو کرتے ہوئے مجھے تین سال ہو گئے ہیں مگر گزشتہ دنوں سیٹ پہ بتایا گیا کہ اس پروگرام کو پانچ سال ہو گئے ہیں اور یہ بات ہمارے ڈائریکٹر محمد ہاشم صاحب نے بتائی ...... اور میں ابتدا سے اس ٹیم کا حصہ ہوں، جب یہ آئیڈیا ڈسکس ہوا تھا تو میں اس میں تھا...... یعنی ''مذاق رات'' کو بنتے، سنورتے، پھولتے پھلتے دیکھا اور میں اپنے آپ کو خوش قسمت تصور کرتا ہوں کہ میں پروان چڑھنے والے پروگرام کا حصہ بنا۔''

''اتفاقاً اس پروگرام کا حصہ بنے یا باقاعدہ بلایا گیا آپ کو؟''

''نہیں جی...... اتفاقاً اس پروگرام کا حصہ نہیں بنا، بلکہ باقاعدہ پلان کے تحت بلایا گیا۔ ان دنوں میں کراچی میں تھا اور جیو پہ نیوز اینکرینگ کرتا تھا۔ اور ساتھ ہی اپنا کراچی 107 میں بطور آر جے + پروڈیوسر کافی پروگرام کیا کرتا تھا...... میرے پروگراموں میں جو پروگرام بہت زیادہ مقبول ہوا تھا وہ ''بی فار بھنگڑا'' تھا...... ان دنوں دنیا نیوز میں ایک صاحب ہوا کرتے تھے۔ انہوں نے میرا پروگرام ریکارڈ کر کے مذاق رات کے اعلیٰ حکام کو سنایا...... انہوں نے مجھ سے رابطہ کیا، مجھے بلایا، میرے ساتھ میٹنگ کی اور کہا کہ ہماری خواہش ہے کہ آپ اس پروگرام کو ہوسٹ کریں...... میں نے جب اپنے قریبی دوستوں اور دیگر لوگوں سے مشورہ کیا تو زیادہ تر لوگوں نے یہی کہا کہ ''تم لاہور کیوں جا رہے ہو، اب تو تمہارا کیریئر بننا شروع ہوا ہے۔ آٹھ نو سال تم نے کراچی میں اکیلے گزارے ہیں۔ اب تو تمہارا اسیلری پیکیج بھی بہتر ہے اور مزید بہتری کی طرف جا رہا ہے ہو۔ ہو سکتا ہے کہ لاہور میں تمہیں کامیابی نہ ملے، وہاں کی انڈسٹری اتنی بڑی نہیں ہے۔'' مگر مجھے لالچ تھا تو اسی بات کا کہ میں اپنی فیملی کے قریب ہو جاؤں گا۔ خاص طور پر اپنی ماں کے (فیملی فیصل آباد میں تھی) ورنہ اندازہ تو مجھے بھی تھا کہ میں نے کراچی میں نو سال رہ کر بہت محنت کے بعد اپنا مقام بنایا تھا...... خیر میں اس لالچ کے تحت لاہور آیا...... ابتدا میں اس پروگرام کا آئیڈیا کچھ اور تھا اور مجھے بتایا گیا

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

تھا کہ اس پروگرام کو آپ نے ہی ہوسٹ کرنا ہے......
اور جب سب تیاری ہو گئی اور جس دن یہ پروگرام ریکارڈ ہونا تھا مجھے بتایا گیا کہ اس پروگرام کو میں نہیں بلکہ ''نعمان اعجاز'' میزبانی کریں گے......اور میرے لیے یہ اور بھی زیادہ آنر کی بات تھی کہ میں ان کے ساتھ پروگرام کروں گا اور ان کا ''کو ہوسٹ بنوں گا'' تو بس اس طرح یہ پروگرام شروع ہوا۔''

''آپ کا پروگرام پینتالیس منٹ کا ہوتا ہے تقریباً۔ کیا ایک ہی نشست میں پروگرام ریکارڈ ہو جاتا ہے یا کئی گھنٹے لگ جاتے ہیں......اور بھی کوئی پروگرام ایک ہی نشست میں ریکارڈ ہوا؟''

''ہمارا شو سینتیس منٹ کا ہوتا ہے جو ایک گھنٹے کے سکاٹ میں چلتا ہے......طریقہ کار کچھ یوں ہے کہ میں صبح سب سے پہلے آتا ہوں، اپنا کام کرتا ہوں۔ جو گانے ہوتے ہیں۔ جو بریکس ہوتی ہیں ان پہ کام ہوتا ہے پھر ہمارے ہوسٹ واسع بھائی آتے ہیں......پھر کامیڈین آتے ہیں۔ سارے اپنا اپنا ہوم ورک کرتے ہیں......آپس میں ڈسکس کرتے ہیں کہ کون گیسٹ ہیں۔ کیا سوال ہوں گے ان کے حوالے سے اور پھر ہم ایک نشست لگاتے ہیں اور پھر جب مہمان آتے ہیں تو ایک ہی بار ''کیمرہ'' آن کرتے ہیں اور پھر میرے گانے پہ کیمرہ آف ہو جاتا ہے......اور اس پورے عمل میں ہمیں زیادہ سے زیادہ دو سے تین گھنٹے لگتے ہیں وہ بھی اس صورت میں کہ مہمان لیٹ نہ ہوں۔ ہماری کیمسٹری سب کے ساتھ بہت اچھی ہے۔ ہماری بیک ٹیم بہت اچھی ہے اور

ماشاءاللہ سے ایوب خاور صاحب کی سرپرستی میں ہم یہ کام کرتے ہیں، ہمارے ڈائریکٹر ہاشم صاحب بہت اچھے ہیں...... بلکہ ہماری تو پوری ٹیم بہت اچھی ہے۔''

''پروگرام کی جان کامیڈین کی جگتیں ہوتی ہیں۔ یہ بے ساختہ ہوتی ہیں یا ان کی تیاری ہوتی ہے؟''

''تین کرسیاں جو مہمانوں کے سامنے ہوتی ہیں وہ ہمارے لیے بہت قابل احترام ہوتی ہیں ان میں ''امان اللہ صاحب'' جواد وسیم، اکرم اداس صاحب، افتخار ٹھاکر صاحب، سخاوت ناز صاحب، قیصر پیاء صاحب، مجاہد عباس صاحب اور دیگر سینئرز کامیڈین آ کے بیٹھتے رہے، تبدیلی ہوتی رہی مگر ہمیشہ ان نشستوں پہ بڑے نام ہی بیٹھے، جو اپنے فن پہ عبور رکھتے ہیں ماشاء اللہ ...... اور ان سب کو کبھی بھی اسکرپٹ کی ضرورت نہیں پڑی، البتہ جو اسکٹ ہوتے ہیں وہ کافی حد تک لکھے ہوئے ہوتے ہیں......مگر کافی حد تک ان کے جملے بھی برجستہ ہوتے ہیں اور جو نشستوں پہ بیٹھے ہوتے ہیں، انہیں تو ماشاءاللہ جملوں کی آمد ہو رہی ہوتی ہے۔''

''کیا ملک سے باہر بھی اس پروگرام کو پسند کیا جاتا ہے؟ اور مقبولیت کی کیا وجہ ہے؟''

''میرا خیال ہے کہ اس شو کی انفرادیت ہی اس شو کی مقبولیت کی وجہ ہے۔ اس میں یکسانیت نہیں ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ میں اس شو کا حصہ ہوں تو تعریف کر رہا ہوں......میں بھی اس انڈسٹری میں بارہ سال سے ہوں اور میں نے بھی بہت شوز دیکھے ہیں اور شوز ہی کرتے چلے آ رہے تھے، ایکٹنگ تو کچھ ہی عرصہ ہوا ہے شروع کی ہے تو یہ بہت انٹرسٹنگ شو ہے......اور آپ کے سوال کا جواب یہ ہے کہ پاکستان سے تو فیڈ بیک آتا ہی آتا ہے باہر سے بھی آتا ہے...... مجھے یاد ہے کہ کیپ ٹاؤن (ساؤتھ افریقہ) میں جب ہم فلم ''نامعلوم افراد'' کی شوٹ پہ تھے تو وہاں مجھے ایسے فینز ملے جو ڈی جے (محسن عباس) کو جانتے تھے اور مذاق رات کو بہت شوق سے

دیکھتے تھے۔ آپ یقین کریں کہ دنیا کے ہر کونے سے ہمیں فیڈ بیک آتا ہے، انسٹاگرام کے ان بکس میں ایف بی کے ان بکس میں میسجز میں تو بہت اچھا لگتا ہے اور اندازہ ہوتا ہے کہ پوری دنیا میں یہ شو یکساں مقبول ہے ماشاءاللہ۔''

''کبھی کسی فنکار نے، سیاست دان نے فرمائش

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

کی کہ ہمیں بھی اس پروگرام میں بلائیں؟"
"جی بالکل، ماشاءاللہ یہ پروگرام اب ایسے مقام پر آ چکا ہے کہ اللہ اسے نظر بد سے بچائے...... اکثر لوگ اس پروگرام میں آنے کی خواہش کرتے ہیں......ہماری تو خواہش ہوتی ہی ہے۔ کیونکہ ہمارے مہمان ہی ہمارے پروگرام کا اہم حصہ ہوتے ہیں خواہ وہ کسی بھی فیلڈ کے ہوں، وہ خود ہمیں ایس ایم ایس کرتے ہیں اور خواہش کا اظہار کرتے ہیں کہ ہم آنا چاہتے ہیں آپ کے شو میں اور پھر ہم انہیں بلاتے ہیں کیونکہ یہ ہمارے لیے بھی بڑے اعزاز کی بات ہوتی ہے کہ کوئی خود سے ہمارے پروگرام میں آنا چاہے۔"

"کبھی ایسا ہوا کہ دوران پروگرام کسی کو کوئی بات ناگوار گزری ہو اور وہ اٹھ کر چلے گئے ہوں؟"

"جی ایک دو بار ایسا ہوا ہے اور میں نام نہیں لینا چاہوں گا انہیں برا لگا، انہوں نے ناگواری کا اظہار کیا اور پروگرام سے اٹھ کر چلے گئے۔ مگر پھر ہم انہیں معذرت کر کے اور منا کر واپس پروگرام میں لے آئے۔ ہر انسان کا اپنا ٹمپرامنٹ ہوتا ہے۔ کوئی سہہ جاتا ہے کوئی نہیں۔ لائیو ریکارڈنگ چل رہی ہوتی ہے۔ برجستہ جملے آ رہے ہوتے ہیں تو کوئی نہ کوئی جملہ دل پہ آ کے لگ جاتا ہے اور ہمارے پروگرام کا "موٹو" بھی یہی ہے کہ ہم مذاق کرتے ہیں، مذاق اڑاتے نہیں ہیں، کیونکہ انٹرٹین کرنا چاہتے ہیں، ہم لوگوں کی دل آزاری بالکل بھی مقصد نہیں ہے ہمارا۔"

"مہمانوں کو بھی کوئی ریہرسل کرائی جاتی ہے یا کوئی پنچ لائن دی جاتی ہے بولنے کے لیے...... یا وہ اپنے حساب سے بولتے ہیں؟"

"نہیں ......نہیں مہمانوں سے کوئی ریہرسل نہیں کروائی جاتی، وہ خود ہی بولتے ہیں...... اگر مہمان بہت زندہ دل ہوتے ہیں تو ہمیں اچھا لگتا ہے کیونکہ ان کی وجہ سے ہی پروگرام اچھا بن رہا ہوتا ہے تو ہم سب بھی انجوائے کر رہے ہوتے ہیں اور آڈینس کو بھی اتنا ہی زیادہ پسند آ رہا ہوتا ہے...... لیکن اگر کوئی مہمان بہت بورنگ ہے، بہت ڈل ہے، بہت خاموش طبع ہے یا کم گو ہے تو اس کا نقصان ہمیں ہوتا ہے...... ہم پھر اپنے گراؤنڈ میں کھیلتے ہیں، میں واسع بھائی، حنا پھر ہم انٹرٹینمنٹ کے ذریعے ڈھونڈ لیتے ہیں۔"

"مہمان وقت کی پابندی کرتے ہیں؟...... اور ایسا ہوا کہ کسی مہمان کی وجہ سے پروگرام کینسل کرنا پڑا ہو؟"

"ہماری انڈسٹری کا ایک المیہ تو یہ ہے کہ وقت پہ نہ آنا شاید یہ سمجھا جاتا ہے کہ اگر وقت پر پہنچ گئے تو پھر اسٹار کیسے کہلائیں گے...... جو لیٹ آئے گا، جو بھرم دکھائے گا وہ ہی اسٹار کہلائے گا...... تو ہو جاتا ہے ایسا...... ہاں جو شہر سے باہر کے مہمان ہوتے ہیں ان کی فلائیٹ لیٹ ہو جائے تو پھر ان کا قصور نہیں ہوتا۔ لیکن اگر ایک دن پہلے آ جائیں یا اس شہر کے مہمان ہوں اور پھر وہ لیٹ آئیں تو پھر افسوس ہوتا ہے...... تو ایسا عموماً ہوتا ہے کہ کمٹمنٹ کر کے فون نہ اٹھانا...... لیٹ آنا، آنا ہی نہیں تو پھر ریکارڈنگ کینسل کرنی پڑتی ہے۔ تو ایسے لوگوں میں پروفیشنلزم نہیں ہے...... ہم سب کو سب کی عزت کرنا چاہیے۔ کوئی ہمارے پروگرام میں آتا ہے ہمارے لیے اعزاز کی بات ہے اور کسی کو ہم اپنے مقبول پروگرام میں بلاتے ہیں یہ اس کے لیے اعزاز کی بات ہے۔"

"کتنے پروگرام آپ ایڈوانس میں کرتے ہیں اور کتنے پروگرام فوری فوری...... جیسے کوئی تہوار آ گیا...... یا کوئی موقع؟"

"جو مختلف تہواروں کے شوز ہوتے ہیں وہ ہم ایڈوانس میں ہی کر لیتے ہیں۔ خاص طور پر عید کے شوز تو ہم ایڈوانس میں ہی کرتے ہیں...... اور ویسے بھی ہم ایک ہفتہ ایڈوانس چل رہے ہوتے ہیں...... مثلاً فرض کریں کہ ہم پیر منگل اور بدھ کو پروگرام کے شوٹس کرتے ہیں۔ تو پیر کا پروگرام نیکسٹ پیر کو چل جاتا

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

ہے اور ان تینوں دنوں میں جو بہترین شو ہوتا ہے اسے ہم اسی ہفتے بھی چلا دیتے ہیں.....تو بہت زیادہ ایڈوانس میں کوئی شو نہیں ہوتا سوائے عید کے۔"

"بہت شکریہ محسن تمہارا ٹائم لیا۔"

☆☆☆

شامل خان

"جی.....کیا حال ہے آپ کا؟"

"الحمد للہ.....آپ ٹھیک ہیں۔"

"جی بالکل.....لڑکی پنجابن سے کیریئر کا آغاز کیا اور پھر آگے ہی بڑھتے چلے گئے.....کچھ یاد ہے کتنی فلمیں، کتنے ڈرامے کر چکے ہیں؟"

"جی.....آپ صحیح کہہ رہی ہیں، پہلی فلم کی کامیابی نے کامیابی کے دروازے کھولے اور ٹی وی ڈراموں سے آفر آئی.....اور اب تک میں ماشاء اللہ سے اتنے ڈرامے، ٹیلی فلم سوپ اور سیریلز کر چکا ہوں کہ مجھے خود بھی ان کی تعداد یاد نہیں ہے۔ ہاں البتہ فلمیں میں نے 20'18 کی ہوں گی۔"

"فلموں سے آپ نے فنی زندگی کی ابتداء کی آپ کے ٹیلنٹ کو دریافت کس نے کیا؟"

"مجھے یاد ہے کہ جب ہم اسلام آباد سے لاہور بسنت منانے جاتے تھے تو وہاں سید نور صاحب سے بھی اکثر ملاقات ہو جاتی تھی تو ایک بار مجھے انہوں نے کہا کہ تم فلموں میں کام کرو گے اور میں نے ہامی بھر لی، حالانکہ فلمیں تو دور کی بات مجھے تو اداکاری کا شوق ہی نہیں تھا.....خیر انہوں نے کہا کہ مجھے اپنی کچھ تصاویر بھیج دینا اور بس.....میں بھی پسند آ گیا، اور تصاویر بھی.....اور راستے ہموار ہوتے چلے گئے۔"

"اب فلموں میں نظر کیوں نہیں آتے؟"

"ان شاء اللہ نظر آؤں گا جلدی اور نہ نظر آنے کی وجہ یہ ہے کہ میں منتظر ہوں اچھے اسکرپٹ کا منفرد اور بہترین اسکرپٹ جب بھی ہاتھ آیا آپ کو بڑی اسکرین پہ ضرور نظر آؤں گا۔"

"آپ کیا چاہتے ہیں کہ اسکرپٹ کیسا ہو؟"

"کہانی جاندار ہو، میوزک لاجواب ہو، فنکار بے مثال ہوں اور گلوکاری کے لیے آواز بہترین ہو اور شاعری بھی عمدہ ہو۔ تو پھر کام کرنے کا مزہ آئے گا۔"

"ٹی وی اور فلم میں بہت کام کیا آپ نے، کبھی خود پروڈکشن اور ڈائریکشن میں آنے کا دل کیا یا فیوچر میں کوئی ارادہ ہے آپ کا؟"

"نہیں جی.....ابھی ایسا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ حالانکہ مجھے اس کام کا تجربہ بھی ہے۔ کیونکہ میں سید نور صاحب کا اسسٹنٹ بھی رہ چکا ہوں۔ ڈیڑھ سال میں نے کام کیا اور کافی کچھ سیکھا بھی مگر اس کے باوجود مجھے اداکاری کرنے میں مزہ آتا ہے۔"

"گڈ.....چلیں جی ان شاء اللہ پھر بات کریں گے۔"

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

واصفہ سہیل

آئینہ جانے ہیں

کامیاب

اداکارہ ماریہ واسطی (جی جی وہی پرانی ماریہ واسطی) جو آج بھی نوجوان فنکاروں کے ساتھ آرہی ہیں (جب کہ ان کی ساتھی فنکارائیں اب ماں یا بڑی بہن، بھابھی کے کرداروں میں آرہی ہیں) نے کہا ہے کہ "مجھے سیاست میں آنے کا کوئی شوق نہیں ہے۔ میں خود کو شوبز تک ہی محدود رکھوں گی (کیوں ماریہ؟)

ماریہ واسطی نے لاہور کی ایک تقریب میں بات چیت کرتے ہوئے مزید کہا "سیاست وہ کریں جو کر رہے ہیں، ویسے بھی میں سمجھتی ہوں کہ جس کام کا تجربہ نہ ہو تو اس کام میں ٹانگ نہیں اڑانا چاہیے (جی کیا کہا آپ نے؟ تجربہ۔ تو کیا اداکاری کا تجربہ تھا آپ کو؟) اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا الٹا نقصان ہوتا ہے۔ میں شوبز میں کامیاب جا رہی ہوں۔ اس لیے میں اپنی توجہ شوبز کی طرف ہی رکھوں گی۔ (ہمارا تو مشورہ ہے کہ آپ سیاست پر بھی توجہ دیں، کیوں کہ آپ اداکارہ ہیں)

اعزاز

شہزاد رائے کو گزشتہ دنوں یوم پاکستان کے موقع پر ستارۂ امتیاز سے نوازا گیا۔ شہزاد رائے نے اس اعزاز کو اپنے لیے فخر قرار دیتے ہوئے کہا کہ "میں ایسے بہت سے گم نام ہیروز کو جانتا ہوں جن کی کاوشوں کا عوامی سطح پر کبھی بھی اعتراف نہیں کیا گیا۔ لیکن وہ روزانہ کام کرتے ہیں اور ہمارے معاشرے کو بہتر بنانے میں اپنا کردار ادا کر رہے ہیں۔ میں ایسے لوگوں کے ــــ بے لوث عزم کے نام اپنا ستارۂ امتیاز کر رہا ہوں۔" (شہزاد رائے ہم آپ کے اس جذبے کی بہت زیادہ قدر کرتے ہیں لیکن کیا یہ سچ نہیں کہ آپ سے زیادہ بہتر کام کرنے والے بہت سے لوگوں کو نظر انداز کر کے آپ کو یہ اعزاز دیا گیا)

صلاحیت

کومل عزیز کا چہرہ ڈرامہ دیکھنے والوں کے لیے یقیناً جانا پہچانا ہے۔ کومل کو شوبز میں آئے زیادہ عرصہ نہیں ہوا ہے۔ لیکن ان کی پرفارمنس انہیں بہت جلد نمایاں مقام پر لے آئی ہے۔

کومل عزیز کا کہنا ہے کہ "میرے والدین میرے اس فیصلے سے ذرا بھی خوش نہیں تھے۔ میرے والدین نے میری تعلیم پر بڑی محنت کی تھی میں ایک ذہین لڑکی تھی، میں اسکالرشپ پر پڑھنے کے لیے امریکہ گئی تھی۔ میرے والدین نے میری ذہانت کو صحیح سمت دکھائی تھی۔ باقاعدہ اداکارہ بننے کا فیصلہ کر کے میں نے درست راستہ چھوڑ دیا تھا۔ (اچھا! اس کا احساس

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

خواتین ڈائجسٹ

جون 2018ء کے شمارے کی ایک جھلک

- "نسخہ ہائے وفا" نعیمہ ناز کا مکمل ناول،
- "مہر میراں" سمیرا حمید کا مکمل ناول،
- "یہ شادی نہیں ہو سکتی" امت العزیز شہزاد کا مکمل ناول،
- حیا بخاری، شازیہ جمال نیر، افشین نعیم، عندلیب زہرا اور فاخرہ رابعہ کے افسانے،
- "دشت جنوں" آمنہ ریاض کا ناول،
- لہلک کی ماہر "سیمرا" سے ملاقات،
- ڈراما سیریل "ماں صدقے" کی "طلعت زینب احمد" سے باتیں،
- رنگ عید اور آپ قارئین سے سروے،
- کرن کرن روشنی احادیث نبوی ﷺ کا سلسلہ،
- ہمارے نام اور دیگر مستقل سلسلے شامل ہیں،

خواتین ڈائجسٹ کا جون 2018 کا شمارہ آج ہی خرید لیں

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

ہے؟) ہمارے ملک میں شوبز کو کچھ اچھی نظر سے نہیں دیکھا جاتا ہے۔ میرا ارادہ ہے کہ میں اداکاری کے ساتھ ساتھ پڑھنے پڑھانے کا سلسلہ بھی جاری رکھوں گی۔ تاکہ ذہن کو تحریک ملتی رہے اور درس وتدریس سے رشتہ بالکل ہی نہ ٹوٹ جائے۔

اپنے کام کے بارے میں وہ کہتی ہیں کہ وہ بامقصد اور متاثر کن کردار کرنا چاہتی ہیں تاکہ اپنی فنکارانہ صلاحیتوں کا اظہار کرسکیں (تو اب تک جو کیا وہ کیا تھا کومل!)

کومل معاشرے میں انقلابی تبدیلیاں لانے کی خواہش مند ہیں اور ان کے خیال میں میڈیا ایک ایسا طاقت ور ذریعہ ہے جو اس سلسلے میں اہم کردار ادا کرسکتا ہے۔

بہتر لوگ

اٹھارہ سال شوبز میں گزار کر اب شادی کرنے والی اداکارہ عائشہ خان نے شادی کے بعد شوبز چھوڑنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔ عائشہ خان کا کہنا ہے کہ ''وہ جتنے سال بھی شوبز سے وابستہ رہیں انہیں بہت عزت، بہت پیار اور پذیرائی ملتی رہی جس کے لیے وہ سب کی ممنون ہیں اور نئی زندگی شروع کرتے ہوئے میں اپنے پیچھے انتہائی خوش گوار یادیں اور بہترین تجربات چھوڑے جارہی ہوں۔'' عائشہ خان نے مزید کہا کہ میڈیا انڈسٹری میں رہتے ہوئے ان کا واسطہ ہمیشہ بہترین لوگوں سے پڑا (آہم۔؟) عائشہ خان کا کہنا ہے کہ انہوں نے ہمیشہ اپنی نجی اور شوبز کی زندگی کو الگ رکھنے کی کوشش کی ہے اور آج بھی میں لوگوں سے کہوں گی (کن لوگوں سے؟) کہ لوگ ان مصلحتوں کو سمجھیں اور ان کی نجی زندگی میں جھانکنے کی کوشش نہ کریں۔'' (سن لیا آپ نے؟ جی جی آپ ......ادھر ادھر کیا دیکھ رہے ہیں جناب آپ!)

کچھ ادھر اُدھر سے

میڈیا میں بہت سے ایسے ہیں جن کو ہر خامی جمہوریت میں ہی نظر آتی ہے جن کا مطمع نظر کسی نہ کسی طرح مارشل لاء کا ظہور پذیر ہونا ہے۔ ہر شام ایسے اینکر جمہوریت کا نوحہ پڑھ کر ہی شاد کام ہوتے ہیں۔ میرا ذاتی تجربہ ہے کہ عوام کے حق حاکمیت کی کوئی دلیل ایسے تجزیہ کاروں کو متاثر نہیں کرسکتی۔

(عماد مسعود آب)

وفاق میں پیپلز پارٹی کی حکومت بنتے ہی بے نظیر ڈاکٹر فاروق ستار کے پاس چھوٹے ایشو کو بڑا بنانے اور بڑے ایشو کو چھوٹا بنانے کا فن بھی ہے۔ وہ اشعار کا بھی بڑا خوب صورت سہارا لیتے ہیں۔ ان کے اندر تمام صلاحیتیں ہیں لیکن سیاسی گراؤنڈ کے حقائق کچھ اور ہیں۔

(خورشید عباسی، اخبار جہاں)

راؤ انوار کے ساتھ عدالت میں بہت رعایتی قسم کا سلوک تھا۔ اس کی بھی جس طرح کی دبنگ انٹری ہوئی ہے جس گیٹ سے اسے لایا گیا پولیس کی اتنی زیادہ پروٹیکشن تھی وہ بھی غیر معمولی ہے۔ وہ جب عدالت میں آیا تو، چیف جسٹس نے کہا کہ شکر الحمدللہ''

(عبدالقیوم صدیقی، بولتا پاکستان)

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

امۃ الصبور

تاریخ کے جھروکوں سے

حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی

قوم ثمود کے لوگوں نے خود حضرت صالح علیہ السلام سے یہ فرمائش کی تھی کہ انہیں کوئی معجزہ دکھایا جائے اور ان کا مطالبہ یہ تھا کہ اس متعین چٹان سے ایک اونٹنی برآمد ہو اور یہ مقام حجر کی جانب ایک ہی چٹان تھی جس کا نام ''الکاتبہ'' تھا انہوں نے یہ بھی مطالبہ کیا کہ وہ اونٹنی دس ماہ کی گابھن ہو اور دودھ بھی دیتی ہو۔

حضرت صالح علیہ السلام نے ان سے عہد لیا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے ان کی درخواست قبول فرمالی اور ان کی فرمائش پوری کردی گئی تو وہ ضرور ان پر ایمان لے آئیں گے اور ان کی اتباع کریں گے۔

جب یہ عہد ہو چکا تو حضرت صالح علیہ السلام دعا کے لیے اٹھے اور بارگاہ رب العزت میں دعا فرمائی۔ چنانچہ اس چٹان میں اچانک حرکت ہوئی وہ پھٹی اور ایک اونٹنی اس کے اندر سے نکلی، جس کا پیٹ بڑا تھا۔ بال بہت زیادہ تھے اور ان کی فرمائش کے مطابق اس کا بچہ اس کے پہلو میں حرکت کر رہا تھا۔

یہ معجزہ دیکھ کر ان کفار کا سردار جندع بن عمرو اور اس کے ماتحت لوگ ایمان لے آئے۔

دوسرے اشراف ثمود نے بھی ایمان لانے کا ارادہ کیا، لیکن ذؤاب بن عمرو بن لبید اور حباب (جو ان کے بتوں کا پجاری تھا) اور رباب بن صمعر بن جلکیس نے ان کو روک دیا، جندع بن عمرو کا چچا زاد شہاب بن خلیفہ بن محلاۃ بن لبید بن حراس، جو اشراف ثمود میں سے تھا اس نے بھی ایمان لانے کا ارادہ کرلیا تھا، لیکن وہ بھی لوگوں کے کہنے میں آگیا۔

اس اونٹنی نے بچہ دیا اور وہ ایک عرصہ تک اس قوم کے درمیان رہی، ایک کنوئیں سے ایک دن وہ پانی پیتی تھی اور ایک دن ان کے لیے چھوڑ دیتی تھی اور وہ لوگ اس کے پینے کے دن اونٹنی کا دودھ دوھ کر پیتے تھے، اور جس قدر چاہتے اس دودھ سے اپنے برتن بھر لیتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

''پانی پینے کے لیے ایک دن اونٹنی کا ہے
اور ایک مقررہ دن تمہارا ہے۔''

جب وہ اونٹنی چرنے کے لیے جنگل میں جاتی تو ایک راستے سے جاتی اور دوسرے سے واپس آتی تاکہ آنے جانے والوں کو سہولت رہے، کیونکہ وہ پانی پی کر خوب موٹی تازہ ہوجاتی۔ وہ اونٹنی بناوٹ کے اعتبار سے بارعب اور خوش منظر تھی، جب قوم کے جانوروں میں گزرتی تو وہ جانور ڈر کر بھاگ جاتے۔

ایک عرصہ اسی حالت میں گزرا اور قوم کی سرکشی انتہا کو پہنچ گئی، وہ ایمان نہیں لائے حتیٰ کہ لوگوں نے اس اونٹنی کو قتل کردینے کا منصوبہ بنایا، تاکہ ہر روز پانی کا حق صرف ان ہی کو حاصل ہوجائے، چنانچہ سب نے اونٹنی کے قتل کردینے پر اتفاق رائے کرلیا۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ ''جس شخص نے اس کو قتل کیا تھا۔ سب کے سب اس کے پاس گئے حتیٰ کہ عورتیں بھی اور بچے بھی سب نے کہا کہ ہم اس کے قتل پر راضی ہیں۔''

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

بعضوں نے اس اونٹنی کے قتل کا سبب یہ بیان کیا ہے کہ ''عنیزہ'' نام کی ایک عورت تھی۔ اس کی کنیت ام عثمان تھی۔ وہ بڑھیا کافرہ تھی۔ حضرت صالح علیہ السلام سے اس کو سخت عداوت تھی۔ اس کی خوبصورت لڑکیاں تھیں۔ وہ بڑی مال دار تھی۔ اس کا شوہر ذواب بن عمرو رؤسائے ثمود میں سے تھا۔

اسی طرح ایک دوسری عورت ''صدقہ بنت المحیا بن زہیر بن المختار'' نامی تھی وہ بھی بڑے حسب ونسب اور حسن وجمال کی مالک تھی۔ یہ ایک مومن شخص کی بیوی تھی، جس نے اس کو چھوڑ دیا تھا۔ ان دونوں عورتوں نے اس اونٹنی کو قتل کر دینے کا عہد کر رکھا تھا۔

چنانچہ ''صدقہ'' نے ''حباب'' نامی شخص کو آمادہ کیا کہ اگر تم اس اونٹنی کو قتل کرو گے تو میں تمہاری ہو جاؤں گی۔''

اس نے انکار کیا، پھر اس نے اپنے چچا بھائی، مصدع بن محرج بن المحیا'' سے کہا تو اس نے ہامی بھر لی۔

دوسری طرف ''عنیزہ بنت غنم'' نے قدار بن سالف بن جذع کو بلایا، وہ سرخ نیلا اور پست قد آدمی تھا۔ لوگ اس کو ولد الزنا سمجھتے تھے، لوگوں کا خیال تھا کہ یہ ''سالف'' کا بیٹا نہیں ہے جس کی طرف اس کو منسوب کیا جاتا ہے یہ درحقیقت ''ضیان'' نامی آدمی کا بیٹا تھا، حالانکہ اس کی ماں اس وقت ''سالف'' کی بیوی تھی۔

اس عورت نے قدار بن سالف سے کہا کہ ''تو اس اونٹنی کے قتل کے بدلے میری جو لڑکی بھی چاہے، گا میں تجھے دوں گی۔''

چنانچہ قدار بن سالف اور مصدع بن محرج نے قوم ثمود کے غنڈوں سے ساز باز کر لی اور سات آدمی اس کے ساتھ ہو گئے، اس طرح یہ سب مل کر نو فراد ہو گئے۔

یہ اپنی قوم کے سرغنہ تھے۔ ان لوگوں نے کافر قبیلہ کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا۔ پھر یہ سب کے سب چلے اور اونٹنی کا انتظار کرنے لگے۔ جب وہ اونٹنی پانی پی کر واپس چلی تو قدار بن سالف اس کی راہ میں ایک چٹان کے پیچھے گھات لگائے بیٹھا تھا اور مصدع دوسری چٹان کے پیچھے تھا، اونٹنی مصدع کے پاس سے گزری، اس نے ایک تیر مارا، جو اس کی پنڈلی کو لگا۔

ادھر سے غنم کی بیٹی ''عنیزہ'' نکلی اور اپنی سب سے خوبرو بیٹی کو لے آئی اور قدار اور اس کی جماعت کے سامنے اس کے غیر معمولی حسن کا مظاہرہ کیا۔

قدار اس کے حسن سے متاثر ہو کر تلوار لے کر اٹھا اور اس اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں۔ وہ زمین پر گر پڑی اور اس نے اپنے بچہ کو دیکھ کر ایک چیخ ماری، جیسے وہ اس کو بھاگنے کا کہہ رہی ہو۔ پھر قدار نے اس کے سینہ پر نیزہ مارا، پھر اس کا گلا کاٹ دیا۔ اس کا بچہ ایک پہاڑ کی طرف بھاگ گیا اور اس نے چوٹی پر چڑھ کر ایک چیخ ماری۔

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں، اس بچہ نے یہ کہا۔

''اے میرے رب! میری ماں کہاں ہے؟''

کہا جاتا ہے کہ اس نے تین مرتبہ چیخ ماری پھر ایک چٹان کے اندر جا کر غائب ہو گیا۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ ان لوگوں نے اس کا پیچھا کر کے اسے بھی مار ڈالا۔

اور حضرت صالح علیہ السلام کو جب اونٹنی کے قتل کی خبر ملی تو وہ آئے۔ لوگوں کا ایک مجمع تھا۔ آپ علیہ السلام اونٹنی کو دیکھ کر رونے لگے، اور فرمایا۔

''تم تین دن اور مزے کر لو۔''

اس اونٹنی کے قتل کا واقعہ بدھ کے دن ہوا۔ جب شام ہو گئی تو ان نو آدمیوں نے حضرت صالح علیہ السلام کو بھی قتل کرنے کا عزم کر لیا اور کہنے لگے۔

''اگر یہ سچا ہے تو کیوں نہ ہم اس کو اپنے سے پہلے پہنچا دیں اور اگر یہ جھوٹا ہے تو پھر اس کو اس کی اونٹنی کے پاس ہی کیوں نہ بھیج دیں۔''

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

"جن لوگوں نے صالح علیہ السلام کی اونٹنی کو قتل کر دیا تھا۔ انہوں نے کہا کہ ہم حضرت صالح علیہ السلام اور ان کے پیروکاروں پر شب خون ماریں گے اور ان کو بھی قتل کر دیں گے، پھر ہم صالح علیہ السلام کے ورثاء سے کہہ دیں گے کہ ہمیں اس کا کچھ پتا نہیں۔ ہم اس وقت وہاں موجود ہی نہیں تھے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان سب کو تباہ کر دیا۔"

جمعرات کا دن مہلت کا پہلا دن تھا۔ اس روز قوم کے چہرے زرد پڑے ہوئے تھے۔ دوسرے دن جمعہ کو ان کے چہرے سرخ پڑ گئے اور مہلت کا تیسرا دن ہفتہ کا تھا۔ اس روز سب کے چہرے سیاہ ہو گئے۔ جب اتوار کا دن آیا تو یہ لوگ خوشبو لگا کر بیٹھے عذاب الٰہی کا انتظار کرنے لگے۔ انہیں کچھ خبر نہ تھی کہ ان کے ساتھ کیا ہونے والا ہے اور عذاب کے آنے کی کیا صورت ہو گی؟ سورج طلوع ہوا اور آسمان سے ایک زوردار چیخ آئی، ان کے پاؤں تلے ایک سخت زلزلہ آیا سب کی جانیں نکل گئیں اور یک لخت سب مر گئے۔ اس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

"سب لوگ اپنے اپنے گھروں میں اوندھے کے اوندھے پڑے رہ گئے اور محض لاشیں بن کر رہ گئے۔"

چھوٹا بڑا، مرد عورت کوئی بھی نہ بچا۔ صرف ایک عورت بچ گئی۔ جس کا نام "کلیبہ بنت السلق" تھا اس کو "الدرلعیہ" بھی کہا جاتا تھا۔ یہ بڑی کافرہ تھی اور حضرت صالح علیہ السلام کی سخت دشمن تھی، جب اس نے عذاب کو دیکھا تو وہ خوب تیز دوڑی اور ایک قبیلہ کے پاس پہنچی، ان کو آنکھوں دیکھا حال بتایا اور ساری قوم جس تباہی سے دوچار ہوئی اس کا ذکر کیا۔ پھر اس نے قبیلہ سے پینے کے لیے پانی مانگا، اور پانی پیتے ہی مر گئی۔

قوم ثمود میں سے حضرت صالح علیہ السلام اور ان کے پیروکاروں کے سوا اور کوئی نہ بچ سکا۔ اس قوم کا ایک آدمی "ابو رغال" تھا جو عذاب کے وقت حرم میں تھا۔ وہ محفوظ رہا، لیکن جب وہ کسی ضرورت سے حرم سے باہر نکلا تو آسمان سے اس پر ایک پتھر گرا اور وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔ کہتے ہیں کہ یہ ابو رغال طائف کے رہنے والے قبیلہ ثقیف کا جد اعلا تھا۔ سب لوگوں کو اس کفر و سرکشی میں شمار کرنے کی چند وجوہ ہیں۔

ایک وجہ تو یہ ہے کہ جس اونٹنی کو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے ایک معجزہ بنایا تھا۔ اس کو قتل کرنے سے ان کو سختی سے منع کیا گیا تھا، مگر انہوں نے اس کی حکم عدولی کر کے اللہ و رسول علیہ السلام کی مخالفت کر دی۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ انہوں نے عذاب کے وقوع میں جلد بازی کا مظاہرہ کیا۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اس رسول کو جھٹلایا جس نے اپنی نبوت اور صداقت کے ثبوت کے لیے قطعی دلیل پیش کی تھی، اور ان کو بھی اس کا بخوبی علم تھا، لیکن انہوں نے پھر بھی کفر کیا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ہمراہ تبوک میں فرد کش ہوئے، یہاں ایک حجر نامی مقام تھا اور یہاں ثمود کی بستی تھی۔ ان کنوؤں سے پانی نکالنے لگے جس سے قوم ثمود پانی پیتے تھے۔ پانی نکال کر اس سے آٹا گوندھا اور اسے ہنڈیوں میں ڈالا تو نبی کریم ﷺ نے حکم دیا کہ یہ ہنڈیاں گرا دی جائیں اور گوندھا ہوا آٹا اونٹوں کو کھلا دیا جائے۔ پھر آپ ﷺ ان کو لے کر روانہ ہوئے۔ اور ایک دوسرے کنوئیں پر جا کر اترے، جس سے وہ اونٹنی پانی پیا کرتی تھی۔

آپ ﷺ نے ان کو عذاب کی اس سرزمین پر ٹھہرنے سے منع فرمایا۔

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

موسم کے پکوان

خالدہ جیلانی

کسٹرڈ کیک

اجزا:۔

کسٹرڈ کے لیے۔

دودھ	ایک کلو
چینی	ایک کپ
کسٹرڈ پاؤڈر	دو کھانے کے چمچے
کریم	آدھا کپ

سجانے کے لیے۔

مکھن	دو سو گرام
اسٹرابری جیلی	ایک پیکٹ
بنانا جیلی	ایک پیکٹ
بسکٹ	دو پیکٹ
کریم	آدھا کپ

ترکیب:۔

سب سے پہلے ایک پین میں ڈیڑھ کپ پانی گرم کرکے اس میں اسٹرابری جیلی ڈال کر اچھی طرح ملائیں، حل ہوجانے پر ایک پیالے میں نکال کر جمالیں۔ اسی طرح بنانا جیلی بھی بنالیں۔ دونوں جیلیز کو فریزر میں ٹھنڈا ہونے کے لیے رکھ دیں۔

ایک کپ ٹھنڈے دودھ میں اپنی پسند کے فلیور کا کسٹرڈ ملالیں۔ باقی بچے ہوئے دودھ کو ابال لیں۔ پھر آنچ ہلکی کرکے اس میں چینی ملادیں جب چینی اچھی طرح گھل جائے تو اس میں اگر چاہیں تو کریم ملادیں۔ اب اس میں کسٹرڈ کو تھوڑا تھوڑا کرکے شامل کریں اور ساتھ ساتھ چمچے سے چلاتے رہیں۔ جب آمیزہ گاڑھا ہوجائے تو چولہا بند کردیں اور ٹھنڈا ہونے کے لیے رکھ دیں۔

اب بسکٹ کا چورا کرکے اس میں مکھن ڈال کر اچھے طریقے سے ملالیں کہ دونوں چیزیں یکجان ہوجائیں۔

اب کسی سانچے میں پہلے مکھن کی ہلکی سی تہ لگائیں اور پھر مکھن اور بسکٹ کا آمیزہ اس میں جمادیں۔ اس کے بعد اس میں کسٹرڈ ڈالیں پھر جیلی اور کریم سے سجاوٹ کرکے فریج میں رکھ دیں، ٹھنڈا ہونے پر پیش کریں۔

گلاب جامن

اجزا:۔

خشک دودھ	ایک پیالی
انڈا	ایک عدد
چینی	ایک کھانے کا چمچ
بیکنگ پاؤڈر	ایک چائے کا چمچ
میدہ	ایک کھانے کا چمچ
گھی تلنے کے لیے	دو کھانے کے چمچ

شیرے کے لیے۔

چینی	آدھا کلو
پانی	دو پیالی
پسی ہوئی الائچی	آدھا چائے کا چمچ

چاندی کے ورق، بادام اور پستے سجانے کے لیے

ترکیب:۔

ایک پیالے میں گلاب جامن کے تمام اجزا ملا کر گوندھ لیں اور اس کی چھوٹی چھوٹی گولیاں بنالیں۔ کڑاہی میں گھی گرم کرکے اس میں گلاب جامن سنہری رنگ ہونے تک تلیں۔ آنچ بہت دھیمی کردیں۔

دیگچی میں شیرے کے اجزا ڈال کر گاڑھا شیرہ تیار کریں اور چولہا بند کرکے تلی ہوئی گلاب جامن شیرے میں ڈال کر تیس منٹ کے لیے چھوڑ دیں۔ جب گلاب جامن شیرہ جذب کرلیں تو ڈش میں

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

نکال لیں۔ انہیں چاندی کے ورق، بادام ... سے سجا کر پیش کریں۔

رس گلے

اجزا:۔

دودھ	ایک کلو
لیموں کا رس	دو کھانے کے چمچ
میدہ	دو کھانے کے چمچ
چینی	دو کپ
پانی	تین کپ

ترکیب:۔

دودھ کو گرم کرلیں، جب ابال آنے لگے تو لیموں کا رس ڈال کر ملالیں۔ پانچ منٹ پکنے دیں کہ دودھ اچھی طرح پھٹ جائے۔ اسے دس منٹ ٹھنڈا ہونے دیں۔ اس دوران چینی اور پانی کسی برتن میں ڈال کر پکا کر شیرہ تیار کرلیں۔

اب پھٹے دودھ کو ململ کے کپڑے میں ڈال کر اوپر پانی ڈالیں کہ لیموں کا کھٹا پن نکل جائے اور پھر اچھی طرح نچوڑ لیں۔

اب اسے کسی برتن میں ڈال کر اس میں میدہ ملا کر ہاتھ سے سات آٹھ منٹ مسلیں۔ اب چھوٹے بالز بنائیں، بالز میں کوئی کریک نہ ہو ورنہ رس گلے پھٹ جائیں گے اور ان کو شیرے میں ڈال کر ڈھک کر دس منٹ تیز آنچ پر پکائیں اور پھر پانچ منٹ ہلکی آنچ پر پکنے دیں۔ شیرے سے نکال کر ٹھنڈا کر کے پیش کریں۔

رس ملائی

اجزا:۔

خشک دودھ	ایک کپ
انڈا	ایک عدد
گھی	ایک چمچہ
بیکنگ پاؤڈر	ایک چمچہ
دودھ	ایک کلو
چینی	ایک کپ
پستہ، بادام	سجاوٹ کے لیے

ترکیب:۔

خشک دودھ، انڈا، بیکنگ پاؤڈر اور گھی کو ایک بڑے پیالے میں ڈال کر اچھی طرح ملالیں۔ جب آمیزہ اچھی طرح یکجان ہوجائے تو اس کی چھوٹی چھوٹی گولیاں بنالیں۔ اب ایک پتیلی میں دودھ ابال لیں اور اس میں چینی بھی شامل کردیں۔ دودھ کو دس سے پندرہ منٹ تک پکا کر قدرے گاڑھا کرلیں، اس کے بعد ان گولیوں کو دودھ میں شامل کرلیں اور مزید پانچ منٹ تک پکائیں۔ پیالے میں نکال کر ٹھنڈا کریں اور پستہ، بادام سے سجا کر پیش کریں۔

حیدرآبادی بریانی

اشیاء:

گوشت	ایک کلو
لہسن	ایک کھانے کا چمچ
ثابت دھنیا	دو کھانے کے چمچے (بھون کر پیس لیں)
ادرک	ایک کھانے کا چمچ
ہری مرچیں (پیس لیں)	تین یا چار عدد
زعفران	چند ریشے
دودھ	تین کھانے کے چمچے
گھی	ایک کپ
چاول	تین کپ
دہی	ڈیڑھ کپ
لال مرچ پاؤڈر	دو چائے کے چمچے
لیموں کا رس	دو کھانے کے چمچے
پیاز (باریک کاٹ لیں)	دو عدد (بڑی)
تیل	دو کھانے کے چمچے
جائفل پاؤڈر	آدھا چائے کا چمچہ
دار چینی (پیس لیں)	آدھا انچ کا ٹکڑا
الائچی (پیس لیں)	دو عدد
ثابت گرم مسالا	حسب ضرورت

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

نمک	حسب ذائقہ
دار چینی	ایک انچ کا ٹکڑا
لونگ	تین یا چار عدد
ثابت زیرہ	ایک چائے کا چمچ
الائچی (چھوٹی)	دو یا تین عدد

ترکیب:

چاولوں کو صاف کر کے دھولیں اور پندرہ منٹ کے لیے بھگو دیں۔ اس کے بعد چاولوں کو چھان کر ایک طرف رکھ دیں۔ پسا ہوا لہسن، ادرک، دھنیا، ہری مرچیں، دہی، لال مرچ پاؤڈر، لیموں کا رس،

جائفل پاؤڈر، دار چینی، نمک اور الائچی مکس کر کے آمیزہ تیار کر لیں۔ گوشت کو اس آمیزے میں شامل کر کے اچھی طرح مکس کر کے۔ دو گھنٹے تک میرینیٹ ہونے کے لیے رکھ دیں۔ ایک دیگچی میں گھی گرم کر کے اس میں پیاز ڈال کر سنہری کریں۔ اس کے بعد اس میں گوشت ڈال کر تیز آنچ پر سات یا آٹھ منٹ تک پکائیں۔

دار چینی، الائچی، زیرہ اور لونگ کو ہلکا سا بھون کر پیس لیں۔ اس کو گوشت میں شامل کر کے آنچ ہلکی کر دیں اور ڈھکن ڈھک کر اتنی دیر تک پکائیں کہ گوشت گل جائے۔ چاولوں میں پانی، ثابت گرم مسالا اور نمک ڈال کر ایک کنی رہنے تک ابال لیں اس کے بعد چاولوں کو چھان لیں اور گرم مسالا نکال لیں۔ ایک بڑے پتیلے میں چاولوں کی آدھی مقدار کی تہ بچھا دیں اور اچھی طرح ڈھانپ کر دم پر رکھ دیں۔ اس پر گوشت گریوی سمیت ڈال کر چاولوں کی بقیہ مقدار ڈال کر تہ بچھا دیں۔ چاول پک جائیں تو چولہا بند کر دیں۔ مزے دار حیدر آبادی بریانی تیار ہے سرونگ ڈش میں نکال کر رائتہ کے ساتھ سرو کریں۔

شیر خرما

اجزا:۔

دودھ	ایک لیٹر
سویاں	آدھا کپ
ناریل، بادام پستے	حسب پسند
چھوہارے	پانچ عدد
چھوٹی الائچی	دو عدد
چینی	حسب پسند
گھی	تین سے چار چمچے

ترکیب:

پتیلی میں گھی گرم کر کے الائچی کڑکڑائیں اور اس میں سویاں ڈال کر بھون لیں۔ پھر بادام، پستے، چھوہارے اور ناریل ڈال دیں۔

اس کے بعد اس میں دودھ اور چینی ڈال کر پکائیں۔ ابال آنے تک چمچہ چلاتی رہیں۔ درمیانی آنچ پر پکائیں۔ سویاں نرم ہو جائیں تو اتار لیں۔ مزے دار شیر خرما تیار ہے۔

بیوٹی بکس کا تیار کردہ

Herbal

سوہنی شیمپو

SOHNI SHAMPOO

اس کے استعمال سے چند دنوں میں خشکی ختم
کرتے ہوئے بالوں کو روکتا ہے
بالوں کو مضبوط اور چمکدار بناتا ہے

قیمت -/120 روپے

رجسٹری سے منگوانے پر اور منی آرڈر سے منگوانے والے

دو بوتلیں -/300 روپے تین بوتلیں -/400 روپے

اس میں ڈاک خرچ اور پیکنگ چارجز شامل ہیں۔

بذریعہ ڈاک سے منگوانے کا پتہ

بیوٹی بکس 53 اورنگزیب مارکیٹ، ایم اے جناح روڈ، کراچی۔

دستی خریدنے کے لیے:

مکتبہ عمران ڈائجسٹ 37، اردو بازار کراچی۔ فون نمبر 32216361

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

ادارہ

[illegible]

یوں تو سانولی رنگت میں زیادہ خوب صورتی اور کشش ہوتی ہے۔ لیکن پھر بھی اگر آپ گوری یا صاف ستھری رنگت کی خواہش مند ہیں تو گھریلو نسخہ جات اپنی جلد پر آزمائیں۔ یہ بے ضرر ہوتے ہیں۔

چند گھریلو نسخہ جات پیش ہیں ان میں سے کسی نسخہ پر باقاعدگی سے عمل کریں۔ یہ قدرتی چیزیں ہیں جو عموماً ہمارے گھر میں موجود ہوتی ہیں جن کو استعمال کر کے آپ اپنی جلد کی رنگت گوری کر سکتی ہیں۔

☆ بیسن میں تھوڑا سا کچا دودھ اور لیموں کا رس ملا کر اس سے چہرے کو دھوئیں اس عمل سے بھی سانولی رنگت گوری ہو جاتی ہے۔

☆ ایک چائے کا چمچہ خشک دودھ، ایک چائے کا چمچہ لیموں کا رس، آدھا چائے کا چمچہ شہد اور آدھا چائے کا چمچہ بادام کا تیل ملا کر پیسٹ بنالیں اور چہرے پر لگا کر دس سے پندرہ منٹ کے لیے چھوڑ دیں۔ بعد میں ٹھنڈے پانی سے چہرہ دھولیں۔

☆ بادام کے چند دانے پانی میں ساری رات بھیگنے دیں۔ صبح چھلکے اتار کر اسے پچل لیں۔ اب اس میں تھوڑا سا شہد ملا کر چہرے پر رگڑیں اور یہ عمل بیس منٹ تک کریں۔ رنگت نکھر جائے گی۔

☆ آلو کے سلائس کو چہرے پر رگڑا جائے تو اس سے جلد پر موجود بلیک ہیڈز ختم ہو جاتے ہیں اور چہرے پر اگر کوئی واضح داغ ہو تو وہ بھی آہستہ آہستہ ختم ہو جاتا ہے۔

☆ جئی کے دلیے میں دہی اور ٹماٹر کا رس ملا کر پیسٹ بنالیں اور چہرے پر خشک ہونے تک لگائیں۔ رنگت نکھر جائے گی۔

☆ باریک کٹا ہوا ٹماٹر دو سے تین چمچے لے کر اس میں پانچ چھ قطرے لیموں کا رس ملائیں اور چہرے پر لگائیں۔ اس سے بھی جلد۔ کی رنگت نکھر جاتی ہے۔ یہ ماسک چکنی جلد کے حامل افراد کے لیے بہترین ہے۔

☆ بادام بغیر چھلکے کسی مٹی کے کھردرے برتن پر رگڑیں اور ان میں تھوڑی سی بالائی ملا کر چہرے پر ملیں اور ایک گھنٹے بعد کسی اچھے صابن سے منہ دھوئیں۔ اس سے جھائیاں بھی دور ہو جاتی ہیں۔

☆ زیتون کے خالص تیل میں چند قطرے لیموں کا رس ملا کر چہرے پر مساج کرنے اور رات کو سونے سے پہلے دودھ میں زیتون کا تیل ڈال کر پینے سے رنگ نکھرتا ہے۔

☆ انڈے کی سفیدی ایک چمچہ، لیموں کا رس ایک چمچہ، روغن بادام چند قطرے ان سب کو خوب اچھی طرح ملائیں اور اسے چہرے پر ملیں، خشک ہونے پر نیم گرم پانی سے منہ دھولیں رنگت نکھر جائے گی۔

☆ زیتون کا تیل، بادام کا تیل اور گلیسرین تینوں کو ہم وزن لے کر رات کو سوتے وقت روزانہ چہرے پر مالش کرنے سے چہرے کی رنگت کچھ دن کے استعمال سے صاف ہوتی ہے اور رنگ بھی نکھرتا ہے۔

☆ روغن بادام میں شہد ملا کر چہرے پر لگانے سے خشک اور بے رونق جلد تروتازہ ہو جاتی ہے۔ اس محلول کو چہرے پر لگا کر بیس منٹ کے بعد چہرہ دھولیں۔

☆ پسی ہوئی ماش کی دال میں تھوڑا سا روغن بادام یا روغن زیتون پانی ملا کر چہرے پر ملنے سے بھی چہرہ نکھر جاتا ہے یعنی چہرے کی جلد نکھر جاتی ہے۔

☆ ایک انڈا لیں اور اسے پھینٹ لیں، تھوڑا سا دودھ اور تھوڑا سا خالص شہد لے کر ان تینوں کو ملا کر آمیزہ تیار کر لیں۔ اسے صبح و شام چہرے پر ملیں اور آدھے گھنٹے کے بعد چہرے کو دھولیں۔ صرف دو ہفتے میں چہرے کی رنگت نکھر جائے گی۔

☆ بادام، ہلدی اور چاول پیس کر ان میں تھوڑا سا دودھ شامل کر لیں پھر اس آمیزے کو چہرے پر لگائیں۔ چند دنوں میں ہی واضح فرق محسوس کریں گی۔

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com